حکمتِ ماجدی
از
تفسیر ماجدی

مولانا، ڈاکٹر، مختار احمد اصلاحی عفااللہ عنہ

حکمتِ ماجدی

از

تفسیر ماجدی

مولانا، ڈاکٹر، مختار احمد اصلاحی عفا اللہ عنہ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

تفصیلات

نام کتاب	:	حکمتِ ماجدی از تفسیر ماجدی
تالیف	:	مولانا، ڈاکٹر، مختار احمد اصلاحی
	:	(بی، یو، ایم، ایم، ایس، علیگ)
پہلا ایڈیشن	:	تین سو (۳۰۰)
کمپوزنگ	:	شعبۂ نشر و اشاعت ''مجلس دعوۃ القرآن''
صفحات	:	چار سو پندرہ (۴۱۵)
ہدیہ	:	دو سو پچاس (۲۵۰) روپے
سن اشاعت	:	اپریل، ۲۰۱۴ء
طباعت	:	آزاد پرنٹنگ پریس، نذیر آباد، لکھنؤ

ناشر

مجلس دعوۃ القرآن

قصبہ، جین پور، ضلع اعظم گڑھ (یوپی)

﴿فہرست مضامین﴾

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱	پیش لفظ،	۹
۲	سب سے زیادہ پر امید اور تسلی والی آیت،	۱۲
۳	بسم اللہ بہت قوت بخش کلمہ ہے،	۱۸
۴	حمد اور تعریف صرف اللہ ہی کیلئے ہے،	۲۰
۵	دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن مجید ہے،	۲۲
۶	قرآن سے استفادہ کیلئے دل کا تقویٰ شرط اولین ہے،	۲۳
۷	دین کا مغز اور ایمان کی روح عالم غیب کا عقیدہ ہے،	۲۶
۸	قرآن مجید سے کالجوں، یونیورسٹیوں کی تعلیم پر استدلال صحیح نہیں ہے،	۲۹
۹	مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی حسین تمنا،	۳۲
۱۰	دشمنوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں،	۳۳
۱۱	دین کا رنگ مسلمانوں پر پیوست ہو جانا چاہئے،	۳۵
۱۲	ملت اسلامیہ ساری دنیا کیلئے نمونہ ہے،	۳۷
۱۳	خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے،	۳۹
۱۴	اللہ سے تعلق ہی تسکین قلب کا ذریعہ ہے،	۴۱
۱۵	اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، تمام مصیبتوں کا علاج ہے،	۴۵
۱۶	اسلام کا تعلق پوری زندگی سے ہے،	۴۹
۱۷	اللہ کی نعمتوں کو بدل ڈالنا،	۵۲
۱۸	شراب کی بوتل پر زمزم کا لیبل لگانے سے شراب حلال نہیں ہوگی،	۵۳
۱۹	قیامت کے دن کتنی حسرت ہوگی،	۵۶
۲۰	قبر سے اٹھتے وقت سود خور کی حالت،	۵۹
۲۱	بغیر اتباع کے محبت کا دعویٰ عبث ہے،	۶۲
۲۲	امت مسلمہ کا امتیازی وصف،	۶۵
۲۳	ہندوؤں کا خیال خام،	۷۰
۲۴	اسلام کے منکروں اور باغیوں سے دوستی،	۷۱
۲۵	کافروں کا کوئی اچھا کام نیکیوں میں شمار نہیں ہوگا،	۷۴
۲۶	مسلمانوں کے عقیدۂ تقدیر پر ایک دشمن کی شہادت،	۷۶
۲۷	آخرت کے مقابلے میں دنیا کی کوئی حیثیت نہیں ہے،	۸۰

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۲۸	دنیا و آخرت میں فلاح و کامیابی کا جامع نسخہ،	۸۲
۲۹	یتیموں کے سرپرستوں کیلئے قرآنی ہدایت،	۸۴
۳۰	وہ گناہ جو متواتر کے حکم میں ہے،	۸۶
۳۱	شیطان کی چال کی کمزوری،	۸۷
۳۲	اس ملت کو نقصان بس مسلمانوں کی بدعملی ہی سے پہنچ سکتا ہے،	۹۱
۳۳	اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی میں یہود و نصاریٰ متحد ہیں،	۹۴
۳۴	اللہ کے باغیوں کو دوست رکھنے والے بے غیرت اور ظالم ہیں،	۹۶
۳۵	اسلام کی امتیازی خصوصیات میں اذان بھی ہے،	۹۷
۳۶	تحریم شراب کا حکم آتے ہی صحابہؓ پکار اٹھے،	۱۰۱
۳۷	سب سے کٹ کر اللہ کے ہو جایئے،	۱۰۳
۳۸	کتاب مبارک اور علامہ فخر الدین رازیؒ کا ایمان افروز قول،	۱۰۵
۳۹	کافروں سے حشر میں خطاب،	۱۰۷
۴۰	فواحش سے مراد،	۱۰۹
۴۱	اسلام ایک انقلاب آفریں نظریہ ہے،	۱۱۴
۴۲	وسوسۂ شیطانی سے تقویٰ میں کوئی نقصان نہیں ہوتا،	۱۱۸
۴۳	جرم اور مجرم سے مداہنت اور بے محل چشم پوشی جرم ہے،	۱۲۰
۴۴	مال بھی امتحان ہے اور اولاد بھی امتحان ہے،	۱۲۴
۴۵	متولی ہونے کیلئے اسلام کے ساتھ مرتبۂ تقویٰ بھی شرط ہے،	۱۳۰
۴۶	میدان جنگ میں ذکر الٰہی کی کثرت،	۱۳۲
۴۷	کافر کیلئے اندھیرا ہی اندھیرا ہے،	۱۳۳
۴۸	بداعمالیوں کا نتیجہ،	۱۳۴
۴۹	دشمنوں کو مرعوب کرنے کیلئے آلات حرب کی اہمیت،	۱۳۶
۵۰	قرآن و سنت کے خلاف ہر کسی قول کو ٹھکرا دیا جائے گا،	۱۳۸
۵۱	دنیا کی کوئی طاقت اسلام کو نقصان نہیں پہنچا سکتی،	۱۴۰
۵۲	قمری جنتری کا استعمال سنت ہے اور فرض علی الکفایہ ہے،	۱۴۳
۵۳	مسلمانوں کیلئے سب سے بڑا امید عمل اجر آخرت ہے،	۱۴۴
۵۴	کس قدر ڈرنے والی بات ہے،	۱۴۷
۵۵	مصلحت کی وجہ سے اسلام کے رجسٹر میں نام لکھوانے والے مسلمان،	۱۴۹
۵۶	مذہبی رواداری کا اسلام قائل نہیں ہے،	۱۵۲

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۵۷	اللہ سے معاہدۂ بیع وشراء کتنا وجد آفریں ہے،	۱۵۵
۵۸	ہر آبادی میں عالمِ باعمل کا ہونا ضروری ہے،	۱۵۹
۵۹	گمراہی کی چار منزلیں،	۱۶۱
۶۰	معصیت میں بھی اللہ کی یاد کا نہ آنا خطرناک علامت ہے،	۱۶۳
۶۱	جگہ دل لگانے کی دنیا نہیں ہے،	۱۶۶
۶۲	وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ،	۱۶۷
۶۳	مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا ایک حکیمانہ قول،	۱۷۰
۶۴	قرآن مجید کے چار اوصاف،	۱۷۱
۶۵	چندروزہ دنیاوی عیش کا نام فلاح نہیں ہے،	۱۷۳
۶۶	اللہ تعالیٰ بڑھاپے کے خراب اثرات سے محفوظ رکھے،	۱۷۵
۶۷	گھر کو اللہ تعالیٰ نے سکون کا ذریعہ بنایا ہے،	۱۷۸
۶۸	دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کا دوام،	۱۸۰
۶۹	مومنِ کامل پر شیطان غالب نہیں آسکتا،	۱۸۲
۷۰	القاب کی بھرمار،	۱۸۴
۷۱	غیر قوموں سے مسلمانوں کی پٹائی،	۱۸۷
۷۲	دنیا کی ترقی مقبولیت کی دلیل نہیں ہے،	۱۸۹
۷۳	محض تمنا سے کام نہیں چلتا، عمل بھی ضروری ہے،	۱۹۲
۷۴	مشرک دونوں عالم میں بے سہارا ہوتا ہے،	۱۹۴
۷۵	والدین کی خدمت اہم ترین واجبات میں ہے،	۱۹۷
۷۶	فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں،	۱۹۹
۷۷	کان، آنکھ اور دل کے متعلق سوال،	۲۰۱
۷۸	کفر و معصیت سے انسان ذلیل ہو جاتا ہے،	۲۰۳
۷۹	دنیا پرستوں کا ذوق فاسد، خواہ مشائخ ہوں یا عام لوگ،	۲۰۵
۸۰	مال اور اولاد کو آخرت کی زینت بنایا جائے،	۲۰۹
۸۱	اگر رفیق سفر من مانی کرے تو اس کو الگ کر دینا چاہئے،	۲۱۱
۸۲	جنھوں نے دنیا ہی کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا ہے،	۲۱۲
۸۳	جنت میں کسی طرح کی اکتاہٹ نہیں ہوگی،	۲۱۴
۸۴	دنیا کی ترقی کو معیارِ فضیلت سمجھنا ہی حماقت ہے،	۲۱۵
۸۵	اللہ کی معیت سے بڑھ کر تسلی بخش اور کیا چیز ہو سکتی ہے،	۲۱۷

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۸۶	آثار کفر وشرک کو مٹانا اوران کی توہین مستحب ہے،	۲۱۹
۸۷	دل کی تنگی کا مفہوم،	۲۲۱
۸۸	مال ودولت وہی قابل قدر ہے جو آخرت میں کام آئے،	۲۲۲
۸۹	دنیا کی کمائی مقصد نہیں ہے بلکہ مقصد دین واطاعت ہے،	۲۲۵
۹۰	قیامت قریب ہے اور انسان غافل ہے،	۲۲۷
۹۱	آخرت فراموشی،	۲۳۰
۹۲	جنت میں جو کچھ ہوگا جنتی کی مرضی سے ہوگا،	۲۳۱
۹۳	عقیدۂ آخرت کو رگ رگ میں سرایت کرنا چاہئے،	۲۳۳
۹۴	مصلحت پرست مسلمان،	۲۳۶
۹۵	حرم کی زمین پر تمام مسلمانوں کا حق برابر ہے،	۲۳۸
۹۶	اللہ اپنے دوستوں کی آواز ہر جگہ پہنچا سکتا ہے،	۲۳۹
۹۷	گلے میں ٹائی لٹکانا گویا بت لٹکانا ہے،	۲۴۱
۹۸	اسلامی حکومت کا ثمرہ،	۲۴۲
۹۹	اللہ کی صفت رزاقیت کا ثمرہ،	۲۴۴
۱۰۰	اللہ کے علاوہ کسی کی طرف نظر نہ جائے،	۲۴۵
۱۰۱	نماز کی پابندی اور ہر لایعنی بات سے پرہیز،	۲۴۸
۱۰۲	اگر سچے مسلمان نہ رہیں تو دنیا ختم ہو جائے،	۲۵۱
۱۰۳	سچے مسلمانوں کا مذاق اڑانے والوں کی عبرت ناک تصویر،	۲۵۳
۱۰۴	دنیا پرستوں کی حماقت،	۲۵۵
۱۰۵	آزادئ نسواں کا شیطانی حربہ،	۲۵۸
۱۰۶	پاک دامن عورتوں کی اہم صفت،	۲۶۰
۱۰۷	محض محبت کا دعویٰ کرنے سے کام نہیں چلے گا،	۲۶۲
۱۰۸	کافر اور بدکار عورت سے بھی پردہ،	۲۶۴
۱۰۹	ایک حسین ربانی دعاء،	۲۶۶
۱۱۰	کسی بزرگ کا محض دامن پکڑنے سے کام نہیں چلے گا،	۲۶۸
۱۱۱	آخرت سے غافل مسلمانوں کا حال زار،	۲۷۰
۱۱۲	عورتوں کو امیر اور سردار نہیں بنانا چاہئے،	۲۷۱
۱۱۳	اللہ سے اپنا معاملہ درست رکھنا ہی مسائل کا حل ہے،	۲۷۲
۱۱۴	ہدایت کا تعلق اللہ کی خشیت سے ہے،	۲۷۳

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱۱۵	عذابِ الٰہی کا ایک قانون،	۲۷۵
۱۱۶	دنیا کی لذتوں اور آخرت کی راحتوں میں کوئی مقابلہ نہیں،	۲۷۷
۱۱۷	قارونی ذہن وفکر آج بھی موجود ہے،	۲۷۹
۱۱۸	جس علم سے دنیا مقصود ہو وہ علم نہیں ہے،	۲۸۱
۱۱۹	اس آیت کا کتبہ اپنے کمرے میں لگا دینا چاہئے،	۲۸۳
۱۲۰	دورانِ ہجرت مقامِ جحفہ میں آیت تسلی کا نزول،	۲۸۵
۱۲۱	ابتلاء وآزمائش کی حکمت،	۲۸۸
۱۲۲	اللہ کے حکم کے مقابلے میں کسی کا حکم نہیں مانا جائے گا،	۲۹۳
۱۲۳	نماز بے اثر کیوں ہو جاتی ہے،	۲۹۶
۱۲۴	کفر ومعصیت ہی تو اصل جہنم ہے،	۲۹۹
۱۲۵	جہاں دین پر قائم رہنا مشکل ہو وہاں سے آج بھی ہجرت واجب ہے،	۳۰۰
۱۲۶	قیامت کے دن بڑے بڑے فلسفی بدحواس ہو جائیں گے،	۳۰۲
۱۲۷	سکون اسی کو ملتا ہے جو اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلے،	۳۰۳
۱۲۸	اللہ کی شانِ بے مثال،	۳۰۵
۱۲۹	قدیم جاہلیت کا ترقی یافتہ دور،	۳۰۷
۱۳۰	مرتے ہی اپنی بڑائی کا سب کا نشہ اتر جاتا ہے،	۳۱۰
۱۳۱	اللہ کے مخلص بندوں کے مقابلہ میں شیطان کا اعترافِ شکست،	۳۱۱
۱۳۲	بے عمل جاہل ہے خواہ علم کا کتنا بھی ذخیرہ اس کے پاس ہو،	۳۱۲
۱۳۳	کئی خداؤں کے غلام کا حالِ زار،	۳۱۶
۱۳۴	توحید کا مذاق اڑانے والے نام نہاد مسلمان،	۳۱۸
۱۳۵	مصیبت کے وقت بس اللہ ہی کی طرف متوجہ ہوں،	۳۲۰
۱۳۶	غافل نے اِدھر دیکھا عاقل نے اُدھر دیکھا،	۳۲۱
۱۳۷	موت کے وقت مومن کو بشارت،	۳۲۲
۱۳۸	موت کے وقت مومن کی بشاشت،	۳۲۴
۱۳۹	حسنِ عمل کی قرآنی تصویر،	۳۲۷
۱۴۰	اللہ کے نزدیک دنیا کتنی حقیر ہے،	۳۳۰
۱۴۱	قرآن، ذکر الٰہی اور صحبت کی اہمیت،	۳۳۴
۱۴۲	اللہ اکبر، بندۂ مومن کا کتنا اونچا مقام ہے،	۳۳۶
۱۴۳	زندگی کا مقصد محض کھانا پینا نہیں ہے،	۳۳۹

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱۴۴	اگر حق کی طلب نہ ہو تو صحبت کا بھی اثر نہیں ہوتا،	۳۴۵
۱۴۵	ایمان کے بعد گناہ کا نام ہی برا ہے،	۳۴۷
۱۴۶	ہر لفظ نوٹ ہو رہا ہے، کس قدر ڈرنے کی بات ہے،	۳۴۹
۱۴۷	دنیا ہی کو علم و تحقیق کا موضوع بنانے والے اندھے ہیں،	۳۵۲
۱۴۸	گناہوں سے جلد توبہ نہ کرنے سے توفیق چھن جاتی ہے،	۳۵۵
۱۴۹	لوہا نازل کرنے میں اللہ کی حکمت،	۳۵۷
۱۵۰	اِدھر اُدھر اپنے خیالات کو ڈانواڈول ہونے سے بچائیے،	۳۵۹
۱۵۱	مومنِ کامل اللہ کے دوستوں ہی سے دوستی رکھتا ہے،	۳۶۲
۱۵۲	دیکھتے رہنا چاہئے کہ کل کیلئے کیا بھیجا ہے،	۳۶۴
۱۵۳	جمعہ کا دن عیسائیوں کے یہاں منحوس سمجھا جاتا ہے،	۳۶۶
۱۵۴	خوش پوشی و خوش کلامی بزرگی کی دلیل نہیں ہے،	۳۶۷
۱۵۵	دشواریوں اور تنگیوں سے نکلنے کی کنجی تقویٰ الٰہی ہے،	۳۶۹
۱۵۶	جہنم سے بچنا اور بچانا سب سے اہم مسئلہ ہے،	۳۷۲
۱۵۷	بتوں کی شکلیں اور ان کے نام،	۳۷۵
۱۵۸	مکی دورِ جاہلیت کے مقابلے میں آج توحید کی آواز بلند کرنا آسان ہے،	۳۷۷
۱۵۹	دنیا کیلئے آخرت کو نظر انداز کر دینا حماقت ہے،	۳۸۱
۱۶۰	رات جیسی نعمت کا غلط استعمال،	۳۸۳
۱۶۱	دیدارِ الٰہی سے محرومی دوزخ سے بھی بڑھ کر دوزخ ہے،	۳۸۵
۱۶۲	کامیابی تو بس آخرت کی کامیابی ہے،	۳۸۷
۱۶۳	سورۃ الفجر کی آخری وجد آفریں چار آیتیں،	۳۸۹
۱۶۴	دل لگانے کی جگہ یہ دنیا نہیں ہے،	۳۹۳
۱۶۵	حضور اکرم ﷺ کا سب سے بڑا غم کیا تھا،	۳۹۷
۱۶۶	وقت کی اہمیت،	۳۹۹
۱۶۷	ایمان اور کفر کے درمیان کوئی مصالحت نہیں،	۴۰۱
۱۶۸	فتح و غلبہ کے موقع پر جشن کے بجائے حمد و تسبیح اور استغفار کی تعلیم،	۴۰۴
۱۶۹	دنیا کی معنرتوں سے بچنے کیلئے اللہ کی پناہ میں آجائیے،	۴۰۶
۱۷۰	ابلیسی اور انسانی شیطانوں سے اللہ کی پناہ میں آنا،	۴۰۸
۱۷۱	اعترافِ قصور اور امید مغفرت و رحمت،	۴۱۲

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

وَعَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ، اللہ ہی کیلئے حمد ہے اور اللہ ہی کیلئے شکر ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ ہی کا فضل و انعام اور اس کا لطف و کرم ہے کہ تفسیر ماجدی کے کچھ ایمان افروز اور انقلاب آفریں اقتباسات نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے یہ کام ہو رہا ہے، مجھ جیسے نااہل اور نالائق کے کمزور ہاتھوں سے بھی کوئی کام کرا دے تو یہ اس کی حکمت اور مشیت ہے، ہم کچھ نہیں ہیں جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہے۔ راقم الحروف کا ایک شعر ہے۔

ہے محبت ان کی دل میں تیرے اصلاحی اگر
ہے انہیں کا فضل یہ تیرا نہیں کوئی کمال

تفسیر ماجدی کے حواشی سے جو اقتباسات یہاں نقل کئے گئے ہیں وہ بہت ہی اہم ہیں، دل کی صفائی اور دل کے سکون کا قیمتی نسخہ ہیں، جن کو بار بار پڑھنا چاہئے، ان اقتباسات کے آئینے میں ہمارے چہرے پر جو داغ اور دھبے نظر آئیں، ان کو دور کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

میں نے ان آیتوں کو اس کتاب میں نقل نہیں کیا ہے، جن کے متعلق مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کے یہ حواشی ہیں ہر جگہ حاشیہ نمبر دے دیا گیا ہے، اس لئے جو لوگ قرآن حکیم کی ان آیتوں کو دیکھنا چاہیں اور تفصیل سے اس کا مطالعہ کرنا چاہیں وہ تفسیر ماجدی کی طرف رجوع کریں۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ ایک صاحب دل انسان تھے، اردو کے ساتھ انگریزی زبان پر بھی ان کو عبور حاصل تھا، انگریزی اور اردو زبان میں قرآن حکیم کی تفسیر ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند کرے، دنیا طلبی اور مادی ترقی کے سارے مواقع ان کیلئے موجود تھے لیکن دنیا ان کو اپنی طرف نہ کھینچ سکی، ان کی تحریروں کو پڑھ کر آخرت کا شوق بڑھنے لگتا ہے اور دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور مغربی تہذیب سے وحشت ہونے لگتی ہے، مولانا کا یہ خاص وصف تھا کہ دین کو نظر انداز کر کے وہ مادی ترقی کو پسند نہیں کرتے تھے۔

بقول اکبر الہ آبادی،

نہ نماز ہی نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہی نہ حج ہے
تو پھر اس کی کیا خوشی کہ کوئی جنٹ کوئی جج ہے

مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کے یہ دو شعر راقم الحروف کو اس قدر پسند ہیں کہ اکثر ورد زبان رہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ،

حکمت کا سبق چھوڑا، عزت کی طلب چھوڑی ☆ دنیا سے نظر پھیری تب جاکے تجھے پایا
جب وقت پڑا نازک اپنے ہوئے بیگانے ☆ ہاں کام اگر آیا تو نام ترا آیا

مولانا دریا آبادیؒ آخرت کے مراحل کے تصور سے ہمیشہ متفکر رہتے تھے۔

راقم الحروف کا ایک شعر ہے،

جانکنی کا، قبر کا، محشر کا منظر، پل صراط
اتنے سارے مرحلے ہیں کتنا گھبراتا ہے دل

عمر کے آخری حصے مرض وفات میں فکر آخرت کا جو غلبہ مولانا دریا آبادیؒ پر تھا اس کا اندازہ اس خط سے ہوتا ہے، جس کو آپ نے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ کے پاس بھیجا تھا، اس خط میں انہوں نے اپنی کوتاہیوں لغزشوں اور اپنے گناہوں پر اپنی بیقراری کا اظہار کیا تھا، اور ایمان پر حسن خاتمہ کیلئے دعاء کی درخواست کی تھی۔

مولانا دریا آبادیؒ کے مکتوب گرامی کے جواب میں قاری طیب صاحبؒ نے جو خط مولانا دریا آبادیؒ کے پاس بھیجا تھا وہ بہت ہی ایمان افروز ہے، اور ہم نالائقوں کیلئے بھی اس میں تسلی کا سامان موجود ہے، میں ان صفحات میں قاری طیب صاحبؒ کا مکتوب گرامی نقل کر رہا ہوں، قاری طیب صاحبؒ کا خط ملاحظہ فرمائیں اور اس کو بار بار پڑھیں، کیوں کہ ہم کو اسی منزل آخرت سے گذرنا ہے، جس سے ہم سے پہلے بہت سے لوگ گذر چکے ہیں۔

قاری طیب صاحبؒ کے ایمان افروز خط کا عنوان ہے،

﴿گناہوں کی ندامت سے جو دو آنسو ٹپکتے ہیں﴾

سلام مسنون نیاز مقرون،

مکرمت نامہ مورخہ ۲۸ رمئی آج ۶ رجون ۱۹۷۳ء کو مشرف ہوا، کل ۵ رجون ہی کو میں بھی سفر بمبئی و مدراس وغیرہ سے دیوبند واپس پہنچا ہوں، جناب والا کی علالت سے دل پر چوٹ لگتی ہے، بمبئی میں مولانا عمران خاں صاحب سے ملاقات ہوئی تو ان سے استفسار حال کرتا رہا، پھر محترمی حضرت مولانا علی میاں صاحب سے ملاقات

ہوئی ممدوح حجاز تشریف لے جا رہے تھے، پانچ چھ دن قیام ایک ہی مکان میں رہا اور ان کی معیت کا شرف حاصل ہوتا رہا، ان سے بھی جناب کے مزاج گرامی کی کیفیت پوچھتا رہا، اب گرامی نامہ سے کچھ مزید احوال پر روشنی پڑی، حق تعالیٰ جناب کو صحت کامل عطاء فرما کر مسلمانوں کے سروں پر قائم رکھے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

جناب محترم نے غایت تواضع سے اپنی قلبی کیفیات اور فکر کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جس سے جناب کو پریشانی لاحق ہے، لیکن اپنا ناقص فہم یہ ہے کہ یہ فکر ہی انشاء اللہ منبع سکون اور حسن انجام کی غمازی کر رہا ہے، رہیں لغزشیں تو انبیاء علیہم السلام کے سوا ان سے کون خالی ہے، باقی حق تعالیٰ کے یہاں اعمال سے زیادہ قلبی رخ پر نظر ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَایَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ" (اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے)۔ فکر مند قلوب ہی انشاء اللہ مقام مقبولیت پر ہوں گے،

سردار دو عالم ﷺ کی شانِ مبارک فکر مندی فرمائی گئی ہے، کَانَ دَائِمَ الْفِکْرَۃِ حَزِیْنًا، آپ ﷺ ہمیشہ فکر مند اور غمگین رہتے تھے، شَیَّبَتْنِیْ ھُوْدٌ وَاِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ" سورہ ہود اور سورہ تکویر نے مجھے بوڑھا کر دیا۔

حق تعالیٰ نے جناب محترم کو جیسے دنیا میں قلب فکر عطاء فرمایا وہیں الحمد اللہ آخرت کیلئے متفکر ہونا بھی ارزانی فرمایا، یہ فکر آخرت وہ جبھی دیتے ہیں جب صاحب دل کیلئے نجات و درجات مقصود ٹھہرا لیتے ہیں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بعد از وفات کسی عارف نے خواب میں دیکھا، پوچھا کہ کیا گذری؟ فرمایا کہ حق تعالیٰ نے بخش دیا اور فرمایا کہ اے محمد اگر مجھے بخشنا نہ ہوتا تو میں اپنا علم ہی تیرے سینے میں کیوں ڈالتا۔

باقی لغزشیں تو خاصہ بشریت ہیں، جن سے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی مستثنیٰ نہیں، اگر عدل محض سے کام لیا جاتا تو انبیاء اور اجل اولیاء کے سوا کوئی بھی نہ بچ سکتا، اس لئے سب ہی مغفرت اور عفو کے محتاج ہیں اور یہ فضل سے تعلق ہے، آپ بحمد اللہ اونچے مقام پر فائز ہیں، حق تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں کلام پاک کی تفسیر مکمل کرائی جسے ہم فخر کے ساتھ اغیار کے سامنے پیش کرتے ہیں "صدق" کے کالموں میں آپ نے بمقابلہ اغیار اسلامی تمدن کی حفاظت فرمائی یہ خدمت رائیگاں نہیں جائے گی انشاء اللہ، باقی یہ صحیح ہے کہ کیا ہم اور کیا ہماری خدمات؟ بجز اظہار عجز و ندامت کے اور ہم لوگوں کے پاس ہے کیا؟ مگر کار بفضل است، نہ بحکم عدل۔

وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِظُلْمِھِمْ مَا تَرَکَ عَلَیْھَا مِنْ دَابَّۃٍ" اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کا ان کے ظلم پر مواخذہ کرنے لگے تو اس روئے زمین پر کوئی ذی حیات اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔

جو پارے جناب کو یاد تھے اور وہ مرض کی وجہ سے یادداشت کی گرفت میں نہیں آرہے ہیں اور نہ طاقت ہی رہ گئی ہے کہ پھر سے یاد کیے جائیں تو حق تعالیٰ تو عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ہیں، وہ جانتے ہیں کہ کس بندہ نے تساہل سے کس نعمت کو کھو دیا ہے اور کون سماوی عذر سے مجبور ہے، وہ نہ صرف یہ کہ ایسی حالت کے نقصان کا مواخذہ ہی نہیں فرماتے، بلکہ سابقہ اجر کو بھی مسلسل جاری رکھتے ہیں۔

حدیث صحیح میں ہے کہ بعض لوگوں نے عمر بھر تہجد نہیں پڑھا ہوگا مگر محشر میں ان کیلئے ارشاد ہوگا کہ ان کے نامہ اعمال میں لکھ دو کہ یہ عمر بھر تہجد گذار رہے ہیں، کیونکہ ہر رات ان کی نیت یہی ہوتی تھی کہ آج ضرور تہجد پڑھیں گے، مگر آنکھ نہ کھلتی تھی تو اس میں ان کا قصور نہیں، اس لئے تہجد گذار سمجھا جائے گا۔

نِيَّةُ الْمَرْءِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهِ" (آدمی کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے) پھر بھی ہماری جو لغزشیں ہیں وہ خاصہ بشریت ہیں، سو وہ توبہ کے بعد ان کی رأفت و رحمت کے سپرد ہیں، ان سے زیادہ کون ہے اپنے بندوں پر ترس کھانے والا، اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ" (بے شک اللہ لوگوں پر بہت مہربان ہے رحم کرنے والا ہے) آپ کی مجبوری اور دل کی نیت کو جاننے والے ہیں، وہاں قلوب (دل) ہی دیکھے جائیں گے کہ اس میں کیا لے کر آئے ہیں۔

حدیث قدسی میں ارشاد ہے، اے بندے تو اگر بقدر قُرَابِ الْاَرْضِ" (زمین کے برابر) گناہوں کا بار لے کر میرے پاس آئے گا جس میں زمین و آسمان چھپ جائیں گے، تو میں اتنی ہی بڑی مغفرت لے کر تجھ سے ملاقات کروں گا، بشرطیکہ میری عظمت تیرے دل میں ہو۔

سو، اَلْحَمْدُلِلّٰه، کہ وہ عظمت قلب گرامی میں موجود ہے، جس کی دلیل یہ فکر ہے جو قلب میں موجزن ہے کیوں کہ یہ فکر بغیر عظمت و جلال خداوندی کے استحضار کے نہیں ہوسکتا، سو یہ فکر مبارک ہو، فَاَبْشِرُوْا وَ اَبْشِرُوْا" میرا منہ تو نہیں ہے، چھوٹا منہ بڑی بات لیکن ایک جرأت رندانہ ہے کہ انشاء اللہ آپ مقبول ہیں اور خیر ہی خیر ہے، یہ فکر ہی اس کی دلیل ہے، اَلْحَمْدُلِلّٰه کوئی مایوسی نہیں ہے اور مایوس ہونا مومن کی شان نہیں ہے، وہ صرف کفار کی خاصیت ہے جس سے مسلمان بری ہے، آپ جیسے حضرات سے تو ہم جیسوں کو نجات کی توقع ہے۔

جناب ذرہ برابر بھی تشویش قلب گرامی میں نہ لائیں، صرف فکر و ذکر کو رفیق سفر رکھ لیا جائے انشاء اللہ کافی ہے، البتہ ایک جرأت اور گستاخی جناب کے اخلاق کریمانہ پر اعتماد کرتے ہوئے ضرور کر رہا ہوں، جسے عرض کئے دیتا ہوں اور معافی چاہتا ہوں کہ شیطان اگر بہکانے آئے اور وسوسہ اندازی کر کے خواہ بحالت صحت یا بحالت مرض، خواہ بحالت حیات یا بقریب ممات تو اس سے نہ مناظرہ کا جذبہ رکھا جائے نہ اپنے دلائل پر کوئی زعم کیا جائے وہ ملعون تمام کتب سماویہ کو دیکھے ہوئے اور اپنی تلبیسات کو موجّہ کئے ہوئے ہے۔

ہمارا علم تو اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اس قلت علم پر اس کے مقابلے میں ہمارے دلائل ہی کیا ہوں گے، اور ہوں گے تو کس کام کے اور زبان کھل بھی جائے گی یا نہیں، اس لئے شیطان کا علاج مناظرہ نہیں لاحول ہے، اور صرف ایک ہی جواب ہے کہ ہم بے دلیل اپنے خدا اور رسول اور دین کو مانتے ہیں اور تجھے ملعون سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تجھے اَبَدُالدَّھر ملعون قرار دیا ہے، اس لئے تو بھی جھوٹا ہے اور تیری ساری دلیل بھی جھوٹی اور نا قابل التفات ہیں، تو دور ہو، تجھ پر لعنت ہو، ہم تجھ سے مخاطب نہیں ہونا چاہتے، بہر حال شیطان کا سیدھا جواب یہی ہے نہ کہ بحث و مباحثہ یا عزم مناظرہ۔

یہ بات اپنے ایک بزرگ کے سامنے عرض کرنا یقیناً گستاخی ہے اور کہاں میں اور کہاں جناب کی ذات گرامی:

"چہ نسبت خاک را با عالم پاک"

لیکن خورد کی بات بھی کبھی کبھار کارآمد ہو جاتی ہے اور نافع ثابت ہوتی ہے، یہ ایک طالب علمانہ مشورہ دل میں آیا ہے جسے بے تکلف عرض کر دیا گیا معافی کا خواستگار ہوں۔

حضرت گرامی میں چیز ہی کیا ہوں کہ دستگیری کا لفظ اس نابکار کی نسبت استعمال فرمایا جائے، یہ جناب کی محض بزرگانہ شفقت ہے، میرا وظیفہ تو یہ ہے کہ جہاں اپنے بزرگوں کیلئے دعاء ترقی درجات کرتا ہوں، جناب محترم بھی انہی میں شامل ہیں، جب سرور دو عالم ﷺ کیلئے ایک امتی دعاء وسیلہ و ترقی فضل و فضیلت کر سکتا ہے جہاں کوئی نسبت ہی نہیں سوائے غلامی اور آقائی کے، تو ایک حقیر خورد کو اپنے ایک بزرگ کیلئے بھی دعاء کی جرأت ہو سکتی ہے، میری دعاء تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ میری اور جناب کی دست گیری فرما دے اور ہمیں جنت رضوان میں جمع فرمائے، تو وہاں انشاء اللہ تفصیلی باتیں ہوا کریں گی۔

بنص حدیث اہل جنت کو دنیا کی تمام باتیں نہ صرف یاد ہی ہوں گی، بلکہ ہمہ وقت مستحضر بھی ہوں گی عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ" (ہر نفس جان لے گا جو اس نے آگے بھیجا ہے اور جو پیچھے چھوڑا ہے) اور وہ اس میں باتیں کریں گے کہ وہ فلاں وقت کی بات یاد ہے جو ہم میں تم میں ہوا کرتی تھی، اس وقت اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ (وہ بھائی بھائی ہو کر تختوں پر آمنے سامنے ہوں گے) کا ظہور ہوگا اور دنیا کے بچھڑے ہوئے سب مل جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ جناب کو صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ عطاء فرمائے اور زندگی کو مستفیدین کیلئے اور تھامے رکھے، اور ہم سب کو حسن خاتمہ کی دولت سے نوازے۔ آمین یا رب العالمین

جن لوگوں کے کچھ اخلاقی حقوق یاد آئیں ان کیلئے استغفار اور دعاء ترقی درجات کافی ہے، حق تعالیٰ کریم ہیں، ان استغفاروں اور ندامتوں کا حوالہ دے کر اگر ان اہل حقوق سے معافی کی سفارش فرمائیں گے تو کون

ہوگا جو ان کی سفارش ٹال سکے گا، یا اپنے حق میں عظیم فخر و مباہات اور اس ہولناک دن میں اسے خود اپنا ذریعہ نجات نہیں سمجھا جائے گا، البتہ اگر کچھ مالی حقوق ہوں تو ان مرحومین کے ورثاء کو ادا کئے جا سکتے ہیں۔

توجہ الی اللہ اور ذکر و فکر کی توجہ ذات گرامی کو کون دلانے کی جرأت کرے، جب کہ بحمد اللہ وہ حاصل بھی ہے، اس دنیا میں وجہ سکون سوائے اسماءِ الٰہیہ کے ورد کے اور کوئی چیز نہ ہے نہ بن سکتی ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن رہتے ہیں، سن لو، اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

سو، توجہ بحمد اللہ موجود ہے، بلکہ قلب پر مستولی ہے جس کی دلیل یہ فکر ہے، باقی دعائیں ہم خوردوں کی بھی انشاء اللہ ہیں، قبول کرنے والے وہ ہیں جن کی شانِ اقدس، اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (بے شک اللہ لوگوں پر مہربان رحم کرنے والا) ہے اور ہمارے نبی پاک ﷺ کی شان بھی بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (مومنوں پر وہ بہت مہربان اور شفقت کرنے والے ہیں) بتلائی گئی ہے۔

اے آنکہ کریمی و رسولِ تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

لہٰذا ذرا بھی دل میں تشویش نہ لائی جائے، صرف فکر و ذکر کی طرف توجہ رکھیں اور رجاء کو قلب صافی پر غالب رکھا جائے، "اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ" میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو وہ مجھ سے رکھتا ہے۔

نہ معلوم اپنی طالب علمانہ بڑ میں کیا کچھ لکھ گیا ہوں، معافی کا خواستگار ہوں، حاضرین مجلس میں سلام مسنون مزاج مبارک کی کیفیت کسی سے لکھ دینے کو فرما دیا جائے۔

والسلام

محمد طیب، از دیوبند

۱۶/۵/۱۳۹۴ھ ۸/۶/۱۹۷۴ء یَوْمُ السَّبْت

اللہ تعالیٰ ہم کو حکمت و معرفت کے ان کلمات سے فائدہ اٹھانے اور قرآن حکیم کے سانچے میں اپنی زندگی ڈھالنے کی توفیق عطاء فرمائے، نامہ سیاہ مختار احمد اصلاحی کیلئے اس کتاب کو ذخیرۂ آخرت اور "مِنْ عِلْمٍ يُّنْتَفَعُ بِهٖ" کا مصداق اور قرآنِ حکیم کو شفیع یعنی سفارش کرنے والا بنا دے۔

قرآنِ حکیم کی تفسیر مواعظِ القرآن اور تمام کتابیں جن کو میں نے اللہ کی توفیق سے لکھا ہے، حشر کے میدان میں میرے ساتھ ہوں، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ان کتابوں کو قوت گویائی عطاء کردے، اللہ تعالیٰ کے سامنے وہ میری سفارش کریں۔

اور اللہ تعالیٰ فرمادے کہ اے میرے نالائق بندے، مختار احمد اصلاحی، اگر چہ تم بخشش کے لائق نہیں تھے، لیکن جاؤ اپنی رحمت اور اپنے فضل سے تم کو معاف کر دیا۔

اور جو تمہاری خواہش ہے کہ تمہاری تفسیر مواعظ القرآن اور تمہاری تمام کتابیں جنت میں بھی پڑھی جائیں اور جنت کے پریس سے زیور طباعت سے آراستہ ہو کر جنت کی خوب صورت الماریوں میں سجائی جائیں، تو ہم نے تمہاری اس خواہش کو بھی پورا کر دیا۔

ایسا ہی ہوگا، اے فرشتو میرے اس بندے کو اس کی کتابوں کے ساتھ جنت میں لے جاؤ۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْر

صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّی

مختار احمد اصلاحی ابن محمد امین عفااللّٰہ عنہما

سب سے زیادہ پرامید اور تسلی والی آیت

ہم جیسے گناہ گاروں اور خطاکاروں کیلئے یقیناً سورہ زمر کی مندرجہ ذیل یہ آیت بہت تسلی کا باعث ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت ومغفرت سے ہم جیسے گناہ گاروں کا بھی بیڑا پار ہوجائے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾ اے پیغمبر، آپ (میری طرف سے) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جو اپنے جانوں پر زیادتی کر چکے ہو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بیشک اللہ سارے گناہوں کو معاف کردے گا، بے شک وہی بخشنے والا ارحم کرنے والا ہے۔ (سورہ زمر)

اس آیت کو پڑھتے ہی دل باغ باغ ہوجاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا طوفان دل میں آجاتا ہے کہ اللہ اپنے گنہ گار بندوں پر کتنا مہربان ہے، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ بندہ اس کی رحمت سے مایوس اور نا امید نہ ہو، اگر گناہ ہوچکے ہیں تو فوراً توبہ کرکے اللہ تعالیٰ کی آغوش رحمت میں آجائے، ایسے رحیم وکریم پروردگار کی نافرمانی سے انسان کو ڈرنا چاہئے اور گناہوں پر ڈھٹائی اور اصرار سے بچنا چاہئے۔

ایسے غفور ورحیم پروردگار کی نافرمانی اگر کسی غفلت کی وجہ سے ہوجائے تو فوراً ندامت سے سر جھک جانا چاہئے۔ راقم الحروف کا شعر ہے۔

جب گناہوں پر نظر پڑتی ہے جھک جاتا ہے سر
ان کی رحمت کا خیال آتے ہی اٹھ جاتا ہے سر

راقم الحروف کو جب اپنی سیہ کاریوں اور گناہوں کی وجہ سے گھبراہٹ ہوتی ہے، تو اس آیت کو پڑھ کر اس کی زبان پر یہ جملہ دعائیہ جاری ہوجاتا ہے کہ، رَبِّ اِنِّیْ اَسْرَفْتُ عَلٰی نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ جَمِیْعًا اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْم" اے میرے پروردگار میں نے اپنے نفس پر بہت زیادتی کی ہے، پس تو میرے تمام گناہوں کو معاف فرمادے، بے شک تو بخشنے والا ارحم کرنے والا ہے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد ششم، سورہ زمر کا حاشیہ نمبر ۱۷ پڑھئے۔

وہ کسی اور برتر قانون کا پابند ومحکوم ہرگز نہیں، وہ رحمت ومغفرت میں کسی رنگ سے معذور نہیں، وہ بغیر کسی کفارہ کے جس کو چاہے بخش دے، اس کی صفت رحم پر کوئی قید عائد نہیں، بجز اس کی مشیت و ارادے کے۔ وہ یکسر مغفرت ہے، "اَلْغَفُوْر" یکسر رحمت ہے، "اَلرَّحِیْم"

عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں سے منقول ہے کہ قرآن مجید بھر میں سب سے زیادہ پرامید اور

تسلی والی آیت گناہ گاروں کے حق میں یہی ہے۔

وَقَالَ عَبْدُاللّٰہِ اِبْنِ عُمَرٌ وَھٰذَا اَرْجٰی اٰیَۃٍ فِی الْقُرْاٰنِ" (بحوالہ، قرطبی)

وَقَالَ عَلِیُّ اِبْنِ اَبِی طَالِبٍ مَا فِی الْقُرْاٰنِ اَوْسَعُ مِنْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ " (بحوالہ، قرطبی)

اور یہی اس سیاہ محرر سطور کا بھی عین ایمان وایقان، رزاق واحد اللہ تعالیٰ ہی ہے، چنانچہ وہ اپنے وارثوں سے وصیت کئے جاتا ہے کہ اس کی قبر پر بطور کتبہ سے یہی آیت کندہ کردی جائے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ زمر، حاشیہ نمبر ۷۱)

راقم الحروف مختار احمد اصلاحی اپنی قبر پر اس آیت کا کتبہ لگانے کی اجازت تو نہیں دیتا معلوم نہیں کہاں موت آئے اور کہاں تدفین ہو، لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اگر کسی کو میری قبر معلوم ہو اور وہاں اتفاق سے پہنچ جائے تو اس آیت کو پڑھ کر میرے لئے مغفرت کی دعاء کرے۔

اقتباس

اللہ تعالیٰ اپنے گنہ گار بندوں پر کتنا مہربان ہے، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ بندہ اس کی رحمت سے مایوس اور ناامید نہ ہو، اگر گناہ ہو چکے ہیں تو فوراً توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی آغوش رحمت میں آجائے، ایسے رحیم وکریم پروردگار کی نافرمانی سے انسان کو ڈرنا چاہئے اور گناہوں پر ڈھٹائی اور اصرار سے بچنا چاہئے، ایسے غفور رحیم پروردگار کی نافرمانی اگر کسی غفلت کی وجہ سے ہو جائے تو فوراً ندامت سے سر جھک جانا چاہئے۔

بسم اللہ بہت قوت بخش کلمہ ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو انتہائی مہربان مستقل رحم کرنے والا ہے، یہ بہت ہی طاقتور، قوت بخش، روح افزا، تمام شیطانی وسوسوں سے دور کرنے والا، اور دنیا کی تمام طاقتوں کا خوف دل سے نکال دینے والا کلمہ ہے، پوری زندگی میں روحانی انقلاب لانے والا کلمہ ہے، اگر اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت و رحیمیت پر پورا اعتماد کرتے ہوئے اس کلمہ کو زبان سے ادا کیا جائے تو دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا نشہ چھا جائے اور دنیا کی ساری چیزوں سے انسان بے نیاز ہو جائے، دل میں سکون کا دریا موجیں مارنے لگے اور دنیا کا ہر غم دل سے نکل جائے، کیوں کہ بسم اللہ کا مطلب ہے کہ بندے نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے پر راضی ہے، اس تفویض و تسلیم کے بعد مصائب و آلام کی کیسی بھی طوفانی لہریں اٹھیں لیکن ان کا اثر ان کے دل تک نہیں پہنچے گا، ہجومِ غم میں بھی بے غم اور پر کیف رہے گا۔

مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھیؒ نے خوب فرمایا ہے کہ۔

تفویض ہی سے چین ہے دونوں جہان میں
تجویز کا خیال بھی دل میں نہ لایئے

یہ یاد رہے کہ محض زبانی یہ کلمہ پڑھنے سے کام نہیں چلے گا، یہ کلمہ اسی کیلئے طاقتور اور قوت بخش ثابت ہوگا جو اس کے تقاضوں کو پورا کرے، اللہ کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال رکھے اور کوئی ایسا کام نہ کرے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو، اللہ کے نام سے شروع کرنے کا مطلب ہے کہ جو کام کرنے جا رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہیں ہے، اگر کوئی غذا حرام ہے اس میں سود اور رشوت کی آمیزش ہے اور وہ بسم اللہ کر کے اس کو کھا رہا ہے تو وہ گویا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا مذاق اڑا رہا ہے، اگر آدمی غیر محل میں اس کلمہ کا استعمال کر رہا ہے تو اس کلمہ کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوتا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ فاتحہ کا حاشیہ نمبر ۸ پڑھئے۔

ہر جائز کام کی ابتداء بسم اللہ سے کرنے کی بڑی فضیلتیں حدیث میں وارد ہوئی ہیں، اور خود رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک یہی تھی کہ کھانا کھاتے، پانی پیتے، وضوء کرتے، جانور ذبح کرتے، غرض اس قسم کے سارے کاموں کی ابتداء بسم اللہ ہی سے کرتے تھے، اور ہے بھی یہی کہ جو شخص کسی کام کو خدائے رحمٰن و رحیم کا نام لے کر شروع کرتا ہے، وہ عملاً اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ میرا ضمیر پاک ہے، میری نیت

مخلصانہ ہے، میرا مقصد اعلیٰ ہے اور میں توحید کا پرستار ہوں، ایک طرف شرک سے دوسری طرف الحاد سے بیزار، غرض بسم اللہ سے بڑھ کر قوت بخش اور اس سے زیادہ روح واخلاق کو بلند کرنے والا ذکر اور کوئی نہیں، پڑھنے والا گویا یہ کہتا ہے کہ میں شروع کرتا ہوں اس کام کو اللہ کے نام سے مدد چاہتے ہوئے اور یہ کہہ کر بسم اللہ خواں گویا اپنی اور سب کی طرف سے قطع نظر کر کے تکیہ کر لیتا ہے اللہ کی ذات اور اس کی صفات رحمانیت پر۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ فاتحہ، حاشیہ نمبر ۸)

اقتباس

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو انتہائی مہربان مستقل رحم کرنیوالا ہے، یہ بہت ہی طاقتور، قوت بخش، روح افزا، تمام شیطانی وسوسوں سے دور کرنے والا، اور دنیا کی تمام طاقتوں کا خوف دل سے نکال دینے والا کلمہ ہے، یہ کلمہ اسی کیلئے طاقتور اور قوت بخش ثابت ہوگا جو اس کے تقاضوں کو پورا کرے، اللہ کا نام لے کر اللہ کی عظمت کا خیال رکھے اور کوئی ایسا کام نہ کرے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو، اللہ کے نام سے شروع کرنے کا مطلب ہے کہ جو کام کرنے جارہا ہے وہ اللہ کی مرضی کے خلاف نہیں ہے، اگر کوئی غذا حرام ہے اس میں سود اور رشوت کی آمیزش ہے اور وہ بسم اللہ کر کے اس کو کھا رہا ہے تو وہ گویا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا مذاق اڑا رہا ہے، اگر آدمی غیر محل میں اس کلمہ کا استعمال کر رہا ہے تو اس کلمہ کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوتا جائے گا۔

حمد اور تعریف صرف اللہ کیلئے ہے

اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں، اس کی قدرت کے کرشموں اور اس کی رحمت بے مثال کے مظاہر کو دیکھ کر کسی بندے کے اندر اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت اور اس کی حمد و ثناء کیلئے جو طوفان اٹھتا ہے اس کی تعبیر کیلئے بندے کے پاس الفاظ نہیں تھے، جن کے ذریعہ دل میں محبت کی اٹھتی ہوئی موجوں کا اظہار کر سکے، یہ اللہ تعالیٰ ہی کا لطف و کرم ہے کہ اس نے بندے کے دل کی کیفیت کے اظہار کیلئے وہ حسین، بے مثال وجد آفریں لفظ عطاء کر دیا، تا کہ بندہ اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کر سکے اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کر کے اپنی کچھ تشنگی بجھا سکے اور اپنے دل کو سکون پہنچا سکے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ، "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" ہر طرح کی حمد ثنا صرف اللہ کیلئے ہے۔

معلوم ہوا کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت و عظمت کے اٹھتے ہوئے طوفان کو ظاہر کرنے کیلئے سب سے خوب صورت، حسین، روح پرور، وجد آفریں فکر انگیز، اللہ تعالیٰ کی تمام صفت کمال و جمال و جلال کا احاطہ کرنے والا لفظ بھی حَمْد ہے، حَمْد سے بڑھ کر عربی زبان میں کوئی لفظ نہیں ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی جائے، اور دنیا کی کسی زبان میں بھی اس لفظ کا کوئی بدل نہیں ہے۔

حَمْد کا لفظ صرف اسی کیلئے استعمال ہوتا ہے جس کا ہر کمال ذاتی ہو، ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا کوئی کمال ذاتی نہیں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کیلئے اس لفظ حَمْد کا استعمال جائز نہیں ہے۔

حقیقت ہے کہ کائنات کے ذرّے ذرّے پر، "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" لکھا ہوا ہے، اگر گیہوں کے ایک دانے کو دیکھیں تو دل پکار اٹھے گا کہ حمد اور تعریف اسی ذات بےمثال کیلئے ہے جس نے گیہوں کے دانے کو پیدا کیا دنیا کے سارے سائنسداں مل کر گیہوں کا ایک دانہ بھی پیدا نہیں کر سکتے، معلوم ہوا کہ حمد صرف اللہ ہی کیلئے سزاوار ہے، بہر حال پوری کائنات میں یہی نغمہ اَلْحَمْد گونج رہا ہے، اور ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتی ہے۔

علماء کی ایک جماعت نے لکھا ہے کہ، "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" تمام کلموں سے افضل و اشرف ہے، یہاں تک کہ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه سے بھی، اس لئے کہ اس میں صرف توحید ہے اور اس کلمہ اَلْحَمْدُ میں توحید کے ساتھ حمد بھی ہے۔ (بحوالہ، قرطبی)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ کلمہ اَلْحَمْد ہر وقت ہماری زبان پر جاری رہے، اور اللہ تعالیٰ ہم کو اس کلمہ اَلْحَمْد کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ فاتحہ کا حاشیہ نمبر ۱۰ ارپڑھئے۔

اَلْحَمْد میں الف، لام، کلمہ استغراق ہے جمیع حمد کوئی سی بھی ہو کسی قسم کی بھی ہو، بظاہر کسی کیلئے بھی

ہو (وہ اللہ ہی کیلئے ہے) حمد کا درجہ لغوی اعتبار سے مدح اور شکر دونوں سے بلند تر ہے شکر تو کسی بھی متعین ہی نعمت کے مقابلے میں بولا جاتا ہے، اور مدح میں ممدوح کی خوبیوں کا ارادی و اختیاری ہونا ضروری نہیں، صرف حمد ہی ایسی چیز ہے جو محمود کی عام اختیاری خوبیوں اور فضیلتوں کی بنا پر کی جاتی ہے۔ (راغب)

گویا قرآن مجید کی سب سے پہلی تعلیم توحید کے جملہ اصناف کی جامع ہے، مدح اور تعریف کسی کی بھی ہو کسی کے نام سے بھی ہو، درحقیقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہوتی ہے، اور اسی کو پہنچتی ہے، اور یہی معنی ہیں اس حدیث نبوی کے بھی کہ،

اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کُلُّهٗ وَلَکَ الْمُلْکُ کُلُّهٗ وَبِیَدِکَ الْخَیْرُ کُلُّهٗ وَاِلَیْکَ یَرْجِعُ الْاَمْرُ کُلُّهٗ" اے اللہ ساری حمد و تعریف تیرے ہی لئے ہے، اور تیرے ہی لئے ساری بادشاہت ہے اور تیرے ہی ہاتھ میں ساری بھلائیاں ہیں اور سارے امور تیری ہی طرف لوٹتے ہیں۔

حاکم اگر عادل ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صفت عدل اس کے سامنے رکھ دی ہے، طبیب اگر حاذق ہے تو اس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ اللہ نے اسے یہ کمال عطاء کر دیا ہے، کسی کی شکل جمیل ہے اور کسی کی سیرت پاکیزہ ہے تو ہر موقع پر مدح و ثناء و تعریف و ستائش کی اصل مستحق صرف ذات باری تعالیٰ جمال آفریں و کمال آفریں ہے۔

"ہر جا کلیم سجدہ بہ آں آستاں رسد"

(بحوالہ، تفسیر سورہ فاتحہ، حاشیہ نمبر ۱۰)

دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآنِ مجید ہے

اللہ تعالیٰ کی کتاب کا یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ جس کتاب کو لوگ پڑھنے والے ہیں وہ بھی قرآنِ مجید ہے، مخالفوں اور دشمنوں نے لاکھ کوشش کی کہ قرآنِ مجید کی آواز کو دبا دیں لیکن اس کی آواز پھیلتی ہی رہی اور پریس کے اس دور میں بھی سب سے زیادہ اسی کتاب مقدس کی اشاعت ہوتی رہی ہے، اور سب سے زیادہ اسی کو پڑھا جاتا ہے، جو مسلمان ہیں ان کا تو فریضہ ہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کریں، لیکن اس کتاب کے مخالف اور دشمن بھی اس کتاب کو پڑھنے کیلئے مجبور ہو جاتے ہیں، قرآن کے تمام معجزات کے ساتھ یہی ایک بہت بڑا معجزہ ہے، جس پر دنیا کے تمام غیر مسلموں کو غور کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس کتاب کو مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی حفظ کر لیتے ہیں، اور ہر مسلمان کسی نہ کسی طرح اس کی تلاوت کرتا ہے، یہی مسلمان جو اس کتاب کو پڑھتے ہیں اور اس کی تلاوت کرتے ہیں، اگر وہ اپنی زندگی کو قرآنِ حکیم کے سانچے میں ڈھال لیں اور قرآنِ حکیم کی آواز دنیا کے تمام انسانوں تک پہنچانے کی کوشش کریں تو پوری دنیا میں اسلامی انقلاب آجائے، افسوس تو یہ ہے کہ مسلمان اس کتاب کی تلاوت تو کرتے ہیں لیکن مسلمانوں کی اکثریت عملی حیثیت سے قرآن سے دور ہے، اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو قرآن پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ بقرہ کا حاشیہ نمبر ۵ ر پڑھئے۔

آج دنیا میں اس کاغذ اور قلم کے دور میں کتابیں جتنی بھی چاہیں تیار کر ڈالی جائیں، ''اَلْکِتَاب'' یا ''کتاب واحد'' کا مصداق صرف قرآن ہی نکلے گا۔

زمخشری معتزلی کا مرتبہ اللہ بلند کرے کیا خوب بات کہہ گیا ہے، مَعْنَاهُ اَنَّ ذٰلِكَ الْكِتَابَ هُوَ الْكِتَابُ الْكَامِلُ وَمَاعَدَاهُ مِنَ الْكُتُبِ فِي مُقَابَلَتِهٖ نَاقِصٌ'' مطلب یہ ہے کہ کتاب تو بس یہی ایک کتاب کامل ہے اور اسکے سامنے کتابیں جتنی بھی لائی جائیں گی سب ناقص ہی ہوں گی۔ (بحوالہ کشاف)

زمخشری متوفی ۵۳۸ھ مطابق ۱۱۴۴ء بہر حال مومن و خادم قرآن تھے، اور آج سے آٹھ یا ساڑھے آٹھ سو سال قبل کے مومن اگر وہ یہ کہہ گئے تھے تو انہیں کہنا چاہئے تھا۔

یہ دیکھئے کہ قرآن کا منکر اور مادیت و عقلیت کا پرستار اور وہ بھی اس بیسویں صدی کا کیا کہہ رہا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم کی شہادت ہے کہ،

The most widly, Read book in the world.

یعنی: قرآن ہی وہ کتاب ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے۔ (جلد ۱۵ صفحہ ۸۹۸)
اور پرنسٹن یونیورسٹی (امریکہ) کے پروفیسر ہٹی کا بیان ہے کہ قرآن عہد آخریں کی کتابوں میں سب سے کمسن ہے، لیکن دنیا میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی ہے۔

(تاریخ اہل عرب، صفحہ ۱۲۶، مطبوعہ ۱۹۳۷ء)

(بحوالہ، تفسیر سورہ بقرہ، حاشیہ نمبر ۵)

اقتباس

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس کتاب قرآنِ کریم کو مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی حفظ کر لیتے ہیں، اور ہر مسلمان کسی نہ کسی طرح اس کی تلاوت کرتا ہے، یہی مسلمان جو اس کتاب کو پڑھتے ہیں اور اس کی تلاوت کرتے ہیں، اگر وہ اپنی زندگی کو قرآنِ حکیم کے سانچے میں ڈھال لیں اور قرآنِ حکیم کی آواز دنیا کے تمام انسانوں تک پہنچانے کی کوشش کریں تو پوری دنیا میں اسلامی انقلاب آجائے، افسوس تو یہ ہے کہ مسلمان اس کتاب کی تلاوت تو کرتے ہیں لیکن مسلمانوں کی اکثریت عملی حیثیت سے قرآن سے دور ہے، اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو قرآن پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

قرآن سے استفادہ کیلئے دل کا تقویٰ شرطِ اوّلیں ہے

ازالہ مرض اور بحالی صحت کے لئے جس کو حکیم حاذق اور اس کے قیمتی نسخہ کی تلاش اور طلب نہیں ہے، بلکہ وہ اپنی حالت پر مطمئن ہے اور اپنی بیماری ہی کو صحت سمجھتا ہے تو وہ حکیم کے کسی بھی قیمتی نسخہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا، جس کے دل میں اپنی بیماری کے خطرناک نتائج کا ڈر ہوگا وہ اچھے سے اچھے ڈاکٹر، حکیم اور اس کے شفابخش نسخوں کی تلاش میں رہے گا۔

کوئی آدمی کسی چوراہے پر کھڑا ہو اور اس کو اس کی منزل کی طرف جانے والی گاڑی کی کوئی پرواہ نہیں ہے منزل کی خبر رکھنے والے اس سے کہتے ہیں کہ تمہاری منزل کا راستہ یہ ہے، اس کی طرف جانے والی گاڑی یہ ہے، لیکن وہ سچی خبر دینے والوں کی باتوں کو نظرانداز کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میری مرضی ہے، مجھے کوئی بحث نہیں ہے کہ کون گاڑی کس طرف جانے والی ہے، میں جس پر چاہوں گا سوار ہو جاؤں گا، تو ایسا ڈھیٹ اور ناعاقبت اندیش انسان کسی اچھے رہنما کی بات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اس کو اس وقت ہوش آئے گا جب اپنی منزل کے مخالف سمت والی گاڑی پر سوار ہو کر کسی ایسی جگہ پہنچ جائے گا جہاں گرفتار کر لیا جائے گا، لیکن اس وقت اپنی بے عقلی پر افسوس کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں صحیح منزل کی تلاش کا داعیہ پیدا کر دیا ہے جو طلب و جستجو کے اس داعیہ سے فائدہ نہیں اٹھاتا وہ ہلاکت کے گڈھے میں گر جاتا ہے، دل کے تقویٰ سے تلاشِ حق کے اسی فطری جذبے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اللہ کی کتاب تو بے نیاز کتاب ہے وہ دنیا کے سارے انسانوں کی رہنمائی اور اس کی حقیقی منزل سے خبردار کرنے کیلئے نازل ہوئی ہے اس لئے جن لوگوں کے دل میں حق کی طلب اور راہ حق کی جستجو ہوتی ہے وہی اس کتاب ہدایت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنی منزل کا پتہ پالیتے ہیں۔

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ بقرہ کا حاشیہ نمبر ۷ پڑھئے۔

قرآن مجید کے مطالعہ کے وقت اس کا یہ اپنا بتایا ہوا وصف اول ہی سے خوب ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ وہ کوئی تاریخ کا دفتر نہیں ہے کہ اس میں سن وار ترتیب کے ساتھ پچھلے زمانہ کے واقعات درج ہوں، کوئی سائنس کی کتاب نہیں کہ علوم طبعی و ریاضی کے مسائل کا حل اس کے اوراق میں ڈھونڈا جائے، کوئی فلسفہ کا مقابلہ نہیں کہ اس کے پڑھنے والے اشراقیوں اور مشائیوں، یونانیوں اور ہندیوں کے ظنون و نظریات میں الجھے رہیں، افسانہ محاضرات کی کتاب نہیں کہ پڑھنے والے اس کو تفریح اور دل

بہلانے کیلئے پڑھیں، اس کی اصلی اور بنیادی حیثیت صرف یہ ہے کہ وہ ہدایت نامہ ہے، دستور حیات ہے، مکمل مفصل نقشۂ زندگی ہے۔

لِلْمُتَّقِيْنَ، یہ قید لگا کر صاف بتادیا کہ اس قانون عام وہدایت تام سے فائدہ اٹھانے والے صرف وہ لوگ ہوں گے جن کے اندر خوف خدا موجود ہو، کتاب ہدایت نازل تو ساری دنیا کیلئے ہوئی ہے، خطاب سارے عالم سے کررہی ہے، لیکن عملاً اس سے نفع صرف وہی لوگ حاصل کریں گے جن کے اندر حق کی طلب اور تلاش ہے اور جن کا ضمیر زندہ ہے۔

آفتاب اپنی جگہ عالم تاب سہی لیکن جن کی بصارت ہی ضائع ہوچکی ان کیلئے تیز سے تیز شعاعیں بیکار ہیں، زمین اگر مردہ ہے تو اس کے حق میں بڑی سے بڑی بارش بھی بے اثر ہے، غذاء بہتر سے بہتر بھی ہیضہ کے مریض کیلئے لاحاصل بلکہ مضر ہے، قرآن مجید سے استفادہ کیلئے اولین شرط دل کے اندر کا تقویٰ ہے، جن کے دلوں میں ہدایت خداوندی کی کوئی طلب سرے سے نہیں وہ اس کتاب ہدایت سے کوئی نفع نہیں اٹھاسکتے۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ بقرہ، حاشیہ نمبر۷)

اقتباس

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں صحیح منزل کی تلاش کا داعیہ پیدا کردیا ہے جو طلب وجستجو کے اس داعیہ سے فائدہ نہیں اٹھاتا وہ ہلاکت کے گڈھے میں گرجاتا ہے، دل کے تقویٰ سے تلاشِ حق کے اسی فطری جذبے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اللہ کی کتاب تو بے نیاز کتاب ہے وہ دنیا کے سارے انسانوں کی رہنمائی اور اس کی حقیقی منزل سے خبردار کرنے کیلئے نازل ہوئی ہے اس لئے جن لوگوں کے دل میں حق کی طلب اور راہ حق کی جستجو ہوتی ہے وہی اس کتاب ہدایت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنی منزل کا پتہ پالیتے ہیں۔

دین کا مغز اور ایمان کی روح عالم غیب کا عقیدہ ہے

اگر کوئی آدمی کسی ایسے راستے کی طرف قدم بڑھا رہا ہے جس پر کوئی مردم خور شیر بیٹھا ہوا ہے، اس آدمی کو اس شیر کا کوئی علم نہیں ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ خطرناک راستہ اس کیلئے عالم غیب کی حیثیت رکھتا ہے، ایک دوسرا آدمی جو اس خطرناک راستے کے نشیب و فراز سے واقف ہے اور اس راستے پر بیٹھے ہوئے خونخوار شیر کو جانتا ہے، اس لئے اپنے علم صحیح کی بنیاد پر کہتا ہے کہ اس راستے کی طرف قدم مت بڑھاؤ کیوں کہ آگے چل کر ایک شیر بیٹھا ہوا ہے تم کو چیر پھاڑ ڈالے گا، تو عقلمندی کا تقاضا ہے کہ اس راستے کہ طرف قدم نہ بڑھایا جائے، اور عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے کہ اس طرح کی خبر سننے کے بعد آدمی ہوشیار ہو جاتا ہے اور اس سلسلے میں کوئی بحث و مناظرہ نہیں کرتا کہ مجھ کو تو کوئی شیر نظر نہیں آرہا ہے میں تو اسی راستے کی طرف قدم بڑھاؤں گا۔

معلوم ہوا کہ اس دنیا میں بھی علم غیب پر یقین رکھے بغیر ایک قدم بھی انسان نہیں چل سکتا، اور بہت سی چیزیں جو اس سے پوشیدہ ہیں ان پر یقین کئے بغیر اس کیلئے کوئی چارہ نہیں ہے۔

محکمہ موسمیات کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ سب لوگ ہوشیار ہو جائیں ایک شدید خطرناک زلزلہ آنیوالا ہے تو سب لوگ یقین کر لیتے ہیں، کوئی یہ نہیں کہتا کہ میں زلزلہ کو نہیں دیکھ رہا ہوں اسلئے میں اس کو تسلیم نہیں کرتا، ڈاکٹر اپنے علم کی بنیاد پر مریض سے کہتا ہے کہ تمہارے اندر بیماری کے یہ خطرناک جراثیم موجود ہیں اگر علاج نہیں کرو گے تو تمہاری بیماری بڑھ جائیگی اور تم ہلاک ہو جاؤ گے، تو ہر مریض غیب کی اس بات کو مان لیتا ہے کوئی مریض یہ بحث نہیں کرتا کہ میں جراثیم کو نہیں دیکھ رہا ہوں اسلئے میں اس کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔

جو مچھلیاں پانی میں رہتی ہیں ان کیلئے پانی کے اوپر خشک زمین عالم غیب کا درجہ رکھتی ہے، اگر کوئی ہوشیار مچھلی جس کو دریا کے باہر مچھلیوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے اس کا علم ہے، اپنے علم کی بنیاد پر وہ مچھلیوں سے کہے کہ دریا کے باہر خشکی پر خطرناک شکاری موجود ہیں، جس کے پاس چھری ہے، آگ پر کڑھائی رکھی ہوئی ہے جس میں گرم تیل ہے، اگر تم شکاری کے جال میں رکھے ہوئے لذیذ چارے کو کھا جاؤ گی تو وہ تم کو پھنسا کر باہر لے جائے گا، اور چھری سے تم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا، پھر گرم تیل میں بھون ڈالے گا، اگر کوئی مچھلی یہ خبر سن کر کہنے لگے کہ مجھ کو تو نہ کوئی شکاری نظر آرہا ہے، نہ چھری، نہ آگ اور نہ گرم تیل دکھائی دے رہا ہے، اس لئے میں تمہاری بات پر یقین نہیں کروں گی میں تو ضرور اس لذیذ چارے سے لطف اندوز ہوں گی، تو اس لذیذ چارے کو کھانے کا کیا انجام ہوگا ہر آدمی سمجھ سکتا ہے۔

بہر حال یہ تو دنیا کی چند روزہ زندگی کا معاملہ ہے، یہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس خطرناک راستے کی خبر

آدمی کو دی گئی ہے وہ اس سے بچ جائے اور خبر جھوٹی بھی ہو سکتی ہے، محکمہ موسمیات کے افسروں نے جس زلزلے کی خبر دی ہے وہ زلزلہ نہ آئے اور آنے کے بعد بھی آدمی بچ جائے، لیکن اس دنیائے فانی کے علاوہ ایک اور عالم غیب ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبروں نے دی ہے، قبر، عالم برزخ، جنت، دوزخ کی آگ، دوزخ میں دیئے جانے والے دردناک عذاب سے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے دنیا والوں کو ہوشیار کر دیا ہے اور یہ بالکل سچی خبر ہے، اس پر ایمان لائے بغیر کسی انسان کی زندگی میں کوئی صالح انقلاب نہیں آسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے پیغمبروں کے ذریعہ غیب کی ان خبروں سے مطلع کر دیا ہے، اگر کوئی احمق انسان اللہ کے ان پیغمبروں کی سچی خبروں کو نہ مانے اور ڈھٹائی سے کہنے لگے کہ نہ مجھ کو قبر کا عذاب دکھائی دے رہا ہے نہ میں جنت کو دیکھ رہا ہوں اور نہ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ کو دیکھ رہا ہوں، نہ دوزخ کے خطرناک سانپ اور بچھو مجھ کو نظر آرہے ہیں اسلئے یہ محض وہم وگمان ہے، تو اس ڈھٹائی اور ناعاقبت اندیشی کا انجام اسوقت معلوم ہوگا جب عالم غیب سے پردہ ہٹا دیا جائیگا، اور فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ "(آج تمہاری آنکھ بہت تیز دیکھ رہی ہے) کا منظر ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسان کو امتحان کیلئے پیدا کیا ہے، اسلئے عالم غیب پر پردہ ڈال دیا گیا ہے، مطلوب ایمان بالغیب ہے، اگر دوزخ کو اس کی تمام ہولناکیوں کے ساتھ سامنے کر دیا جائے تو کس کی مجال ہے کہ سرکشی کرے، لیکن ایسی شکل میں امتحان کا مقصد فوت ہو جائے گا، امتحان کا مقصد اسی صورت میں پورا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی باتوں پر آدمی ایمان لائے اور اللہ کے رسول ﷺ نے جو خبر دی ہے، اس کو اس طرح تسلیم کرے گویا کہ وہ ان ساری چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے جس سے اس کو خبردار کیا گیا ہے۔

اسی لئے حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ اگر دوزخ اور جنت کو میرے سامنے کر دیا جائے تو بھی میرے ایمان میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، یعنی دیکھنے سے پہلے میرا ایمان جس طرح تھا اسی طرح دیکھنے کے بعد بھی ہوگا۔

یہ بھی یاد رہے کہ جس چیز کو عالم غیب کہا گیا ہے وہ انسانوں کے لحاظ سے ہے، اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی چیز غیب نہیں ہے، ہر چیز اس کی نگاہوں کے سامنے ہے، بہر حال حقیقت ہے کہ ایمان بالغیب کا عقیدہ دین کا مغز اور ایمان کی روح ہے، اس عقیدہ کے استحکام کے بغیر زندگی میں کوئی عملی انقلاب نہیں آسکتا، اللہ، اس کے رسول ﷺ اور آخرت پر ایمان لانے کا مطلب ہی ہے کہ ایک مومن عالم غیب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

راقم الحروف کا شعر ہے،؎

عالم غیب ہو مشہود میری آنکھوں میں
اپنے اصلاحی کو وہ چشم بصیرت دے دے

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ بقرہ کا حاشیہ نمبر ۸ / پڑھئے۔

دین کا مغز کہئے یا ایمان کی روح، یہی عالم غیب کا عقیدہ ہے، یعنی یہ اعتقاد کہ اس عالم مادّی سے ماوراء اس کائنات حسی سے اوپر کچھ اور ایک عالم ہے ضرور، اور جو اس عالم کے وجود کا قائل نہیں وہ سرے سے مذہب ہی کا قائل نہیں اور سب سے بڑا غیب تو خود وجود باری ہے، سب سے بڑھ کر روشن وعیاں مگر سب سے زیادہ مخفی ونہاں، عالم غیب کے منکر اور محض مادّیات کے قائل کو جس طرح تقویٰ سے کوئی واسطہ نہیں اسی طرح ایمان سے بھی کوئی تعلق نہیں۔

خوب خیال کر لیا جائے کہ فلاح پانے والوں کیلئے اولین مقدم ترین شرط یہ ہے کہ ان کا ایمان غیب پر ہو، سائنسی اکتشافات، فلسفیانہ نکتہ آفرینیوں، منطقی موشگافیوں اور سارے علوم وفنون کی اس راہ میں کوئی پرسش نہیں۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ بقرہ، حاشیہ نمبر ۸)

اقتباس

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسان کو امتحان کیلئے پیدا کیا ہے، اس لئے عالم غیب پر پردہ ڈال دیا گیا ہے، مطلوب ایمان بالغیب ہے، اگر دوزخ کو اس کی تمام ہولنا کیوں کے ساتھ سامنے کر دیا جائے تو کس کی مجال ہے کہ سرکشی کرے، لیکن ایسی شکل میں امتحان کا مقصد فوت ہو جائے گا، امتحان کا مقصد اسی صورت میں پورا ہوسکتا ہے کہ اللہ کی باتوں پر آدمی ایمان لائے اور اللہ کے رسول ﷺ نے جو خبر دی ہے، اس کو اس طرح تسلیم کرے گویا کہ وہ ان ساری چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے جس سے اس کو خبردار کیا گیا ہے۔

قرآنِ مجید سے کالجوں، یونیورسٹیوں کی تعلیم پر استدلال صحیح نہیں ہے

شیطان پروپیگنڈوں اور افواہوں کا ماسٹر مائنڈ ہے، اپنے باطل افکار و نظریات کیلئے اتنے زور و شور سے پروپیگنڈہ کرتا ہے کہ علم و دانش کے بڑے بڑے پہلوانوں یہاں تک کہ زہد و تصوف کے میدان کے بہت سے شہسواروں کے قدم بھی پھسل جاتے ہیں، مسلمانوں کی خوشحالی اور مسلم نوجوانوں کی مادّی ترقی کیلئے جدید علوم و فنون، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم کا اس طرح پروپیگنڈہ شروع کر دیتا ہے کہ بہت سے مسلم دانشور اور عالم بھی یہ کہنے لگتے ہیں کہ اگر مسلمان ہندوستان میں دوسری قوموں کے ساتھ شانہ سے شانہ ملا کر چلنا چاہتے ہیں اور ایک ترقی یافتہ معیاری زندگی کے طالب ہیں، تو کالجوں اور یونیورسٹیوں کی اعلیٰ تعلیم کی طرف تیز قدم بڑھانا چاہئے، تاکہ علمی میدان میں ہم وطنوں سے پیچھے نہ رہ جائیں۔

اس پروپیگنڈہ سے دنیا پرست دانشور اور علماء اسقدر متاثر ہوئے کہ یہ بھی نہیں سوچ سکے کہ اعلیٰ تعلیم کس کو کہتے ہیں، چنانچہ بہت سی اسلامی درسگاہوں کے اشتہار میں یہ لکھا ہوا ملے گا کہ ہماری درسگاہ کا تعلق علی گڈھ یونیورسٹی جامعہ ملیہ دہلی وغیرہ سے ہے، یہاں سے فضیلت کی ڈگری لے کر اعلیٰ تعلیم کیلئے جدید کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی ان کا داخلہ ہو جاتا ہے، اور اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے وہ زندگی کے میدان میں آگے بڑھ سکتے ہیں۔

بہت حیرت کی بات ہے کہ قرآن و حدیث کی تعلیم کے مقابلے میں جدید علوم و فنون کو کیسے اعلیٰ تعلیم کہا جاتا ہے، اعلیٰ تعلیم تو صرف قرآن و حدیث کی تعلیم ہے، جو لوگ جدید علوم و فنون کو یا انگریزی تعلیم کو اعلیٰ تعلیم کہتے ہیں، وہ قرآن و حدیث کی توہین کے مرتکب ہیں اور قرآنِ حکیم کی عربی زبان کا مذاق اڑاتے ہیں۔

ہم جدید علوم و فنون کے مخالف نہیں ہیں، جائز مقاصد کیلئے ان کو حاصل کرنا چاہئے، لیکن قرآن و حدیث کے علم کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، ان علوم و فنون کیلئے قرآن سے استدلال نہیں کرنا چاہئے، قرآن نے صرف علم دین کو علم کہا ہے، اسی علم کو علم کہا جاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو۔

صحابہ کرامؓ کو اسی علم دین میں کمال حاصل تھا، جو علم و فن میں جس حیثیت کا ہے اس کو اسی دائرے میں رکھئے، قرآن و حدیث کے علم کے مقابلے میں اس کو اعلیٰ تعلیم مت کہئے، ہاں علم دین کے ساتھ ساتھ جائز حدود میں رہتے ہوئے ان جدید علوم و فنون کو سیکھئے، اگر یہ علوم و فنون کسی مسلمان کو دین سے غافل کر دیں تو دنیا و آخرت دونوں میں اس کیلئے ہلاکت ہے۔　علومِ جدیدہ پر علامہ اقبال نے خوب تبصرہ کیا ہے، فرماتے ہیں کہ،

کھلے ہیں سب کیلئے غربیوں کے میخانے
علومِ تازہ کی سرمستیاں گناہ نہیں

اسی سرور میں پوشیدہ موت بھی ہے تری
ترے بدن میں اگر سوز لاالہ نہیں

دین کو نظر انداز کر کے کالجوں اور یونیورسٹیوں کا دردناک نتیجہ بھی ہمارے سامنے ہے کہ مسلم نوجوانوں اور مسلم لڑکیوں میں بگاڑ پیدا ہو گیا ہے، زیادہ تر نوجوان مغربی تہذیب کے دھارے میں بہنے لگے ہیں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے والی لڑکیاں اسلامی تہذیب، اسلامی شعار، اسلامی اخلاق اور اسلامی پردہ سے بیگانہ ہوتی جارہی ہیں، جدید علوم وفنون اور انگریزی تعلیم کے نتائج کو اکبر الہ آبادی نے بھانپ لیا تھا اور اس عارف ہندی نے بہت پہلے یہ کہہ دیا تھا کہ:۔

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی قوم نے ڈھونڈ لی فلاح کی راہ
یہ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم کا نتیجہ سب کے سامنے ہے کہ جو لڑکیاں گھر کی زینت تھیں، چادر عصمت وعفت میں ملبوس رہتی تھیں وہ گھر سے باہر نکل کر شمع انجمن بنتی جارہی ہیں اور غیر محرموں کے ساتھ اختلاط ان کیلئے بچوں کا کھیل ہو گیا ہے۔ اکبر الہ آبادی نے کہا تھا کہ:۔

حامدہ چمکی نہ تھی انگلش سے جب بیگانہ تھی
اب ہے شمع انجمن پہلے چراغ خانہ تھی

ایک شاعر نے بہت ہی درد کے ساتھ کہا تھا کہ:۔

یہ نمائش گاہ میں مردوں سے بیباکانہ میل ☆ اختلاط ناروا ان کیلئے بچوں کا کھیل
جیسے ان کو چاہنے والا کوئی ملتا نہ ہو ☆ اوران کے باغ دل کا گل کہیں کھلتا نہ ہو
ہائے وہ عورت جو آئی تھی محبت کیلئے ☆ ہو گئی مجبور عصمت کی تجارت کیلئے

یہ ہے قرآن وحدیث سے بیگانہ ہو کر علوم جدیدہ کی طرف بڑھنے کا نتیجہ، علوم جدیدہ بقول علامہ اقبال علوم تازہ کی تباہ کاریوں سے بچنے کا صرف یہی راستہ ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ان علوم کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور تمام مسلم کالجوں اور مسلم یونیورسٹیوں کے نصاب تعلیم میں سرفہرست قرآن وحدیث اور صحابہ وصحابیاتؓ کی زندگی کو رکھا جائے، اگر ایسا نہیں کیا گیا تو وہ دن دور نہیں کہ مادّی ترقی کا خواب دیکھنے والے چاہے دنیا پرست دانشور ہوں یا دنیا دار علماء ہوں وہ اپنے سامنے ملت کے آشیاں کو جلتا ہوا دیکھنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

یہی حالت رہی تو دیکھ لینا
دھواں اٹھے گا اک دن آشیاں سے

جدید علوم وفنون کی ترغیب دینے والوں سے میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا کبھی آپ کو اس بات کی بھی فکر ہوئی کہ یہ نوجوان قرآن وحدیث کو جانتے ہیں کہ نہیں، اللہ کی کتاب اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے کلام کے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ نہیں؟ اکبر الہ آبادی نے خوب کہا تھا کہ:۔

شیخ صاحب کا تعصب ہے جو فرماتے ہیں ☆ اونٹ موجود ہے پھر ریل پہ کیوں چڑھتے ہو
شیخ صاحب کا یہ قول ہے البتہ بہت بامعنی ☆ کہ سمجھ بوجھ کے قرآن بھی کبھی پڑھتے ہو

جو لوگ آخرت کو نظر انداز کر کے کسی بھی طرح کی ترقی چاہتے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہماری ترقی کا میدان آخرت ہے، دنیا بیچاری اس لائق کہاں ہے کہ اسکو ترقی کا میدان بنایا جائے، جس کا آخرت اور جنت پر ایمان ہے وہ کسی کالج اور یونیورسٹی اور کسی مادّی ترقی سے مرعوب نہیں ہوسکتا، آخرت کو پس پشت ڈال کر جو لوگ دنیا میں ترقی کا خواب دیکھ رہے ہیں وہ خود بھی اپنے آپ کو اندھیرے میں ڈھکیل رہے ہیں اور دنیا والوں کیلئے بھی ظلمت اور فتنہ کا سبب بنے ہوئے ہیں، ان کی وجہ سے دنیا کی رونق بڑھ نہیں رہی ہے بلکہ گھٹ رہی ہے، اگر یہ حقیقت کسی شپرہ چشم کی سمجھ میں نہ آئے وہ تاریکی کو روشنی سمجھے تو یہ خود اس کے مزاج اور اس کی فہم کا قصور ہے۔ سچ ہے:۔

نگاہِ خلق میں دنیا کی رونق بڑھتی جاتی ہے
مری نظروں میں پھیکا رنگ محفل ہوتا جاتا ہے

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ بقرہ کا حاشیہ نمبر ۴۰۵ / پڑھئے۔

قرآن مجید نے علم اور اس کے مختلف صیغوں ''یَعْلَمُوْن'' وغیرہ کو جہاں جہاں استعمال کیا ہے عموماً علم حقیقی علم وحی ونبوت ہی کے معنی میں کیا ہے، ان آیتوں سے آج کے رواجی ''علوم وفنون'' اور اسکولوں، کالجوں یونیورسٹیوں کی تعلیم پر استدلال کرنا کس قدر ظلم قرآن مجید اور فہم سلیم دونوں پر ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ بقرہ، حاشیہ نمبر ۴۰۵)

❁ ❁

مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کی حسین تمنا

دنیا اور آخرت میں دونوں میں کامیابی یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی میں اپنی زندگی کے لمحات گذارنے کی کوشش کرے، اللہ کی اطاعت پر جما رہے، موت کی تیاری میں مشغول رہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کی حالت میں موت آئے، موت کے بارے میں انسان کو کچھ نہیں معلوم کہ وہ کب آئے گی اور کس حال میں آئے گی، اسلئے عقلمندی یہی ہے کہ ہر وقت چوکنا رہے اور اللہ کی اطاعت سے غافل نہ ہو، تاکہ جب اللہ کے فرشتے روح قبض کرنے کیلئے آئیں تو اس کی روح اس کے جسم سے اللہ کی اطاعت کی حالت میں نکلے۔

مولانا اسعد اللہ صاحب نے خوب فرمایا ہے کہ، ۔

گو ہزاروں شغل ہیں دن رات میں
لیکن اسعدؔ آپ سے غافل نہیں

اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے اپنے دین اسلام کو منتخب کرلیا ہے، اس انتخاب کا تقاضا ہے کہ اللہ کی اطاعت سے غافل نہ رہیں، ایسا نہ ہو کہ ہم اللہ کی مرضی کے خلاف کسی کام میں مشغول ہوں اور اسی نافرمانی کے حالت میں موت آجائے، ایک بندۂ مومن کیلئے اس سے بہتر کوئی تمنا اور آرزو نہیں ہوسکتی کہ جب موت آئے تو اسلام کی حالت میں آئے، فتنوں سے بھری ہوئی اس دنیا میں اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھے۔

اے اللہ تیرا یہ نالائق بندہ مختار احمد اصلاحیؔ بہت کمزور ہے، اسکی قوت ارادی میں کوئی استحکام نہیں ہے بس تو ہی اسکو اپنی اطاعت پر ثابت قدم رکھ اور جب دنیا سے رخصتی کا وقت آئے تو میں تیرے ذکر و فکر میں مشغول رہوں، ۔

رہوں یاد میں تیری مشغول ہر دم
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

راقم الحروف کا ایک دعائیہ شعر ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موت کے وقت ایسا ہی ہو، ۔

موت جب آئے تو گھبراہٹ نہ ہو دل میں مرے
میری طرف تیری نظر ہو، تیری طرف میری نظر

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ بقرہ کا حاشیہ نمبر ۴۷۸ ر پڑھئے۔

چوں کہ موت کا وقت انسان کے علم میں نہیں ہے اسلئے تیار اس کیلئے ہر وقت اور ہمیشہ رہو، مطلب یہ ہوا کہ مسلم ہمہ وقت بنے رہو، ایمان کو ہر لحظہ دل میں جگہ دیئے رہو، راقم سطور نامہ سیاہ سے اگر فرمائش کی جائے کہ سارے قرآن مجید سے کسی ایک آیت کا اپنے لئے انتخاب کرلے تو اس کی نظر انتخاب اسی

آیت بلکہ اس کے آخری جزء پر پڑے گی۔

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ " بیشک اللہ نے تمہارے لئے دین کا انتخاب فرمالیا ہے سوایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ تم مرتے وقت بجز مسلم کے کچھ اور ہو۔ (قرآن حکیم)

جی یہی ہے کہ زندگی کی ہر ساعت میں یہی آیت ورد زباں رہے اور دل میں اسی کے معنی کا استحضار رہے، موت کے وقت یہی دل وزبان پر ہو اور بعد موت یہی کفن پر بھی لکھ دی جائے اور قبر کے کتبہ پر بھی کندہ کردی جائے۔

بارہا اس آیت پر وجد طاری ہو چکا ہے، بارہا اس آیت پر آنسو جاری رہ چکے ہیں، اور دل یہ کہتا ہے کہ احکام کی حد تک سارے قرآن مجید کا لب لباب یہی آیت ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ بقرہ، حاشیہ نمبر ۴۷۸)

اقتباس

اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے اپنے دین اسلام کو منتخب کرلیا ہے، اس انتخاب کا تقاضا ہے کہ اللہ کی اطاعت سے غافل نہ رہیں، ایسا نہ ہو کہ ہم اللہ کی مرضی کے خلاف کسی کام میں مشغول ہوں اور اسی نافرمانی کے حالت میں موت آجائے، ایک بندۂ مومن کیلئے اس سے بہتر کوئی تمنا اور آرزو نہیں ہوسکتی کہ جب موت آئے تو اسلام کی حالت میں آئے، فتنوں سے بھری ہوئی اس دنیا میں اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھے۔

دشمنوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے

جب دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی طرف ہے، تو مسلمانوں کو ڈرنے اور گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، حیرت ہے کہ آج مسلمان حالات کا شکوہ کرتے ہیں اور اسلام دشمن طاقتوں سے خائف رہتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں مسلمانوں کو یہ یقین دلا دیا کہ اللہ ان کے ساتھ ہے، دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ مسلمانوں کیلئے کافی ہے، تو پھر ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔

بپھری ہوئی موجیں ہوں کہ طوفانِ بلا ہو
جب اس کا سہارا ہے تو کس بات کا ڈر ہے

آج اگر مسلمان پوری دنیا میں پریشان ہیں، اسلام دشمن طاقتوں کے غلام بنے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کی ہیبت کفار و مشرکین کے دلوں سے نکل گئی ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ مسلمانوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے کمزور ہو گیا ہے یا بالکل ہی نہیں ہے، یہ ناممکن ہے اور ہزار بار ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد مسلمانوں کے ساتھ ہو اور وہ دنیا میں مغلوب ہوں اور دشمن جس طرح چاہیں ان کو لقمہ تر بنا لیں۔

مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھیؒ نے بہت ہی یقین کے ساتھ فرمایا ہے کہ:

جب مدد پر ہے مکین لا مکاں
کیا کریں گے پھر مرے نا مہرباں

بس ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنا رشتہ مضبوط کریں اور اپنی بداعمالیوں سے باز آ جائیں ہمارا کوئی قدم اللہ کی مرضی کے خلاف نہ اٹھے، تو پھر انشاء اللہ دشمنوں کی کوئی طاقت ہم کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

ہے اللہ موجود تو پھر ہے غم کیا
موافق جو تیرے زمانہ نہیں ہے

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ بقرہ کا حاشیہ نمبر ۴۹۵ / پڑھئے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسکین اور تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ ہجوم اعداء اور قوت و کثرت مخالفین سے ذرا بھی تشویش اور فکر نہ کریں، یہ حق کے معاندین آپ کو اور آپ کے دین کو گزند پہنچانے میں ہرگز کامیاب نہ ہوں گے اب اللہ آپ کا نگہبان ہے، آیت میں بڑا سبق صبر و تسکین کا امت کیلئے ہجوم اعداء و مخالفین کے وقت ہے۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ بقرہ، حاشیہ نمبر ۴۹۵)

دین کا رنگ مسلمانوں پر پیوست ہو جانا چاہئے

دین اسلام کو جو رنگ سے تشبیہ دی گئی ہے تو یہ بہت ہی حکیمانہ تشبیہ ہے، دنیا میں جتنی بھی چیزیں ہیں سب کا رنگ جدا جدا ہوتا ہے، اور رنگ ہی سے ہم پہچانتے ہیں کہ یہ فلاں چیز ہے، سیب کا رنگ الگ ہوتا ہے، امرود کا رنگ الگ ہوتا ہے، کیلے کا رنگ الگ ہوتا ہے، یہ سارے پھل ایک جگہ اکٹھا ہوں تو ہم رنگ سے پہچان جائیں گے کہ یہ سیب ہے، یہ امرود ہے اور یہ کیلا ہے، جانوروں کے رنگ بھی الگ الگ ہوتے ہیں، گائے اور بھینس کا رنگ الگ ہوتا ہے، شیر کا رنگ الگ ہے گیدڑ کا رنگ الگ ہے، اگر مختلف قسم کے جانور ایک جگہ مجتمع ہوں تو ان کے رنگ کو دیکھ کر ہم ان کے درمیان امتیاز کر لیں گے کہ یہ شیر ہے، یہ بیل ہے، یہ بھینس ہے یہ بکری ہے یہ گیدڑ ہے۔

اگر سب کا رنگ ایک ہی ہوتا تو ان کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا، اسی طرح کافر و مشرک کا رنگ الگ ہوتا ہے، منافق کا رنگ الگ، یہودی عیسائی اور مجوسی کا رنگ الگ اور مسلمانوں کا رنگ الگ، اگر سارے مذاہب کے لوگ ایک ہی رنگ کے ہوں تو ان کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہو جائے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو چاہئے کہ وہ اسلامی رنگ میں رنگ جائیں، اسلام کا رنگ ان کے ظاہر و باطن پر اس طرح پیوست ہو جائے کہ دور سے دیکھ کر پہچان لیا جائے کہ وہ مسلمان ہیں، ایک مسلمان کو اپنے اسلامی رنگ کی وجہ سے دنیا کے تمام انسانوں میں ممتاز رہنا چاہئے، غیروں کے رنگ میں ہونے کی وجہ سے کتنا بڑا دینی نقصان ہوتا ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگا سکتے ہیں۔

نصیر خاں بلوچی اور پنجاب کی سکھ حکومت کے درمیان ایک مرتبہ جنگ ہوئی، ایک موقع پر اس جنگ میں نصیر خاں زخمی ہو کر گھوڑے سے گر گئے، دو سکھ سپاہی ان کے پاس سے گذرے ایک نے چاہا کہ کام تمام کر دے، اس زمانے کے بلوچی بڑے بڑے بال رکھتے تھے، نصیر خاں کی بھی لٹیں تھیں، دوسرے سکھ نے کہا کہ نہیں نہیں یہ ہمارا بھائی ہے اس کو قتل نہ کرو، جب جنگ ختم ہوئی اور نصیر خاں بلوچی اپنے دارالحکومت میں پہنچے تو انہوں نے خود بھی اپنے بال ترشوائے اور پوری قوم کو بال ترشوانے کا حکم دیا اور انہوں نے بہت ہی حسرت سے کہا کہ، ان منحوس بالوں نے میرے مسلمان ہونے کے بارے میں شبہہ پیدا کر دیا اور میں شہادت سے محروم رہا۔

سوچئے، غیروں کے رنگ میں ہونے کی وجہ سے ایک مسلمان کس طرح شہادت کی سعادت سے محروم ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ اسلام کے رنگ میں رنگ جائیں، اخلاقِ ربانی سے متصف ہو جائیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کائنات ارضی و سماوی میں اسلام سے اچھا کوئی رنگ نہیں ہے، تو یہ کسقدر بے غیرتی

کی بات ہے کہ اسلام کا دعویٰ کرنے کے باوجود مسلمان دوسری قوموں کے رنگ میں نظر آئیں، باطن کو بھی اسلامی رنگ میں ہونا چاہئے اور ظاہر پر بھی اسلامی رنگ نظر آئے، جس دن مسلمان اسلام کے رنگ میں آجائیں گے انشاء اللہ پوری دنیا ان سے مرعوب ہو جائیگی، اسلام کے رنگ سے اسلام دشمن طاقتوں پر ہیبت طاری ہو جائے گی۔

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ بقرہ کا حاشیہ نمبر ۴۹۷ پڑھئے۔

یعنی اس کے دین کا رنگ دین فطرت کا رنگ جو اہل حق میں اس طرح جذب و پیوست ہو گیا جیسے کپڑے میں رنگ جذب و پیوست ہو جاتا ہے، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٌ وَسُمِّیَ صِبْغَةً لِظُهُوْرِ اَثَرِ الدِّیْنِ عَلٰی صَاحِبِهٖ کَظُهُوْرِ اَثَرِ الصِّبْغِ عَلَی الثَّوْبِ وَلِاَنَّهٗ یَلْزِمُهٗ وَلَایُفَارِقُهٗ" (بحر)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ دین اسلام کو رنگ اس لئے کہا گیا ہے کہ جس طرح کپڑے پر رنگ کا اثر ظاہر ہوتا ہے اسی طرح دین اسلام کا رنگ بھی ایک مسلمان پر ظاہر ہوتا ہے، اور جس طرح کپڑے سے یہ رنگ جدا نہیں ہوتا اس پر پیوست رہتا ہے اسی طرح اسلام کا رنگ ایک مسلمان کے اندر پیوست ہونا چاہئے اس کو جدا نہیں ہونا چاہئے۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ بقرہ، حاشیہ نمبر ۴۹۷)

❁❁

اقتباس

اس کائنات ارضی وسماوی میں اسلام سے اچھا کوئی رنگ نہیں ہے، تو یہ کس قدر بے غیرتی کی بات ہے کہ اسلام کا دعویٰ کرنے کے باوجود مسلمان دوسری قوموں کے رنگ میں نظر آئیں، باطن کو بھی اسلامی رنگ میں ہونا چاہئے اور ظاہر پر بھی اسلامی رنگ نظر آئے، جس دن مسلمان اسلام کے رنگ میں آجائیں گے انشاء اللہ پوری دنیا ان سے مرعوب ہو جائے گی، اسلام کے رنگ سے اسلام دشمن طاقتوں پر ہیبت طاری ہو جائے گی۔

ملت اسلامیہ ساری دنیا کیلئے نمونہ ہے

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو سارے عالم کیلئے بہترین نمونہ بنا کر بھیجا اور صحابہ کرامؓ نے اپنے آپ کو اسوۂ نبوی کے سانچے میں ڈھال لیا تھا، اب ان کے بعد دنیا کے تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی کا عملی نمونہ دنیاوالوں کے سامنے پیش کریں۔

مسلمانوں کیلئے یہ کس قدر عزت وشرف کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کے تمام انسانوں کیلئے نمونہ بنایا ہے، کسی کے اندر کشش اسی صورت میں ہوتی ہے کہ وہ حسن و جمال کا سچا نمونہ بن جائے، اگر مسلمان اسلام کا صحیح نمونہ بن جاتے تو اس دور میں بھی بہت سے لوگ ان کی طرف کھنچتے، لیکن جب دیکھ رہے ہیں کہ مسلمانوں کی عملی زندگی ان کی زندگی سے کوئی خاص مختلف نہیں ہے تو اسلام کی طرف ان کو رغبت نہیں ہوتی، اسلام وہ حسن مجسم ہے جس کی ہر ادا حسین ہے، اس کے حسن سراپا میں کسی طرح کا کوئی نقص نہیں ہے۔

کہنے والے نے سچ کہا ہے کہ:

کس ادا پر جان دوں تو ہی بتا اے جان جاں
جس ادا کو دیکھتا ہوں حسن کی تصویر ہے

جو سراپا حسن مجسم ہوتا ہے وہ کسی کی نقالی نہیں کرتا، بلکہ جن لوگوں کی شکل وصورت اچھی نہیں ہوتی وہ اس بات کے محتاج ہوتے ہیں کہ اس حسن سراپا کی حسین اداؤں کی نقالی کر کے اپنے کو بھی کچھ حسین وخوب صورت بنانے کی کوشش کریں، اب آج اگر مسلمان اسلام کے حسین لباس کو نظر انداز کر کے دوسری قوموں کی نقالی کریں، ان کی تہذیب، ان کی وضع قطع ان کے رسم ورواج کو اختیار کریں تو کس قدر بے غیرتی کی بات ہے۔

اگر مسلمان حسن سراپا میں ڈھل جاتے تو ہر طرح کی مخالفت اور ہر قسم کے تعصب کے باوجود دنیا کے لوگ مسلمانوں کی طرف رجوع کرتے اور اللہ جن کو ہدایت دیتا وہ حلقہ اسلام میں داخل ہو جاتے، آج مسلمان شکایت کرتے ہیں کہ دنیا کے لوگ ان پر ظلم ڈھا رہے ہیں، لیکن حقیقت ہے کہ اسلام کا سچا نمونہ نہ بننے کی وجہ سے وہ تمام غیر مسلموں پر ظلم کر رہے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیاوالوں کیلئے نمونہ بنایا ہے وہ اگر نمونہ بن کر لوگوں کے سامنے نہ آئیں تو اس سے بڑا حادثہ دنیائے انسانیت کیلئے کوئی نہیں ہوسکتا۔

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ بقرہ کا حاشیہ نمبر ۵۱۹ پڑھئے۔

ملت اسلامی انفرادی واجتماعی دونوں حیثیتوں سے ساری دنیا کیلئے بہ طور نمونہ کے تیار کی گئی تھی، کائنات کی ہر امت کو اسی سانچے میں ڈھلنا اور اسی معیار پر پورا اترنا چاہئے تھا، نہ یہ کہ خود یہ امت اپنے

کو بھول کر ہر مشرک، ملحد، بے مذہب امت کی تقلید و نقالی میں لگ جائے۔

آیت سے کمال درجہ کی فضیلت امت اسلامی کی ثابت ہو رہی ہے، شہداء سے یہ تنبیہ بھی نکل رہی ہے کہ مسلمانوں کو اخلاقی پستی اور فسق و فجور سے بچے رہنا چاہئے ورنہ پھر ادائے شہادت کے قابل ہی کہاں رہ جائیں گے اور دوسروں کے مقابلہ میں حجت کیسے ہو سکیں گے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ بقرہ، حاشیہ نمبر ۵۱۹)

اقتباس

جو سراپا حسن مجسم ہوتا ہے وہ کسی کی نقالی نہیں کرتا، بلکہ جن لوگوں کی شکل و صورت اچھی نہیں ہوتی وہ اس بات کے محتاج ہوتے ہیں کہ اس حسن سراپا کی حسین اداؤں کی نقالی کر کے اپنے کو بھی کچھ حسین و خوب صورت بنانے کی کوشش کریں۔

آج اگر مسلمان اسلام کے حسین لباس کو نظر انداز کر کے دوسری قوموں کی نقالی کریں، ان کی تہذیب، ان کی وضع قطع ان کے رسم و رواج کو اختیار کریں تو کس قدر بے غیرتی کی بات ہے، اگر مسلمان حسن سراپا میں ڈھل جاتے تو ہر طرح کی مخالفت اور ہر قسم کے تعصب کے باوجود دنیا کے لوگ مسلمانوں کی طرف رجوع کرتے اور اللہ تعالیٰ جن کو ہدایت دیتا وہ حلقہ اسلام میں داخل ہو جاتے۔

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

محبوبیت، مرادیت اور فنائیت کا مقام اتنا بلند ہے کہ مجھ جیسے نااہل کیلئے مشکل ہے کہ اس موضوع پر بہت زیادہ لکھ سکے، البتہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف خاص سے راقم الحروف کو بھی اپنے محبوب مراد اور فنافی اللہ بندوں کی فہرست کے کسی کنارے شامل کردے۔ آمین

جب بندہ اپنے آپ کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو محبوب بنا لیتا ہے اور اس سے وہی کام لیتا ہے جو اس کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے، اور وہ بندہ اگر بھی چاہے تو اس کو بھاگنے نہیں دیتا۔

بقول خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ، ؎

زبردستی لگا دی منہ سے بوتل میرے ساقی نے
میں کہتا رہ گیا ہاں ہاں نہیں ساقی نہیں ساقی

یہ مقام بلند، اللہ کے لطف خاص سے جس بندے کو حاصل ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اسکی خواہش کو پورا کرتے ہیں اور جنت کا مقام اس کو اسی دنیا میں حاصل ہو جاتا ہے، کیونکہ جنت میں یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بندے سے خود پوچھیں گے کہ تمہاری مرضی کیا ہے، مرادیت ومحبوبیت کا سب سے بلند مقام جس کو ملا وہ حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے، ہر وہ بندہ اس مقام کے کچھ نہ کچھ حصے کو پا سکتا ہے جو اپنی تمام مرضیات اور خواہشات کو اللہ کی مرضی میں گم کردے، پھر اس کو نسبت کا مقام حاصل ہو جاتا ہے اور وہ مرید سے مراد ہو جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنے مقام قرب سے دور نہیں کرتے۔ ؎

نسبت اسی کا نام ہے نسبت اسی کا نام
ان کی گلی میں آکے پھر جانے نہ پایئے

مقامِ فنائیت کو ایک واقعہ سے سمجھ سکتے ہیں، ایک آدمی نے ایک غلام خریدا اور اس سے پوچھا کہ کیا کھاؤ گے؟ اس نے کہا کہ جو آپ کھلائیں، پوچھا کہ کیا پہنو گے؟ اس نے کہا کہ جو آپ پہنائیں، اس نے پوچھا کہ کہاں رہو گے؟ اس نے کہا جہاں آپ رکھیں گے، اس آقا نے کہا عجیب بات ہے کہ تمہاری اپنی کوئی مرضی نہیں ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اگر میری اپنی مرضی رہتی تو میں غلام ہی کیوں ہوتا؟ غلام کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی جو آقا کی مرضی ہوتی ہے وہی غلام کی مرضی ہوتی ہے، جب کوئی بندہ اس طرح فنائیت کے مقام تک پہنچ جاتا ہے تو دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اس کی خواہش اور مرضی کو پورا کرتے ہیں۔

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ بقرہ کا حاشیہ نمبر ۵۲۷ پڑھئے۔

یعنی خانۂ خدا و قبلۂ ابراہیمی کی جانب یہ وعدہ ہے تحویل قبلہ کا، یہاں بجائے براہ راست یہ اشارہ فرمانے کے کہ ہم کعبہ کی طرف آپ کو پھیر دیں گے، ارشاد یہ ہوا ہے کہ ہم اسے آپ کا قبلہ قرار دے دیں گے جسے آپ خود قبلہ بنانا چاہتے ہیں، اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال رفعت مراتب اور کمال درجہ فنا و محبوبیت ظاہر ہے۔

کیا ٹھکانہ ہے اس بلندیٔ مرتبہ کا کہ مولا خود طالب رضائے عبد ہو جائے، اس کے آگے کوئی مرتبہ تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ علامہ اقبالؒ نے اسی مقام کی تشریح کی ہے ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

(بحوالہ تفسیر سورہ بقرہ، حاشیہ نمبر ۵۲۷)

اقتباس

جب بندہ اپنے آپ کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیتا ہے تو اللہ اس کو محبوب بنا لیتا ہے اور اس سے وہی کام لیتا ہے جو اس کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے، اگر وہ بھاگنا بھی چاہے تو اس کو بھاگنے نہیں دیتا۔

بقول خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ ؎

زبردستی لگا دی منہ سے بوتل میرے ساقی نے
میں کہتا رہ گیا ہاں ہاں نہیں ساقی نہیں ساقی

اللہ سے تعلق ہی تسکین قلب کا ذریعہ ہے

اس وقت ایک لڑکا کس قدر مطمئن اور بے خوف ہو جاتا ہے، جب اس کے ماں اور باپ اس کے قریب ہوتے ہیں، کیونکہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ ماں باپ کی موجودگی میں کوئی اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، جب کہ یہ ممکن ہے کہ کوئی دشمن حملہ کرے تو ماں باپ اس کو بچانے میں ناکام ہو جائیں، لیکن اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے، اگر بندے کو یقین ہو جائے کہ پروردگار عالم اس کے ساتھ ہے جس کے قبضہ قدرت میں ساری کائنات ہے، دوستوں اور دشمنوں کی پیشانی اسی کی مٹھی میں ہے تو اس وقت جو دل کو سکون حاصل ہوگا اور دل میں بے خوفی کا عالم ہوگا اس کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا۔

ایک بزرگ نے خوب اللہ کی معیت کے استحضار کی تصویر کشی کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔

اگر معیت نہ ہو ان کی تو گھبراؤں گلستاں میں
اگر وہ ساتھ ہوں، صحراء میں گلشن کا مزا پاؤں

ایک سوال کچھ نادانوں کے ذہن میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ ساتھ ہے تو پھر کیسے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ گرائے جا رہے ہیں، تو اس کو ایک مثال سے سمجھ سکتے ہیں۔

ایک باپ کو اپنے بیٹے سے کس قدر محبت ہوتی ہے اور کس طرح وہ اپنے بیٹے کو ہر طرح کے دشمنوں اور ہر طرح کی تکلیفوں سے بچانے کی کوشش کرتا ہے، لیکن وہی باپ کبھی کبھی ایسا کرتا ہے کہ کسی غریب سے کہتا ہے کہ میں یہاں کھڑا ہوں، میرے سامنے میرے اس لڑکے کی پٹائی کرو، اس کو مارو اس کا دماغ کچھ خراب ہو گیا ہے، تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ باپ کو اپنے بیٹے سے دشمنی ہے یا باپ بڑا ظالم ہے کہ اپنے سامنے اپنے لڑکے کو پٹوا رہا ہے، نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ باپ کی شفقت اور محبت ہی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو اپنے سامنے غیروں سے پٹوا رہا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس وقت بیٹے کے دماغ میں کچھ خطرناک قسم کا فاسد مادہ جمع ہو گیا ہے، جو بجلی کا جھٹکا دیے بغیر نہیں نکل سکتا، اس لئے وہ اس کی پٹائی کرا رہا ہے، تاکہ وہ فاسد مادہ نکل جائے اور یہ فاسد مادہ جس خطرناک بیماری کی شکل اختیار کرنے والا تھا وہ اس سے بچ جائے۔ سچ ہے کہ۔

ہو خوشی یا درد و غم کی داستاں
سب میں شامل ان کا ہے لطف نہاں

عارف ہندی اکبر الہ آبادی نے بھی خوب کہا کہ۔

غم میں بھی قانونِ فطرت سے میں کچھ بدظن نہیں
یہ سمجھتا ہوں کہ میرا دوست ہے دشمن نہیں

کبھی رفع درجات اور کفارہ سیئات کے لئے بھی سخت آزمائش میں بندۂ مومن کو مبتلا کیا جاتا ہے، کبھی مسلمانوں کی جماعت میں شامل منافقوں کو الگ کرنے کیلئے، مسلمانوں کو امتحان و ابتلاء کے زلزلہ شدید سے گذرنا پڑتا ہے، اگر یہ سخت امتحان نہ لیا جائے تو مسلمانوں کی جماعت سے یہ منافق چپکے رہیں گے، اور در پردہ ان کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے، جو اللہ سے سچی محبت کرنے والے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والی آزمائش میں لذت محسوس کرتے ہیں۔ کیوں کہ۔

بلائے دوست کی لذت کو غیر کیا جانے
کرم ہے اس کا چنا مجھ کو امتحاں کیلئے

وہ جانتے ہیں کہ یہ ابتلاء و آزمائش اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے۔ کیونکہ۔

امتحاں عاشق کا ہوتا ہے منافق کا نہیں

اس ابتلاء و آزمائش کو دیکھ کر مسلمان کی جماعت میں جو منافق گھسے رہتے ہیں وہ شک اور تذبذب کا شکار ہوجاتے ہیں، انکی باطنی خباثت باہر آجاتی ہے جس کی وجہ سے مسلمان ان کو اچھی طرح پہچان لیتے ہیں اور وہ مسلمان کی جماعت سے الگ ہوجاتے ہیں، امتحان کی کسوٹی ہی سے پتہ چلتا ہے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے۔

محبت کی کسوٹی پر حقیقت ہو گئی عریاں
جو کہلاتے تھے دیوانے وہ نکلے ہائے فرزانے

ایک صاحب عزت آدمی ایک دفعہ درویشوں اور اللہ کے عاشقوں کی جماعت میں حاضر ہوئے اور کہا، السلام علیکم، سلام کے جواب کے بعد پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ درویشوں کا غلام ہوں اس جماعت کے کسی درویش نے ایک سے کہا کہ اٹھ جاؤ ان کو بازار جا کر بیچ آؤ، اسی وقت بازار لے گئے اور بیچ دیا، جب خریدار اس معزز شخص کو اپنے گھر لایا ان کے کاموں اور اعمال کو دیکھا تو دنگ رہ گیا۔ سبحان اللہ، آپ جیسا شخص غلام کیسے ہوسکتا ہے؟ اے بزرگ محترم مجھے اس کام کے راز سے آگاہ کیجئے، آپ آزاد ہیں، جائیے اپنے کام میں مشغول رہیں، انہوں نے کہا اے میرے خریدار آقا، میں نے دعویٰ کیا تھا کہ میں درویشوں کا غلام ہوں، درویشوں نے مجھ سے میرے اس دعویٰ کی دلیل طلب کی جس کا مشاہدہ آپ نے کیا، سچ ہے دعویٰ بغیر دلیل کے باطل ہے۔ (بحوالہ مکتوبات دوصدی، یحییٰ منیریؒ)

بہر حال ہمہ وقت یہ استحضار کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور ہمارا کارساز ہے، اہل ایمان کو پر کیف اور مطمئن رکھتا ہے اور ان کے دل سے غیروں کا خوف نکل جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی معیت کا استحضار بہت لذت بخش ہوتا ہے جس کو اہل محبت ہی محسوس کرتے ہیں، کسی دوسرے کیلئے ممکن نہیں ہے کہ اس لذت کا تصور کر سکے۔

ایک سبق آموز واقعہ پڑھئے جس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنے کے بعد بندۂ مومن کس قدر مطمئن ہو جاتا ہے، شقیق بلخیؒ (۱۹۴ھ) نے ایک غلام کو قحط کے زمانے میں کھیلتے اور اچھلتے دیکھا، حالانکہ قحط کی وجہ سے لوگ بہت پریشان تھے، شقیقؒ نے اس غلام سے پوچھا، کیا بات ہے کہ تو اس قدر خوش ہے؟ کیا تو نہیں دیکھ رہا ہے کہ لوگ اس قحط اور گرانی کی وجہ سے کس قدر پریشان ہیں؟ غلام نے جواب دیا، مجھے اس قحط کا کیا غم ہے؟ جب کہ میرے آقا کے پاس ایک پورا گاؤں ہے جس سے اسے اس قدر آمدنی ہو جاتی ہے جو ہماری ضرورت کیلئے کافی ہے۔

یہ سن کر شقیق بلخیؒ چونکے اور کہا کہ اس کے آقا کے پاس صرف ایک گاؤں ہے اور وہ بھی مخلوق اور محتاج ہے اس کے باوجود اسے روزی کی فکر نہیں ہے، اس لئے کیوں کر مناسب ہو سکتا ہے کہ ایک مسلمان اپنی روزی کی فکر کرے، حالانکہ اس کا مولیٰ مالدار ہے۔ (بحوالہ. رسالہ قشیریہ)

اللہ تعالیٰ کی معیت اور استحضار میں ترقی صبر اور نماز ہی کے ذریعہ ہوتی ہے، صبر اور نماز دو ایسے ہتھیار ہیں کہ جب بندۂ مومن ان سے مسلح رہتا ہے تو دشمنوں کے دل میں ان کی ہیبت پیدا ہو جاتی ہے۔

صبر سے ہر ناخوش گوار چیز خوش گوار ہو جاتی ہے، رنج و غم کے لمحے پر کیف ہو جاتے ہیں، صبر سے گناہوں سے بچنے کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی اتباع آسان ہو جاتی ہے اور اللہ کی معیت حاصل ہوتی ہے، اس لئے صبر و نماز اور اللہ تعالیٰ کے قرب کے استحضار سے بندۂ مومن دنیا کے تمام انسانوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور دشمنوں سے مرعوب نہیں ہوتا، وہ باطل کے سامنے بلا خوف و خطر اکڑ کے چلتا ہے۔ راقم الحروف کا ایک شعر ہے،

نسبت ہے تجھ سے اس لئے چلتا ہوں اکڑ کے
کیا غیر مقابل مرے آئے مرے اللہ
تو اپنا بنالے مجھے تو اپنا بنالے

مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھیؒ نے خوب فرمایا ہے کہ،

تعلق سے غنی کے ہوگیا غیروں سے مستغنی
پسند آئے نہ کیوں ان کو مرا مغرور ہو جانا

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ بقرہ کا حاشیہ نمبر ۵۶۵/۵۶۹ پڑھئے۔

اور مولانا دریا آبادیؒ کی ایمان افروز اور وجد آفریں تحریر سے روح و دل کو گرمانے کی کوشش کیجئے۔

ہجوم مصائب اور مشکلات کے وقت بھی مشکل کشائے حقیقی سے تعلق برابر جوڑے رہو، اس پر بھروسہ رکھو اس کے آگے جھکتے رہو، روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کسی بڑی اور پر قوت ہستی سے تعلق قائم

ہو جانے سے دل کو کتنی تقویت حاصل ہو جاتی ہے، خطرہ کے وقت پولیس کے پہنچ جانے سے، کسی بڑے حاکم کے آجانے سے دل کو کیسی ڈھارس بندھ جاتی ہے، شدید بیماری کے وقت کسی نامور طبیب کے آجانے سے ٹوٹی ہوئی آس کیسی جڑ جاتی ہے، پھر جب دل کا رابطہ ہمہ بیں ہمہ داں ناصر حقیقی ومحافظ حقیقی سے قائم ہو جائے تو انسانِ بے بنیان کی تسکین خاطر وتقویت قلب کا کیا پوچھنا۔

دنیا میں رہ کر زندگی کی کشمکش میں پڑ کر مشکلات ومصائب کا پیش آتے رہنا ناگزیر ہے، افراد کو بھی اور امت وجماعت کو بھی، اور وہ دستور العمل ناقص ہے جو مشکلات کے دفاع اور مصائب سے مقابلہ کا طریقہ نہ بتائے، قرآنِ مجید نے بجائے غیر ضروری اور نامتناہی تفصیلات میں جانے کے یہاں اشارہ اصل اصول کی جانب کر دیا۔

صبر کے لفظی معنی تنگی و ناخوش گواری کی حالت میں اپنے کو روکے رکھنے کے ہیں، اور اصطلاحِ شریعت میں اس کے معنی یہ ہیں کہ نفس کو عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے اور قدم دائرۂ شریعت سے باہر نہ نکالا جائے، صبر کے یہ معنی نہیں کہ جو امور طبعی اور بشری ہیں ان کے آثار کو بھی اپنے اوپر طاری نہ ہونے دیا جائے، بھوک کے وقت مضمحل اور نڈھال ہو جانا، درد کی تکلیف سے کراہنا، رنج کے وقت آہ سرد بھرنا، عزیزوں قریبوں کی موت پر آنسوؤں سے رونا، ان میں سے کوئی شئی بھی صبر کے منافی اور بے صبری میں داخل نہیں، قرآنی فرمان کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ ہجوم مشکلات کے وقت گھبرا نہ جاؤ، ثابت قدم رہو، دل قابو میں رکھو، خود دل کے بس میں نہ آجاؤ۔

صَبر، ایک سلبی کیفیت اور صَلوٰۃ ایک ایجابی عمل ہے، ان دو کلیدی لفظوں سے اشارہ ادھر ہو گیا کہ انفرادی اصلاح اور اجتماعی فلاح دونوں کا راز صرف ان دو چیزوں میں ہے، ایک معاصی سے حفظ و احتیاط دوسرے اوامر کا اتباع، اللہ تعالیٰ کی معیت عام تو کافر ومومن، فاسق وصالح اپنے ہر بندہ کے ساتھ ہے، ھُوَ مَعَکُم اَیْنَمَا کُنْتُمْ" یہاں یہ معیت عام مراد نہیں بلکہ معیت خصوصی مراد ہے، جس کے آثار حفاظت، اعانت وتوجہ خاص ہیں، یہ اسی معیت الٰہی کا احساس اور استحضار تھا جس نے رسول کریم ﷺ کے صحابہ کو بے پناہ قوت جرأت بے خوفی کا مالک بنا دیا تھا، اور حق یہ ہے کہ اس مراقبہ سے بڑھ کر نہ روح کیلئے کوئی لذیذ غذا ہے، اور نہ جراحتِ قلب کیلئے کوئی مرہم تسکین۔

یہی ایک تصور ہے اہل ایمان کیلئے جو ہر ناگوار کو خوش گوار، ہر تلخ کو شیریں، ہر زہر کو قند بنا دینے کو کافی ہے، دورِ حاضر کے مغربی مفکرین اور نفسیین نے بھی اس تعلق باللہ پر روشنی ڈالی ہے اور تسلیم کیا ہے کہ قلب کی اداسی، غمگینی اور افسردگی کے وقت تعلق باللہ سے بڑھ کر مونس، رفیق ودمساز کوئی نہیں۔

(بحوالہ تفسیر سورہ بقرہ، حاشیہ نمبر ۵۶۵/۵۶۶)

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ، تمام مصیبتوں کا علاج ہے

اِنَّا لِلّٰـهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ (ہم اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں) بہت ہی لذت بخش وجد آفریں کلمہ ہے، اگر اس کو صدق دل سے پورے یقین کے ساتھ پڑھا جائے تو غموں کے پہاڑ بھی بھک سے اڑ جائیں گے، غموں کی لہریں اٹھیں گی لیکن اس کلمۂ ربانی کے اعجاز سے اس کے دل کی دیوار سے ٹکرا کر واپس چلی جائیں گی اور دل غم پروف رہے گا۔

اس کلمہ کی برکت سے محسوس ہوگا کہ غموں کے تلاطم خیز سمندر میں بھی آدمی سکون واطمینان کے ساتھ اس کی سطح پر تیر رہا ہے، اس کلمہ کا کوئی مسلمان لذت آشنا ہو جائے تو ہر حال میں اس پر وجد کی کیفیت طاری رہے گی اور معلوم ہوگا کہ رنج وغم کی تیز آندھیوں میں بھی وہ بادِ نسیم کے جھونکوں سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ ؎

دو عالم سے بیگانہ کرتی ہے دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

یہ تسلیم ورضا کا بہت ہی طاقتور کلمہ ہے، بندگی کی پوری شان اس میں موجود ہے، اس کلمہ کے ذریعہ بندہ پورے یقین کے ساتھ یہ اقرار کرتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں، ہمارا وجود اور جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے، اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں کسی دوسرے کو تصرف کرنے کا حق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت ومشیئت سے اپنی ملکیت میں جو چاہے تصرف کرے کسی کو کسی قسم کا اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔

جب ہم اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں تو ہمارا وجود اور ہماری ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کے حوالہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنی کوئی چیز واپس لے لے تو ہم کو بہت زیادہ آہ وفغاں کرنے اور واویلا مچانے کا حق نہیں ہے۔ ؎

کسی کو دے کے دل کوئی نواسنج فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی پہلو میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ" کو صدق دل سے پڑھنے کے بعد کوئی بندہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہو کر مطمئن اور پرسکون ہو جاتا ہے، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے لگا سکتے ہیں۔

حضرت امّ سلیمؓ کا ایک بیٹا تھا جو بیمار ہو گیا کچھ دنوں کے بعد ان کا انتقال ہو گیا، حضرت ابوطلحہؓ کہیں باہر گئے تھے، جب گھر واپس آئے تو بیوی سے اپنے بیٹے کی خیریت دریافت کی، امّ سلیم نے سوچا کہ شوہر باہر سے تھکے ماندے آئے ہیں رات کا وقت ہے یہ بیٹے کے انتقال کی خبر سن کر پریشان ہو جائیں گے، سو بھی نہیں سکیں گے،

جواب دیا کہ الحمد للہ بیٹا بہت سکون کی حالت میں ہے، یہ جھوٹ بھی نہیں تھا، کیوں کہ موت کے بعد آدمی سکون ہی کی حالت میں ہو جاتا ہے، بیوی کی اس بات سے وہ مطمئن ہو گئے، کھانا وغیرہ کھایا اور رات کو آرام کیا۔

ام سلیمؓ نے اپنے شوہر سے کہا کہ یہ بتایئے کہ اگر کوئی شخص کسی کو کوئی چیز کچھ دنوں کیلئے عاریۃً دے پھر وہ اپنی چیز واپس مانگے، تو انکار کر دینا چاہئے یا بخوشی واپس کر دینا چاہئے؟ حضرت ابوطلحہؓ نے جواب دیا کہ وہ اپنی چیز تو ہے نہیں، اس لئے اس کو واپس کر دینا چاہئے، جس نے اس چیز کو دیا تھا وہی اس کا مالک ہے، ام سلیمؓ نے کہا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے بیٹے جیسی نعمت جو ہم کو دی تھی اس کو واپس لے لیا۔

حضرت ابوطلحہؓ نے کہا کہ جب عورت ہو کر تم نے صبر اور تسلیم و رضا کا یہ مظاہرہ کیا ہے تو پھر میرا زیادہ حق ہے کہ میں صبر کروں، صبح کو یہ سارا واقعہ انھوں نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے بیان کیا تو آپ بہت خوش ہوئے اور ان کے لئے دعا فرمائی۔

تسلیم و رضا کا ایک واقعہ اور پڑھئے جس میں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن" کی پوری تصویر دیکھ سکتے ہیں، مولانا محمد علی جوہرؒ جیل میں تھے گھر میں ان کی لڑکی بیماری تھی اور اس کی حالت نازک تھی گھر کے لوگوں نے مولانا کو اس کی اطلاع دی کہ بچی کی حالت نازک ہے، مولانا نے اس جانکاہ خبر کے بعد جیل سے ایک خط لکھا جس میں کچھ اشعار تھے جو بہت ہی ایمان افروز اور تسلیم و رضا کا آئینہ ہیں، واقعی اگر دل میں اللہ کی محبت ہو تو ان اشعار کو پڑھ کر سخت دل بھی نرم ہو جائے گا۔ مولانا محمد علی جوہرؒ نے لکھا کہ۔

ہم ہیں مجبور پر اللہ تو مجبور نہیں ☆ آمنہ بھی جو شفا پائے تو کچھ دور نہیں
ہم کو تقدیر الٰہی سے شکوہ نہ گلہ ☆ اہل تسلیم و رضا کا تو یہ دستور نہیں
تیری صحت ہمیں مطلوب ہے لیکن اس کو ☆ نہیں منظور تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں

اس طرح حضرت عباسؓ کے انتقال کے بعد حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی تعزیت جس عجیب وغریب انداز میں ایک بدوی نے کی اور جو شعر پڑھا وہ بھی بہت ہی ایمان افروز ہے، یہ واقعہ بھی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن" کی تفسیر ہے۔ اس بدوی نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے کہا کہ۔

اِصْبِرْ نَكُنْ بِكَ صَابِرِيْنَ فَاِنَّمَا ☆ صَبْرُ الرَّعِيَّةِ بَعْدَ صَبْرِ الرَّأْسِ
خَيْرٌ مِنَ الْعَبَّاسِ اَجْرُكَ بَعْدَهُ ☆ وَاللّٰهُ خَيْرٌ مِنْكَ لِلْعَبَّاسِ

یعنی: اپنے والد محترم کی وفات پر صبر کیجئے تو پھر آپ کی وجہ سے ہم لوگ بھی صبر کر سکیں گے، اس لئے کہ چھوٹے اپنے بڑوں کی اقتداء میں صبر کرتے ہیں، حضرت عباسؓ کی وفات کے بعد آپ کو ان سے بہتر اجر و ثواب مل گیا اور حضرت عباسؓ کو آپ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی نعمت میسر ہو گئی۔

بہر حال یہ کلمہ تمام مصائب و مشکلات اور ہر طرح کے غم کا علاج اور سخت سے سخت حالات میں سکون دل کا بہترین نسخہ ہے، اس کلمہ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کسی دنیاوی مصیبت پر غم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ دنیا کا کوئی غم ہمیشہ ساتھ نہیں رہے گا، عارضی ہے، کیونکہ ہم کو تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے، اگر اللہ تعالیٰ راضی ہے اور دنیا میں ہم نے اللہ کے ہر فیصلے پر رضا مندی کا ثبوت دیا ہے تو پھر اللہ کے یہاں پہنچنے کے بعد نہ کسی طرح کا غم ہوگا اور نہ کوئی خوف ہوگا، اور وہ سب کچھ ہم کو مل جائیگا جس کے کھونے کا ہم کو غم رہتا تھا۔

یہ راز وہ ہے جس کو سمجھتے ہیں اہل عشق
کچھ کھو رہے ہیں شوق سے کچھ پا رہے ہیں ہم

اہل ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کا عجیب معاملہ ہے کہ معمولی سے معمولی تکلیف پر بھی جب وہ "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن" پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اجر وثواب سے نوازتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ اندر تشریف فرما تھے، چراغ بجھ گیا تو آپ نے فرمایا، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن" حضرت عائشہ صدیقہؓ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا اس پر بھی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن" پڑھا جائے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں، ہر وہ چیز جو خلاف مزاج اور تکلیف دہ ہو اس پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن" پڑھنے سے اجر وثواب ملتا ہے۔

اس کلمہ کے مطابق جس کی زندگی ہو جاتی ہے اس سے زیادہ راحت اور سکون میں دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ بھی نہیں رہ سکتا، ہر طرح کے اسباب عیش ونشاط کے باوجود دنیا پرستوں کا دل غم کدہ بنا رہتا ہے، مختلف قسم کے وسوسے اور اندیشے کانٹے بن کر اس کے دل میں چبھتے رہتے ہیں، لیکن بندۂ مومن کا دل ہر حال میں سکون اور طمانیت سے بھرا رہتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ۔

دشمنوں کو عیش آب و گل دیا ☆ دوستوں کو اپنا دردِ دل دیا
ان کو ساحل پر بھی طغیانی ملی ☆ ہم کو طوفانوں میں بھی ساحل دیا

یہ کہنا واقعی کس قدر لذت آفریں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے، اس کلمے میں اتنی لذت، حلاوت، شیرینی ہے کہ جی چاہتا ہے کہ ہر وقت وردِ زباں رہے، اس کلمہ کو پڑھتے ہی بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کی شراب محبت سے مخمور ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی چیز کا ہوش باقی نہیں رہتا، اگر اس کلمہ کے مطابق مسلمانوں کی زندگی ہو جائے تو مسلم معاشرے میں انقلاب آجائے بشرطیکہ یہ کلمہ دل کی گہرائیوں سے نکلے اور پوری زندگی اس کلمہ کی آئینہ دار ہو جائے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ بقرہ کا حاشیہ نمبر ۵۷۱/۵۷۲ پڑھئے۔

حدیث نبوی میں اسے آیت استرجاع سے تعبیر کیا گیا ہے، اور ارشاد ہوا ہے کہ جو کوئی مصیبت کے وقت اسے پڑھ لیا کرے گا اللہ اس کی بگڑی بنادے گا اور اس کی عقبیٰ کو بخیر کردے گا۔

وَقَالَ ﷺ مَنِ اسْتَرْجَعَ عِنْدَ الْمُصِيْبَةِ جَبَرَ اللّٰهُ مُصِيْبَتَهٗ وَاَحْسَنَ عُقْبَاهُ" زبان سے اس آیت کی تلاوت کا دستور بحمد للہ اب بھی اکثر مسلمان گھروں میں پایا جاتا ہے، لیکن تحصیل صبر کیلئے محض زبانی اعادہ ہرگز کافی نہیں، قلب کے سامنے بھی استحضار پوری طرح ہونا چاہئے، آیت کے اندر تعلیم تین چیزوں کی ملی۔

۱۔ ایک یہ کہ ہم سب عبد محض ہیں اور تمام تر اسی کی ملک، ہم خود بھی اور ہماری ہر چیز بھی، اپنی کوئی شی ہی نہیں، نہ بیوی نہ بچے، نہ مال نہ جائداد، نہ وطن نہ خاندان، نہ جسم نہ جان۔۔

"جو کچھ ہے سب خدا کا، وہم و گماں ہمارا" (اکبرؔ)

انسان کے سارے رنج و غم، درد و حسرت کی بنیاد صرف اس قدر ہوتی ہے کہ وہ اپنی محبوب چیزوں کو اپنی سمجھتا ہے، لیکن جب ذہن اس عام مغالطہ سے خالی ہوگیا اور کوئی بھی شی ہو سرے سے اپنی رہی ہی نہیں، تو اب ان محبوبات، مالوفات، مرغوبات کے چھن جانے پر گلہ و شکوہ رنج و ملال کا موقع ہی کیا؟

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ بڑے بڑے رنج اور صدمے اور دل کے داغ بھی عارضی اور فانی ہیں رہ جانے والا کوئی بھی نہیں، انہیں چھوڑ چھاڑ مالک کی خدمت میں حاضری دینا ہے۔

۳۔ تیسرے یہ ہے کہ وہاں پہنچتے ہی سارے قرضے بیباق ہو جائیں گے، ہر کھوئی چیز وصول ہو کر رہے گی۔

یہ تینوں عقیدے جس کے جتنے زیادہ مضبوط ہوں گے اسی قدر اس کے دل کو دنیا میں امن و سکون حاصل رہے گا، غم و حزن کے بار کو ہلکا کرنے کا جو عارفانہ اور تیر بہدف نسخہ یہاں بتایا گیا ہے، یہ صحائف کائنات میں بے نظیر ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ قرآنِ مجید میں اگر صرف یہی ایک آیت ہوتی تو بھی اسے حکیم مطلق کا کلام ثابت کرنے کیلئے واللہ کافی تھی۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ بقرہ، حاشیہ نمبر ۵۷۱، ۵۷۲)

۞ ۞

اسلام کا تعلق پوری زندگی سے ہے

ایک سائیکل ہے جس میں ہینڈل بھی ہوتا ہے، فریم بھی ہوتا ہے، پہیہ بھی ہوتا ہے، پائے دان بھی ہوتا ہے، ایک لمبی چین بھی ہوتی ہے، سیٹ بھی ہوتی ہے ٹائر اور ٹیوب بھی ہوتا ہے، ان تمام مجموعوں کا نام سائیکل ہے، اگر سائیکل کے یہ تمام اجزاء، حصے اور پرزے آپ الگ الگ کر دیں، بس ایک ہینڈل کو اپنے ہاتھ میں لے کر کہیں کہ یہ سائیکل ہے تو ہر آدمی آپ کو پاگل کہے گا۔

اپنی دوکان میں صرف اس کا فریم اور اس کا پہیہ رکھیں اور اپنے ہاتھ میں فریم لے کر اعلان کریں کہ یہاں شاندار سائیکل ملتی ہے تو کوئی شخص ایسی سائیکل خریدنے کیلئے تیار نہیں ہوگا، کیوں کہ صرف ایک پہیہ یا ایک ہینڈل خرید کر اور اس پر بیٹھ کر وہ اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔

تاہم سائیکل کا معاملہ دین اسلام سے مختلف ہے، کیوں کہ سائیکل کا ایک جزء مثلاً سیٹ نکال دیں تو بھی فریم پر بیٹھ کر چند قدم چل سکتے ہیں، لیکن اسلام ایک حسین وجمیل مکمل جسم ہے جس کے کسی بھی جزء کو اس سے جدا نہیں کیا جا سکتا، اسلام کا ہر حصہ، ہر پرزہ اور ہر جزء حسین ہے، اس حسین قصر اسلام کی ایک اینٹ بھی آپ نکال دیں تو پھر عمارت باقی نہیں رہے گی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ، اسلام کے ہر حکم پر عمل کرنا ضروری ہے، اگر اسلام کے حسن سراپا میں داڑھی ایک اہم جزء ہے تو اس کو نظر انداز کر کے مسلم نہیں رہ سکتے، اگر اسلام میں ٹخنہ سے نیچے لنگی پائجامہ پہننا ممنوع ہے تو اس حکم کی خلاف ورزی کر کے اسلام باقی نہیں رہ سکتا، اسلام کے ہر حکم کی پابندی ضروری ہے۔

اپنی مرضی سے زمین پر ایک قدم بھی نہیں رکھ سکتے، اسی طرح چلنا ہوگا جیسا کہ اللہ نے حکم دیا ہے، اگر اسلام کا کوئی حکم آپ کی خواہش کے مطابق نہیں ہے تو آپ اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق چلتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ نے اپنے نفس کو معبود بنالیا ہے، آپ کا اسلام رخصت ہو گیا۔

آپ درزی کے یہاں کوئی کپڑا سلانے جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ دیکھو یہ کرتا یا قمیص بالکل ہمارے جسم کے مطابق ہو، ایسا نہ ہو کہ آستین لمبی یا چھوٹی ہو جائے، وغیرہ وغیرہ، اگر درزی آپ کی قمیص میں کمی بیشی کر دے تو آپ اس کو برداشت نہیں کرتے تو کیا یہ جائز ہے کہ اسلامی لباس کے جس حصے کو چاہیں کاٹ کر پھینک دیں اور مسلمان بھی بنے رہیں۔

ایک درخت کو مکمل درخت اسی وقت کہا جائے گا، جب اس میں جڑ بھی ہو، تنہ بھی ہو، شاخیں بھی ہوں، پتیاں بھی ہوں اور اس پر پھل اور پھول بھی ہوں، اگر آپ کسی درخت کے تنے کو کاٹ دیں اس کی شاخوں کو الگ

کر دیں اس کی پتیوں کو تراش دیں تو کیا ایسی صورت میں اس کو درخت کہا جائے گا؟ کیا کسی ایک شاخ کو اپنے ہاتھ میں لے کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ فلاں چیز کا مکمل درخت ہے۔

اسی طرح اسلام کے کسی ایک جزء پر کوئی عمل کرے اور دوسرے کو چھوڑ دے، اسلامی شعار اور اسلامی وضع قطع کو نظر انداز کر دے، اسلام کے حسین چہرے سے اسلامی علامتوں کو مٹا ڈالے اور دعویٰ کرے کہ میں مسلمان ہوں، تو کیا اس کا دعویٰ کرنا صحیح ہوگا، ظاہر ہے وہ اپنے دعویٰ اسلام میں جھوٹا ہے، اسلام اللہ تعالیٰ کا بہت غیور دین ہے وہ سارے عالم سے بے نیاز ہے، اگر کوئی مسلمان بن کر رہنا چاہتا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ پورا پورا اسلام میں داخل ہو جائے، اس کا ظاہر و باطن سب اسلام کے سانچے میں ڈھل جائے۔

مولانا محمد احمد صاحبؒ نے خوب فرمایا ہے کہ:

پاس باطل کے چلا جا حق سے گر ہے جو غرض
تیرے جانے سے نہ سونی ہوگی ان کی انجمن
ہو کے مومن تو نے سیکھا ہے منافق کا چلن
چاہتا ہے خوش رہیں سب تجھ سے شیخ و برہمن

اگر آپ مسلمان ہیں اور سرکاری ملازم ہیں تو ملازمت میں بھی آپ کو مسلمان ہو کر رہنا پڑے گا، اگر آپ کہیں کہ مصلحت کی وجہ سے ہم اسلام کے تمام احکام کی پابندی نہیں کر سکتے، کیونکہ ایسی صورت میں ہماری ملازمت باقی نہیں رہے گی، تو یاد رکھئے آپ نے اپنی ملازمت بچالی لیکن اسلام کو نہ بچا سکے، اسلام آپ سے رخصت ہو گیا، اگر آپ مسلمان ہیں تو ہمیشہ اس بات کو اپنے سامنے رکھیں کہ:

مقصود صرف وہ ہیں کوئی دوسرا نہیں
ان کے سوا کسی کو نہ خاطر میں لایئے

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ بقرہ کا حاشیہ نمبر ۱۶/۷۶۲ پڑھئے۔

حکم خاص طور پر قابل غور ہے، اسلام صرف چند عبادات یا صرف چند قوانین کا نام نہیں وہ تو ایک جامع و مانع نظام حیات ہے، ایک مکمل و منظم دستور زندگی ہے، انسانیت کے ایک ایک شعبہ، ہر ہر گوشہ پر حاوی ہے اور اس کا ہر جزء اس کے کل سے اس کے دوسرے اجزاء سے نہایت درجہ ملحق و مربوط، یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص توحید تو اسلام سے لے لے لیکن عبادت کیلئے مسجد، مندر، کلیسا سب کو یکساں سمجھے، یا رسالت پر تو ایمان لے آئے لیکن معاشیات کے قاعدے کارل مارکس سے اور اخلاق کے ضابطے گوتم بدھ سے لینے جائے، معادیات، معاشیات، اخلاقیات، اجتماعیات، اسلام کے سب اپنے ہیں، کسی اور

فلسفہ کسی اور دین، کسی اور نظریہ کی پیوندکاری کے ساتھ نبھ ہی نہیں سکتی۔

آیت کا حکم عام ہے لیکن شانِ نزول کی روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ خطاب خاص نومسلم یہود کی طرف تھا، یہ اسلام لانے کے بعد بھی چاہتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ رعایت اپنے عقائد قدیم کی کئے جائیں اور اسلام کی ایک مستقل شاخ یہودیانہ اسلام قائم کرلیں، جس طرح بعد کے گمراہ فرقوں کے اثر سے معتزلی اسلام، شیعی اسلام، نیچری اسلام، قادیانی اسلام وغیرہ بہت سے اسلام قائم ہوکر رہے۔

اُدْخُلُوْا" خود ہی صیغۂ امر وجوب کے معنی دے رہا ہے، پھر اس کے حال کَآفَّةً نے اسے کس درجہ مؤکد کردیا ہے، اور بقاعدۂ اشارۃ النص" واجب ہوگیا کہ ظاہری، باطنی، انفرادی، اجتماعی، اعتقادی، عبادتی، سارے اعمال و امور میں اسلام ہی کا رنگ چڑھا رہے۔

۶۲/۷ یہ اس طرح مثلاً اپنے کو کہلاتے تو رہو مسلمان لیکن رسمیں اختیار کرلو مجوسِ عجم کی، معاشرت تو مشرکین ہند کی، قانونِ فوجداری اختیار کرلو ملحدینِ فرنگ کا، معاملات کرنے لگو دستورِ یہود کے مطابق، شیطان کے نقشِ قدم پر چلنا یہی ہے کہ اسلام میں غیر اسلام کی آمیزش کی جانے لگے اور اسے کوئی اصلاحی یا تجدیدی کارنامہ سمجھا جانے لگے۔ (بحوالہ تفسیر سورۃ البقرۃ، حاشیہ نمبر ۶۱/۷، ۶۲/۷)

اقتباس

اگر آپ مسلمان ہیں اور سرکاری ملازم ہیں تو ملازمت میں بھی آپ کو مسلمان ہوکر رہنا پڑے گا، اگر آپ کہیں کہ مصلحت کی وجہ سے ہم اسلام کے تمام احکام کی پابندی نہیں کرسکتے، کیونکہ ایسی صورت میں ہماری ملازمت باقی نہیں رہے گی، تو یاد رکھئے آپ نے اپنی ملازمت بچالی، لیکن اسلام کو نہ بچاسکے، اسلام آپ سے رخصت ہوگیا۔

اللہ کی نعمتوں کو بدل ڈالنا

اللہ تعالیٰ کی کوئی دینی نعمت ہو یا دنیاوی نعمت ہو اس میں تبدیلی کرنا بہت بڑا جرم ہے، جس کا نتیجہ آخرت میں عذاب شدید اور دنیا میں ذلت وخواری ہے، دینی نعمت کو بدلنے کا مطلب ہے کہ قرآن وسنت کے احکام کو اپنی مرضی کے مطابق بدل دیا جائے، ان میں تحریف کردی جائے، قرآن وسنت کا جو حکم اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق ہو اس کو اختیار کیا جائے اور جو حکم اپنی مرضی اور خواہش کے خلاف ہو اس کو نظرانداز کردیا جائے، سنتِ رسول داڑھی کو منڈا دینا، سنت کے مطابق داڑھی نہ رکھنا، اسلامی لباس کے علاوہ غیروں کی وضع قطع اور ان کی شکل وصورت کو اختیار کرنا بھی دین میں تبدیلی کرنا ہے۔

قرآن وسنت کے احکام کے مقابلے میں کسی دوسرے کے قانون پر عمل کرنا یا اس کو ترجیح دینا بھی دینی نعمت کو بدل دینا ہے، مال، اولاد، جسم کے تمام اعضاء آنکھ، کان، دل، دماغ، ہاتھ، پیر، پیٹ، سب کے سب اللہ کی نعمت ہیں ان نعمتوں کا غلط استعمال بھی اللہ کی نعمت کو بدل دینا ہے، اگر کوئی مال کو ناجائز طریقہ سے حاصل کرتا ہے یا جائز مال ہی کو غیر محل میں خرچ کرتا ہے، اولاد کی غلط تعلیم وتربیت کرتا ہے ان کو غیر اسلامی لباس پہنا کر گلے میں یہودیوں کا شعار ٹائی باندھ کر اسکول بھیجتا ہے، تو وہ بھی اللہ کی نعمت کو بدل رہا ہے۔

آنکھ اس لئے ہے کہ انسان اللہ کی قدرت کے کرشموں کا مشاہدہ کرے اور ان کو دیکھ کر اپنے دل میں اللہ کی محبت کا طوفان لائے، جن چیزوں کو دیکھنے سے اللہ نے منع کیا ہے اس سے اپنی آنکھ کو محفوظ رکھے، کان سے وہ چیز نہ سنے جس سے اللہ نے روکا ہے، زبان سے وہ کلمہ نہ نکالے جو اللہ کی ناراضگی کا سبب ہو، دل اور دماغ کو غیر اسلامی وسوسوں اور خیالات سے محفوظ رکھے، قدم ایسی جگہ کی طرف نہ بڑھیں جس سے اللہ نے روکا ہے، ہاتھ ناجائز طریقے سے نہ اٹھے، ہاتھ سے حرام لقمہ منہ تک نہ لے جائے، پیٹ کو حرام غذا سے محفوظ رکھے، اگر وہ اللہ کی ان ساری نعمتوں کا استعمال اللہ کی مرضی کے خلاف کرتا ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اللہ کی نعمت کو بدل رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو نعمتوں کے صحیح استعمال کی توفیق دے۔ آمین

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ بقرہ کا حاشیہ نمبر ۷۶۸ / پڑھئے۔

"یت آج امت کے کس قدر حسب حال اور کس درجہ قابل غور ہے، اللہ کی عطاء کی ہوئی ہر دینی دنیوی نعمت کے ساتھ آج ہمارا کیا معاملہ ہے؟ کس نعمت کا حق ہم ادا کررہے ہیں؟ کون سی نعمت ایسی ہے جس کی روح ہم نے نہیں بدل ڈالی ہے؟ ہماری نمازیں، ہمارے روزے، ہمارے حج ہماری ساری عبادتیں مغز وروح سے خالی، محض ان عبادتوں کے خالی ڈھانچے رہ گئے ہیں، اخلاق واتحاد کی دولت ہم

نے الگ برباد کرڈالی نتیجہ جو نکلا سب کی آنکھوں کے سامنے ہے، پاکستان، عراق، انڈونیشیا وغیرہ مملکتوں کا آج جو عبرت انگیز حشر ہورہا ہے ان سب کی تہ میں یہی خدائی نعمتوں کی ناقدری ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ بقرہ، حاشیہ نمبر ۶۸ ۷ ر)

شراب کی بوتل پر زمزم کا لیبل لگانے سے شراب حلال نہیں ہوگی

مکروفریب، سیاہی پر سفیدی کی پالش اور تانبے وپیتل پر سونے کا پانی چڑھا کر، زہر پر تریاق کا لیبل لگا کر دھوکا دینا شیطان مردود کا پرانا حربہ ہے، یہی حربہ شیطان نے ہمارے باپ حضرت آدمؑ کو بہکانے کیلئے بھی استعمال کیا اور شجر ممنوعہ (جس درخت کے پاس جانے سے اللہ تعالیٰ نے روکا تھا) پر شجرۃ الخلد (ہمیشگی کا درخت) کا لیبل لگا کر اس درخت کے قریب کردیا اور ان کو جنت سے نکلنا پڑا، لیکن بعد میں شیطان کے اس مکروفریب کو سمجھ گئے اور توبہ و انابت کے ذریعہ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے۔

معلوم ہوا کہ شیطان کا یہ بہت پرانا اور خطرناک حربہ ہے کہ شراب کی بوتل پر زمزم کا لیبل لگا کر انسانوں کا شکار کرتا ہے، آج شیطان کے مکروفریب اور اس کی تدجیل وتلبیس کا نٹ ورک دنیا میں بہت ہی زیادہ پھیل چکا ہے، عوام وخواص یہاں تک کہ بہت سے علماءِ کرام قوم وملت کی ہمدردی میں یا ذاتی مفاد کے پیش نظر شیطان کے اس مکرو فریب میں گرفتار ہوجاتے ہیں، شیطان نے ملت کی لڑکیوں کی تعلیم کی اہمیت کو اس طرح خوشنما بنا کر پیش کیا کہ بہت سے علماء کرام بھی لڑکیوں کا اسکول قائم کرنے لگے، جس میں ان کے قیام کیلئے بورڈنگ ہاؤس بھی ہوتی ہے۔

اس دینی تعلیم کو بہانہ بنا کر لڑکیاں گھروں سے باہر نکل گئیں اور فتنہ کا شکار ہورہی ہیں، جب کہ اسلام اس کو پسند نہیں کرتا کہ لڑکیاں گھروں سے باہر نکلیں، ان کی تعلیم کا انتظام گھر کے اندر ہونا چاہئے، اسی طرح مسلمانوں کے بہت سے دانشور اپنے اسکولوں کالجوں پر اسلام کا لیبل لگالیتے ہیں، کہیں عائشہ انٹر کالج ہے تو کہیں اقرء پبلک اسکول ہے، تو کہیں کسی یونیورسٹی کے ساتھ مسلم کا لیبل، تو کہیں کسی کالج پر کسی اسلامی شخصیت کا لیبل لگادیا گیا ہے، تو کہیں جامعہ ملیہ کے نام سے کالج قائم کردیا گیا ہے، جب کہ ان اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اندر دین اسلام کا نام ونشان نہیں ہے، نہ قرآن وسنت سے وہاں کے لوگوں کو کوئی واسطہ ہے، پڑھنے والوں کی اکثریت مغربی تہذیب کی دلدادہ ہوتی ہے۔

اسلامی وضع قطع اور اسلامی شعار کا مذاق اڑایا جاتا ہے، لڑکیاں وہاں بے پردہ کالجوں میں پڑھتی ہیں، غیر محرموں سے ان کا اختلاط رہتا ہے، نام عائشہ صدیقہ کالج اور عائشہ صدیقہؓ کے نقش پر چلنے والی نہ لڑکیاں ہیں نہ استانیاں ہیں، نہ اساتذہ ہیں، اس طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نام سے اپنے کالج کو منسوب کر کے حضرت

عائشہ صدیقہؓ کی توہین کرتے ہیں۔

قرآنِ مجید کی پہلی وحی اقرء ہے، اگر اس نام سے کوئی اسکول ہو اور وہاں اسلام نہ ہو، قرآن کی تعلیم کا غلبہ نہ ہو، لڑکے غیر اسلامی لباس میں ہوں، تو قرآنِ حکیم کی پہلی وحی کا مذاق ہے، جس کالج کے ساتھ لفظ مسلم کا لیبل لگا ہوا ہے اگر وہاں اسلام نہیں ہے تو پھر مسلم کا لیبل لگانے کا حق نہیں ہے۔

اسی طرح عظیم اسلامی شخصیتوں کی طرف کوئی کالج منسوب ہے تو وہاں بھی اسلام، اسلامی شعار اور اسلامی تہذیب کا غلبہ ہونا چاہئے، اگر ایسا نہیں ہے تو کالج پر اس طرح کا لیبل لگا کر اسلامی شخصیت کو مجروح نہیں کرنا چاہئے، الغرض بہت سی چیزیں ہیں جن پر اسلام کا لیبل لگا کر شیطان لوگوں کو دھوکا دے رہا ہے اور اپنے دامِ فریب میں پھنسا رہا ہے، رشوت کو سپیڈ اشلک اور سود جیسی حرام اور گھناؤنی چیز کو پرافٹ، شراب کو بیر ٹانک وغیرہ ناموں سے موسوم کر کے اس کی شناعت وقباحت پر پردہ ڈالا جا رہا ہے، لیکن یہ یاد رہے کہ شراب پر زمزم کا لیبل لگا دینے اور جامۂ احرام میں چھان لینے سے حلال نہیں ہوگی، حرام تو حرام ہی رہے گی خواہ اس کا کوئی بھی خوشنما اور دلفریب نام رکھ لیجئے۔ کسی نے اس فسادِ مزاج پر خوب تبصرہ کیا ہے،

مئے خوش رنگ پر بے حرمتی کا داغ لگتا ہے
کہ جب تک جامۂ احرام میں چھانی نہیں جاتی

غیروں سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں وہ تو آزاد ہیں، آخرت سے بے نیاز ہیں، حساب وکتاب کا ان کو کوئی ڈر نہیں ہے وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں، ان کے یہاں حرام وحلال کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

لیکن میں ان دانشوروں سے کہتا ہوں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں کہ وہ شیطان کے مکروفریب کا شکار نہ ہوں اور مسلمان ہو کر اسلام کا مذاق نہ اڑائیں، شراب پر زمزم کا لیبل نہ لگائیں، اگر اسلام ان کو پسند نہیں ہے تو اسلام کا لبادہ اتار دیں تا کہ بہت سے سادہ لوح مسلمان اس دام فریب میں آنے سے بچ جائیں۔

زاہدا تسبیح میں زنار کے ڈورے نہ ڈال
یا برہمن کی طرف ہو یا مسلماں کی طرف

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ بقرہ کا حاشیہ نمبر ۸۰۴ پڑھئے۔

علامہ آلوسی بغدادیؒ صاحب تفسیر روح المعانی نے اس مقام پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ کے فاسقوں نے نشیلے مشروبات کے لئے طرح طرح کے خوشنما نام اور لقب رکھ لئے ہیں، عرق عنبری، ماءالاکسیر، وغیرہ، لیکن نام کے بدل دینے سے حقیقت اور حکم شرعی نہیں بدل جایا کرتا، نشہ آور چیزیں بہر حال حرام ہیں۔

علامہ کا سال وفات ۱۲۷۰ھ ۱۸۵۴ء ہے، اور تفسیر کا زمانۂ تصنیف تو اس سے چند سال قبل کا ہے، گویا آج (۱۹۶۳ء) سے سوا سو سال قبل کے عراق میں آں مرحوم کو یہ حسرتناک تجربے ہو چکے تھے، غریب کو کیا اندازہ ہو سکتا تھا کہ آج فرنگیوں کے اثر سے ان کے وطن عراق ہی میں نہیں بلکہ مصر، ایران، ترکی، شام وغیرہ میں شراب نوشی کتنی اور کن کن شکلوں کے ساتھ پھیل چکی ہے، اور خمر (شراب) ہی نہیں، میسر (جوا) بھی کیسے کیسے نئے اور خوشنما ناموں کے ساتھ تہذیب و تمدن کا جزء بن چکا ہے، اور مہذب زندگی کے کتنے گوشوں میں اپنی مستقل جگہ بنا چکا ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ بقرہ، حاشیہ نمبر ۸۰۴)

❀ ❀

اقتباس

.... مسلمانوں کے بہت سے دانشور اپنے اسکولوں کالجوں پر اسلام کا لیبل لگا لیتے ہیں، کہیں عائشہ انٹر کالج ہے تو کہیں اقرء پبلک اسکول ہے، تو کہیں کسی یونیورسٹی کے ساتھ مسلم کا لیبل، تو کہیں کسی کالج پر کسی اسلامی شخصیت کا لیبل لگا دیا گیا ہے، تو کہیں جامعہ ملیہ کے نام سے کالج قائم کر دیا گیا ہے، جبکہ ان اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اندر دین اسلام کا نام و نشان نہیں ہے، نہ قرآن و سنت سے وہاں کے لوگوں کو کوئی واسطہ ہے، پڑھنے والوں کی اکثریت مغربی تہذیب کی دلدادہ ہوتی ہے، اسلامی وضع قطع اور اسلامی شعار کا مذاق اڑایا جاتا ہے لڑکیاں وہاں بے پردہ کالجوں میں پڑھتی ہیں، غیر محرموں سے ان کا اختلاط رہتا ہے، نام عائشہ صدیقہ کالج اور عائشہ صدیقہؓ کے نقش پر چلنے والی نہ لڑکیاں ہیں نہ استانیاں ہیں نہ اساتذہ ہیں۔

قیامت کے دن کتنی حسرت ہوگی

آدمی اپنا قیمتی سرمایہ خرچ کر کے ایک باغ لگاتا ہے تاکہ ضرورت کے وقت وہ اس کا پھل کھا سکے، اور بڑھاپے کے وقت اس کے کمزور وناتواں بچوں کے کام آسکے، تو باغ لگانے سے پہلے اس کو اپنے باغ کو ان تمام چیزوں سے بچانے کی تدبیر کرنا چاہئے جن کی وجہ سے عین ضرورت کے وقت وہ باغ ویران ہوسکتا ہے، اگر اس کا یہ لگایا ہوا باغ جس پر اس کی اور اس کے بچوں کی معیشت کا دارومدار تھا، عین اس وقت ویران اور جل کر خاکستر ہوجائے، جب اس کو اور اس کے پھلوں کی سخت ضرورت تھی تو اس کی حسرت اور اس کے صدمہ کا کیا حال ہوگا اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

دنیا تو عارضی اور فانی ہے، یہاں کا ہر غم اور ہر نقصان چندروزہ ہے، اگر کسی کا باغ جل گیا اور ویران ہوگیا تو کوئی بہت بڑا مسئلہ نہیں ہے، ضرورت اور حاجت کا حقیقی دن تو آخرت ہے، اور وہی حسرت کا بھی دن ہے، اگر کسی نے اپنا پورا سرمایہ دین ہی کے کاموں میں لگادیا، لیکن آخرت کے دن اس کا لگایا ہوا باغ اس کیلئے نفع بخش نہ ہو اور اس پر نیکیوں کا کوئی پھل نہ لگا ہو تو اس کو کتنی حسرت ہوگی اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

یہاں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ریاء کاری نام ونمود اور ذاتی مفاد کی زمین پر خواہ کتنے ہی زیادہ سرمایہ سے باغ لگایا جائے، بالآخر وہ ویران ہوجائے گا، اور اس کے درخت پر ایسے پھل نہیں لگیں گے، جو آخرت میں ضرورت کے وقت کام آسکیں، ریاء کاری کی زمین پر لگائے ہوئے درختوں پر کڑوے کسیلے زہریلے بدبودار زَقُّوْم وناگ پھنی جیسے کانٹے دار ہی پھل لگیں گے، جس کا تعلق دوزخ سے ہے۔

دنیا میں آدمی اچھے سے اچھا کارنامہ انجام دے، مثلاً صدقہ وخیرات کرے لیکن احسان جتائے، احسان کرنے کی وجہ سے ایذاء پہنچائے، شاندار بڑے بڑے اسلامی ادارے قائم کرے، شاندار اسٹیجوں پر گل افشانی گفتار کا مظاہرہ کرے، اور اپنی شعلہ بیانی سے لوگوں کی بھیڑ اکٹھا کرلے، پیری مریدی کے ذریعہ خوب نذرانہ وہدیہ حاصل کر کے ٹھاٹ باٹ کرے، دینی کتابیں لکھ کر اور دینی ملی خدمات پر شاہی ایوارڈ حاصل کرے، تو یہ سارے کارنامے آخرت میں ہوا ہوجائیں گے، ریاکاری کی بارودی سرنگ ان سارے کارناموں کو اس طرح اڑا دے گی گویا کہ ان کا وجود ہی نہیں تھا، ریاء کاری کی زمین پر لگائے جانے والے باغ کا کتنا حسرتناک اور دردناک انجام آخرت میں ہوگا، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل ایک دنیاوی واقعہ سے لگاسکتے ہیں۔

ستمبر ۱۹۸۸ء میں ۲۲رواں اولمپک سیول (کوریا) میں ہوا، اس موقع پر ۲۴ر ستمبر کو ۱۰۰ر میٹر کی دوڑ کا مقابلہ ہوا، اس مقابلہ میں کناڈا کے ۲۶ر سالہ بن جانسن (Ben johnson) نے سو میٹر کا فاصلہ تقریباً

دس سکنڈ میں طے کر کے دوڑ کا جو کمال دکھایا وہ ناقابل یقین حد تک شاندار تھا، بن جانسن مقابلہ جیت کر عالمی چمپین بن گیا اور دنیا کا سب سے زیادہ تیز رفتار انسان (Fastest man on earth) ہو گیا، اس نے چیخ کر فخر کے ساتھ کہا کہ (I am the world NO.1) یعنی میں دنیا کا نمبر ایک شخص ہوں، اس کی فاتحانہ تصویریں دوسرے دن دنیا کے تمام اخباروں کی زینت بن گئیں، گولڈ میڈل اور ایک ملین ڈالر سے زیادہ بڑی چیز وہ تھی جو اس کو عالمی شہرت کی صورت میں اچانک حاصل ہو گئی۔

(بحوالہ، ٹائمس آف انڈیا، ۲۵ ستمبر ۱۹۸۸ء)

مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ بن جانسن کی خوشی بہت دیر تک باقی نہ رہ سکی، کھیلوں کے اصول کے مطابق کھیل کے فوراً بعد اس کا پیشاب لیا گیا، جو مخصوص ماہرین کے پاس سائنسی تجزیہ کیلئے بھیج دیا گیا، ۲۷ ستمبر کو اس جانچ کی رپورٹ آئی تو معلوم ہوا کہ بن جانسن کی کامیابی کا راز مصنوعی دواؤں کا استعمال تھا۔

کھیل کے عالمی مقابلوں میں کھیل کے وقت شراب منشیات یا ایسی دواؤں کا استعمال سختی کے ساتھ ممنوع ہے، جو وقتی نشہ یا فوری طور پر مصنوعی قوت پیدا کرتی ہے، بن جانسن نے مقابلہ کے میدان میں داخل ہونے سے کچھ پہلے اسی قسم کی مقوی عضلات دوا پی لی تھی، جس کو اسٹانازولول (Stanazolol) کہا جاتا ہے، چنانچہ اس وقت اس کی دوڑ دوا کے زور پر تھی، نہ کہ اپنی فطری طاقت کے زور پر مذکورہ جانچ کے نتیجہ کے بعد بن جانسن سے سونے کا میڈل چھین لیا گیا، اعلان کیا گیا کہ اب اس کو کھیل کے عالمی مقابلوں میں شریک نہیں کیا جائے گا، کناڈا نے اس کو ماہانہ ملنے والی امداد بند کر دی، اس طرح کی مختلف ذلتیں اس کے سامنے آئیں کہ وہ فوراً اپنے وطن کناڈا کیلئے روانہ ہو گیا، ۲۷ ستمبر کو ایرپورٹ کی جو تصویریں اخبارات میں آئی ہیں ان میں دکھایا گیا ہے کہ فوٹو گرافر اس کی تصویر لینا چاہتے ہیں لیکن وہ مسلسل اپنا منہ چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔ (بحوالہ، ہندوستان ٹائمز ۲۸ ستمبر ۱۹۸۸ء)

بن جانسن کے ایجنٹ لاری ہائڈ بریجنت سے پوچھا گیا کہ بن جانسن نے کیوں سیول چھوڑ دیا، حالانکہ اسکو اپنی دفاع کیلئے یہاں موجود رہنا چاہئے تھا، انڈین ایکسپریس ۲۸ ستمبر ۱۹۸۸ء کے مطابق ایجنٹ نے جواب دیا کہ،

Do you think you would be arournd prepared to answer questions after the biggest shock of youre life.

یعنی: کیا آپ کا خیال ہے کہ آپ اس وقت سوالات کا جواب دینے کے قابل رہیں گے، جب کہ اپنے زندگی کے سب سے بڑے صدمہ سے دوچار ہوئے ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ریاءکاری اور نام ونمود کی بیماری سے محفوظ رکھے، جو لوگ کام تو اچھا کر رہے ہیں، دینی اور

ملی کاموں میں سرگرمی دکھار ہے ہیں لیکن ان کا جوش اگر صرف دنیا کیلئے ہو، دینی کام کے ساتھ شہرت اور دنیاوی مفاد وابستہ ہو تو ان کا انجام آخرت میں وہی ہوگا جس کی ایک حسرتناک جھلک بن جانسن کے واقعہ میں دیکھ سکتے ہیں، ان کے سارے القاب اور ٹائٹل چھین لئے جائیں گے اور ان کا یہ کارنامہ ان کے کچھ کام نہ آئے گا، اور اسوقت جو حسرت ہوگی اور افسوس کا جو عالم ہوگا اس کے تصور سے دل کانپ جاتا ہے، یہی انجام ان لوگوں کا بھی ہوگا جو آخرت کو نظر انداز کر کے دنیا ہی کو سجانے اور سنوارنے میں لگے رہے اور دنیا ہی کی ترقی کیلئے اپنی زندگی کا سارا سرمایہ لگا دیا۔

اے اللہ، راقم الحروف کے دل میں اگر ریاء کاری اور نام ونمود کے کسی طرح کے جراثیم ہوں تو ان کو ختم کردے اور اس خطرناک بیماری سے محفوظ رکھ، عمل کا کوئی قابل قدر اور قابل دید سرمایہ تو نہیں ہے لیکن جو کچھ تھوڑا بہت ہے اس کو قبول فرمالے، میری تمام خطاؤں پر قلم عفو پھیر دے، جس تقریر اور جس تحریر سے نام ونمود اور شہرت طلبی کا اندیشہ ہو اس سے مجھ کو بچالے۔ آمین

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ بقرہ کا حاشیہ نمبر ۱۰۴۲/ پڑھیے۔

تمثیل کی زبان میں مراد یہ ہے کہ ایک شخص اپنے خیال میں نیک کام کررہا ہے اور اپنے نزدیک ساری توقعات اس سے لگائے بیٹھا ہے، مگر عین احتیاج کے وقت یعنی قیامت کے دن اسے نظر آئے کہ وہ عمل تو شرائط قبول ومقبولیت ملحوظ نہ رکھنے کے باعث خود ہی نابود ہو چکا ہے اس لئے اجر وثواب کیسا، اب تو حرمان محض اس کے نصیب میں آیا۔

ذرا صورت حال کی حسرت ناکی کا تصور کیجئے، ایک شخص کی عمر بھر کی کمائی ایک باغ ہے، سرسبز و شاداب، خوب پھلا پھولا ہوا، ہر طرح کے میووں، پھلوں سے لدا ہوا، باغ کا مالک بوڑھا ہو جاتا ہے اور اب کسی نئی محنت کے قابل نہیں، بچے موجود ہیں مگر کمزور کمسن، جو بجائے اسکے کہ کسب معیشت میں باپ کا ہاتھ بٹائیں الٹے اس کیلئے بار ثابت ہو رہے ہیں، عین اس وقت شدید ترین حاجت مندی کے وقت یک بیک معلوم ہوتا ہے کہ باغ میں آگ لگ گئی اور سب کچھ جل کر خاک سیاہ ہو گیا، باغ کے مالک کے غم وحسرت کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے؟

اس سے کہیں بڑھ کر ہزار گنا اور لاکھ گنا بڑھ کر حالت اس بدنصیب انسان کی ہوگی جس کی آنکھیں زندگی بھر غفلت سے بند رہیں اور پہلی بار اس وقت کھلیں گی جب عمل کی مہلت بالکل ختم ہو چکے گی اور وہ دیکھے گا کہ کوئی چیز بھی اس کے دفتر عمل میں ایسی نہیں جو اس کے کام آسکے، کچھ ٹھکانا، کوئی اندازہ اس کی حسرت وحرماں نصیبی کا ہو سکتا ہے۔ (بحوالہ تفسیر سورہ بقرہ، حاشیہ نمبر ۱۰۴۲/)

قبر سے اٹھتے وقت سود خور کی حالت

سود، اتنی گندی، گھناؤنی چیز ہے کہ اس کو وہی کھا سکتا ہے جو پاگل، مخبوط الحواس ہو، جس کے ہوش وحواس گم ہو چکے ہوں، سود خور آدمی اپنے زندہ بھائیوں کا خون چوستا ہے، اور یہ خون اس کے جسم میں پہنچ کر انتہائی زہریلے خطرناک جراثیم کی شکل اختیار کر لیتا ہے، سود خور کے ناموں کے زہریلے اثرات نے پھوڑے کی مہلک جراثیم کو کس طرح ہلاک کر دیا اس سلسلے میں ایک حیرت انگیز واقعہ ایک حیرت انگیز تعویذ ملاحظہ فرمائیں۔

حکیم محمد طارق محمود چغتائی نے اپنی کتاب ''سنت نبوی اور سائنس'' میں ایک حیرت انگیز اپنا مشاہدہ کیا ہوا واقعہ لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ایک صاحب بغرضِ علاج میرے پاس آئے گفتگو کے دوران انھوں نے اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کیا کہ میرے گدھے کے پیٹ کے قریب ایک گہرا زخم ہو گیا، بہت علاج کرایا لیکن افاقہ نہیں ہوا، حتیٰ کہ اس میں کیڑے پڑ گئے، ایک صاحب نے اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا گدھا تندرست ہو جائے، کیڑے ختم ہو جائیں، اور زخم مندمل ہو جائے تو تین پکے سود خوروں (سود کھانے والوں) کے نام کاغذ پر لکھ کر تعویذ کی طرح گدھے کے گلے میں باندھ دو۔

پہلے تو مجھے حیرانی ہوئی کہ اس سے کیا ہوگا، لیکن اس کے اصرار پر میں نے اپنے علاقے کے تین سود خوروں کے نام کاغذ پر لکھ کر گدھے کے گلے میں لٹکا دیئے، آپ حیران ہوں گے کہ صرف تین دن کے اندر میرا گدھا ہر لحاظ سے تندرست ہو گیا، کیڑے مر گئے اور زخم بھر گئے۔

(بحوالہ، سنت نبوی اور جدید سائنس صفحہ ۳۰۰ / مکتبہ امدادیہ مظاہر العلوم سہارنپور)

حقیقت ہے کہ بداعمالی انسان کو زہریلا بنا دیتی ہے، سود خوری ایسا متعدی اور مکروہ فعل ہے کہ سود خور کا نام بھی زہر آلود ہو جاتا ہے، راقم الحروف کا مشورہ ہے کہ اس واقعہ کو پڑھ کر انسانوں پر اس کا تجربہ مت کیجئے گا، اگر سود خوروں کا نام لکھ کر اپنے گلے میں تعویذ لٹکا لیں گے تو خطرہ ہے کہ سود خور کے جراثیم آپ کو متاثر نہ کر دیں، سود خوری، سودی لین دین اتنا بڑا جرم ہے کہ جو لوگ سود سے باز نہیں آتے ان سے اللہ تعالیٰ نے جنگ کا اعلان کر دیا ہے۔

سود خور دنیا میں ہر وقت روپیہ کے جوڑ گھٹانے میں پاگل رہتا ہے، دن رات وہ اسی فکر میں رہتا ہے کہ کہاں سے زیادہ سے زیادہ روپیہ اس کی تجوری میں آئے، اس کی ہوس کبھی پوری نہیں ہوتی، اسی فکر میں پاگل کتوں کی طرح ادھر ادھر چکر لگاتا رہتا ہے، اسی لئے قبر سے بھی اسی پاگل پن کی حالت میں مخبوط الحواس اٹھے گا۔

جس طرح دنیا میں مجرموں کیلئے قید خانہ بنا رہتا ہے اسی طرح اگر ہر ضلع اور ہر شہر میں پاگل خانہ بنوا دیا جائے اور سارے سود خوروں کو اسی پاگل خانہ میں بند کر دیا جائے تو ملک کا معاشی نظام درست ہو جائے، غربت و

افلاس کا خاتمہ ہو جائے اور آسمان سے برکتوں کا نزول ہونے لگے۔

سود خوری انسانوں کے لئے ایک خطرناک اور مہلک کینسر ہے، اور دنیا اور آخرت دونوں میں اس کا نتیجہ ہلاکت اور ویرانی و بربادی ہے، آج دنیا سے امن و امان رخصت ہو چکا ہے، قتل و غارتگری لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے، انسان اپنے بھائیوں کیلئے درندہ بن گیا ہے، خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا ہے تو اس کے جہاں بہت سارے دوسرے اسباب ہیں وہیں ایک بڑا سبب دنیا میں سود پر مبنی نظام بھی ہے، ہر جگہ سودی کاروبار ہو رہے ہیں، بینکوں کا نظام سود پر چل رہا ہے، سودی نظام نے اس طرح اپنی جڑیں مضبوط کر لی ہیں کہ سود سے بچنا مشکل ہو گیا ہے، پوری دنیا سود کے نٹورک میں جکڑی ہوئی ہے، سود کی وجہ سے انسانی مزاج فاسد ہو گیا ہے، اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ دنیا کی زیادہ تر آبادی اللہ کے مقابلے میں برسر پیکار ہے۔

جہاں بھی سود کے اثرات ہوں گے وہاں فساد اور بگاڑ ہوگا، ہمدردی و غم خواری، انسانیت اور الفت و مروّت کا جذبہ ختم ہو جائے گا، جن لوگوں کے خلاف اللہ تعالیٰ نے اعلانِ جنگ کر دیا ہے ان کے ذریعہ اگر کوئی یہ خیال کرے کہ دنیا میں امن و امان قائم ہوگا، تو یہ ناممکن ہے، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ سود خوری کے اس سیلاب کے اثرات سے ہم کو محفوظ رکھے، اگر اللہ تعالیٰ کی مدد نہ ہو تو اس دور میں سود سے بچنا مشکل ہے، بے شمار مسلمان ہیں جو بینکوں میں فکس ڈیپازٹ کرتے ہیں اور سود کھاتے ہیں۔

افسوس تو یہ ہے کہ اسلامی مدرسوں میں بھی بہت سے ایسے لوگوں کا چندہ آتا ہے جن کی آمدنی میں سود کی ملاوٹ ہوتی ہے، اگر اس طرح کا حرام اور مشکوک چندہ مدرسوں میں آئے گا اور طلبہ و اساتذہ اس کو استعمال کریں گے تو ان مدارس سے ایسے علماء نہیں پیدا ہو سکتے جو اصلاح و ارشاد اور دعوت و تبلیغ کیلئے مطلوب ہیں۔

اے اللہ، راقم الحروف پریشان ہے کیا کرے، کہاں جا کر رہے، کس سے رشتہ توڑے، کس کی دعوت قبول کرے اور کس کی دعوت سے انکار کر دے، کہاں تک لوگوں کی آمدنی کی تحقیق کرے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا، اے اللہ، راقم الحروف کو تو ہی حفاظت میں رکھ، بہت ڈر لگتا ہے، اتنا کمزور اور کاہل ہوں کہ چند بکری لے کر چرا بھی نہیں سکتا اور قوت ارادی کی کمزوری کی وجہ سے کسی جنگل اور صحراء میں بھی قیام کرنا مشکل ہے، بس تو ہی اپنے اس ضعیف و ناتواں بندے کو اپنے لطف و کرم سے اپنی حفاظت کے سایے میں رکھ اور بلا تعب و مشقت خالص رزق حلال کا انتظام فرما دے، حرام اور مشکوک لقمہ پیٹ میں نہ جانے پائے۔ آمین

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ بقرہ کا حاشیہ نمبر ۱۰۶۹/۱۰۸۰ ر پڑھئے۔

اصل منظر تو یہ قیامت کے دن کا ہے کہ آخرت میں اپنی قبروں سے اٹھنے پر یہ سود خور سیدھے کھڑے تک نہ ہو سکیں گے، کھڑے ہوں گے بھی تو متوالوں، خبطیوں، دیوانوں کی طرح گرتے پڑتے

لڑکھڑاتے ہوئے، لیکن اس کا ایک ہلکا سا رنگ اسی دنیا ہی میں نظر آجاتا ہے۔

مہاجن، ساہوکار، جو روپیہ کے پیچھے دیوانہ باولا رہتا ہے، واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جن یا بھوت چمٹ گیا ہے، اور اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے سوتے جاگتے اس پر سود یا بیاج ہی سوار رہتا ہے اور جس کی حرص وطمع کی پیاس دنیا میں اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے، لازم ہے اس کا حشر بھی اسی مخبوط، جنون زدہ حالت کے ساتھ ہو۔

۱۰۸۰۔ یعنی تم (سودخوروں) پر باغیوں اور مرتدوں کی طرح جہاد کیا جائے گا، اتنی شدید تہدید (دھمکی) قرآن مجید میں کسی دوسری معصیت کیلئے نہیں آئی ہے۔

اَلْعَظَمَۃُ لِلّٰہِ" حرمت سود کا کس درجہ اہتمام ہے اور اس باب میں کس درجہ شدید احکام ہیں، اس کے بعد کچھ حد ہے اس ڈھٹائی اور جسارت کی کہ اپنے کو مسلمان کہلا کر رسالے "جواز سود" پر شائع کئے جائیں؟ اور اپنی تحریر وتقریر سے لوگوں کو سودی کاروبار کی ترغیب دلائی جائے،

حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی رسول ﷺ سے یہ جو قول منقول ہے کہ سود کو بھی چھوڑ دو اور اس کے مشابہ چیزوں کو بھی، وہ اسی قرآنی تہدید کا قدرتی نتیجہ ہے، جب جسمانی بیماریوں کا یہ حال ہے کہ کسی مرض کو طبیب اگر سخت مرض سے مشابہ پاتا ہے تو احتیاطاً علاج اس سخت تر مرض کا شروع کر دیتا ہے، تو جو مسلمان تقویٰ کا ادنیٰ درجہ بھی رکھتے ہیں ان پر بھی یہی لازم ہے کہ نہ صرف کھلے ہوئے سود سے بچیں بلکہ ایسی مالی کاروباری صورتوں سے بھی احتیاطاً بچتے رہیں، جن کا سودی ہونا قطعی نہیں صرف اغلب ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ بقرہ، حاشیہ نمبر ۱۰۶۹/۱۰۸۰)

بغیر اتباع کے محبت کا دعویٰ عبث ہے

اللہ تعالیٰ پر ایمان، اللہ سے محبت کی دلیل اور سب سے بڑی کسوٹی حضور اکرم ﷺ کی اتباع اور پیروی ہے، اگر آدمی اس حقیقت کو ذہن نشین کر لے تو سارے مذہبی اختلافات اور اونچ نیچ کی دیواریں منہدم ہو جائیں، کون سچا ہے؟ کون جھوٹا ہے؟ کون حق پر ہے کون باطل پر ہے؟ کس کا مسلک صحیح ہے اور کس کا مذہب غلط ہے؟ اس سلسلے میں جھگڑنے اور اپنے اپنے مسلک کو صحیح ثابت کرنے اور مناظرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بس اتباع سنت نبوی کی کسوٹی پر اپنے کو جانچ لیا جائے اور اسی آئینے میں دیکھ لیا جائے، یہ کسوٹی خود بتادے گی کہ کون سونا ہے، کون چاندی ہے، کون پیتل ہے، کون تانبہ ہے اور کون مٹی کا ڈھیلا ہے، اور یہ آئینہ خود بتادے گا کہ کون حسین ہے، خوب صورت ہے اور کون بد شکل ہے، کس کا مسلک صحیح ہے اور کس کا مسلک غلط ہے۔

ایک بزرگ نے خوب فرمایا ہے کہ، ۔

بے وجہ مجھے ناز ہے کیوں حسن پہ اپنے
میں دیکھ لوں آئینے میں کیا میں بھی حسیں ہوں

کسی کو اپنی بزرگی، اپنی مشیخت اور اپنے کو شیخ کامل ہونے کا دعویٰ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کون شیخ طریقت ہے، کون حضرت اقدس ہے؟ کون عارف باللہ اور شیخ کامل ہے؟ یہ آئینہ سنتِ نبوی اس کی تصویر واضح کردے گا، بہت سے مشائخ جو اپنی بزرگی کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور مقام محبت کی سیر کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے مریدوں کو اپنا معتقد بنا لیتے ہیں، جب اس آئینہ سنت میں اپنا چہرہ دیکھیں گے تو شاید اپنی نازِ پارسائی پر شرم آنے لگے۔ بقول غالب، ۔

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

بہر حال اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ ہے تو اس کا ثبوت حضور اکرم ﷺ کی کامل اتباع کے ذریعہ دینا ہوگا، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کے ذریعہ یہ اعلان کروادیا ہے کہ آپ یہ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، میری سنتوں پر عمل کرو تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

معلوم ہوا کہ کوئی آدمی لاکھ یہ دعویٰ کرے کہ میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں، اللہ سے محبت کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں، حج کرتا ہوں، فلاں فلاں وظیفہ پڑھتا ہوں، فلاں صاحبِ نسبت بزرگ کا مرید ہوں، لیکن اگر اس کی عملی زندگی سنتِ نبوی ﷺ سے دور ہے، زندگی کے تمام معاملات میں وہ اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع اور پیروی نہیں

کرتا تو اللہ تعالیٰ اس سے محبت نہیں کرے گا۔ راقم الحروف کا شعر ہے۔

زبانی دعویٔ الفت سے کچھ حاصل نہیں ہوتا
بلا حسن عمل دل دید کے قابل نہیں ہوتا

ہر آدمی اپنا احتساب کرے کہ کہاں تک اس کی عملی زندگی حضور اکرم ﷺ کی سنتوں کے مطابق ہے، اگر وہ سنت رسول داڑھی پر استرا چلاتا ہے، یہودیوں، مجوسیوں اور مشرکوں کی وضع قطع کو پسند کرتا ہے، مادّی مصلحتوں کے پیش نظر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بہت سے احکام کو نظر انداز کر دیتا ہے، تو اگر چہ وہ نماز پڑھتا ہے، حج وقربانی کرتا ہے، جمعہ اور عیدین کی نمازوں کا اہتمام کرتا ہے، لیکن وہ اپنے دعویٔ ایمان ومحبت میں جھوٹا ہے۔

صحابہ کرامؓ کو صحابیت کا جو بلند مقام ملا وہ سنت نبوی ﷺ ہی کی اتباع کامل سے ملا ہے، ہم مقام صحابیت تک تو نہیں پہنچ سکتے، لیکن حضور اکرم ﷺ کی اتباع کر کے صحابہ کرامؓ کی فہرست میں آ سکتے ہیں، صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم ﷺ سے محبت اور آپ کی اتباع کامل کا جو عملی نمونہ پیش کیا وہ بہت وسیع موضوع ہے، میں یہاں صرف ان کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں تا کہ ان کو پڑھ کر ہم بھی اسی آئینے میں اپنا چہرہ دیکھنے کی کوشش کریں۔

ایک صحابی حضرت ابودرداءؓ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں جانے لگے حضور اکرم ﷺ نے ان سے کہا کہ ”عَلٰی رِسْلِکَ“ (ابھی ٹھہر جاؤ) حضرت ابودرداءؓ وہیں کھڑے ہو گئے، حضور اکرم ﷺ سحری کے وقت تہجد کیلئے نکلے تو وہ صحابی اسی مقام پر کھڑے تھے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کیا ساری رات تم یہاں کھڑے رہے، سوئے نہیں؟ عرض کیا جی ہاں، میں یہیں کھڑا رہا، پوچھا کیوں؟ حضرت ابودرداءؓ نے کہا کہ اگر آپ کے حکم کے خلاف قدم اٹھاتا تو یہ قدم جہنم میں چلا جاتا، یہاں موت تو آ سکتی ہے مگر آپ کے خلاف قدم نہیں اٹھ سکتا۔

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ مسجد نبوی میں کھڑے ہوئے اور لوگوں سے فرمایا، اِجْلِسُوْا، اِجْلِسُوْا (بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ مسجد سے باہر تھے، یہ آواز ان کے کان میں پہنچی تو وہیں راستے میں بیٹھ گئے، یہ نہیں سوچا کہ یہ حکم تو مسجد کے اندر والوں سے ہے، حضور اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم باہر تھے تم مخاطب نہیں تھے کیوں بیٹھ گئے؟ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ جب حضور ﷺ کی آواز کان میں آ گئی کہ بیٹھ جاؤ تو عبداللہ ابن مسعودؓ کی کیا مجال تھی کہ کھڑا رہے۔

ایک صحابی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ریشم کا سرخ رنگ کا جبہ پہنے ہوئے تھے، حضور اکرم ﷺ نے ناگواری کا اظہار فرمایا، فوراً اٹھے گھر میں تنور کی آگ میں جھونک دیا پھر حاضر ہوئے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جبہ کیا ہوا؟ عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ اس کو آگ میں جلا دیا، حضور اکرم ﷺ

نے فرمایا کہ میں نے جلانے کیلئے تو نہیں کہا تھا، گھر میں بیوی کیلئے کپڑا بنا دیا ہوتا، اس کیلئے جائز ہے۔
اللہ اکبر، عشق و محبت کا بھی عجیب معاملہ ہوتا ہے، جس کے دل میں محبت ہوتی ہے، وہ اتنی دور تک نہیں سوچتا اور نہ کسی قسم کی تاویل کرتا ہے، اس کے سامنے صرف یہی بات ہوتی ہے کہ جو چیز محبوب کو ناپسند ہے اس کو باقی کیوں رکھا جائے۔

نظران کی نظر اپنی پسندان کی پسند اپنی ☆ نظر اپنی پسند اپنی محبت میں نہیں ہوتی

حضرت عبداللہ بن عمرؓ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جارہے تھے راستے میں ایک جگہ سواری کو بیٹھایا، سواری سے اترے اور ایک جگہ بیٹھے جیسے پیشاب کرنے والا بیٹھتا ہے، اور بلا پیشاب کئے ہوئے اٹھ کر پھر سوار ہو کر چل دیئے، ان سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھا، رسول اللہ ﷺ نے یہاں اسی جگہ پیشاب کیا تھا، مجھ کو پیشاب کرنے کی ضرورت نہ تھی اس لئے میں نے سوچا کہ کم از کم ایسی صورت ہی بنالوں۔

اے جوشِ جنوں بیکار نہ رہ کچھ خاک اڑا ویرانے کی
دیوانہ بننا مشکل ہے صورت ہی بنا دیوانے کی

صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنے والے ایک بزرگ مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کے اہتمام سنت کا واقعہ بھی بڑا ہی ایمان افروز ہے، مظہر جانِ جاناںؒ کے بارے میں حضرت تھانویؒ نے ''ارواح ثلثہ'' میں لکھا ہے کہ مرزا مظہر جانِ جاناںؒ نے بھول کر جلدی میں دایاں قدم بیت الخلاء میں رکھ دیا، وہیں گر گئے، ٹوپی دور جا گری لوگوں نے اٹھایا بیہوش ہو گئے تھے، کافی دیر کے بعد ہوش آیا تو پوچھا گیا حضرت کیا ہو گیا؟ فرمایا سنت کے خلاف قدم بیت الخلاء (لیٹرن) میں چلا گیا، یا بایاں قدم رکھنا تھا دایاں رکھ دیا، میں ڈر گیا کہ کہیں اللہ کا عذاب ہی نہ آجائے۔

یہ اتباع سنت نبوی کی چند مثالیں ہیں ہم بھی اپنا احتساب کریں کہ ہم کہاں تک سنت نبوی کا اہتمام کرتے ہیں اور کہاں تک اپنے دعویٰ ایمان و محبت میں سچے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم تمام لوگوں کو سنت نبوی پر قربان ہونے اور زندگی کے ہر معاملے میں سنت نبوی پر استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ آل عمران کا حاشیہ نمبر ۸۱/ پڑھئے۔

محبت الٰہی کے دعوے کی جانچ کیلئے کیا اچھا معیار بتا دیا گیا، یعنی جتنا اتباع رسول ہوگا اسی قدر اس کی محبت الٰہی مسلم و معتبر ہوگی، اسی معیار پر آج بڑے بڑے مدعیانِ مشیخت و مدعیانِ محبت الٰہی کے دعووں کو جانچئے تو بہتوں کی قلعی کھل کر رہ جائے۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ آل عمران، حاشیہ نمبر ۸۱/)

امت مسلمہ کا امتیازی وصف

دنیا میں مسلمانوں کے وجود کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم کریں، اس زمین کو منکرات وفواحش اور گناہوں سے پاک وصاف کر کے نیکیوں اور بھلائیوں کے درخت لگائیں، جن کے سایے اور پھلوں سے دنیا مستفید ہو سکے، مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ دنیا کے تمام انسانوں کو کفر وشرک اور ہر طرح کی معصیت کے اندھیروں سے نکال کر اسلام کی روشنی میں لائیں، قرآن مجید کے نزول، نبی آخرالزماں محمد عربی ﷺ کی بعثت اور امت مسلمہ کے وجود کا یہی مقصد ہے۔

دنیا کی اکثر آبادی دوزخ کے سایے میں زندگی گذار رہی ہے اور گناہوں کی آگ میں جل رہی ہے، ان کے ساتھ ہمدردی کا تقاضا یہی ہے کہ مسلمان ان کیلئے اپنے اقوال اور اعمال سے ابر رحمت بن جائیں، اور ان کو جہنم کے سایے اور اس کے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے باہر نکالنے کی کوشش کریں۔

رحمت کا ابر بن کے جہاں بھر میں چھائیے
عالم یہ جل رہا ہے برس کر بجھائیے

لیکن مدت ہائے دراز سے یہ امت اپنے مقصد وجود سے ہٹ چکی ہے، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد سے محروم ہے اور پوری دنیا میں ذلت ورسوائی کی زندگی گذار رہی ہے، دعوت وتبلیغ، امر بالمعروف، اور نہی عن المنکر کا یہ فریضہ موجودہ حالات میں جزوی طور پر انجام نہیں دیا جاسکتا، ضرورت اس بات کی ہے کہ پوری امت اجتماعی طور پر اس اہم فریضے کو انجام دینے کیلئے اٹھ کھڑی ہو، اور دعوت وتبلیغ کا بین الاقوامی ادارہ دنیا کے تمام اداروں سے زیادہ پاورفل اور طاقتور ہو، اقوام متحدہ اس کے سامنے ہیچ ہو، اور امت کا ہر فرد اپنی اپنی جگہ اپنے اپنے حلقہ اور اپنے دائرۂ اختیار میں اسلام کا داعی اور مبلغ ہو، صرف چند علماءِ کرام ہی پر اس کام کو منحصر نہ سمجھے۔

اگر کوئی مسلم ڈاکٹر ہو تو یہ نہ سمجھے کہ بس اس کی زندگی کا مقصد یہی ہے کہ اپنا مطب خوب چلائے اور زیادہ سے زیادہ روپیہ سمیٹنے کی کوشش کرے، بلکہ وہ سمجھے کہ میں ڈاکٹر کے ساتھ ساتھ اسلام کا مبلغ بھی ہوں، اور اس بہترین امت مسلمہ کا ممبر ہوں، جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تمام انسانوں کیلئے بطور نمونہ بھیجا ہے، اگر کوئی انجینئر ہے تو اپنی انجینئرنگ سے زیادہ وہ اپنے اس فریضہ ملی کو اہمیت دے، کسی کالج اور یونیورسٹی کا لکچرر یا پروفیسر یا چانسلر اور وائس چانسلر ہو، سب کو اسلام کا داعی اور مبلغ ہونا چاہئے، کچھ لوگ سرکاری ملازم ہیں تو چپراسی سے لے کر اونچے منصب پر فائز ہونے والے تمام مسلمان داعی اور مبلغ ہوں، اگر کوئی اسمبلی اور پارلیمنٹ کا ممبر ہے تو اس منصب کے مقابلے میں اسلام کی دعوت وتبلیغ، اسلامی شعار اور اسلامی اخلاق وکردار کو زیادہ اہمیت دے، جہاں بھی کوئی ہو اس

کے قول وفعل سے اسلامی رنگ کا ظہور ہو۔

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھوڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگ محفل دیکھ لیتے ہیں

الغرض امت کا ہر فرد یہ محسوس کرے کہ میں مسلمان ہوں اور میرے وجود کا حقیقی مقصد یہی ہے کہ میں اللہ تعالٰی کے پیغام کو عام کروں، اور اندھیرے میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو اسلام کی روشنی میں لانے کی کوشش کروں، کیوں کہ اللہ تعالٰی نے صرف علماءِ کرام کو خیر الامم اور خیر امت، بہترین امت کا لقب نہیں دیا ہے، بلکہ دنیا کے تمام مسلمانوں کے سروں پر خیر امت کا تاج زرنگار رکھا ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ:۔

خیرالامم ہیں آپ ہی فرمایئے جناب
تبلیغ آپ کرتے نہیں کیوں ؟ بتایئے

اس خیر امت کی ممبر شپ کیلئے ضروری ہے کہ مسلمان لوگوں کو برائیوں سے روکیں اور بھلائیوں کا حکم دیں اور کفر وشرک کے اندھیروں سے نکالنے کی کوشش کریں، اگر کوئی مسلمان ایسا نہیں کرتا تو وہ اس بہترین امت مسلمہ کا ممبر نہیں ہوسکتا، کوئی جماعت اور پارٹی ہو اس کا ممبر بننے کے لئے کچھ شرائط ہوتے ہیں، جو آدمی اس پارٹی کے شرائط کو قبول نہیں کرتا وہ اس پارٹی کا ممبر نہیں ہوسکتا، اور اگر ممبر بننے کے بعد پارٹی کے شرائط کو پورا نہیں کرتا تو اس کو پارٹی سے نکال دیا جاتا ہے، لیکن مسلمانوں کا عجیب حال ہے کہ خیر امت (بہترین امت) ہونے کی شرط کو بھی پورا نہیں کرتے، بلکہ اپنے بعض اعمال کے ذریعہ اسلام کی توہین بھی کرتے ہیں، اور اپنے تئیں زبردستی اپنے آپ کو اسلام اور خیر امت کا ممبر بھی سمجھتے ہیں، لیکن یاد رکھئے اسلام ایسے لوگوں کو اپنا ممبر نہیں سمجھتا خواہ اپنے تئیں وہ اپنے آپ کو ممبر تصور کرتے رہیں۔

آج مسلمانوں کا یہی حال ہوگیا ہے جیسا کہ ایک ایرانی مسلمان کا واقعہ ہے، اس نے ایک عالم سے پوچھا کہ فرمایئے مولانا صاحب کیا بغیر وضوء کے نماز نہیں ہوتی؟ مولانا نے کہا ہاں وضوء نماز کیلئے شرط ہے بغیر وضوء کے نماز نہیں ہوتی، تو اس نے کہا کہ مولانا صاحب میں نے تو بغیر وضوء کے نماز پڑھی ہے میری نماز ہوگئی۔

اسی طرح ایک آدمی نے ایک مفتی صاحب سے پوچھا کہ حضرت ایک عورت ہے جو میری بیوی کی بہن ہے کیا اس کے ساتھ میں نکاح کرسکتا ہوں؟ مفتی صاحب نے کہا کہ بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے حرام ہے، تو اس نے کہا کہ مفتی صاحب میں نے تو نکاح کرلیا ہے اور نکاح ہوگیا، اب بتایئے کیا اس طرح کی ڈھٹائی اور بے حیائی کا کوئی علاج ہے؟ اس کا علاج بس یہی ہے کہ اس طرح کے لوگوں کے دماغ پر کوڑوں کی ضرب لگائی جائے یا ان لوگوں کا دماغ اس وقت صحیح ہوگا جب جہنم ان کا استقبال کرے گی، آج یہی حال زیادہ تر مسلمانوں کا ہوگیا ہے، اسلام کی ممبر شپ کی شرائط کو پورا نہیں کرتے اور اپنے کو مسلمان سمجھتے ہیں۔

میں بصد احترام خانقاہوں کے مشائخ اور بزرگوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وہ ارشاد واصلاح کا سلسلہ محض اپنے مریدوں کے حلقے تک محدود نہ کریں، اور اپنے مریدوں کی تعلیم وتربیت اس انداز سے نہ کریں کہ صبح وشام چند وظائف اور اپنے شیخ سے نسبت ہی بس ان کیلئے کافی ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ ان مریدوں اور مسلمانوں کے علاوہ حضرت آدمؑ کی اولاد میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو نہیں جانتے، کفر وشرک کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور اسی کفر وشرک کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں، اس لئے خود بھی اور اپنے متوسلین، مریدین ومعتقدین کو میدانِ دعوت وتبلیغ میں بھی نکالیں، صرف خانقاہ اور اپنے شیخ کی مجلس تک محدود نہ رہیں، صرف شیخ کی مجلس میں شرکت، شیخ کی محبت وخدمت، چند وظائف اور ایک مخصوص حلقے میں بیعت وارشاد سے دعوتِ اسلامی کا حق ادا نہیں ہوسکتا جس کیلئے قرآنِ حکیم کا نزول ہوا اور حضور اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی۔

میں خانقاہوں کے مشائخ اور بزرگوں کے سامنے ایک ایمان افروز واقعہ پیش کرتا ہوں، جس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ خانقاہی نظام کس مقصد کیلئے وجود میں آیا تھا، اس کا مقصد پیری مریدی کے ذریعہ ٹھاٹ باٹھ کرنا، اپنی بزرگی کا ڈھنڈورا پٹوانا، مریدوں کا حلقہ بڑھانا اور مریدوں کا صرف شیخ کی مجلس تک محدود ہوکر رہ جانا نہیں تھا، بلکہ خانقاہ کے لوگ دعوتِ اسلامی کے میدان میں بھوکے پیاسے نکل جاتے تھے اور کفر وشرک کے اندھیروں سے اللہ کے بندوں کو نکالنے کیلئے ہر طرح کی مشقت برداشت کرتے تھے، کاش آج خانقاہوں کے مشائخ اور ان کے مریدین غیر مسلموں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کیلئے میدانِ عمل میں نکل آتے۔

پروفیسر آرنلڈ نے اپنی کتاب ''پریچنگ آف اسلام'' میں دکھایا ہے کہ، الجزائر کے بربری قبائل میں اسلام کس طرح پھیلا، ان قبائل میں کچھ لوگ عیسائی تھے اور زیادہ تر وہ لوگ تھے جو قدیم مشرکانہ مذہب پر قائم تھے، یہ لوگ پہاڑی علاقہ میں رہتے تھے اور پہاڑوں کے حصاروں میں بند تھے، قبائلی مزاج کی وجہ سے وہ اپنی خودمختاری کو زیادہ پسند کرتے تھے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے یہاں عربی مسلمانوں کا داخلہ ہو، اس لئے ان کو مسلمان بنانے میں بہت سی مشکلوں کا سامنا تھا۔

اس سے پہلے قادریہ سلسلہ کی ایک خانقاہ (سَاقِيَةُ الْحَمْرَاء) کے صوفیوں نے ان کے یہاں ایک تبلیغی مشن قائم کرنے کی کوشش کی، مگر انہیں اس کام میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی، ان کے درمیان اسلام کیلئے راستہ ہموار کرنے کا سہرا اندلسی مسلمانوں کے سر ہے، جو سقوطِ غرناطہ (۱۴۹۲ء) یعنی اندلس میں مسلمانوں کی سلطنت کے خاتمہ کے بعد اسپین سے نکال دیے گئے تھے اور اس خانقاہ میں آکر پناہ گزیں ہوئے تھے، خانقاہ کے شیخ نے دیکھا کہ یہ لوگ تبلیغ کے اس دشوار کام کیلئے بہت موزوں ہیں جس کے انجام دینے میں ان کے اپنے مریدوں کی کوشش ناکام رہی، دعوت اسلامی کے اس میدان میں روانہ کرنے سے پہلے خانقاہ کے شیخ نے ان کو ان ایمان

الفروز الفاظ میں مخاطب کیا۔
ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اسلام کی مشعل ان ملکوں میں لے جائیں جو برکات اسلام کی نعمت سے محروم ہو چکے ہیں، ان بدقسمت قبائل کے یہاں نہ تو مدارس ہیں اور نہ کوئی شیخ ہے، جو ان کے بچوں کو اصول اخلاق اور محاسن اسلام کی تعلیم دے سکے، یہ لوگ جانوروں کی طرح رہتے ہیں، جن کو نہ خدا کا علم ہے نہ دین کا، لہذا میں نے ارادہ کیا ہے کہ اس ناگوار صورت حال کی اصلاح کیلئے تمہاری دینی حمیت وغیرت اور تمہارے نور ایمان سے درخواست کروں تاکہ یہ کوہستانی لوگ اپنی قابل رحم جہالت کی دلدل میں پھنستے نہ رہیں، اور ہمارے دین کی شاندار صداقتوں سے باخبر ہو جائیں۔
جاؤ ان کے ایمان کی بجھتی ہوئی آگ کو ہوا دو، اور اس کی دبی ہوئی چنگاریوں کو دوبارہ روشن کرو، اس سے پہلے مذہب یعنی عیسائیت کی جس ضلالت وگمراہی سے ابتک وہ آلودہ ہیں اس سے ان کو پاک کرو، اور ان کو یہ سمجھاؤ کہ سیدنا محمد ﷺ کے دین میں عیسائیت کے برعکس میل کچیل اللہ تعالیٰ کی نظروں میں مقبول نہیں ہے، میں تم سے یہ بات پوشیدہ نہیں رکھنا چاہتا کہ تمہارے کام میں بہت سی دشواریاں ہیں لیکن تمہاری ناقابل تسخیر حمیت اسلامی اور حرارت ایمانی اللہ کے فضل وکرم سے تمام مشکلات پر غالب آئے گی، میرے بچو، جاؤ اور اس بدنصیب قوم کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف دوبارہ لاؤ جو اس وقت جہالت اور کفر کی دلدل میں پھنسی ہوئی ہے، ان کو نجات کا پیغام پہنچاؤ اللہ تمہارے شامل حال رہے اور تمہاری مدد فرمائے۔
یہ مبلغ پانچ پانچ چھ چھ کی جماعتوں میں مختلف اطراف میں روانہ ہو گئے، وہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے اور ہاتھ میں عصاء لئے چل دیئے اور انھوں نے پہاڑوں کے سنسان اور غیر آباد مقامات کا انتخاب کر کے وہاں کے غاروں میں چٹانوں کے درمیان خانقاہیں قائم کیں، قبائل کے درمیان ان کی پرہیزگاری اور عبادت کا چرچا ہونے لگا، چنانچہ یہ قبیلے جلد ہی ان کے ساتھ راہ ورسم پیدا کرنے لگے۔
ان مبلغوں نے آہستہ آہستہ اپنے اپنے علم طب صنعت وحرفت اور تمدن کے دوسرے فوائد کی بدولت بربری قبائل کے یہاں کافی اثر ورسوخ قائم کر لیا، حتی کہ ہر خانقاہ اسلامی تعلیم ودعوت کا مرکز بن گئی، ان نوواردوں کے علم وفضل کی کشش سے بہت سے لوگ علم کی طلب میں ان کے گرد جمع ہو گئے، کچھ عرصہ بعد یہی طالب علم اپنے اہل وطن میں اسلام کی تبلیغ کرنے لگے، یہاں تک کہ ان کا مذہب اسلام بربری قبائل کے تمام علاقوں اور الجزائر کی تمام بستیوں میں پھیل گیا۔ (بحوالہ، پریچنگ آف اسلام)
بہر حال مسلمان اگر چاہتے ہیں کہ اسلام میں ان کی ممبر شپ باقی رہے، اور اللہ تعالیٰ کی نصرت ان کا استقبال کرے تو ضروری ہے کہ وہ کفر وشرک اور تمام منکرات وفواحش سے روکنے، بھلائیوں کو فروغ دینے اور اللہ

تعالیٰ کا پیغام ساری دنیا میں پھیلانے کی کوشش کریں۔

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ آل عمران کا حاشیہ نمبر ۲۲۸ / پڑھئے۔

آیت کے اس جزء میں امت اسلامی کی اعتقادی اخلاقی اور عملی زندگی کے کامل ومکمل ہونے کا پورا نقشہ آگیا، مطلب یہ ہوا کہ، اے مسلمانوں، تم اپنی ذمہ داری پوری طرح محسوس کرو، تم توحید کے امانت دار ہو، زمین پر اللہ کے نائب وخلیفہ ہو بطور اس کی پولیس کے ہو، الٰہی قانون کے نفاذ وتحفظ کیلئے دنیا کے نظام عدل کو برقرار رکھنے کیلئے بھیجے گئے ہو، تمہاری زندگی کا مشن ہی یہ ہے کہ حکومت الٰہیہ کو چلاؤ، نظام حق کے ایک ایک کل پرزہ کو درست رکھو اور نظام باطل کا زور چلنے ہی نہ دو۔

ظلم ہوتا اگر اس ذمہ دار فعال (اگزیکوٹیو) جماعت کو جدال وقتال کی آزادی کسی حال میں نہ ملتی، بلا اجازت جہاد، بلا اجازت اجراء حدود وتعزیرات، اس قوم پر ذمہ داریاں ڈال دینے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہاتھ پیر باندھ کر حکم دریا میں پیرنے کا دیا جارہا ہے، کیا تماشہ ہے کہ انگریز ہندوستان میں ستی کی رسم کو جرم قرار دیں تو وہ ملک کے محسن، ہندؤوں میں بچپن کی شادیوں کے دستور کو روک دیں تو اس کا شکریہ واجب، لیکن اللہ کے سپاہی اور مالک الملک کے پیارے اگر یہ حق حاصل کرنا چاہیں کہ قانون الٰہی سے بغاوت کرنے والوں اور امن عالم کو غارت کر کے رکھ دینے والوں کی دار وگیر کریں تو روشن خیالی کے جبین تحمل پر شکن آجائے اور تہذیب کے پروپیگنڈسٹ اسے رواداری کے خلاف قرار دینے لگیں۔

تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (برائیوں سے روکنے) کے تحت میں آج کے شراب خانے اور تھیٹر، سینما، اور کنسرٹ ہال، ناچ گھر اور میوزک کالج، اسکول آف آرٹ اور تصویر خانے سب آجاتے ہیں۔

آیت سے ظاہر ہے کہ اس امت کی خیریت وافضلیت اسی وقت تک ہے جب تک وہ ان صفات کی حامل ہے، یعنی ایمان باللہ میں مضبوط اور اَمْر بِالْمَعْرُوْف اور نَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرْ ایجابی وسلبی دونوں قسم کی اخلاقی خوبیوں پر قائم ہے۔

حضرت عمرؓ کے حوالہ سے نقل ہوا ہے کہ جو کوئی اس امت میں داخل ہونے کی تمنا رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اللہ کی بتائی ہوئی یہی شرطیں پوری کرے، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّاب، قَالَ مَنْ سَرَّهُ اَنْ تَكُوْنَ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ فَلْيُؤَدِّ شَرْطَ اللّٰهِ فِيْهَا" (بحوالہ، ابن جریر)

اور جس کسی میں یہ صفات نہ ہوں وہ بس انہی اہل کتاب جیسا ہے جن کی ہجو ومذمت یہاں آئی ہے وَمَنْ لَمْ يَتَّصِفْ بِذٰلِكَ اَشْبَهَ اَهْلَ الْكِتَابِ الَّذِيْنَ ذَمَّهُمُ اللّٰهُ" (بحوالہ، ابن کثیر)

(بحوالہ تفسیر سورہ آل عمران، حاشیہ نمبر ۲۲۸ /)

ہندوؤں کا خیال خام

ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا، تو نہ اس کا مال اس کے کام آئیگا اور نہ اس کی اولاد اس کو دوزخ کے عذاب سے بچا سکتی ہے، ہاں اگر اس نے مال کا صحیح استعمال کیا ہے اور اپنی اولاد کو نیک اور صالح بنایا ہے تو اس کا اجر و ثواب اسکو ملے گا، اس لئے ایک مسلمان اپنے آپ کو خود ذمہ دار سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتا ہے، اس کا تکیہ مال اور اولاد پر نہیں ہوتا کہ خواہ وہ کیسا بھی عمل کرے اپنے مال اور اپنی اولاد کے ذریعہ دوزخ کی آگ سے بچ جائیگا، لیکن شیطان نے ہندوؤں کو ایسی پٹی پڑھادی ہے اور ان کے ذہن میں یہ باطل نظریہ پیوست کردیا ہے کہ وہ جو چاہیں کریں بڑے سے بڑا جرم کریں لیکن ان کی اولاد نرینہ مرنے کے بعد پانی دے دے کر نرک یعنی دوزخ سے بچالے گی اور بیکنٹھ یعنی جنت میں داخل کردے گی۔

یہ ایک ایسا باطل نظریہ ہے جس کے اندر برائیوں اور جرائم سے روکنے کی کوئی طاقت نہیں ہے، کیوں کہ جب ایک آدمی یہ سوچ لے کہ میں خواہ بڑے سے بڑا جرم کروں، کسی پر ظلم کروں، ٹھگی اور بے ایمانی کروں، لوگوں کی زمین پر ناجائز قبضہ کرلوں، جس کو چاہوں قتل کردوں، لیکن میرے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے کہ ان جرائم اور گناہوں کی سزا مجھے دی جائے، کیونکہ میرے مرنے کے بعد میرا لڑکا مجھے ان جرائم کی سزا سے بچالے گا، مجھے پانی دے دے کر دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کردے گا، اسی خیالِ خام اور فکر باطل کا نتیجہ ہے کہ ہندوؤں کے اندر اخلاقی جرائم زیادہ پائے جاتے ہیں، کیوں کہ جرائم کی سزا سے وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس ناسمجھ قوم کو ہدایت دے، ان کے دلوں پر شیطان نے اپنی وسوسہ اندازیوں سے جو مضبوط گرہ لگادی ہے اس کو کھول دے، افسوس تو اس بات کا ہے کہ ایک مدت سے ہندوستان میں مسلمان رہتے ہیں لیکن ان باطل افکار ونظریات کے خلاف جیسا کہ چاہئے کوئی آواز بلند نہیں کی، ان کو سمجھانے کی کوشش نہیں کی، اور ہندوستان میں پورے زور وشور سے اسلام کی دعوت نہیں دی، ہندوؤں کے ان تمام باطل افکار ونظریات کو ایمان باللہ اور عقیدۂ آخرت ہی کے ذریعہ ختم کیا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ آل عمران کا حاشیہ نمبر ۲۴۰ر پڑھئے۔

ہندوؤں اور جینیوں میں یہ گمراہی خاص طور پر بڑھی ہوئی ہے، اولاد نرینہ کی اہمیت اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ لڑکا ہی مرے ہوئے باپ کو پانی دے دے کر عذاب سے چھڑالیتا ہے۔

منوجی کا یہ قول کتابوں میں نظر سے گذرا ہے کہ بیٹے کو سنسکرت میں پتر کہتے ہی اس لئے ہیں کہ وہ باپ کو پت (دوزخ) سے چھڑالاتا ہے۔

مال واولاد کے ذریعہ سے حصول نجات کی گمراہی جاہلی مذہبوں میں عام اور بہت پھیلی ہوئی تھی، اس لئے قرآن نے اس کی تردید اس صراحت کے ساتھ کی۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ آل عمران، حاشیہ نمبر ۲۴۰ر)

اسلام کے منکروں اور باغیوں سے دوستی

آگ اور پانی، گرمی اور سردی، دھوپ اور سایہ، روشنی اور تاریکی کے درمیان دوستی نہیں ہوسکتی، شہد کی مکھیاں گندگی پر بیٹھنے والی مکھیوں سے دوستی نہیں کرتی ہیں، شیر کبھی گیدڑ سے دوستی نہیں کرسکتا، دوستی کیلئے ہم مزاج اور ہم عقیدہ ہونا ضروری ہے، شراب سے پرہیز کرنے والا آدمی شرابیوں سے دوستی نہیں کرسکتا، ایک پاک وصاف آدمی چوروں اور ڈاکوؤں کو دوست نہیں بنا سکتا، عدل وانصاف پر قائم رہنے والا ظالموں سے دوستی نہیں کرسکتا، ایک عطر فروش بھٹی میں کوئلہ جھونکنے والوں کو دوست نہیں بنا سکتا، اگر کوئی انسان اس طرح کے لوگوں سے دوستی کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کے مزاج میں ضرور کوئی نہ کوئی فساد پیدا ہوگیا ہے۔

اسی طرح کافروں، مشرکوں، ملحدوں، زندیقوں، اللہ تعالیٰ کے باغیوں، نافرمانوں اور منافقوں سے کوئی مسلمان دوستی نہیں کرسکتا، اگر ان سے دوستی کرے گا تو ضرور نقصان اٹھائے گا، ظالموں، نافرمانوں اور اللہ کے باغیوں کی صحبت کے مہلک اثرات اس پر ضرور ہوں گے۔

اس حقیقت کو سمجھنے کیلئے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا حکیمانہ قول ملاحظہ فرمائیں۔

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّکْرِمَ دِیْنَہٗ فَلْیَعْتَزِلْ مُخَالَطَۃَ الشَّیْطَانِ وَمُجَالَسَۃَ اَصْحَابِ الاَھْوَاءِ فَاِنَّ مُجَالَسَتَھُمْ اَلْصَقُ مِنَ الْجَرْبِ" حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص تم میں اپنے دین کی قدر کرنا چاہے، اسے شیطانی افعال اور نفس پرستوں، نفسی خواہشات کے پیچھے چلنے والوں سے علیحدہ رہنا چاہئے، کیوں کہ ان کے پاس بیٹھنے سے ان کی بیماری خارش سے زیادہ اثر کرتی ہے۔

ایوبؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص ابن سیرینؒ کے پاس گیا اور بولا، اے ابوبکر (ان کی کنیت ہے) میں آپ کے سامنے قرآن کی صرف ایک آیت تلاوت کرنا چاہتا ہوں اسے پڑھ کر بس فوراً چلا جاؤں گا، ابن سیرینؒ نے دونوں کانوں میں انگلیاں دے لیں اور فرمایا کہ اگر تو مسلمان ہے تو میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں ابھی میرے گھر سے چلا جا، اس نے کہا اے ابوبکر میں آیت پڑھنے کے سوا اور کوئی تقریر نہیں کروں گا، انہوں نے فرمایا جاؤ بس یہاں سے چلے ہی جاؤ۔

جب وہ چلا گیا تو فرمایا، اللہ کی قسم اگر مجھے یقین ہوتا کہ میرا دل ایسا ہی مطمئن رہے گا جیسا کہ اب ہے تو میں اسے آیت پڑھنے کی اجازت دے دیتا، لیکن مجھے اندیشہ یہ تھا کہ کہیں وہ آیت پڑھ کر میرے دل میں کوئی ایسا شبہہ نہ پیدا کردے جسے میں بعد میں نکالنا چاہوں اور نہ نکال سکوں۔

امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ صاحب بدعت سے بات چیت مت کرو اور نہ اس سے جھگڑا کرو، وہ تمہارے دل میں فتنہ کا بیج ڈال دے گا۔

(اَلْاِعْتِصَام، بحوالہ، تَرْجُمَانُ السُّنَّة، جلد اول، از مولانا بدر عالم میرٹھیؒ)

بدعتیوں، فاسقوں، کافروں، مشرکوں اور دنیا پرستوں کی صحبت میں رہ کر کوئی مسلمان ہزار کوشش کرے کہ ان کی صحبت کا خراب اثر نہ پڑے مگر اس کا ایمان زخمی ہوئے بغیر نہیں رہے گا، ان کے باطل ونظریات متعدی بیماریوں کی طرح ضرور اس پر اثر انداز ہوں گے، جو مسلمان یا جو مسلم حکمراں، اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں، باغیوں اور مشرکوں سے دوستی قائم کئے ہوئے ہیں ان کے حالات کا جائزہ لے کر دیکھ لیجئے کہ ان ظالموں کی صحبت اور دوستی کی وجہ سے کس طرح نفسانی خواہشات کا شکار ہو کر زندگی گذار رہے ہیں، آہستہ آہستہ ظالموں کی دوستی کے زہریلے اثرات ان کے ذہن ودماغ اور ان کے جسم کی رگ رگ میں اس طرح سرایت کر گئے ہیں جیسے پاگل اور باؤلے کتے کا زہر کسی انسان میں سرایت کر جاتا ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ ان کے قدم صحیح سمت کی طرف نہیں اٹھتے، خود بھی مادہ پرستی کی دلدل میں پھنس کر ہلاک ہو رہے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کیلئے بھی ہلاکت کا سبب بن رہے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے اس طرح کے نفس پرستوں کے بارے میں بہت پہلے اشارہ فرمادیا تھا، آپ نے فرمایا کہ، وَ اِنَّهٗ سَيَخْرُجُ فِيْ اُمَّتِيْ اَقْوَامٌ تَتَجَارٰى بِهِمْ تِلْكَ الْاَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ بِصَاحِبِهٖ لَا يَبْقٰى مِنْهُ عِرْقٌ وَّلَا مِفْصَلٌ اِلَّا دَخَلَهٗ" آئندہ میری امت میں کچھ لوگ آئیں گے، جن میں اہواء اور خواہشات اس طرح سرایت کئے ہوں گی، جیسا کہ پاگل کتے کے کاٹے ہوئے جسم میں کہ کوئی رگ اور کوئی جوڑ اس کا ایسا نہیں ہوتا جس میں یہ بیماری گھسی ہوئی نہ ہو۔ (بحوالہ، ابوداؤد)

کتے کاٹنے کی بیماری میں خاص طور سے دو باتیں قابل غور ہیں، ایک بات تو یہ ہے کہ اس کا زہر اتنا خطرناک ہوتا ہے کہ یہ بیماری ایک ایک جوڑ میں سرایت کر جاتی ہے اس لئے لاعلاج ہو جاتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح یہ بیماری خاص طور سے پاگل کتے میں موجود ہوتی ہے، اور جب وہ کسی کو کاٹ لیتا ہے تو اس کو بھی اس طرح لگ جاتی ہے کہ پھر یہ شخص بھی کتے کی طرح متعدی خوف ناک اور قابل احتراز ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ اگر یہ کسی تیسرے انسان کو کاٹ لے تو اس پر بھی وہی اثر ظاہر ہو جاتا ہے جو پاگل کتے کو کاٹنے سے ہوتا ہے۔

بہرحال اپنے دین وایمان اور امت مسلمہ کی انفرادی واجتماعی اور اخلاقی حالت کی حفاظت کیلئے ضروری ہے کہ جس طرح انسان پاگل کتے اور کتا کاٹے آدمی سے بچتا ہے، دور رہتا ہے اسی طرح کافروں مشرکوں، اللہ کے

باغیوں اور نافرمانوں سے دور رہنا چاہئے، آج اسلام دشمن طاقتوں سے دوستی کر کے مسلم ملکوں کا کیا حال ہے وہ سب کے سامنے ہے اور جس نے بھی ان سے دوستی کی اس کا کیا حشر ہوا یہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کسی مسلم حکمراں اور مسلم حکومت کیلئے کسقدر بے غیرتی کی بات ہے کہ کوئی چین کو اپنا دوست بنائے ہوئے ہے، تو کوئی روس کو، کوئی امریکہ کو اور کوئی برطانیہ کو، اور کوئی فرانس کو جبکہ اللہ تعالیٰ نے بہت ہی شدت کے ساتھ مسلمانوں کو منع کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ، مشرکوں اور کافروں کو دوست اور اپنا راز دار مت بناؤ، ہاں اخلاقی طور سے دعوت اسلامی کے پیش نظر ان سے تعلقات رکھے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے، وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت بھی کر سکتے ہیں، وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوں تو ان کی مدد بھی کر سکتے ہیں، لیکن دلی دوستی اور ہمدردی اسلامی غیرت کے خلاف ہے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ آل عمران کا حاشیہ نمبر ۲۴۲ پڑھئے۔

قانون اسلام کے منکروں اور باغیوں سے تعلقات ایک خاص حد سے آگے بڑھانے کی اجازت کسی مسلم اسلامی اسٹیٹ کی رعایا کو نہیں کہ اس سے فرد اور ملت دونوں کو ضرر کے اندیشے اور خطرے کھلے ہوئے ہیں، اور اس صریحی معقول مناسب اور ضروری انتظام کا نام بعض عقل کے دشمنوں نے ''تنگ نظری'' رکھا ہے، سبحان اللہ، امراض وبائی میں پرہیز و احتیاط کا نام تو فخر کے ساتھ ''اصول حفظانِ صحت'' رکھا جائے اور جو انتظام کفر و طغیان یعنی دنیا و آخرت دونوں کی بربادی سے بچنے کیلئے کیا جائے اس کا نام تنگ نظری پڑ جائے، عقل دشمنی کی بھی کوئی حد ہونی چاہئے، افسوس ہے کہ مسلمانوں نے آیت کے حکم پر عمل میں سستی اور مداہنت شروع سے برتنی شروع کر دی، اور ابھی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کو چند صدیاں بھی نہیں ہونے پائی تھیں کہ سلطنت کے کاروبار میں کھلم کھلا مسیحیوں مجوسیوں وغیرہ کو شریک کیا جانے لگا۔

امام قرطبی کا زمانہ پانچویں صدی ہجری کا ہے حسرت قلق اور درد کے لہجہ میں لکھتے ہیں کہ،

وَقَدْ اِنْقَلَبَتِ الْاَحْوَالُ فِیْ هٰذِهِ الْاَزْمَانِ بِاتِّخَاذِ اَهْلِ الْكِتَابِ كَتَبَةً وَاُمَنَاءَ وَتَسَوَّدُوْا بِذٰلِكَ عِنْدَ الْجَهَلَةِ الْاَغْنِيَاءِ مِنَ الْوُلَاةِ وَالْاُمَرَاءِ'' اس زمانے میں حالات اس قدر بدل گئے ہیں کہ مسلمانوں نے اہل کتاب عیسائیوں یہودیوں کو اپنا کاتب منشی اور راز دار بنالیا، اسکی وجہ سے جاہل مال داروں امیروں اور حاکموں کے نزدیک ان یہودیوں اور عیسائیوں کو عظمت حاصل ہوگئی۔ (بحوالہ، قرطبی)

یہ حال جب اس زمانہ کا تھا تو آج چودھویں صدی ہجری میں جب کہ زندگی کے ہر شعبہ میں منکروں کا غلبہ اور تسلط مسلمانوں پر نمایاں ہے، صورتِ حال پر اظہار خیال کن لفظوں میں کیا جائے۔

فقہاء مفسرین نے آیت کے ذیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ کافروں سے تَشَبُّہ تک جب جائز نہیں تو ان کے ساتھ مصاحبت تو بدرجۂ اولیٰ ممنوع ہوگی۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ آل عمران، حاشیہ نمبر ۲۴۲)

کافروں کا کوئی اچھا کام نیکی میں شمار نہیں ہوگا

ہم اس دنیا کے شہری نہیں ہیں، یہاں ہم کو نیشنلٹی حاصل نہیں ہے، بلکہ ہم آخرت کے شہری ہیں، چند دنوں اور چند سالوں میں اپنے اصلی وطن کی طرف لوٹ جائیں گے، اگر ہم نے اسی دنیا کو اپنا وطن بنالیا اور اسی کو سجانے اور سنوارنے میں لگ گئے، اور جو بھی سرمایہ ہمارے پاس تھا اسی دنیا میں ہم نے خرچ کردیا اور آخرت میں اپنا گھر نہیں بنایا، وہاں کوئی فلیٹ نہیں خریدا، وہاں کوئی باغ نہیں لگایا، تو جب اس دنیا سے وہاں جائیں گے تو وہاں ہمارے پاس کچھ نہیں ہوگا، اس وقت سوائے حسرت وافسوس کے کچھ حاصل نہیں ہوگا، ایک مومن اور کافر میں یہی فرق ہوتا ہے کہ کافر اسی چندروزہ دنیا کو اپنا وطن سمجھنے لگتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے اسی دنیا کیلئے کرتا ہے، آخرت میں جائے گا تو وہاں اس کے پاس کچھ نہیں ہوگا۔

مومن آخرت کو اپنا وطن سمجھتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے آخرت کیلئے کرتا ہے، اس لئے جب وہ آخرت میں جائے گا تو وہاں اپنے گھر کو آباد پائے گا اور عیش وآرام کے سارے سامان وہاں اس کیلئے موجود ہوں گے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھ سکتے ہیں، ایک آدمی ہندوستان کا شہری ہے، چند سالوں کے ویزا پر وہ کسی دوسرے ملک میں چلا گیا، جہاں وہ تجارت کرتا ہے یا ملازمت کرتا ہے اور خوب روپیہ کماتا ہے، لیکن اپنی پوری کمائی اسی دوسرے شہر میں لگا دیتا ہے، وہاں مکان تعمیر کرتا ہے، جس میں عیش وآرام کے سارے سامان جمع کرتا ہے، وہیں باغ لگاتا ہے، وہیں جائداد خریدتا ہے اور اصلی وطن جہاں کا وہ شہری ہے اس سے بالکل غافل ہے، وہاں اپنے سرمایہ کا کچھ بھی حصہ نہیں بھیجتا اور جب ویزا کی مدت ختم ہو جاتی ہے تو اس کو وہاں سے زبردستی اس کے ملک روانہ کردیا جاتا ہے، اب یہاں نہ اس کا کوئی گھر ہے نہ مکان ہے، نہ زمین ہے نہ جائداد ہے، نہ باغ ہے نہ چمن ہے، اور نہ کوئی بینک بیلنس ہے، کچھ بھی نہیں ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ وہ پاگلوں کی طرح مارا مارا پھرتا ہے، ادھر ادھر پاگلوں کی طرح گھومتے ہوئے دیکھ کر پولیس گرفتار کرکے اس کو جیل میں بند کردیتی ہے۔

اس وقت آدمی کو کتنی حسرت ہوگی، کتنا غم ہوگا اور دوسرے ملک میں جس کا وہ شہری نہیں تھا وہاں کے عیش وآرام پر کتنا افسوس ہوگا اس کا تصور بھی محال ہے، اس سے بھی زیادہ کافروں اور مشرکوں کو حسرت اس وقت ہوگی جب وہ آخرت میں پہنچیں گے اور دیکھیں گے کہ وہاں ان کیلئے کچھ نہیں ہے، دوزخ کے بھڑکتے ہوئے شعلے ان کا استقبال کرنے کیلئے تیار ہوں گے، اس وقت اس کا وہی حال ہوگا جس کی ترجمانی اس شعر میں کی گئی ہے کہ:۔

تھی فقط غفلت ہی غفلت عیش دنیا کچھ نہ تھا
ہم جسے سب کچھ سمجھتے تھے وہ لیکن کچھ نہ تھا

کافر بھی دنیا میں کچھ اچھے کام کرتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں، عام لوگوں کی راحت کیلئے تالاب کھودوا دیتے ہیں، پل بنوا دیتے ہیں، مسافر خانہ بنوا دیتے ہیں، لیکن کفر و شرک کی وجہ سے ان کے یہ سارے اعمال مردہ قرار دیئے جائیں گے، آخرت میں کام نہیں آئیں گے، کیوں کہ آخرت کیلئے انہوں نے کیا ہی نہیں تھا، ان کی ہر سرگرمی دنیا ہی کیلئے تھی، اس لئے آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ آل عمران کا حاشیہ نمبر ۲۸۸ر پڑھئے۔

آج جو قومیں توحید الٰہی کی منکر اور آخرت فراموش ہیں وہ بھی بظاہر نیکی کے بڑے بڑے کام کرڈالتی ہیں، بڑے بڑے محتاج خانے قائم کردیتی ہیں، بڑی بڑی نہریں کھدوا دیتی ہیں، بڑے بڑے بند بندھوا دیتی ہیں، بڑے بڑے پل بنوا دیتی ہیں اور اسی طرح کے دوسرے کام بھی رفاہِ خلق کے، لیکن غایت ان کی محض دنیا ہوتی ہے، آخرت کسی درجہ میں بھی مقصود نہیں ہوتی، اس لئے قدرتاً ان کا شمار خداوندی رجسٹر میں "حسنات" میں نہ ہوگا اور نہ انہیں کوئی توقع اجر اخروی کی ہوسکتی ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ آل عمران، حاشیہ نمبر ۲۸۸ر)

اقتباس

کافروں اور مشرکوں کو اس وقت حسرت ہوگی جب وہ آخرت میں پہنچیں گے اور دیکھیں گے کہ وہاں ان کیلئے کچھ نہیں ہے، دوزخ کے بھڑکتے ہوئے شعلے ان کا استقبال کرنے کیلئے تیار ہوں گے، اس وقت اس کا وہی حال ہوگا جس کی ترجمانی اس شعر میں کی گئی ہے کہ:

تھی فقط غفلت ہی غفلت عیش دنیا کچھ نہ تھا
ہم جسے سب کچھ سمجھتے تھے وہ لیکن کچھ نہ تھا

مسلمانوں کے عقیدۂ تقدیر پر ایک دشمن کی شہادت

دل چاہتا ہے کہ اللہ کی تقدیر پر ایمان لانے والے مسلمان ہر وقت ان اشعار کو وردِ زباں رکھیں، اللہ تعالیٰ کی حکمت، مشیئت اور اس کے فیصلے پر اعتماد اور اس پر راضی رہنے سے ہر وقت دل میں فصلِ بہار رہتی ہے۔

ان کی مرضی ہے وہ جس حال میں چاہیں رکھیں
فرض اپنا ہے کہ اس راز کو پنہاں کرلیں

ایک دوسرا شعر جس کو پڑھتے ہوئے دل عجیب کیف و سرور محسوس کرتا ہے۔

نہ ہجر اچھا ہے نہ وصال اچھا ہے
یار جس حال میں رکھتا ہے وہ حال اچھا ہے

جو لوگ تقدیر پر ایمان نہیں رکھتے وہ بیماری سفر اور جہاد کو موت کا سبب سمجھتے ہیں اور ہمیشہ ذہنی الجھن میں مبتلا رہتے ہیں، اور ان کے دل کا سکون غارت ہو جاتا ہے۔

ہم سبب اختیار کرنے کو ناجائز نہیں کہتے، کسی جائز کام کیلئے سبب اختیار کرنا سنت ہے، لیکن نظر مسبب الاسباب پر ہونی چاہئے ہر وقت یہ عقیدہ دل میں پیوست رہے کہ سبب سے کچھ نہیں ہوتا، ازالۂ مرض کیلئے دوا کا استعمال کیا جاتا ہے اور مرض دور بھی ہو جاتا ہے، لیکن دوا کا درجہ سبب کا ہے اور اس سبب میں شفاء کی تاثیر اللہ ہی نے رکھی ہے، اگر اللہ تعالیٰ اس دوا سے شفاء کی تاثیر کھینچ لے تو دوا کچھ بھی نہیں کر سکتی، اسلئے اصل شفاء دینے والا اللہ ہے، جب سبب میں تاثیر اللہ ہی پیدا کرتا ہے تو نظر سبب پر نہیں بلکہ سبب میں تاثیر پیدا کرنے والے پر ہونا چاہئے۔

آج بہت سے جاہل اور احمق اسی سبب اور مسبب الاسباب کے درمیان فرق نہیں کر پاتے، اس لئے سبب ہی کو سب کچھ سمجھنے لگتے ہیں اور اسباب میں الجھ کر مسبب الاسباب اور فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں، جس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ کفر و شرک کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں۔

تقدیر پر پختہ یقین کی وجہ سے دنیا میں مسلمانوں سے زیادہ خوش حال خوش گوار پر کیف اور پر سکون زندگی کوئی گذارتا نہیں، وہ ہر حال میں مسرور و مگن رہتا ہے کیوں کہ اس کا ایمان ہے کہ خوشحالی ہو یا بدحالی ہو، بیماری ہو یا صحت ہو، سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے، اور ہر مصیبت کے وقت وہ اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے فریاد کرتا ہے، گریہ وزاری کرتا ہے، اور اس گریہ وزاری اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا غم بیان کرنے میں بھی وہ لذت محسوس کرتا ہے، اور اس کے دل پر سکینۂ ربانی کا نزول ہوتا ہے۔

مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھیؒ نے بہت ہی حکیمانہ اور عارفانہ شعر کہا ہے۔

بے کلی میں بھی ہم نے تو ایک کیف مسلسل دیکھا ہے
جس حال میں بھی وہ رکھتے ہیں اس حال کو اکمل دیکھا ہے
جس راہ کو ہم تجویز کریں اس راہ کو اُثقل دیکھا ہے
جس راہ سے وہ لے جاتے ہیں اس راہ کو اسہل دیکھا ہے

گھر سے کوئی سفر پر روانہ ہوا، راستے میں ایکسیڈنٹ ہوگیا اور مرگیا تو اگر اس کے گھر والوں کا تقدیر پر ایمان نہیں ہے تو پریشان ہوجائیں گے اور کہنا شروع کردیں گے کہ اگر وہ گھر سے نہ گیا ہوتا تو حادثے کا شکار نہ ہوتا، یہ غم ان کو ستاتا رہے گا، دن کا آرام اور رات کی نیند ان سے چھین لے گا، لیکن ایک مومن جس کا ایمان تقدیر پر ہے اس کو طبعی غم تو ہوگا لیکن وہ بہت زیادہ پریشان نہیں ہوگا، اس کے دل کا سکون رخصت نہیں ہوگا کیوں کہ اس کا ایمان ہے کہ تقدیر الٰہی میں یہی لکھا تھا، اللہ تعالیٰ کا یہی فیصلہ تھا، جو ہونا ہے وہ ہوکر رہے گا۔

کہنے والے نے خوب کہا ہے کہ۔

زندگی پرکیف پائی گرچہ دل پر غم رہا
ان کے غم کے فیض سے میں غم میں بھی بے غم رہا

یہی عقیدۂ تقدیر کی معجزانہ قوت ہے کہ اسلامی مجاہدین میدانِ جنگ میں بھی پوری شجاعت اور بہادری سے دشمنوں سے لڑتے ہیں اور ان کو موت سے کوئی گھبراہٹ نہیں ہوتی، کیوں کہ ان کا ایمان ہے کہ اگر موت نہیں لکھی ہے تو میدانِ جنگ میں بھی نہیں آسکتی، موت اور زندگی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے موت کا وقت مقرر ہے، جب اس کا وقت آئے گا اسی وقت انسان کی موت ہوگی۔

امیر المومنین حضرت علیؓ کا ایک ایمان افروز خط پڑھ کر دل کو بہت اطمینان حاصل ہوتا ہے، دل چاہتا ہے کہ اس کو بھی ان سطروں میں شامل کردوں، اس امید کے ساتھ کہ پڑھنے والے جب اس کو پڑھ کر اپنے دل میں ایمان کا اضافہ محسوس کریں گے، تو انشاء اللہ راقم الحروف کو بھی اجر وثواب ملے گا، اللہ تعالیٰ راقم الحروف کو بھی اس خط کا مصداق بنادے۔ آمین

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍؓ مَاانْتَفَعْتُ بِشَيْءٍ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ اِنْتِفَاعِيْ بِكَلِمَاتٍ كَتَبَهُنَّ اِلَيَّ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ طَالِبٍؓ قَالَ كَتَبَ اِلَيَّ،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ،

اَمَّا بَعْدُ، فَاِنَّ الْمَرْءَ يَفْرَحُ بِاِدْرَاكِ مَالَمْ يَكُنْ لِيَفُوْتَهُ وَيَغْتَمُّ بِفَوْتِ مَالَمْ يَكُنْ لِيُدْرِكَهُ فَاِذَا اَتَاكَ اللّٰهُ مِنَ الدُّنْيَا شَيْئًا فَلَا تُكْثِرَنَّ بِهٖ فَرْحًا وَاِذَا مَنَعَكَ مِنْهَا فَلَا

تَکُوْنَنَّ عَلَیْہِ حُزْنًا، وَلْیَکُنْ ھَمُّکَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالسَّلَام

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد جس کلام سے مجھ کو سب سے زیادہ فائدہ حاصل ہوا وہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب کا ایک خط تھا۔ انہوں نے مجھے لکھا،

بسم اللہ الرحمن الرحیم، آدمی ایک ایسی چیز کو پا کر خوش ہوتا ہے جس کو وہ کھونے والا نہ تھا، اور ایک ایسی چیز کو کھو کر غمگین ہوتا ہے، جس کو وہ پانے والا نہ تھا، پس جب اللہ تم کو دنیا کی چیزوں میں سے کوئی چیز دے تو تم اسکو پا کر بہت زیادہ خوش نہ ہو، اور جب اللہ تعالیٰ دنیا کی چیزوں میں سے کوئی چیز تم سے روک دے تو تم اس پر بہت زیادہ غمگین نہ ہو اور تمہاری فکر اسی چیز کیلئے ہونا چاہئے جو موت کے بعد ہے۔ والسلام

بہت ہی ایمان افروز خط ہے، حقیقت ہے کہ دنیا میں پانا اور کھونا دونوں امتحان ہے، یہاں کا پانا نہ کامیابی کی دلیل ہے اور یہاں کا کھونا نہ ناکامی کی دلیل ہے، اگر اس حقیقت کو آدمی جان لے تو دنیا کے پانے پر فخر و ناز اور خوشی اس کو اسی طرح بے معنی معلوم ہوگی جیسا کہ کھونے پر آہ و فغاں بے معنی معلوم ہوگا۔

حقیقت ہے کہ دل میں یہ کیفیت عقیدۂ تقدیر پر طاقتور ایمان کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی، تقدیر کا مسئلہ بہت نازک ہے اسلئے اس سلسلے میں ہر لمحہ محتاط اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، ورنہ شیطان تقدیر کی آڑ میں انسان کو ہلاکت کے گڈھے میں گرا دے گا، اس مسئلے میں بحث و مباحثہ اور اس میدان میں فکری گھوڑا دوڑانے سے پرہیز کرنا چاہئے، ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ کوئی انسان کسی طرح کا کوئی غلط کام کرے، وہ ہمیشہ انسانوں کو بھلائی ہی کا حکم دیتے ہیں، اسی لئے راہِ ہدایت دکھانے کیلئے کتاب نازل فرمائی اور پیغمبروں کی بعثت فرمائی۔

ایک آدمی چوری کرتا ہے جس کی شرعی سزا یہ ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، اگر کوئی آدمی چوری کرنے اور ہاتھ کاٹے جانے کے بعد کہے کہ تقدیر میں ایسا ہی لکھا ہوا تھا اس لئے ایسا ہوا، تو یہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہوگی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو چور نہیں بنایا تھا اور نہ چوری کا حکم دیا تھا، اگر کوئی چوری کرتا ہے تو اپنے ارادے سے کرتا ہے اور اس کی سزا پاتا ہے، ہاں اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے وہ جانتا ہے کہ فلاں آدمی چوری کرے گا اور اس کو اس کی سزا ملے گی، تقدیر سے اس کی چوری کا کوئی تعلق نہیں ہے، یعنی اللہ نے اس کی قسمت میں چوری کا کام نہیں لکھا تھا، اللہ کے علمِ محیط اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے درمیان اسی نقطے کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بہت سے لوگ تقدیر کے مسئلے میں شیطان کی وسوسہ اندازیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

علامہ اقبال نے بہت صحیح کہا تھا کہ،

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنے فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ آل عمران کا حاشیہ نمبر ۳۲۰ پڑھئے۔

موت وزندگی دونوں کے اسباب تمام تر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، مسبب الاسباب وعلت حقیقی کو چھوڑ کر نظر ظاہری اور فوری اسباب پر جانا اور سفر یا جہاد کو موت یا قتل کی علت تامہ قرار دینا ایک شدید جہالت وسفاہت ہے، امریکہ میں اس وقت سوشیالوجی (عمرانیات) کا ایک ماہر فاضل ڈینی سن ہے... اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھتا ہے، مسلمانوں کے اس عقیدۂ تقدیر یا ہر امر تکوینی کو خدا کے تفویض کر دینے کی عادت نے، نیز عقیدۂ شہادت نے کہ شہید معاً جنت میں داخل ہو جاتا ہے، جہاں اسے بہتر (۷۲) حوریں ملتی ہیں اور کھانے کیلئے سونے کے ظروف، مسلمانوں میں معرکۂ جنگ کے اندر بڑی ہی قوت اور استقامت پیدا کر دی تھی۔ (صفحہ ۲۰۶)

امریکی فاضل کا ایمان نہ عقیدۂ تقدیر پر ہے نہ عقیدۂ شہادت پر، اس پر بھی وہ ان عقیدوں کی نافعیت اور ان کی حیثیت افادی کی داد دینے پر اپنے کو مجبور پا رہا ہے، قرآن مجید نے بار بار اس کلیدی حقیقت کی یاد دہانی کی ہے کہ زیست وموت دونوں کے اسباب حقیقی صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں، اس لئے نظر اسباب ظاہری پر جمائے رکھنا ایک شدید نادانی ہے۔ (بحوالہ تفسیر سورۃ آل عمران، حاشیہ نمبر ۳۲۰)

اقتباس

تقدیر کا مسئلہ بہت نازک ہے اس لئے اس سلسلے میں ہر لمحہ محتاط اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، ورنہ شیطان تقدیر کی آڑ میں انسان کو ہلاکت کے گڑھے میں گرا دے گا، اس مسئلے میں بحث ومباحثہ اور اس میدان میں فکری گھوڑا دوڑانے سے پرہیز کرنا چاہئے، ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ کوئی انسان کسی طرح کا کوئی غلط کام کرے، وہ ہمیشہ انسانوں کو بھلائی ہی کا حکم دیتے ہیں، اسی لئے راہ ہدایت دکھانے کیلئے کتاب نازل فرمائی اور پیغمبروں کی بعثت فرمائی۔

آخرت کے مقابلے میں دنیا کی کوئی حیثیت نہیں ہے

دنیا کے تمام عیوب ونقائص سے قطع نظر اس کا سب سے بڑا عیب اور نقص یہی ہے کہ وہ عارضی، چندروزہ اور فانی ہے، اور اس کے مقابلہ میں آخرت دائمی اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، دائمی اور باقی کے مقابلے میں عارضی اور فانی دنیا سے وہی دل لگا سکتا ہے اور اس کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دے سکتا ہے جو پاگل ہو جس کے ہوش وحواس رخصت ہو چکے ہوں، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ سب سے بڑا پاگل اور ناعاقبت اندیش وہی ہے جو اسی دنیا کو سب کچھ سمجھتا ہو، اور اس کی ساری سرگرمیاں اسی دنیائے بے ثبات کیلئے ہوتی ہوں۔

راقم الحروف کا ایک شعر ہے:

بڑے احمق ہیں جو دنیا پہ فخر و ناز کرتے ہیں
ہمیں تو مچھروں کے پر پہ اترانا نہیں آتا

اگر دنیا پرست پاگلوں کی فہرست تیار کی جائے تو بہت لمبی ہو جائے گی اور بہت ہی بڑا پاگل خانہ بنوانا پڑے گا، اس طرح کے پاگل اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ان کو پاگل خانے میں بند کر دیا جائے تو سڑک اور راستے سنسان نظر آنے لگیں، مجھے پورا یقین ہے کہ جب تک دنیا پرست پاگلوں کی تعداد اس زمین پر زیادہ رہے گی دنیا میں امن وامان قائم نہیں ہوسکتا، دنیا میں امن امان صرف آخرت پرستوں کے ذریعہ قائم ہوسکتا ہے جو دنیا کو تماشا گاہ سیرگاہ اور تفریح گاہ نہیں سمجھتے بلکہ امتحان گاہ سمجھتے ہیں، دنیا میں رہتے ہوئے آخرت پر ان کی نظر رہتی ہے اور اس زمین پر پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں، تاکہ آخرت میں ان کا کوئی نقصان نہ ہو اور اللہ کی گرفت سے بچ جائیں۔

انسان اگر عقلمند ہے تو عارضی چیز کے مقابلے میں مستقل چیز ہی کو ترجیح دے گا، مثال کے طور پر، حکومت کی طرف سے کسی آدمی سے یہ کہا جائے کہ ایک شاندار محل ہے جس میں عیش وآرام کے سارے سامان موجود ہیں لیکن اس میں صرف چندہی سال قیام کرنے کی اجازت ہوگی پھر اس مکان سے تم کو زبردستی نکال دیا جائیگا، لیکن اسکے مقابلے میں ایک جھونپڑی ہے جس میں عیش وآرام کے سامان زیادہ نہیں ہیں لیکن اس کا الاٹمنٹ تمہارے نام مستقل ہوگا اس سے کبھی تم کو نکالا نہیں جائیگا اس کا تم کو مختار اور مالک بنادیا جائیگا، تو ہر عقلمند آدمی اس شاندار عارضی محل کے مقابلے میں اسی جھونپڑی کو پسند کرے گا کیونکہ یہ مستقل ہے اس کو اس سے چھینا نہیں جائے گا۔

یہی معاملہ دنیا اور آخرت کا ہے، دنیا چندروزہ ہے اور آخرت دائمی، مستقل اور ہمیشہ رہنے والی ہے، اس لئے عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا میں رہ کر آخرت کے گھر کو تعمیر کرنے کی کوشش کی جائے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ آل عمران کا حاشیہ نمبر ۱۴۴ پڑھئے۔

آخرت کی ابدی نعمتوں اور سرفرازیوں سے ان حظوظِ دنیوی کو نسبت ہی کیا ہے؟ حدیث نبوی میں آیا ہے کہ دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں کوئی سمجھنا چاہے تو موجیں مارتے ہوئے سمندر میں انگلی کی نوک ڈالے اور نکالے اور پھر دیکھے کہ کتنا پانی اس میں آیا ہے، دنیوی لذتوں کی بے حقیقتی بے ثباتی بے قدری کا سبق قرآنِ مجید نے قدم قدم پر دیا ہے، اور اس کا استحضار اگر رہے تو کسی معصیت کے سرزد ہونے کی نوبت ہی نہ آئے۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ آل عمران، حاشیہ نمبر ۳۱۴)

❁ ❁

اقتباس

اگر دنیا پرست پاگلوں کی فہرست تیار کی جائے تو بہت لمبی ہوجائے گی اور بہت ہی بڑا پاگل خانہ بنوانا پڑے گا، اس طرح کے پاگل اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ان کو پاگل خانے میں بند کردیا جائے تو سڑک اور راستے سنسان نظر آنے لگیں، مجھے پورا یقین ہے کہ جب تک دنیا پرست پاگلوں کی تعداد اس زمین پر زیادہ رہے گی دنیا میں امن و امان قائم نہیں ہوسکتا، دنیا میں امن امان صرف آخرت پرستوں کے ذریعہ قائم ہوسکتا ہے جو دنیا کو تماشا گاہ سیرگاہ اور تفریح گاہ نہیں سمجھتے بلکہ امتحان گاہ سمجھتے ہیں، دنیا میں رہتے ہوئے آخرت پر ان کی نظر رہتی ہے اور اس زمین پر پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں، تاکہ آخرت میں ان کا کوئی نقصان نہ ہو اور اللہ کی گرفت سے بچ جائیں۔

دنیاو آخرت میں فلاح وکامیابی کا جامع نسخہ

قرآنِ حکیم کی ہر آیت ایک معجزہ ہے، سورہ آل عمران کی آخری اس مختصر آیت میں دنیاو آخرت کی فلاح و کامیابی کا جامع اور مکمل نسخہ بتادیا گیا ہے، حقیقت ہے کہ قرآن حکیم کے تمام احکام کا خلاصہ یہی چار بنیادی چیزیں ہیں، جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے، شیطان کے ایجنٹ نفس، شیطان کے وسوسہ اندازیوں اور تمام طاغوتی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کیلئے صبر کے ہتھیار سے مسلح ہونا ضروری ہے، اس لئے پہلی بنیادی تعلیم صبر کی دی جارہی ہے، صبر کے معنی روکنے اور کسی چیز پر جمنے کے ہیں، جس کا مطلب ہے کہ گناہوں کے چھوڑنے میں خواہ کتنی بھی مشقت ہواس کو برداشت کرلیا جائے لیکن گناہ کے قریب نہ جایا جائے۔

صبر کا دوسرا جزء یہ ہے کہ نیکیوں کیلئے جو بھی سخت سے سخت حالات پیش آئیں لیکن نیکیوں پر اور اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت پر استقامت اختیار کیجئے۔ بقول شاعر۔

موج خوں سر سے گذر ہی کیوں نہ جائے
آستان یار سے ہٹ جائیں کیا

کسی نے خوب کہا ہے کہ لذت کے پیچھے گناہ مت کرو، کیونکہ لذتیں ختم ہو جائیں گی اور گناہ باقی رہے گا، مشقت کے پیچھے نیکیاں مت چھوڑو، مشقتیں ختم ہو جائیں گی اور نیکیاں باقی رہیں گی۔

صبر کا تیسرا جزء یہ ہے کہ بیماری ہو، پریشانی ہو، فقر وفاقہ ہو جیسے بھی حالات ہوں لیکن اللہ کے فیصلے پر بندہ راضی رہے کسی طرح کا شکوہ اور گلہ نہ کرے، بس اللہ کے سامنے گریہ وزاری کرے، دوسری بنیادی چیز مصابرت ہے یعنی جب دشمنوں سے مقابلہ ہو جائے تو اسوقت بندہ ثابت قدم رہے، کسی طرح کی بزدلی اور کمزوری کا مظاہرہ نہ کرے۔

تیسری بنیادی چیز مرابطہ ہے جس کا مطلب ہے کہ دشمنوں کے مقابلہ کیلئے ہر وقت تیار رہے، دشمن سے کبھی غافل نہ رہے، حالات کے پیش نظر جس طرح کے ہتھیار اور آلاتِ حرب وضرب کی ضرورت ہو اس کو بھی تیار کرے جس کی وجہ سے دشمنوں پر مسلمانوں کی ہیبت طاری رہے۔

بہت سے مسلم ممالک ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے مال واسباب، سونے اور پیٹرول کی دولت سے مالا مال کر دیا ہے ان کی ذمہ داری تھی کہ دشمنوں کے مقابلے میں اپنی دفاعی اور فوجی طاقت کو مضبوط کرتے، دشمنوں کے پاس جو ہتھیار ہیں ان سے اچھے ہتھیار تیار کرتے۔

اس ایٹمی دور میں مسلم ملکوں کے پاس ایٹمی طاقت کا ہونا بھی ضروری ہے، ایٹمی طاقت کی تیاری بھی اسی مرابطہ کے حکم میں داخل ہے، بری، بحری، ہوائی، تمام طاقتوں میں مسلمانوں کو آگے ہونا چاہئے، لیکن افسوس ہے کہ

ان مسلم ملکوں کی بے حسی کا یہ عالم ہے کہ دولت کا زیادہ حصہ عیش وعشرت، تفریحی مقامات اور غیر ضروری نمائشی فلک بوس عمارتوں کی تعمیر میں خرچ کرتے ہیں، جس کا نتیجہ ہے کہ آج وہ اسلام دشمن طاقتوں کے غلام ہیں۔

نماز بھی رباط میں داخل ہے، کیوں کہ بغیر نماز کے سارے ماڈی ہتھیار فیل ہو جائیں گے، چوتھی بنیادی اور اہم چیز تقویٰ ہے جو سارے احکام کی روح ہے، بغیر تقویٰ کے گناہوں سے بچنا، نیکیوں پر جمنا، دشمنوں سے مقابلہ کے وقت ثابت قدمی اور مقابلے کی تیاری، ناممکن ہے، اور تقویٰ یہ ہے کہ جو کام بھی کیا جائے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہو اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کیلئے کیا جائے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ آل عمران کا حاشیہ نمبر ۴۱۸ر پڑھیے۔

آیت میں جامع و مانع ہدایت فلاح ساری امت کیلئے آگئی، کیا انفرادی و شخصی اور کیا اجتماعی وملی، اِصْبِرُوْا" یعنی جو صعوبتیں راہ حق میں از خود پیش آئیں ان پر صبر کیے جاؤ، خواہ اس صبر کا تعلق مشقت و تعب عبادت سے ہو خواہ نفس کی مرغوب و محبوب خواہشوں کے ضبط سے، صَابِرُوْا" یعنی جو مصیبتیں مخالفین و معاندین کے ہاتھوں پیش آئیں انہیں بھی برداشت کرو، رَابِطُوْا" یعنی خارجی دشمنوں اور اپنے اندرونی دشمن (نفس) دونوں کے مقابلہ کیلئے مستعد رہو۔

وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ" صبر یا مصابرۃ یا مرابطہ سب کا اصلی مصدر اور آخری ماخذ تقویٰ الٰہی ہے، آخر میں اسی کا نتیجہ دنیا و عقبیٰ میں فلاح ہے، اب جن لوگوں نے تحمل شدائد و مصائب کا آخری مقصود و غایت حب وطن وغیرہ کسی چیز کو بجز رضاءِ الٰہی کے بنا رکھا ہے، وہ اپنے حال پر ذرا ایک بار غور فرمائیں۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ آل عمران، حاشیہ نمبر ۴۱۸ر)

یتیموں کے سرپرستوں کیلئے قرآنی ہدایت

اسلام ایک جامع اور مکمل نظام زندگی ہے، اس لئے زندگی کے تمام معاملات کے لئے اس کے اندر رہنمائی موجود ہے، یتیموں کی جائداد اور ان کے مال کی سرپرستی ایک اہم مسئلہ تھا، جس کو قرآن نے بہت ہی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے، دور جاہلیت میں یتیموں کے جو سرپرست ہوتے تھے وہ ان کے مال کو مختلف طریقوں سے ہڑپ کر لیتے تھے، اس لئے اسلام نے واضح ہدایت دی کہ یتیموں کے سرپرستوں کو چاہئے کہ وہ غلط طریقے سے ان کے مال میں تصرف نہ کریں، اگر یتیموں کے سرپرست خوش حال اور مال دار ہیں تو انہیں اپنی سرپرستی کے عوض یتیموں کے مال میں سے کچھ لینے کا حق نہیں ہے، ان کو چاہئے کہ یتیموں کی سرپرستی اور ان کے مال کی حفاظت صرف اپنا فرض منصبی سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کریں، البتہ اگر وہ محتاج اور ضرورت مند ہیں تو بقدر ضرورت ان کے مال میں سے کچھ لے سکتے ہیں۔

آج وہ اسلامی مدرسے جو چندہ سے چلتے ہیں اور لوگ یتیم مسکین اور غریب طلباء کیلئے چندہ دیتے ہیں، تو مدرسہ کے ناظموں کو یہ حق حاصل نہیں کہ یتیموں کے اس مال سے ناجائز فائدہ اٹھائیں اور اپنی ضرورتوں کا دائرہ بڑھا کر زیادہ سے زیادہ تنخواہ لینے کی کوشش کریں، بلکہ احتیاط کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ اپنے لئے اور اساتذہ کیلئے کسی قسم کی تنخواہ مقرر نہ کریں بلکہ دوسرا کوئی ذریعہ معاش اختیار کریں، لیکن اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو بقدر ضرورت اس مال میں سے لے سکتے ہیں، البتہ ان کے مال سے ٹھاٹ باٹ کرنے اور اپنا معیار زندگی بلند کرنے کا ان کو حق حاصل نہیں ہے۔

مفتی شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھا ہے کہ،

آیت کے سیاق سے ایک فقہی ضابطہ اور اصول معلوم ہو گیا کہ جو لوگ اوقاف کے نگراں ہیں، یا مساجد و مدارس کے منتظم ہیں، یا مسلم حکومتوں کے اداروں کے ذمہ دار ہیں، یا ایسی ہی دوسری ملکی اور ملی خدمات جن کا انجام دینا فرض کفایہ ہے ان پر مامور ہیں، ان حضرات کیلئے بھی اعلیٰ اور افضل یہ ہے کہ اگر اپنے پاس اتنا اثاثہ ہو اور وہ اپنے بچوں کے ضروری اخراجات پورے کر سکتے ہوں تو ان اداروں سے اور حکومت کے بیت المال سے کچھ بھی نہ لیں، لیکن اگر اپنے پاس گذارا کیلئے مال موجود نہ ہو اور کسب کے اوقات ان کاموں میں مشغول ہو جاتے ہوں تو بقدر ضرورت ان اداروں سے مال لے لینے کا اختیار ہے، مگر بقدر ضرورت کا لفظ پیش نظر رہے۔

بہت سے لوگ ضابطہ کے طور پر خانہ پری کیلئے اپنا ماہانہ کچھ حصہ مقرر کر لیتے ہیں، لیکن مختلف طریقوں سے اس سے کہیں زیادہ بے احتیاطی کے ساتھ اپنی ذات پر اور بال بچوں پر خرچ کرتے چلے

جاتے ہیں، اس بے احتیاطی کا مداوی بجز خوف الہٰی کے کچھ نہیں، جس کی طرف آیت کے اخیر ٹکڑے میں وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا (اللہ حساب لینے کیلئے کافی ہے) فرما کر جملہ عوام خواص کو توجہ دلا دی گئی ہے، جسے اللہ تعالیٰ کا محاسبہ کا خیال ہو وہی ناجائز مال سے بچ سکتا ہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق

(بحوالہ، معارف القرآن، جلد دوم، تفسیر سورہ نساء)

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ آل عمران کا حاشیہ نمبر ۲۰/۲۱ پڑھئے۔

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا" ذکر انہی اولیاء یتامیٰ کا ہے، حکم ان کو مل رہا ہے کہ اگر وہ خوش حال ہیں تو انہیں فیس آنریریم وغیرہ کے نام سے کوئی رقم بھی یتیم کے مال سے نہ لینا چاہئے بلکہ اسے خِسبَةً لِلّٰه" کرتے رہنا چاہئے، یہ ہے اسلام میں مال یتیم کی اہمیت، اگر محتاج ہے تو بقدر اپنی ضرورت کیلئے لے سکتا ہے۔ یہ رقم محققین حنفیہ نے صاف کر دیا ہے کہ بطور اجرت کے نہ ہوگی کہ نگرانی تو ولی (سرپرست) کے فرائض میں ہے، اور معلوم ہے کہ ادائے فرائض پر اجرت جائز نہیں، بلکہ یہ رقم تو الگ سے اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی ایک مد ہے۔

بِالْمَعْرُوْفِ یعنی یہ نہیں کہ اس آمدنی سے خوب عیش کی زندگی بسر کرنے لگے، بلکہ صرف اتنا معاوضہ لے جتنا اس معاشرہ میں متعارف ہو۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ آل عمران، حاشیہ نمبر ۲۰/۲۱)

اقتباس

مدرسہ کے ناظموں کو یہ حق حاصل نہیں کہ یتیموں کے اس مال سے ناجائز فائدہ اٹھائیں اور اپنی ضرورتوں کا دائرہ بڑھا کر زیادہ سے زیادہ تنخواہ لینے کی کوشش کریں، بلکہ احتیاط کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ اپنے لئے اور اساتذہ کیلئے کسی قسم کی تنخواہ مقرر نہ کریں بلکہ دوسرا کوئی ذریعہ معاش اختیار کریں، لیکن اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو بقدر ضرورت اس مال میں سے لے سکتے ہیں، البتہ ان کے مال سے ٹھاٹ باٹ کرنے اور اپنا معیار زندگی بلند کرنے کا ان کو حق حاصل نہیں ہے۔

وہ گناہ جو متواتر کے حکم میں ہے

اگر کسی کے جسم کے کسی حصے پر آگ کی کوئی چنگاری آکر چپک جائے تو آدمی اس کا انتظار نہیں کرے گا کہ اس چنگاری کو ایک ہفتہ بعد ہٹایا جائے یا بجھانے کی کوشش کی جائے بلکہ فوراً اس چنگاری کو دور کرنے کی کوشش کرے گا، اگر کسی کے کپڑے پر کوئی نجاست لگ جائے تو وہ یہ انتظار نہیں کرے گا کہ چند گھنٹوں کے بعد اس کو دور کردیا جائے گا بلکہ فوراً اس نجاست کو دور کرنے کی کوشش کرے گا اگر کسی آدمی نے زہر کی کوئی ٹکیہ کھالی ہے تو اس کے گھر والے یہ انتظار نہیں کریں گے کہ چلئے کچھ دنوں کے بعد اس کا علاج کیا جائے گا، بلکہ فوراً اس کو ہسپتال لے جاتے ہیں اور زہر کے اثر کو زائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آگ کی چنگاری کرتے پر لگی ہوئی نجاست اور زہر کی ٹکیہ سے زیادہ خطرناک اور مہلک، گناہ ہوتا ہے، گناہ ایک آتش گیر مادہ ہے جس کا تعلق جہنم کی آگ سے ہے، وہ گناہ جہنم میں پہنچتے ہی شعلہ بن کر بھڑک اٹھے گا اور انسان کے جسم کو گھیر لے گا، لیکن افسوس ہے کہ گناہ سے فوراً توبہ کرنے میں مسلمان ٹال مٹول کرتے ہیں، اگر کہا جاتا ہے کہ سنت کے مطابق داڑھی رکھ لیجئے تو بہت سے مسلمان ڈھٹائی کے ساتھ کہتے ہیں کہ مولوی صاحب ابھی بہت وقت باقی ہے کبھی رکھ لیں گے، حالاں کہ جب داڑھی منڈوانا گناہ ہے تو اس گناہ سے فوراً توبہ کرلینا چاہئے۔

ایک ملحد کا شعر ہے۔

ابھی شباب ہے کرلوں خطائیں جی بھر کے
کہ اس مقام پر عمر رواں رہے نہ رہے

اگر کسی گناہ سے فوراً توبہ نہیں کی گئی تو وہی گناہ مستقل اور متواتر گناہ میں شمار ہونے لگتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گناہ پر اصرار اور متواتر گناہ کرنے سے توبہ کی توفیق چھین لی جاتی ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اصرار علی الذنب (گناہوں پر اصرار) کی لعنت سے محفوظ رکھے، اور گناہوں سے بلاتاخیر فوراً توبہ کرنے کی توفیق دے۔ آمین

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ نساء کا حاشیہ نمبر ۶۳ / پڑھئے۔

یعنی حالت نزع و سکرات شروع ہوجائے کہ اب عذاب و ملائکہ عذاب کے مشاہدہ کے بعد جو توبہ ہوگی، وہ اضطراری ہوگی، اسلئے کسی درجہ میں بھی مقبول نہیں، فقہاء نے کہا ہے کہ معصیت کا صدور اگر ایک ہی آدھ بار ہو لیکن اس سے توبہ نہ کی جائے تو اس کا شمار بھی اصرار علی المعصیت میں ہونے لگے گا، اور یہ عمل گناہ متواتر کرتے رہنے کے حکم میں داخل ہوجائے گا۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ نساء، حاشیہ نمبر ۶۳ /)

❁❁

شیطان کی چال کی کمزوری

جب دشمن اپنے فریق مخالف کے مقابلے میں کمزور ہوتا ہے تو پروپیگنڈے کا حربہ استعمال کرتا ہے، شیطان پروپیگنڈے اور وسوسہ اندازیوں کا امام ہے، وہ جانتا ہے کہ انسان کے مقابلے میں وہ کمزور ہے، اس لئے اس کی نظر انسان کے کمزور پہلوؤں کی طرف رہتی ہے، پھر جہاں موقع ملتا ہے اپنے پروپیگنڈے اور وسوسہ اندازیوں سے اس کو شکار کر لیتا ہے، شیطان بہت مکار باتونی بھی ہے اس کی باتوں میں بلا کا جادو ہوتا ہے، وہ اپنی دلفریب اور خوش کن باتوں سے انسان کو اپنی طرف مائل کر لیتا ہے، شیطان کی چال کو خود اللہ تعالیٰ نے کمزور کہا ہے، جس کا مطلب ہے کہ اگر انسان ہوشیار رہے، شیطان کے داؤ پیچ پر اس کی نظر ہو، اور اس کے مقابلے میں حق پر چٹان کی طرح سیدھا کھڑا رہے، کسی طرح کی کمزوری نہ دکھائے تو شیطان اپنے حملے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔

مارٹن لوتھر کنگ کا یہ قول بہت ہی معنی خیز ہے۔ وہ کہتا ہے کہ،

A man can not ride your back unless it is bent.

یعنی: کوئی شخص تمہاری پیٹھ پر سواری نہیں کرسکتا جب تک وہ جھکی ہوئی نہ ہو۔

اسی طرح جب ہم گناہ اور اللہ کی نافرمانی کر کے اپنی پیٹھ جھکا دیتے ہیں، تو شیطان ہماری پیٹھ پر سوار ہو جاتا ہے اور ہماری ناک میں اپنی نکیل ڈال کر جدھر چاہتا ہے گھماتا رہتا ہے اور ہم گھومتے رہتے ہیں۔

آپ کی کمزوری سے وہ کس طرح آپ پر حملہ کرتا ہے اس کو ایک مثال سے سمجھ سکتے ہیں،

ایک طرف دینی تعلیم کا مسئلہ ہے اور دوسری طرف دنیاوی تعلیم ہے، دینی نقطہ نظر سے آپکی ذمہ داری ہے کہ آپ اپنے بچوں کو پہلے دینی تعلیم دیں، اسکولوں کالجوں کے خدافراموش ماحول سے دور رکھیں، لیکن آپ چاہتے ہیں کہ آپکا بچہ دنیاوی تعلیم بھی حاصل کرے اور اسکو دینی معلومات بھی ہو جائے، آپ سوچتے ہیں کہ اگر دینی تعلیم کیلئے کسی اسلامی مدرسہ میں بھیج دیا جائے تو اپنے بچے کی مادی ترقی کا جو سنہری خواب میں دیکھ رہا ہوں وہ پورا نہیں ہوگا۔

یہی وہ نازک موڑ ہے جہاں شیطان آپ کی کمزوری کو بھانپ لیتا ہے کہ جناب کے اندر مادی ترقی کا غلبہ ہے اور دینی جذبہ کمزور ہے، چنانچہ فوراً وہ آپ پر حملہ آور ہو جاتا ہے، اور آپ کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ اپنے لڑکے کو پینٹ شرٹ پہنا کر اور گلے میں ٹائی لٹکا کر (جو یہودیوں کا شعار ہے) کالج میں بھیج دیجئے، اور آپ کی جو خواہش ہے کہ آپ کا بچہ قرآن بھی پڑھ لے تو کسی مولوی صاحب کو ٹیوشن پر رکھ لیجئے اور اپنے گھر بلا کر ایک گھنٹہ بچوں کو قرآن حکیم کا ناظرہ پڑھادیں گے۔

شیطان کی اس پرفریب اور خوش کن بات سے آدمی خوش ہو جاتا ہے کہ ہاں بھائی بہت اچھا مشورہ ہے،

ہم خرمہ و ہم ثواب، دونوں ہاتھ میں لڈو، دنیا بھی سنور گئی اور آخرت کا نقصان نہیں ہوا، لیکن آخرت کا نقصان ہوگیا، کیوں کہ جو بچہ آٹھ گھنٹہ خدا فراموش ماحول میں رہے گا تو ظاہر ہے اس پر غلبہ اسی کالج کے خدا فراموش کا ہوگا اور اس کے مقابلے میں ایک گھنٹہ کی دینی تعلیم ہوا ہو جائے گی۔

شیطان اپنی مکاری سے یہاں کس طرح ایک تیر سے دو شکار کرتا ہے، لڑکے اور اس کے باپ کی پیٹھ پر بھی سوار ہوگیا اور دینی تعلیم سے دور کرنے میں کامیاب ہوگیا، اور مولوی صاحب کی پیٹھ پر بھی سوار ہوگیا اس نے دیکھا کہ مولوی صاحب کے اندر معاشی کمزوری پائی جاتی ہے، ان کے اندر اتنی ہمت نہیں ہے کہ کوئی دوسرا کام کرسکیں، اس لئے اس نے دینی تعلیم کے بہانے گھر گھر جا کر ٹیوشن پڑھانے پر آمادہ کر دیا کہ مولوی صاحب بیک وقت دو فائدہ آپ حاصل کر سکتے ہیں، ٹیوشن پڑھانے سے آپ کی معاشی حالت درست ہو جائے گی، بیوی بچوں کا جو حق ہوتا ہے اس کی بھی ادائیگی ہو جائے گی۔

لیکن مولوی صاحب کو اس بات کا احساس نہیں رہا کہ وہ کسی کے گھر جا کر ٹیوشن پڑھاتے ہیں تو وہ علم کی توہین کرتے ہیں، کسی عالم کیلئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ گھر گھر جا کر ٹیوشن پڑھائے اور اپنے عالمانہ وقار کو مجروح کرے، سیٹھوں اور مالداروں سے صاف کہہ دینا چاہئے کہ آپ کو اگر پڑھوانا ہے تو میرے گھر اپنے بچوں کو بھیجئے کیوں کہ پیاسا کنوئے کے پاس جاتا ہے کنواں کسی پیاسے کے پاس نہیں جاتا۔

جنگ بدر میں صرف ۳۱۳ مسلمان تھے، لیکن ان کا ایمان مضبوط تھا، باطل کے سامنے ان کی پیٹھ جھکی ہوئی نہیں تھی، اس لئے شیطان کا داؤ پیچ ان پر نہیں چل سکا، کافروں کے اندر کمزوری تھی، چنانچہ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے ان کو کامیابی کا سبز باغ دکھا کر ان کی پیٹھ پر سوار ہوگیا اور ہلاکت کے گڈھے میں ان کو گرا کر ان سے دور ہوگیا، شیطان نے اپنی دلفریب باتوں سے کافروں کو خوب یقین دلایا کہ "لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ" آج کے دن میدان بالکل تمہارے ہاتھ میں ہے، کوئی مائی کا لال تم پر غالب نہیں آسکتا، کیونکہ میں اور میرا پورا لشکر تمہارے ساتھ رہے گا "اِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ" میں تمہارا مددگار ہوں، بالکل تمہارے ساتھ ساتھ رہوں گا۔

لیکن جب میدانِ بدر میں جنگ شروع ہوئی تو کافروں کا ساتھ چھوڑ کر میدان سے بھاگ گیا، کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں کے مقابلے میں یہ کافر میدان میں آئیں اور ان کے ہاتھوں سے قتل ہو کر جہنم میں چلے جائیں شیطان کا سب سے بڑا مشن ہی یہ ہے کہ جیسے بھی ممکن ہو اولاد آدم کو جہنم کے کنوئے میں ڈھکیل دیا جائے، شیطان کی تدبیر کمزور ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ان مسلمانوں کے مقابلے میں کمزور ہے جو واقعی سچے مسلمان ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں محض اللہ کیلئے کرتے ہیں، اگر ایمان و اخلاص میں کمزوری ہے اور ایک مسلمان نفسانی خواہشات کا غلام ہے، تو پھر شیطان اس کے مقابلے میں کمزور نہیں ہے، اس کو دبوچ لیتا ہے، اگر مسلمان، ایمان اور اخلاص سے

متصف ہے تو شیطان کی امت نہیں ہے کہ ایک مخلص مسلمان پر حملہ کرنے میں کامیاب ہو۔

جب اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ شیطان کی چال کمزور ہے، تو اس کے بعد بھی اگر شیطان کسی مسلمان پر غالب آجائے اور اس پر سوار ہو جائے تو بہت حیرت کی بات ہے، آج پوری دنیا میں زیادہ تر مسلمانوں کی پیٹھ پر شیطان سوار ہے، اور ٹک ٹک گھوڑا ٹک ٹک گھوڑا کہہ کر وہ ان کو مختلف وادیوں میں دوڑا رہا ہے، لیکن عجیب بے غیرتی کا عالم ہے کہ مسلمانوں کو پتا احساس نہیں ہے کہ ان کی پیٹھ پر کون سوار ہے۔

اس نے مسلمانوں کے اندر یہ کمزوری دیکھی کہ وہ لوگوں سے تو شرماتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے سے نہیں شرماتے، تو اس نے ۹۹ رفیصد مسلمانوں کو داڑھی منڈا بنا دیا، اور ان کو یقین دلایا کہ داڑھی منڈانے سے تمہارے اسلام میں کوئی فرق نہیں ہوگا، اگر باطن اچھا ہے اور تم جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھتے ہو اور اسلامی مدرسوں کو خوب چندہ دیتے ہو اور علماء و مشائخ کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں، تو داڑھی کون سی بڑی چیز ہے؟ اس کے نہ رکھنے سے کوئی نقصان نہیں ہوگا، بہت سے داڑھی رکھنے والوں کے مقابلے میں تمہارا مقام بلند رہے گا، کیا تم دیکھتے نہیں کسی اسلامی درسگاہ میں بھی کسی داڑھی والے غریب اور مفلس آدمی کا استقبال نہیں ہوتا، لیکن کوئی داڑھی منڈا ہی ہو بہت بڑا سیٹھ ہے اور کسی مدرسے میں شاندار دارالحدیث کی تعمیر میں پچاس لاکھ چندہ دیدیتا ہے، تو مدرسے میں اس کا شاندار استقبال ہوتا ہے، اس کو اعزاز سے نوازا جاتا ہے اور وہاں کے طلبہ، علماء اور مشائخ اس کیلئے دعا کرتے ہیں۔

اور پھر کیا تجھے نہیں معلوم کہ علامہ اقبال داڑھی نہیں رکھتے تھے، اس کے باوجود بھی تمام علماء و مشائخ ان کے فضل و کمال کے معترف ہیں اور انتہائی احترام کے ساتھ اُن کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، اور ان کیلئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے، اور ان کے درجات کو بلند کر دے، ارے جناب والا، اگر علامہ اقبال کے ایک شعر سے بھی کسی بزرگ کے اندر روحانی کرنٹ دوڑ گیا تو وہ جنت کے اونچے سے اونچے مقام پر پہنچا دیئے جائیں گے، اور ان کے عارفانہ اشعار کی برکت سے ان کے درجات بڑھتے جاتے ہیں، اور علامہ اقبال سہیل نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ:

نوکِ خامہ سے کھول لیں گے سہیلؔ ☆ بابِ جنت اگر کھلا نہ ہوا

تو دیکھئے یہ دونوں علامہ تھے، علم و معرفت کی بلند چوٹی پر پہنچ چکے تھے، لیکن داڑھی منڈانے سے دونوں کو کوئی نقصان نہیں ہوا، اور علماء و مشائخ کے نزدیک ان کی پذیرائی اور مقبولیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی، تو جس طرح علامہ اقبال نے اپنے اشعار سے اور علامہ اقبال سہیل نے قلم کے نوک سے جنت کا دروازہ کھول لیا تو آپ بھی کوئی دینی ملی کام کر دیجئے، کسی شیخ طریقت کا دامن پکڑ لیجئے، مدرسوں میں چندہ دیجئے اور اپنے ہدیہ و نذرانہ سے

علماء، مشائخ کو خوش رکھئے، پھر داڑھی نہ رکھنے کے باوجود بھی آپ کو جنت مل جائے گی اور بہت سے داڑھی والے آپ سے پیچھے رہ جائیں گے۔

اس طرح شیطان انسان کی کمزوریوں کو دیکھ کر ان کی پیٹھ پر سوار ہو جاتا ہے اور سوار ہو کر ہر جگہ کا دورہ کرتا ہے، داڑھی منڈے کی پیٹھ پر سوار ہو کر اس کو مسجد میں بھی لے جاتا ہے، عیدگاہ بھی لے جاتا ہے، بزرگوں کی صحبت میں بھی لے جاتا ہے، حج وعمرہ کے موقع پر مسجد حرام اور مسجد نبوی میں بھی لے جاتا ہے، وہ اتنا مکار ہے اور سمجھتا ہے کہ اس داڑھی منڈے کو اگر روضۂ نبوی کے پاس پہنچا دیا جائے تو حضور اکرم ﷺ کو (نعوذ باللہ) تکلیف ہوگی، اس لئے اس کی پیٹھ پر سوار ہو کر اسی حالت میں روضۂ نبوی کے پاس بھی کھڑا کر دیتا ہے۔

حقیقت ہے کہ شیطان اگرچہ کمزور ہے لیکن اس کے پروپیگنڈوں اس کی لچھے دار تقریروں سے ہوشیار رہئے اور اپنی جگہ ایمان واخلاص پر چٹان کی طرح جمے رہئے، پھر انشاء اللہ وہ اپنے حملہ میں کامیاب نہیں ہوگا، اس کی چال یقیناً کمزور ہے، لیکن جہاں کچھ بھی وسوسہ اندازی کرے فوراً اس پر حملہ کر دیجئے وہ بھاگ جائے گا، اور اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوگا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ جب تم شیطان کو دیکھو تو بلا خوف وخطر اس پر حملہ کر دو اسکے بعد آپ نے یہی تلاوت فرمائی، اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ”بلا شبہ شیطان کی چال کمزور ہے۔“

(بحوالہ اَحْكَامُ الْقُرْطُبِیْ لِلسُّيُوْطِیْ)

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ نساء کا حاشیہ نمبر ۲۱۶ ر پڑھئے،

شیطانی اور طاغوتی قوتوں کو کبھی بھی مستقل اور پائیدار فتح، حق کے مقابلہ میں نصیب نہیں ہوسکتی۔ مسلمانوں کو لڑنے کا حکم مل رہا ہے مگر کس کے مقابلہ میں؟ شیطانوں اور طاغوتیوں کے مقابلے میں جو دنیا میں شر وفساد، فسق وشرک ہی کی حکومت پھیلانا چاہتے ہیں، اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا (بیشک شیطان کی چال کمزور ہے) اس میں مسلمانوں کو ہمت دلائی ہے کہ شیطان کوئی ڈرنے اور سہمنے کی چیز نہیں، وہ تم پر حاکم وآمر نہیں، تم ذرا ہمت کر جاؤ تو وہ خود تم سے پناہ مانگتا ہوا بھاگے گا، اس میں جان تو ہے نہیں، حربی زندگی سے قطع نظر، اخلاق ومعاشرت، معاملات وعبادات کے میدان میں بھی شیطان سے مقابلہ کر لینا کچھ دشوار نہیں، ضرورت صرف ہمت کی ہے، ”كَيْدَ الشَّيْطٰنِ“ جس کے ضعف کا یہاں اعلان ہے اپنے اعلان میں عام ہے، حربی وغیر حربی ہر شعبۂ زندگی پر۔

(بحوالہ تفسیر سورہ نساء، حاشیہ نمبر ۲۱۶ ر)

❁ ❁

اس ملت کو نقصان بس مسلمانوں کی بداعمالیوں ہی سے پہنچ سکتا ہے

جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو جو ساری کائنات کا خالق اور مالک ہے اور پروردگارِ عالم ہے، جس کے قبضۂ قدرت میں ساری کائنات ہے، جو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں، وہ حالات کا شکوہ کرے پریشان ہو اور یہ کہے کہ میرا کوئی مسئلہ حل نہیں ہو رہا ہے، تو اس سے زیادہ حیرت اور تعجب کی کوئی بات نہیں ہو سکتی، پریشانی اور حالات کا شکوہ تو وہ کرے جس کا کوئی مددگار، حامی اور کارساز نہ ہو، جس کا کوئی سرپرست نہیں ہے وہ در در کی ٹھوکر کھائے تو تعجب نہیں ہے، لیکن جس کا سرپرست اللہ تعالیٰ ہے وہ در در کی ٹھوکر کھائے، دوسروں کے دروازے پر جائے، دوسروں سے پناہ طلب کرے، تو اس سے بڑھ کر بے غیرتی کی بات کیا ہو سکتی ہے۔

مسلمان خواہ مخواہ حالات و مسائل اور دشمنوں کی طرف سے ہونے والے مظالم کا شکوہ کرتے ہیں، جب کہ ان کے تمام مسائل کا حل یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے پابند ہو کر اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجائیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر ان کی نظر نہ ہو، مسلمانوں کی ساری پریشانیوں کا سبب صرف یہی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ دیا ہے، اور اللہ کے رسول ﷺ کی سنتوں سے دور ہو چکے ہیں۔

مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھیؒ نے خوب فرمایا ہے کہ؂

اپنی ہی خطا ہے حضور، شکوہ کسی کا کیا کریں
لائیں کہاں سے روشنی اپنا چراغ گل ہے آج
اپنے کئے کی ہے سزا چکھتے ہیں جس کا ہم مزا
کانٹوں میں ہم گھرے ہیں آہ، ہاتھوں میں ان کے گل ہے آج

اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے راقم الحروف کا بھی شعر ہے کہ؂

اب تک بنا سکے نہ ہم ان کے غم کو غم اپنا ☆ راحتوں کے ساماں ہیں گھٹ رہا ہے دم اپنا
حالات کی شکایت سے فائدہ نہیں ہوگا ☆ کیا سرِ اطاعت ہے در پہ ان کے خم اپنا

حضور اکرم ﷺ کے آخری حج میں عرفات کے میدان میں سورہ مائدہ کی نازل ہونے والی درج ذیل آیت ہمارے تمام مسائل کا حل ہے۔

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ، اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" آج کافر تمہارے دین کی طرف سے مایوس ہو گئے (کہ تم کو نقصان پہنچانے پر قادر ہیں نہ تمہارے دین کو) پس تم ان سے مت ڈرو

اور مجھی سے ڈرو، آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین کے پسند کر لیا۔ (سورہ مائدہ، آیت نمبر ۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو پوری طرح یقین دلایا گیا ہے کہ اب قیامت تک ان کیلئے دشمنوں سے کوئی خطرہ نہیں ہے، دنیا کی ساری باطل طاقتیں مل کر بھی دین اسلام کو اور مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں، اسلئے اب مسلمانوں کو دنیا کی کسی طاقت، امریکہ، برطانیہ، روس، فرانس، یا کسی بھی مشرک د کافر قوم سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ان سے پناہ لینے کی ضرورت ہے، بس مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل یہی ہے کہ وہ اسلام پر کاربند ہو جائیں اور اللہ سے ڈریں، اللہ کے علاوہ ہر چیز کا ڈر اور خوف اپنے دل سے نکال دیں۔

معلوم ہوا کہ اگر دین وملت کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے تو صرف خود مسلمانوں کی بداعمالیوں اور قرآن و حدیث سے دوری کی وجہ سے پہنچ سکتا ہے، اب قیامت تک مسلمان اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ (ان کافروں مشرکوں سے مت ڈرو، مجھ سے ڈرو) کے دور میں ہیں، اللہ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے روکا ہے اس سے رک جائیں اور جس چیز کا حکم دیا ہے اس کی تعمیل پر جم جائیں، یعنی پوری زندگی اسلام اور قرآن وحدیث کی آئینہ دار ہو جائے۔

آج مسلمانوں پر جو بھی مظالم ہو رہے ہیں اور ان پر اسلام دشمن طاقتوں کا غلبہ ہے، تو صرف اور صرف اس کا سبب یہی ہے کہ عملی طور سے مسلمان اسلام سے دور ہو چکے ہیں، بس اسلام کی کچھ ظاہری شکلیں باقی رہ گئی ہیں اور اسلام کی روح ان کے اقوال، اعمال اور افعال سے نکل چکی ہے، اب تو غضب بالائے غضب یہ ہے کہ ظاہری شکل وصورت سے بھی مسلمانوں کو بحیثیت مسلمان پہچاننا مشکل ہو گیا ہے، ایسی صورت میں اگر مسلمانوں پر دوسری قوموں کا غلبہ اور تسلط ہو تو حیرت کی بات نہیں ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ۔

گل چیں کی بھی نگاہ نے ٹھکرا دیا اسے

جو پھول باغباں کی نظر سے اتر گیا

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ مائدہ کا حاشیہ نمبر ۱۶/۱۷ پڑھئے،

آیت کے نزول کا وقت یوم جمعہ (ذوالحجہ ۱۰ھ ۱۵/یا ۱۶/مارچ ۶۳۲ء) بعد عصر مقام عرفات ہے۔

(بحوالہ، ترمذی، ابواب التفسیر، عن ابن عباسؓ)

رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے نزول کے کل دو مہینے اکیس دن بعد انتقال فرمایا، نکتہ رس و دقیقہ سنج اصحاب نبی ﷺ آیت کے مضمون ہی سے سمجھ گئے تھے کہ اب دین ہر طرح مکمل و مستحکم ہو چکا، نبی ﷺ کے مشن کی تکمیل ہو چکی، نبی ﷺ کو اب دنیا میں مزید قیام کی ضرورت کیا رہی اور زمانہ مفارقت نبوی کا قریب

آ گیا، چنانچہ حدیث وسیر کتابوں میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اس آیت کو سن کر رو پڑے تھے۔

۱۷۔ یعنی میرے احکام کی مخالفت نہ کرو یہ گویا وعدۂ الٰہی ہے کہ اب تشویش وتردد کی چیز غلبہ کفر استیلاءِ کفار نہیں بلکہ احکام شریعت سے تجاوز وتزلزل ہے، یہی چیز ایسی ہے جو مسلمانوں کو ضرر پہنچا سکتی ہے اور ان کے ملی وجود کیلئے خطرہ کا باعث بن سکتی ہے، خشیت الٰہی ہی ایک ایسی چیز ہے جس کی کمی مسلمانوں میں ضعف پیدا کر سکتی ہے، نہ کہ اہل کفر وغیرہ کی کوئی خارجی قوت، اور تاریخ وتجربہ نے اسے لفظ بہ لفظ ثابت کر دکھایا ہے، اس پونے چودہ سو سال کے عرصہ میں جب کبھی اور جہاں بھی ملت کو نقصان پہنچا ہے اپنے ہی ضعف ایمان سے، بے عملی سے، بدعملی سے، خوف خدا کی کمی سے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ مائدہ، حاشیہ نمبر ۱۶/۱۷)

اقتباس

آج مسلمانوں پر جو بھی مظالم ہو رہے ہیں اور ان پر اسلام دشمن طاقتوں کا غلبہ ہے، تو صرف اور صرف اس کا سبب یہی ہے کہ عملی طور سے مسلمان اسلام سے دور ہو چکے ہیں، بس اسلام کی کچھ ظاہری شکلیں باقی رہ گئی ہیں اور اسلام کی روح ان کے اقوال، اعمال اور افعال سے نکل چکی ہے، اب تو غضب بالائے غضب یہ ہے کہ ظاہری شکل وصورت سے بھی مسلمانوں کو بحیثیت مسلمان پہچاننا مشکل ہو گیا ہے، ایسی صورت میں اگر مسلمانوں پر دوسری قوموں کا غلبہ اور تسلط ہو تو حیرت کی بات نہیں ہے۔

اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی میں یہود و نصاریٰ متحد ہیں

عیسائی، یہودی، مجوسی، کافر ومشرک جتنے بھی غیر مسلم ہیں وہ سب کے سب اسلام دشمنی میں بے غیرتی، بے حیائی اور اخلاقی گراوٹ کی نچلی سے نچلی سطح تک اتر سکتے ہیں، جیسا کہ اسلام دشمنی میں عیسائیوں کی بے غیرتی بالکل واضح اور طشت از بام ہے، ہر آدمی جانتا ہے کہ عیسائی اپنے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کو خدا اور خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور ان کے عقیدے کے مطابق یہودیوں ہی نے سازش کر کے (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰؑ کو انتہائی ذلت ورسوائی کے ساتھ سولی کے تختے پر چڑھایا تھا، اس لئے چاہئے تو یہ تھا کہ یہ سب عیسائی یہودیوں کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے اور ان کے نام ونشان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش کرتے، لیکن اسلام دشمنی میں ان بے غیرت عیسائیوں نے اپنے خدا کے قاتل کو اپنا دوست بنالیا ہے، اور قتل خدا کے اتنے بڑے جرم کو معاف کر دیا ہے۔

انسائیکلو پیڈیا (لاروس) نے بیان کیا ہے کہ جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کیا اور رومیوں کی عدالت میں پیش کیا تو رومیوں اور یہودیوں کی طرف سے حضرت عیسیٰؑ کو خوب مذاق اور تمسخر کا نشانہ بنایا گیا، لوقا کی انجیل میں ہے کہ جو آدمی یسوعؑ کو پکڑے ہوئے تھے اس کو ٹھٹھوں میں اڑاتے اور مارتے تھے اور اس کی آنکھیں بند کر کے اس سے پوچھتے تھے کہ اپنی نبوت کی روشنی میں بتاؤ کہ تجھے کس نے مارا؟ اور انہوں نے طعنہ سے اور بھی بہت سی باتیں کہیں۔ (بحوالہ، انجیل لوقا)

اور اسی انجیل میں ہے کہ پھر بادشاہ ہیرو ڈیس نے اپنے سپاہیوں سمیت اسے ذلیل کیا اور ٹھٹھوں میں اڑایا اور چمک دار پوشاک پہنا کر اس کو پیلاطوس کے پاس بھیج دیا۔

چونکہ یہ واقعہ یکم اپریل کو پیش آیا تھا، اس لئے اپریل فول کی رسم درحقیقت اسی شرم ناک واقعہ کی یادگار ہے، یہ رسم یہودیوں کی ایجاد کردہ ہے، جس کا مقصد حضرت عیسیٰؑ کو ذلیل کرنا ہے، یوں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو ہر طرح کی تذلیل وتضحیک سے بچالیا تھا، اور انتہائی عزت واکرام کے ساتھ ان کو آسمان پر اٹھالیا، لیکن عیسائیوں کی بے غیرتی پر حیرت ہے کہ جو رسم حضرت عیسیٰؑ کی تذلیل وتضحیک کیلئے یہودیوں نے جاری کی تھی اس کو عیسائیوں نے کیوں قبول کرلیا، جب کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) ہونے کا درجہ دیتے ہیں، اگر چہ یہ عیسائیوں کی دینی بدذوقی کی علامت ہے، لیکن حقیقت ہے کہ ان کی یہ بے غیرتی صرف اسلام دشمنی کی وجہ سے ہے۔

اسی طرح ان کے عقیدے کے مطابق صلیب (جس کی علامت ٹائی ہے) پر حضرت عیسیٰؑ کو پھانسی دی گئی تو صلیب اور ٹائی سے ان کو نفرت ہونی چاہئے تھی، لیکن انہوں نے گلے میں اس صلیب کو لٹکالیا اور ان کی تہذیب کا ایک جزء ہوگئی۔

عام طور پر غیر مسلم تو بے غیرت اور بدذوق ہوتے ہیں، ان کی بے غیرتی پر بہت زیادہ حیرت کی بات نہیں ہے لیکن افسوس ہے کہ بہت سے مسلمان بھی گلے میں ٹائی باندھ کر حضرت عیسیٰؑ کا مذاق اڑاتے ہیں اور یہودیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نبی کا مذاق اڑانے کی تحریک میں شامل ہیں۔

ہندوستان میں مسلمان بہت دنوں سے اگر غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور شکوہ کرتے ہیں کہ خود ان کے ملک میں ان کی جان، ان کا مال اور ان کی عزت وآبرو محفوظ نہیں ہے، تو اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ قرآن کی روشنی میں اپنے مسائل کا حل تلاش نہیں کرتے، وہ انہی کی پناہ ڈھونڈھتے ہیں جن کو دوست بنانے سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے، مسلمان اور ان کے بہت سے ملی وسیاسی رہنما بعض غیر مسلم پارٹیوں کو اپنا دوست سمجھتے ہیں اور بعض کو اپنا دشمن تصور کرتے ہیں تو یہ مسلمانوں کی غلط فہمی ہے، کیوں کہ تمام غیر مسلم خواہ اس ملک کے ہوں یا کسی دوسرے ملک کے اسلام دشمنی میں برابر ہیں، اس لئے ان غیر مسلم پارٹیوں اور غیر مسلم لیڈروں سے دوستی کرنے کے بجائے وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنے مسائل کا حل تلاش کریں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق کو مضبوط کریں، اور ہندوستان کے تمام غیر مسلموں کو اپنا مدعو سمجھیں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام ان تک پہنچانے کی کوشش کریں۔

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ مائدہ کا حاشیہ نمبر ۱۹۱ر پڑھئے،

مطلب یہ ہوا کہ، یہودی اور نصرانی تو باہم دوست ہوتے ہیں، باقی خود یہود ونصاریٰ کے درمیان بھی بہت کچھ مناسبت ہے، کم سے کم یہی کہ اسلام اور مسلمان کی عداوت پر دونوں متحد ہیں، ان کے آپس میں اگر تمہارے خلاف سازباز ہوجائے تو کچھ تعجب نہیں ہے، لیکن تم جو اہل ایمان ہو تم میں اور منکرین قرآن میں مناسبت ہی کیا اور اشتراک کیسا؟

آج جب کہ یہ سطریں پہلی بار لکھی جارہی ہیں (جمادی الثانی ۱۳۶۵ھ مطابق، مئی ۱۹۴۶ء) فلسطین کی سرزمین پر ایک اسرائیلی سلطنت کی بنیاد ڈالنے کے سلسلے میں، مسلمانوں کے خلاف یہود اور نصرانی قوموں کا سازباز قرآن مجید کی اس پیش خبری کی معجزانہ تصدیق پیش کررہا ہے، اور پھر اس سے بھی بڑھ کر حیرت انگیز اور دنیا کو دنگ کردینے والی مثال یہودی نصرانی اتحاد کی اواخر ۱۹۶۴ء میں پیش آئی، جب یہود نے اپنا تبری نامہ قتل مسیحؑ کی ذمہ داری سے متعلق پیش کیا اور دنیائے مسیحیت کے پیشوائے اعظم نے اسے انجیلوں کی واضح ترین اور بار بار کی دہرائی ہوئی شہادتوں کے باوجود قبول کرلیا۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ مائدہ، حاشیہ نمبر ۱۹۱ر)

❁ ❁

اللہ کے باغیوں کو دوست رکھنے والے بے غیرت اور ظالم ہیں

اس موضوع کے متعلق کچھ تفصیل تفسیر سورہ آل عمران حاشیہ نمبر ۲۴۲ رگذر چکی ہے، اس حاشیہ کو سامنے رکھتے ہوئے اب تفسیر ماجدی جلد اول تفسیر سورہ مائدہ کا حاشیہ نمبر ۱۹۲ر ۱۹۳ر پڑھئے۔

یعنی وہ بھی (جو اللہ کے باغیوں سے دوستی رکھتا ہے) انہیں میں داخل وشامل اور ان ہی کا جزء یا ضمیمہ سمجھا جائے گا، غیروں، بیگانوں، اللہ کے دشمنوں سے دوستی ہو نہیں سکتی، جب تک پہلے ان کی عظمت یا محبت کا نقش دل پر نہ بیٹھ لے اور مسلمان اپنی پختگی سے کچھ نہ کچھ ہٹ نہ لے۔

قومی تشخص اور ملت کی خودی کیلئے لازمی ہے کہ ملت اسلامی کے دوستانہ، رازدانہ، برادرانہ، تعلقات غیر مسلموں سے ممنوع قرار دے دیئے جائیں، یہ آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ جو لوگ دشمنانِ دین کے ساتھ خلا ملا، میل جول زیادہ رکھتے ہیں ان کے اندر سے فہم دین اور دینی تصلب اور ملی خودداری رخصت ہو جاتی ہے، حدیث نبوی میں دوسری قوموں کے وضع ولباس اختیار کرنے، ان سے تشبہ پیدا کرنے کی جو ممانعت آئی ہے وہ عجب نہیں کہ ان ہی حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہو۔

۱۹۳ یعنی دین کی سمجھ اور غیرت ملی ایسے لوگوں سے سلب ہو جاتی ہے، ظٰلِمِیْن سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین خدا کے باغیوں کو دوست و رازدار بنا کر خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے ہیں۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ مائدہ، حاشیہ نمبر ۱۹۱ر)

اسلام کی امتیازی خصوصیات میں اذان بھی ہے

اذان بھی اسلام کا ایک معجزہ ہے، پانچ وقت روزآنہ مسجد کے مناروں سے اذان کے جو کلمات بلند ہوتے ہیں وہ خود اس بات کی دلیل ہیں کہ اسلام اللہ تعالیٰ کا دین ہے، اور اسلامی عبادات کا نظام اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے، اذان کی آواز میں جو حسن و جمال جو کشش اور جاذبیت ہے اگر کسی کی فطرت میں عہد الست کی ہلکی سی بھی چنگاری موجود ہوگی تو وہ اذان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، اور اس کا دل گواہی دے گا کہ یقیناً یہ ساز فطرت ہی کا وہ نغمہ ازلی ہے جو اذان کی شکل میں پوری کائنات میں بکھر رہا ہے۔

جاپان کے ایک سفیر کی بیوی ایک عرب ملک گئی اس نے کہا کہ اس ملک میں جو چیز سب سے زیادہ اپنے اندر جمال کے پہلو کو لئے ہوئے ہے وہ اذان اور قرآن کی تلاوت ہے، اور وہ اس معاملے میں خوش قسمت ہے کہ وہ دن میں پانچ مرتبہ اذان اور روزآنہ قرآن سنتی ہے، لیکن اس بات کا افسوس ہے کہ وہ ان کے معانی نہیں سمجھتی، اس کیلئے وہ عربی زبان سیکھنا چاہتی ہے تاکہ عربی کے معنی و مفہوم کو سمجھ سکے۔

(بحوالہ، تعمیر حیات، لکھنؤ، ۲۵ر نومبر ۲۰۰۰ء)

دنیا کے کسی بھی مذہب میں کسی عبادت کیلئے اس طرح کا وجد آفریں اور دل کو اپنی طرف کھینچنے والا طریقہ اعلان موجود نہیں ہے، حقیقت ہے کہ یہ طریقۂ اعلان اسلام کی امتیازی خصوصیات میں سے ہے، اگر دنیا کے لوگ سنجیدگی سے اس آواز کو سنتے اور غور کرتے تو وہ کسی مصلحت سے اسلام کو اگرچہ قبول کرنے کیلئے تیار نہ ہوں لیکن اذان کی اس آواز کو سن کر اسلام کی صداقت کے اعتراف کیلئے مجبور ہو جاتے، اللہ تعالیٰ نے نماز کا ایسا نظام بنایا ہے کہ ہر لحہ دنیا کے کسی نہ کسی گوشے میں اذان کی آواز بلند ہو رہی ہے، اگر کسی کا آئینۂ فطرت خارجی غبار سے آلودہ نہ ہو تو وہ محسوس کرے گا کہ جب اذان کی یہ دلکش آواز فضاء میں بکھرتی ہے تو ساری کائنات، زمین و آسمان شجر و حجر سب کے سب اس آواز کے ساتھ نغمہ سنج ہو جاتے ہیں، انسان اگرچہ اس آواز کو سن کر بیدار نہ ہو اور اس کے دل میں کوئی حرکت پیدا نہ ہو، لیکن پوری کائنات پر وجد و سرور کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا
بلبلیں سن کر مرا نغمہ غزل خواں ہو گئیں

اذان پورے اسلام اور دعوت اسلام کا خلاصہ ہے، پانچ وقت مسجد کے مناروں سے جو آواز بلند کی جاتی ہے، مسجد سے باہر بھی توحید و رسالت اور فلاحِ دنیا و آخرت کی آواز بلند کرنا مسلمانوں کا دینی و ملی فریضہ ہے، اور اسی آوازِ حق کو بلند کرنے کیلئے دنیا میں مسلمانوں کو بھیجا گیا ہے، لیکن افسوس ہے کہ آج مسلمان نہ نماز کو سمجھتے ہیں اور

نہ اذان کو جانتے ہیں، بلکہ ہر عبادت ان کے یہاں رسمی ہو کر رہ گئی ہے اور روح سے خالی ہے۔

"رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی"

ایک بات تمام مسلمانوں کیلئے قابل غور ہے جس پر سنجیدگی سے سوچنا چاہئے کہ آخر کیا بات ہے کہ مسجد میں اذان دینے کیلئے ہر مسلمان تیار ہو جاتا ہے، اور بلند آواز سے اعلان کرتا ہے کہ اللہ ہی بڑا ہے اور اللہ ہی کو بڑائی کا حق حاصل ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بندگی اور عبادت کے لائق نہیں ہے، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

اذان دینے کیلئے بہت سے لوگ درخواست بھی دیتے ہیں کہ ہم کو مسجد کا مؤذن مقرر کر دیا جائے، لیکن توحید و رسالت کی اسی آواز کو مسجد سے باہر بلند کرنے کیلئے مسلمان تیار نہیں ہوتے، مسجد کے مناروں سے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ جو آواز بلند ہوتی ہے اس کو تمام غیر مسلم سنتے ہیں، سرکاری افسر اور ملازم، وزیر اعظم اور پردھان منتری بھی سنتے ہیں، لیکن کوئی غیر مسلم اس کی مخالفت نہیں کرتا، کفر و شرک کی پیشانی پر کوئی شکن نہیں آتی۔

لیکن وہی اذان والی آواز اگر آپ بازاروں میں، قصبوں میں، شہروں میں لوگوں کے درمیان بلند کریں تو اس کی مخالفت پر بے شمار غیر مسلم کھڑے ہو جائیں گے اور حکومت کی بھی چڑ کی کھڑی ہو جائے گی کہ یہ کیا ہو رہا ہے، اس پر پابندی لگانا چاہئے، اس کا مطلب ہے کہ وہ غیر مسلم سمجھتے ہیں کہ مسجدوں سے جو آواز بلند کی جاتی ہے وہ ایک رسمی چیز ہے، کوئی انقلاب آفریں آواز نہیں ہے، بس نماز کیلئے مسلمانوں کے یہاں اعلان کا ایک طریقہ ہے، اس سے ہمارے مذہب کا کوئی نقصان نہیں ہے، اگر وہ یہ دیکھ لیتے کہ جو آواز مسلمان مسجدوں سے بلند کرتے ہیں وہی بازاروں، قصبوں، شہروں اور سڑکوں پر بھی لگاتے ہیں تو شاید وہ اذان کی آواز کو ہضم نہ کر پاتے، اس کی مخالفت پر آمادہ ہو جاتے، اذان میں جو کلمہ بلند کیا جاتا ہے وہی کلمہ تو رسول اللہ ﷺ مکہ کے بازاروں میں، کفار و مشرکین کی مجلسوں میں بلند کرتے تھے، اور اس کلمہ کو سن کر وہ کفار و مشرکین برداشت نہیں کر پاتے تھے، اور اس آواز کو دبانے کیلئے آپ پر ظلم و ستم کا پہاڑ ڈھاتے تھے۔

حضرت منیب غامدیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ لوگوں سے فرما رہے ہیں کہ اے لوگو، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہو تو فلاح پاؤ گے، تو بعض بد نصیب تو آپ کو گالی دیتے تھے اور بعض آپ پر تھوکتے تھے اور بعض آپ پر مٹی پھینکتے تھے، اسی طرح دوپہر تک کفار و مشرکین آپ کے ساتھ یہ ناروا سلوک کرتے رہے، اس وقت ایک لڑکی پانی لے کر آئی اور آپ کے چہرۂ انور اور دست مبارک کو دھو دیا، میں نے پوچھا کہ یہ کون لڑکی ہے تو لوگوں نے بتایا کہ یہ آپ ﷺ کی صاحبزادی زینبؓ ہیں۔

حضرت طارق بن عبداللہ المحاربیؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بازار ذو المجاز میں دیکھا کہ یہ فرماتے تھے کہ اے لوگو، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہو فلاح پاؤ گے، اور ایک شخص آپ کے پیچھے پیچھے آپ کو

پتھر مارتا جاتا تھا، جس سے جسم مبارک خون آلود ہو گیا اور ساتھ ہی ساتھ کہتا جاتا تھا کہ، یَا اَیُّھَا النَّاسُ لَا تُطِیْعُوْہُ فَاِنَّہٗ کَذَّابٌ" اے لوگو اس کی بات مت سنو وہ جھوٹا ہے۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ)

بنی کنانہ کے ایک شخص کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بازار ذوالمجاز میں دیکھا آپ فرماتے تھے کہ اے لوگو، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو فلاح پاؤ گے، تو ابو جہل آپ کے اوپر مٹی پھینکتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ اے لوگو، تم اس کے دھوکے میں نہ آنا، یہ تم کو لات و عزیٰ سے چھڑانا چاہتا ہے، اور حضور اکرم ﷺ اس کی طرف ذرا بھی التفات نہ فرماتے تھے۔

معلوم ہوا کہ اذان کے کلمات معمولی نہیں ہیں، یہ مکمل دعوت ہے اور بہت ہی اثر انگیز ہے، کاش مسلمان اذان کے اس پیغام کو سمجھتے کہ جس طرح پانچ وقت مسجدوں سے یہ آواز بلند کی جاتی ہے اسی طرح مسجد کے باہر بھی اس آواز کو بلند کرنا شروع کر دیں، اذان کا یہ پیغام اگر دنیا کے گوشے گوشے میں مسلمان بلند کرنا شروع کر دیں، تو اگرچہ شروع میں مخالفتوں کا طوفان اٹھے گا لیکن یہی آواز پوری دنیا میں اسلامی انقلاب کا پیش خیمہ ہو جائے گی، لیکن اس وقت مسلمانوں کا جو حال ہے اس سے کیا امید کی جاسکتی ہے کہ مسلمان ایسا کریں گے، اذان کی آواز سن کر جب مسلمان اپنے دنیاوی مشاغل کو چھوڑ کر اللہ کے گھر آنے کیلئے تیار نہیں ہیں تو پھر کیسے امید کی جائے کہ وہ اس کلمہ کو غیر مسلموں کے درمیان بلند کریں گے۔

بہر حال اذان اسلام کا ایک معجزہ ہے، اور اسلام کی امتیازی خصوصیات میں سے ہے اور آج بھی دلوں کو بدلنے کی صلاحیت اس کے اندر موجود ہے، اس آواز میں واقعی بجلی کا ایسا روحانی کرنٹ ہے جو دلوں میں ہلچل پیدا کر سکتا ہے، بشرطیکہ انسان کے اندر زندگی ہو، مردہ انسانوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو اذان کا پیغام عام کرنے کی توفیق دے۔ آمین

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ مائدہ کا حاشیہ نمبر ۲۰۵ پڑھئے،

اسی پکار کا نام اصطلاح شریعت میں اذان ہے، اور یہ اسلام کے امتیازات خصوصی میں سے ہے، دوسرے مذہبوں میں، اول تو روزآنہ عبادات اجتماعی کا دستور ہی نہیں (چہ جائیکہ دن میں پانچ پانچ مرتبہ) اور پھر روزآنہ یا ہفتہ وار جب کبھی بھی وقت عبادت کے اعلان کی ضرورت پڑتی ہے تو اس موقع پر کام گھنٹہ کی ٹھناٹھن یا گھنٹی کی ٹن ٹن سے لیا جاتا ہے، یہ شرف صرف اسلام کے ساتھ مخصوص ہے کہ اس نے عبادت کے اعلان دعوت کا طریقہ ایسا نکالا جو عبادت کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ بجائے خود بھی ایک عبادت ہی ہے، اذان میں ہوتا کیا ہے؟ نہ باجا نہ گانا، نہ جرس نہ ناقوس، نہ قومی نغمہ نہ ملی ترانہ، بس اللہ کی حکومت و کبریائی، اللہ کی توحید اور محمد ﷺ کی رسالت کے اقرار کے ساتھ ساتھ لوگوں کو نماز کی طرف بلاوا۔

الفاظ کل یہی ہوتے ہیں کہ اَللّٰہُ اَکْبَر (چار مرتبہ) اللہ ہی بڑا ہے، اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (دوبار) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ (دوبار) میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ (دوبار) لپکو نماز کی طرف، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ (دوبار) لپکو فلاح و بہبود کی طرف، اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ (دوبار) نماز نیند سے کہیں بہتر ہے (صرف نماز فجر کے وقت) اَللّٰہُ اَکْبَر (دوبار) اللہ ہی بڑا ہے، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (ایک بار) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

فرمایئے، اس سے پاکیزہ تر پکار اور کیا ہو سکتی ہے؟ اس وسیع کرۂ ارض کے جس قطعہ میں جہاں بھی کوئی مسجد ہے مؤذن اس پاک گھر میں خود بھی پاک و صاف ہو کر باوضو کسی بلند مقام پر کھڑے ہو کر اللہ کی کبریائی، اللہ کی یکتائی، محمد ﷺ کی رسالت کی منادی بلند آواز سے کرتا رہتا ہے، اور لوگوں کیلئے عبادت و فلاح کی دعوت بغیر کسی مادّی آلہ کی مدد کے فضاء میں پانچ بار ہر روز بلند ہوتی رہتی ہے، ظالم اسی صدائے خیر و فلاح کو روکنا اور بند کرنا چاہتے تھے۔　(بحوالہ، تفسیر سورہ مائدہ، حاشیہ نمبر ۲۰۵)

۞ ۞

اقتباس

اذان بھی اسلام کا ایک معجزہ ہے، پانچ وقت روزآنہ مسجد کے مناروں سے اذان کے جو کلمات بلند ہوتے ہیں وہ خود اس بات کی دلیل ہیں کہ اسلام اللہ تعالیٰ کا دین ہے، اور اسلامی عبادات کا نظام اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے، اذان کی آواز میں جو حسن و جمال جو کشش اور جاذبیت ہے اگر کسی کی فطرت میں عہد الست کی ہلکی سی بھی چنگاری موجود ہوگی تو وہ اذان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، اور اس کا دل گواہی دے گا کہ یقیناً یہ ساز فطرت ہی کا وہ نغمہ ازلی ہے جو اذان کی شکل میں پوری کائنات میں بکھر رہا ہے۔

تحریم شراب کا حکم آتے ہی صحابہ کرام پکار اٹھے

اسلام یہ ہے کہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں دیر نہ کی جائے، حکم سنتے ہی فوراً اس پر عمل کرنا چاہئے، اس کی تعمیل میں ٹال مٹول کرنا ایمان و اسلام اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے خلاف ہے، صحابہ کرامؓ کو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک محبوبیت کا جو بلند مقام ملا اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل میں اگر، مگر، چوں و چرا، اور ٹال مٹول نہیں کرتے تھے، اور نہ کسی بے جا تاویل کا سہارا لیتے تھے، ان کے یہاں بس کُنْ فَیَکُوْن کا معاملہ تھا، جس طرح پوری کائنات فَیَکُوْن کی مصداق ہے، یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کے متعلق کہتے ہیں کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں تاخیر نہیں کرتی، اسی طرح اللہ پر ایمان لانے والوں کو بھی کُنْ فَیَکُوْن کی تفسیر ہونا چاہئے۔ ایک بزرگ نے سچ فرمایا ہے کہ۔

مرضی تری ہر وقت جسے پیش نظر ہے
بس اس کی زباں پر نہ اگر ہے نہ مگر ہے

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آیا کہ شراب حرام کردی گئی ہے، اور اللہ کے رسول ﷺ نے منادی کے ذریعہ اعلان کروادیا کہ، "اَلَا اِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ" (سن لو شراب کو حرام کردیا گیا) تو حال یہ ہوا کہ، فَکُسِرَتِ الدِّنَانُ وَاُرِیْقَتِ الخَمْرُ حَتّٰی جَرَتْ فِیْ سِکَکِ الْمَدِیْنَۃ" شراب کے مٹکے توڑ دیئے گئے، شراب بہادی گئی، یہاں تک کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب پانی کی طرح بہنے لگی۔ (بحوالہ، قرطبی)

جب عمرؓ اور صحابہ کرامؓ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا کہ، فَھَلْ اَنْتُم مُنْتَھُوْنَ" کیا تم میرا حکم سنتے ہی شراب سے باز آجاؤ گے؟ تو بلا تاخیر وہ پکار اٹھے، اِنْتَھَیْنَا رَبَّنَا، اِنْتَھَیْنَا رَبَّنَا" ہم باز آگئے اے ہمارے پروردگار، ہم باز آگئے اے ہمارے پروردگار۔

آج دعویٰ ایمان و اسلام کے باوجود مسلمانوں کا یہ حال ہوگیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم سنتے ہیں لیکن پھر بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی سے باز نہیں آتے، جبکہ ہونا یہ چاہئے کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کسی چیز سے روک دیں تو فوراً ان کی زبان سے نکلے کہ اِنْتَھَیْنَا رَبَّنَا" اے ہمارے پروردگار ہم باز آگئے، اگر کوئی آدمی داڑھی منڈاتا ہے لیکن جب اس کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے داڑھی منڈانے سے منع کیا ہے تو وہ فوراً پکار اٹھے کہ اِنْتَھَیْنَا رَبَّنَا" اے ہمارے پروردگار ہم تیری نافرمانی سے باز آگئے، اب کبھی تیرے حبیب ﷺ کی سنت پر استرا نہیں چلائیں گے، اگر بینک کے کسی مسلمان منیجر کو معلوم ہو جائے کہ بینک کی ملازمت جائز نہیں

ہے، تو فوراً اٹھے کہ، اِنْتَهَيْنَا رَبَّنَا، اِنْتَهَيْنَا رَبَّنَا" ہم اس سودی ملازمت سے باز آگئے، اے ہمارے پروردگار ہم اس سے باز آگئے، اب ہم کبھی ایسی ملازمت اور ایسا کام نہیں کریں گے جس سے تو نے منع کیا ہے۔

الغرض زندگی کے تمام شعبوں اور تمام معاملات میں یہی ہونا چاہئے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل میں ہم تاخیر اور ٹال مٹول نہ کریں، اگر کوئی اپنے کو مسلمان کہتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل میں ٹال مٹول کرتا ہے، تو اس کو اپنے بارے میں سوچنا چاہئے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس کا نام منافقوں کی فہرست میں ہے، اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو بلا تاخیر اپنے احکام کی تعمیل کی توفیق دے، ٹال مٹول اور بیجا تاویل کی بیماری سے محفوظ رکھے۔ آمین

اب تفسیر ماجدی، جلد اول، سورہ مائدہ کا حاشیہ نمبر ۲۸۷ پڑھیے،

اصحاب نبی ﷺ جو آیت کے مخاطب اولین تھے اسے سنتے ہی پکار اٹھے ہم باز آگئے (شراب و جوا سے) ہم باز آگئے۔ کیا ڈسپلن تھا بارگاہ نبوت کا اور کیسی زبردست اصلاحی قوت تھی، عرب کے اس امی حکیم کی کہ دم کے دم میں بڑے بڑے پرانے اور عمر بھر کے شرابیوں اور جواریوں کو پاکباز و متقی بلکہ پاکبازوں اور صالحین کا سردار بنا دیا۔

سچ کہا ہے اکبر الہ آبادی نے،

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

(بحوالہ، تفسیر سورہ مائدہ، حاشیہ نمبر ۲۸۷)

سب سے کٹ کر اللہ کے ہو جایئے

انسان اگر دنیا و آخرت میں سکون چاہتا ہے اور ہر غم سے نجات کا طالب ہے اور اپنے تمام مسائل کا حل چاہتا ہے، تو صرف اور صرف اسکا ایک ہی علاج ہے کہ ہر چیز سے کٹ کر اللہ کا ہو جائے، اپنی تمام خوشیوں اپنی تمام خواہشوں اور اپنی تمام تمناؤں کو آگ لگا کر اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دے، اور اللہ کی مرضی میں گم ہو جائے۔

ایک بزرگ نے خوب فرمایا ہے کہ،

غلط ہے غیر پر کچھ بھی بھروسہ ہو اگر مجھ کو
سوا ان کے نہ میرا کوئی مونس ہے نہ ہمدم ہے

ساری چیزوں کا مالک اللہ ہے، اس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے علاوہ نہ کسی سے امید رکھی جائے اور نہ اللہ کے علاوہ کسی کا ڈر دل میں ہو۔

غیروں پہ تیری جاتی ہے کس واسطے نظر
واللہ ان کے ہاتھ میں نفع و ضرر نہیں

ساری دنیا سے کٹ کر اور اپنی تمام آرزوں کو منقطع کر کے اللہ کا ہو جانے کیلئے چار صفتوں سے متصف ہونا ضروری ہے، توکل، تفویض، زہد، اور استغناء، توکل کا مطلب ہے کہ اسباب اختیار کرے، لیکن نظر مالک حقیقی پر ہو، اور یہ یقین رکھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو سبب سے کچھ نہیں ہو سکتا، مؤثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

یہ اسباب ہیں دست قدرت میں ویسے
قلم دست کاتب میں جیسے رہے

تفویض کا مطلب ہے کہ اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دے، اور اللہ تعالیٰ ہی کو متصرف حقیقی سمجھے، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، زہد کا مطلب ہے کہ دنیا سے بے رغبت ہو جائے اور استغناء کا مطلب ہے کہ مخلوق سے بے نیاز ہو جائے، جب ان چاروں صفتوں سے کوئی بندہ متصف ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا دوست ہو جاتا ہے، وہ اللہ کا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت کے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں پکار اٹھتا ہے کہ،

سوا ان کے نہ اب دل میں ہے کوئی اور نہ آنکھوں میں
بحمداللہ محبت نے عجب تاثیر دکھلائی

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، سورۃ الانعام کا حاشیہ نمبر ۲۴۲ پڑھئے،

یہیں سے ہے کہ صوفیہ محققین نے سب سے زیادہ زور توحید پر اور ہر طرح سے انقطاعِ تعلق کر کے اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد پر دیا ہے۔

شیخ اعظم حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کی "فتوح الغیب" میں ہے،

مَنْ اَرَادَالسَّلَامَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ فَعَلَیْهِ بِالصَّبْرِ وَالرِّضَاءِ وَتَرْکِ الشَّکْوٰی اِلٰی خَلْقِهٖ وَاِنْزَالِ حَوَائِجِهٖ بِرَبِّهٖ وَالْفَرْجِ مِنْهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی وَالْاِنْقِطَاعِ اِلَیْهِ، جس کسی کو دنیا و آخرت میں عافیت مقصود ہو اسے چاہئے کہ صبر و تسلیم کی عادت ڈالے اور خلق خدا سے شکوہ وشکایت کو ترک کر دے اور اپنی حاجتوں کو اپنے رب ہی کے حوالہ کر دیا کرے اور کشائش کی امید صرف اسی سے رکھے اور سب سے ٹوٹ کر اسی کا ہو رہے۔ (بحوالہ، تفسیر سورۃ الانعام، حاشیہ نمبر ۲۴ر)

اقتباس

ساری دنیا سے کٹ کر اور اپنی تمام آرزوؤں کو منقطع کر کے اللہ کا ہو جانے کیلئے چار صفتوں سے متصف ہونا ضروری ہے، توکل، تفویض، زہد، اور استغناء، توکل کا مطلب ہے کہ اسباب اختیار کرے، لیکن نظر مالک حقیقی پر ہو، اور یہ یقین رکھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو سبب سے کچھ نہیں ہو سکتا، مؤثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، تفویض کا مطلب ہے کہ اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دے اور اللہ تعالیٰ ہی کو متصرف حقیقی سمجھے، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، زہد کا مطلب ہے کہ دنیا سے بے رغبت ہو جائے، اور استغناء کا مطلب ہے کہ مخلوق سے بے نیاز ہو جائے، جب ان چاروں صفتوں سے کوئی بندہ متصف ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا دوست ہو جاتا ہے، وہ اللہ کا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے۔

کتابِ مبارک، اور علامہ فخر الدین رازیؒ کا ایمان افروز قول

قرآن مجید، اللہ کی برکتوں اور ربانی خزانوں کا وہ سمندر ہے جس کا کوئی ساحل نہیں، جس کی وسعت اور جس کی گہرائی کی کوئی انتہا نہیں، برکتوں کے اس سمندر سے کوئی جتنا بھی چاہے، بے مثال قیمتی موتیوں سے اپنے دامن کو بھر سکتا ہے، اس خزانے میں کوئی کمی نہیں ہوسکتی، ایسی مبارک کتاب کے ہوتے ہوئے بھی اگر مسلمان دردر کی ٹھوکر کھائیں اور غیروں کے محتاج ہوں، تو اس سے بڑا حادثہ مسلمانوں کے لئے کوئی نہیں ہوسکتا، جس کے سرپرست کی دوکان میں دنیا کے سارے سامان اور اسباب موجود ہوں اور اس کا لڑکا صابن کی ایک ٹکیہ کے لئے دوسرے کے دروازے پر سوال کرے تو یہ قصور اسی بے غیرت اور ناسمجھ لڑکے کا ہے۔

مولانا محمد احمد صاحبؒ نے خوب فرمایا ہے کہ ۔

خزانہ گھر میں ہو موجود پھر بھی آہ مفلس ہیں
بھٹکتے پھر رہے ہیں چار سو اے وائے نادانی

اس کتابِ مبارک قرآنِ مجید سے جو بھی مسلمان جس حیثیت سے بھی اخلاص کے ساتھ وابستہ ہے، اس کیلئے سعادت اور خوش بختی کی بات ہے، اس کتابِ مبارک کی تعلیم وتفسیر، اس کی تلاوت اس میں غور وفکر اس کے سیکھنے اور سکھانے میں جو مشغول ہے یقیناً اس پر اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم ہے۔

راقم الحروف اپنے بارے میں خوب جانتا ہے تواضع اور خاکساری کی بنیاد پر میں یہ بات نہیں کہتا بلکہ پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ میرے اندر کسی طرح کی علمی اور عملی صلاحیت نہیں ہے، نہ کثرت مطالعہ ہے نہ قوت حافظہ ہے، نہ کوئی تحریری وتقریری اور فکری صلاحیت ہے، سچ پوچھئے تو قلم پکڑنے اور چلانے کا بھی سلیقہ نہیں ہے، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم ہے کہ اس نے اپنی کتابِ مبارک کے سلسلے میں کچھ لکھوا دیا، میں اپنے آپ کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ اس کتابِ مبارک کے مفسرین کرام کی فہرست میں میرا نام آسکے، لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے اگر وہ مجھ نالائق کا نام بھی اپنی کتابِ مبارک کے مبارک مفسرین کی فہرست کے کسی کنارے شامل کردے، یہ اس کا فضل اور لطف وکرم ہے۔ ۔

ان کے کرم پہ میں نثار ان کی عطاء کا کیا شمار
دے دیا عاصیوں کو بار اپنے حریم ناز میں

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری تحریری وتقریری لغزشوں کو معاف فرمادے، اور میری تمام دینی واصلاحی تحریروں کو قبول فرمالے اور اپنی کتاب مبارک میں علمی اور عملی حیثیت سے مشغول رکھے، اور حشر کے میدان میں

جب حاضری ہو تو تفسیر مواعظ القرآن میرے دائیں ہاتھ میں ہو اور اسی کو اللہ تعالی میرے نامہ اعمال کا بدل بنادے۔ آمین

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، سورۃ الانعام کا حاشیہ نمبر ۱۳۵ ر پڑھئے،

مبارک پہلی صفت قرآن مجید کی یہ بیان ہوئی کہ یہ ایک مبارک کتاب ہے، اس سے خلق جتنا چاہے بقدر اپنے ظرف و ہمت کے استفادہ کرے۔ فخر رازیؒ اس آیت کے ذیل میں جو اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہیں وہ بجنسہٖ نقل ہونے کے قابل ہے۔

یَقُوْلُ مُصَنِّفُ هٰذَا الْكِتَابِ مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ الرَّازِيُّ اَنَا قَدْنَقَلْتُ اَنْوَاعًا مِنَ الْعُلُوْمِ النَّقْلِيَّةِ وَالْعَقْلِيَّةِ فَلَمْ يَحْصُلْ لِيْ بِسَبَبِ شَيْءٍ مِنَ الْعُلُوْمِ مِنْ اَنْوَاعِ السَّعَادَاتِ فِي الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا مِثْلَ مَاحَصَلَ لِي بِسَبَبِ خِدْمَةِ هٰذَا الْعِلْمِ" اس کتاب کا مصنف محمد بن عمر رازی کہتا ہے کہ میں نے بہت سے علوم حاصل کئے نقلی بھی اصلی بھی لیکن کسی علم سے مجھے دین و دنیا میں وہ خیر و سعادت نہ محسوس ہوئی جو اس علم قرآن کی خدمت سے حاصل ہوئی۔

(بحوالہ، تفسیر سورۃ الانعام، حاشیہ نمبر ۱۳۵ ر)

اقتباس

قرآن مجید جیسی مبارک کتاب کے ہوتے ہوئے بھی اگر مسلمان دردر کی ٹھوکر کھائیں اور غیروں کے محتاج ہوں، تو اس سے بڑا حادثہ مسلمانوں کے لئے کوئی نہیں ہوسکتا، جس کے سرپرست کی دوکان میں دنیا کے سارے سامان اور اسباب موجود ہوں اور اس کا لڑکا صابن کی ایک ٹکیہ کے لئے دوسرے کے دروازے پر سوال کرے تو یہ تصور اسی بے غیرت اور ناسمجھ لڑکے کا ہے۔

کافروں سے حشر میں خطاب

جو لوگ مال و دولت کی فراوانی، مادّی ترقی، اپنے منصب و عہدہ اور اپنی ڈگریوں کے نشہ میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور آیتوں کا انکار کرتے ہیں، اور اللہ کے قانون کے مقابلے میں اپنی رائے اور اپنی عقل کو ترجیح دیتے ہیں، ان کا سارا نشہ فرشتہ موت کو دیکھتے ہی اتر جائے گا، موت کے وقت جب فرشتے ان کے پاس آئیں گے اور انتہائی سختی اور ذلت ورسوائی کے ساتھ ان کی جان نکال لیں گے تو جانکنی کا یہ عالم اتنا ہولناک اور دردناک ہوگا کہ اگر کوئی آدمی اس کو دیکھ لے تو برداشت نہیں کر سکتا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہے کہ جانکنی کے وقت اور اسکے بعد اللہ کے باغیوں کافروں مشرکوں اور نافرمانوں سے جو خطاب ہوگا اس کی خبر قرآن میں پہلے ہی دے دی گئی، تا کہ دنیا کے لوگ آخرت کے سخت مراحل اور وہاں کے دردناک اور ہولناک مناظر سے ہوشیار ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ نے ان سے بچنے کے جو طریقہ بتایا ہے اس کو اختیار کریں، آخرت کے یہ ہولناک مناظر جن کی ابتداء جانکنی کے وقت ہی سے ہو جاتی ہے، یہ کوئی معمولی خبر ہے جس کو نظر انداز کر دیا جائے، حقیقت ہے کہ دنیا والوں کا حقیقی مسئلہ آخرت ہی ہے، اگر آخرت کے مسائل کو نظر انداز کر کے دنیا کے مسائل میں الجھے ہیں اور اس امتحان گاہ کو کھیل کا میدان سمجھتے ہیں تو یہ ان کی ناعاقبت اندیشی ہے۔

مسلمان اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پڑھتے ہیں اور آخرت میں جو کچھ پیش آنے والا ہے اس پر یقین رکھتے ہیں تو ان کی ذمہ داری ہے کہ دنیا کے انسانوں کو آخرت کے عذاب سے ڈرائیں اور ان کو خبردار کریں کہ ہمارا اور تمہارا اصل مسئلہ آخرت کا ہے، یہ چندروزہ دنیا وہ فصل بہار ہے جس کے دامن میں ایسی دائمی خزاں چھپی ہوئی ہے جس کے تصور ہی سے دل کانپ جاتا ہے۔

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار آئی ہے

مال و دولت کی یہ فراوانی یہ بینک بیلنس یہ منصب اور ڈگری جن پر ناز کرتے ہو ان میں سے کوئی چیز تمہارے کام نہیں آئے گی، ان ساری چیزوں کو چھوڑ کر تنہا اللہ کے سامنے حاضری ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے وہاں جس ذلت ورسوائی کے عذاب کا سامنا ہوگا وہ انتہائی دردناک ہے، لیکن بعد از مشاہدۂ عذاب افسوس کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، سورۃ الانعام کا حاشیہ نمبر ۱۴۰ پڑھئے،

یہ سارا تخاطبہ کافروں سے حشر کے دن ہوگا، وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى (اب تو تم ہمارے پاس تنہا تنہا

آئے) اب تمہارے ساتھ نہ وہ جتھے اور پارٹیاں ہیں، نہ بڑے بڑے لاؤ لشکر جن پر تمہیں گھمنڈ رہا کرتا تھا اور نہ خود تمہارے پاس کوئی لباس یا وردی ہے، خالی خولی اسی طرح آئے جس طرح دنیا میں پیدا ہوئے تھے۔

وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ (اور اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا) مال و دولت اور دنیوی علوم و فنون و صنائع جن پر دنیا میں تم پھولے رہتے تھے، وہ سب تم کو وہیں چھوڑ آئے ہیں اور آخرت میں ان میں سے کوئی چیز کچھ کام نہ آئی۔

وہ تمہارے خیالی دیوتا اور بزرگ جن کے متعلق تمہیں یہ دعویٰ تھا کہ وہ اپنے دخل و تصرف سے تمہیں ہمارے مواخذۂ عدل سے بچالیں گے وہ سب کدھر غائب ہو گئے۔

یہ مستقل شفعاء (سفارشی) کا عقیدہ یہود اہل توحید تک میں گھس گیا تھا اور مسیحیت کی تو بنیاد ہی کہنا چاہئے کہ کفارہ و شفاعت کے عقائد پر ہے۔ (بحوالہ، تفسیر سورۃ الانعام، حاشیہ نمبر ۱۴۰/۱)

❁ ❁

اقتباس

یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہے کہ جانکنی کے وقت اور اس کے بعد اللہ کے باغیوں کافروں مشرکوں اور نافرمانوں سے جو خطاب ہوگا اس کی خبر قرآن میں پہلے ہی دے دی گئی، تاکہ دنیا کے لوگ آخرت کے سخت مراحل اور وہاں کے دردناک اور ہولناک مناظر سے ہوشیار ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ نے ان سے بچنے کا جو طریقہ بتایا ہے اس کو اختیار کریں، آخرت کے یہ ہولناک مناظر جن کی ابتداء جانکنی کے وقت ہی سے ہو جاتی ہے، یہ کوئی معمولی خبر ہے جس کو نظر انداز کر دیا جائے، حقیقت یہ ہے کہ دنیا والوں کا حقیقی مسئلہ آخرت ہی ہے، اگر آخرت کے مسائل کو نظر انداز کر کے دنیا کے مسائل میں الجھے ہیں اور اس امتحان گاہ کو کھیل کا میدان سمجھتے ہیں تو یہ ان کی ناعاقبت اندیشی ہے۔

فواحش سے مراد

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ " اور بے حیائیوں کے قریب بھی نہ جاؤ (خواہ) وہ علانیہ ہوں اور (خواہ) پوشیدہ۔

سورہ انعام کی آیت نمبر ۱۵۱ کا یہ مختصر جملہ تمام بے حیائیوں، بدکاریوں، علانیہ و پوشیدہ گناہوں سے روکنے کیلئے بہت ہی انقلاب آفریں ہے، اگر آیت قرآنی کے اسی مختصر ہدایت نامہ کے تقاضوں پر لوگ عمل کرنے لگیں تو پورا انسانی معاشرہ رشک جنت اور غیرت گلزار ہو جائے اور امن و امان کی ایسی روحانی فضا وجود میں آجائے گی جس کی وجہ سے دریا کی مچھلیاں، فضا میں اڑنے والے پرندے، آبادیوں اور جنگلوں کے جانور اور ساری کائنات انسانوں کیلئے دعا کرے گی، اور آسمان سے اللہ کی برکتوں اور رحمتوں کا نزول شروع ہو جائے گا۔

آج اس زمین پر جو بھی فساد و بگاڑ ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ فواحش و منکرات عام ہو گئے ہیں، علانیہ اور پوشیدہ ہر طرح کے گناہوں کا بازار گرم ہے، فرشِ زمین پر تو گناہوں کی گرم بازاری ہے ہی، دریا و سمندر اور آسمانی فضا بھی انسان کے گناہوں سے محفوظ نہیں ہے، تیس ہزار فٹ کی بلندی پر مسافر بردار جہازوں کے اندر بھی عریانیت اور بے پردگی کا مظاہرہ ہوتا ہے، اور زیادہ تر جہازوں میں ام الخبائث (گناہوں کی جڑ) شراب بھی پی جارہی ہے۔

قرآنِ مجید کی اس آیت میں فواحش کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اس کے قریب جانے سے روکا گیا ہے، یہ لفظ بہت ہی جامع ہے، جس سے اشارہ ہر طرح کے گناہ، ہر طرح کی بے حیائی، بے شرمی، بدکاری، بے پردگی، عریانیت کی طرف ہے۔

لفظ فَاحِشَہ میں انتہائی گھناؤنا پن پایا جاتا ہے، فواحش سے مراد وہ سب گناہ ہیں جو انتہائی گھناؤنے اور قبیح ہوں اور جن کو دیکھ کر کوئی بھی سلیم الفطرت انسان ان کو برداشت نہیں کر سکتا، حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا نام گناہ ہے اور ہر گناہ اس لائق ہے کہ اس سے نفرت کی جائے، چاہے وہ علانیہ ہو یا پوشیدہ ہو، داڑھی منڈانا اور خلاف سنت داڑھی رکھنا بھی فواحش میں داخل ہے، کیونکہ یہ بھی وہ کھلا ہوا فحش گناہ ہے جس کا ارتکاب ایک مسلمان کرتا ہے اور یہ متعدی گناہ بھی ہے جس کا خراب اثر لوگوں پر بھی پڑتا ہے، داڑھی منڈے لکچرار، استاد اور پروفیسر، اسکولوں، کالجوں میں تعلیم دیں گے تو ان کے زہریلے اثرات سے طلبہ ضرور متاثر ہوں گے۔

کوئی اچھا اور سلیم الفطرت انسان اس بات کو برداشت ہی نہیں کر سکتا کہ وہ داڑھی منڈا کر عورتوں کی مشابہت اختیار کرے، قرآن و حدیث میں فواحش کا لفظ ہر اس برے کام کیلئے استعمال ہوتا ہے جس کی برائی قباحت اور جس کے گھناؤنے پن کے اثرات برے ہوں اور دور تک پہنچیں۔

ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، زبان سے کوئی گناہ کیا جائے یا دل میں کسی گناہ اور برے کام کا ارادہ کیا جائے، اور دل میں حسد، کینہ، حرص وطمع، ناشکری اور بے صبری ہو یہ سارے گناہ فواحش میں داخل ہیں، غیر محرم عورتوں کی طرف دیکھنا، ان سے اختلاط، لڑکیوں کا بغیر محرم کے کالجوں میں جانا، بازاروں میں ٹہلنا، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم، محفل رقص وسرود، اسٹیجوں سے عورتوں کا خطاب، مشاعروں میں شاعر عورتوں کی غزل خوانی، کالجوں، یونیورسٹیوں اور اسلامی نسواں اسکولوں میں لڑکیوں کا ہاسٹل، یہ سب فواحش (کھلے ہوئے گناہ) میں شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ ان فواحش کے قریب بھی مت جاؤ، جس کا مطلب ہے کہ ایسی مجلسوں، ایسے مقامات، ایسے کالجوں، مدرسوں اور یونیورسٹیوں سے بھی بچو، جہاں جا کر اس بات کا خطرہ ہو کہ انسان گناہ میں مبتلا ہو جائے گا، گناہوں کا ارتکاب کرتے ہوئے جو آدمی ڈاکٹر اور انجینیر، سائنسداں، استاذ اور پروفیسر بنے گا، اگر اس نے توبہ کر کے اپنی اصلاح نہیں کی تو وہ قوم وملت کے بہت زیادہ نفع بخش نہیں ہوگا۔

یہ بہت ہی حکیمانہ نسخہ ہے کہ فواحش کے قریب بھی مت جاؤ، بکری چرانے والے اگر کسی کھیت کی مینڈ کے پاس بکری چرائیں گے تو اندیشہ ہے کہ وہ بکریاں دوسرے کے کھیت میں داخل ہو جائیں اور چرواہا ان کو روکنے پر قادر نہ ہو سکے، اس لئے بکری چرانے والا کھیت کی سرحد سے دور بکری چراتا ہے۔

اگر بجلی کا کوئی کوئی کھمبا ہو اور اس کے پاس سے کوئی بچہ گذرے تو کہا جاتا ہے کہ بیٹا اس کھمبے کے قریب مت جانا، وہاں خطرہ ہے اس کھمبے میں بجلی اتر آئی ہے، اگر اس کے قریب گئے تو ہو سکتا ہے کہ اس کا کرنٹ تم کو پکڑ لے اور تم ہلاک ہو جاؤ۔

عورتوں کی آنکھوں میں جو کرنٹ ہوتا ہے وہ بجلی کے کرنٹ سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے، کسی نے خوب کہا ہے کہ، ”آنکھوں کا تھا قصور چھری دل پہ چل گئی“ اسی لئے شریعت نے عورتوں کو پردے میں رہنے کا حکم دیا ہے اور اس خطرے کے پیش نظر ان کی تعلیم گھر کے اندر ہونی چاہئے۔

بہر حال معلوم یہ ہوا کہ خطرے سے بچنے کیلئے یہ احتیاطی تدبیر ضروری ہے کہ خطرناک جگہوں سے دور رہا جائے، اس کے ارد گرد جانے سے بھی بچا جائے۔

اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ، مَنْ حَامَ حَوْلَ حِمًى اَوْشَكَ اَنْ يَّقَعَ فِيْهِ“ یعنی جو شخص کسی ممنوعہ چراگاہ کے گرد گھومتا ہے، چکر لگاتا ہے تو اندیشہ ہے کہ وہ اس میں داخل بھی ہو جائے۔

کہا جاتا ہے کہ اژدہا سانپ کی سانس میں اتنی زبردست کشش ہوتی ہے کہ چند گز فاصلے پر کوئی بکری ہو تو اپنی سانس کے ذریعہ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور نگل جاتا ہے، تو کیا ایسی صورت میں کوئی انسان کسی اژدہا کو دیکھ کر اس کے قریب جائیگا، بلکہ وہ اس سے اتنے فاصلے کی دوری پر رہے گا کہ اژدہا اپنی سانس کے ذریعہ اپنی طرف نہ کھینچ سکے،

اس اڈو ہا سے بھی زیادہ خطرناک وہ مقامات ہیں، جس کے قریب جا کر گناہوں میں ملوث ہونے کا خطرہ ہو۔

افسوس ہے کہ آج ہمارے بہت سے ہمدردانِ ملت، دانشورانِ ملت، قائدینِ ملت، یہاں تک کہ بہت سے علماءِ ملت، مسلمان لڑکے اور لڑکیوں کیلئے عصری تعلیم کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور مسلمانوں کی پستی کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ مسلمان لڑکے عصری تعلیم میں دوسری قوموں سے پیچھے ہیں، لیکن وہ چشم بصیرت سے اس قدر محروم ہیں اور مادّہ پرستی کی رنگین چادر ان کی آنکھوں پر پڑی ہوئی ہے کہ ان کو یہ نہیں دکھائی دیتا کہ ان عصری تعلیم گاہوں اور کالجوں کا ماحول کیسا ہے؟ اس ماحول میں جا کر کیا کوئی لڑکی اپنی عفت وعصمت کو بچا سکتی ہے؟ یا کوئی لڑکا اپنے دینی مزاج اور اسلامی شعار کو باقی رکھ سکتا ہے۔

بڑے بڑے مشائخ تصوف اور مدعیان زہد وتقویٰ کو بھی دریا کی موجوں میں ڈال دیا جائے تو وہ اپنے دامن کو تر ہونے سے نہیں بچا سکیں گے، تو نوجوان لڑکے اور نوجوان لڑکیوں سے یہ امید کرنا کہ وہ خدا فراموش ماحول میں رہ کر بچ جائیں بہت مشکل ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ،

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہٖ
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

یعنی: تختہ میں باندھ کر دریا میں ڈال دیا اور پھر یہ ہدایت کہ دیکھو تمہارا دامن پانی میں بھیگنے نہ پائے ہوشیار رہو' (ایسی صورت میں دامن کا بچنا مشکل ہے)

کالجوں میں، یونیورسٹیوں میں، بازاروں میں، سڑکوں پر، فواحش ومنکرات اور عورتوں اور مردوں کے اختلاط کا نتیجہ ہے کہ زیادہ تر نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کے اندر سے شرم وحیاء کا جوہر رخصت ہوتا جارہا ہے، اور بجائے انسانیت کے وہ حیوانیت کی طرف بڑھتے جارہے ہیں، موقع ومحل کی مناسبت سے ایک لطیفہ یہاں نقل کررہا ہوں جو بہت ہی سبق آموز ہے۔

ادیب ''ایڈورڈ تھامسن'' نے ایک مرتبہ گاندھی جی سے کہا کہ افسوس کی بات ہے کہ آپ کے ملک کے جنگلوں میں جانوروں کی تعداد گھٹتی جارہی ہے، گاندھی جی نے جواب دیا کہ جی ہاں، درست ہے لیکن شہروں میں بڑھتی جارہی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ،

خدا رکھے ہیں سب آثار حیوانی اب انساں میں
فقط صورت کی اور دُم کی کسر معلوم ہوتی ہے

ہر طرح کی بدکاری، بے حیائی، بدچلنی، بدنگاہی، بے پردگی، عریانیت، شر وفساد، اللہ تعالیٰ کے ارشاد، لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ (بے حیائی کے قریب بھی نہ جاؤ) پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ ہے، چاہئے تو یہ کہ اس آیت کا بورڈ

بازاروں میں دوکانوں میں، اسکولوں میں کالجوں میں، دفتروں میں اسمبلی اور پارلیمنٹ ہاؤ میں، ہر جگہ لگا دیا جائے، اور اس حکم ربانی کی تعمیل کی جائے۔

حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو شیطان کے مکروفریب سے بچانے ہی کیلئے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ ہدایت دی تھی کہ، "لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ" یعنی جس درخت سے آپ دونوں کو روکا گیا ہے اس کے قریب بھی نہ جایئے اگر قریب گئے تو شیطان کو بہکانے ورغلانے اور وسوسہ اندازی کا موقع مل جائے گا، اور آپ دونوں کو جنت سے نکالنے کی اس کی جو سازش ہے اس میں کامیاب ہو جائے گا، چنانچہ بھول کر جب اس درخت کے قریب گئے تو شیطان نے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اور گناہوں کے اس درخت کو جنت میں دائمی قیام کا سبب بتا کر اس درخت کا پھل چکھنے پر آمادہ کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنت سے ان کو نکلنا پڑا، لیکن پھر ان کو اپنی لغزش کا احساس ہوا تو توبہ واستغفار اور اپنی لغزش پر اشک ندامت بہا کر پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سایے میں آگئے، لیکن جنت سے تو بہر حال کچھ دنوں کیلئے نکلنا ہی پڑ گیا۔

حضرت آدمؑ کو اس درخت کے قریب جانے اور جنت سے نکلنے کا کتنا غم ہوا ہوگا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے، اسی غم کی تصویر کشی اس شعر میں کی گئی ہے۔

تقدیر میری مجھ کو جنت سے کھینچ لائی
للہ پوچھئے مت مجھ سے غم جدائی

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کا واقعہ قرآن میں اسی لئے بیان کیا ہے کہ آئندہ حضرت آدمؑ کی اولاد شیطان رجیم کے مکروفریب اور اس کے دامِ رنگیں سے ہوشیار ہو جائے اور اس زمین پر جب تک اس کا قیام رہے ان تمام چیزوں کے قریب نہ جائے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے، ہر گناہ شجر ممنوعہ ہے، ہر وہ مقام شجر ممنوعہ ہے، ہر وہ اسکول شجر ممنوعہ ہے جہاں جا کر کوئی آدمی گناہوں سے نہ بچ سکے۔

بخاری ومسلم کی اس روایت کو پھر سامنے رکھئے اور اسکو ذہن نشین کر لیجئے، تاکہ فواحش ومنکرات سے بچ سکیں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ، اِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى وَاِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهُ وَمَنْ يَرْتَعْ حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَقَعَ فِيْهِ" ہر بادشاہ کی ایک ممنوعہ چراگاہ ہوتی ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کے محارم ہیں، اور جو شخص اس چراگاہ کے کنارے چرائے گا تو قریب ہے کہ اس میں جا پڑے۔ (بحوالہ بخاری ومسلم)

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، سورۃ الانعام کا حاشیہ نمبر ۲۳۴ پڑھئے،

"اَلْفَوَاحِش" کے معنی بہت وسیع ہیں تنہا زنا کاری کے نہیں، بدکاری، بے حیائی، فحاشی کی تمام صورتیں

اس کے اندر آگئیں، پھر لَا تَقْرَبُوْا" کی تعمیم یعنی اس کے قریب نہ جاؤ، اور پھر مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ" نے تعمیم کی حد ہی کردی، بے حجابی، لباس میں بے ستری وغیرہ کی تمام خفی صورتیں خواہ پبلک میں ہوں یا پرائیویٹ میں یکساں حرام قرار پاگئیں، چہرہ پر پوڈر، لپ اسٹک، وغیرہ لگا کر، بن سنور کر، نیم برہنہ لباس پہن کر، خوشبوئیں لگا کر، عورتوں کا آزادی کے ساتھ بے تکلف باہر نکلنا، مردوں کے مجمع میں بے تکلف چلنا پھرنا، ہنسنا بولنا، سینما اور تھیٹر میں شہوانی نظاروں سے لطف اندوز ہونا، آرٹ گیلری میں برہنہ تصویریں دیکھنا، غرض تہذیب وجدید کے سارے جاہلی عنصر اس آیت کے رو سے حرام ٹھہر جاتے ہیں۔

اخلاق کی پاکیزگی اور پاکیزہ جو فرد و جماعت دونوں کی حقیقی ترقی کا پہلا زینہ ہے اس کی جو نظیر شریعتِ اسلام نے قائم کردی ہے وہ کہیں تلاش سے بھی نہ ملے گی۔

(بحوالہ، تفسیر سورۃ الانعام، حاشیہ نمبر ۲۳۴ر)

اقتباس

افسوس ہے کہ آج ہمارے بہت سے ہمدردانِ ملت، دانشورانِ ملت، قائدینِ ملت، یہاں تک کہ بہت سے علماءِ ملت، مسلمان لڑکے اور لڑکیوں کیلئے عصری تعلیم کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور مسلمانوں کی پستی کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ مسلمان لڑکے عصری تعلیم میں دوسری قوموں سے پیچھے ہیں، لیکن وہ چشم بصیرت سے اس قدر محروم ہیں اور مادہ پرستی کی رنگین چادر ان کی آنکھوں پر پڑی ہوئی ہے کہ ان کو یہ نہیں دکھائی دیتا کہ ان عصری تعلیم گاہوں اور کالجوں کا ماحول کیسا ہے؟ اس ماحول میں جاکر کیا کوئی لڑکی اپنی عفت و عصمت کو بچا سکتی ہے؟ یا کوئی لڑکا اپنے دینی مزاج اور اسلامی شعار کو باقی رکھ سکتا ہے۔

اسلام ایک انقلاب آفریں نظریہ ہے

اِیْمَـانٌ بِـاللّٰہ (اللہ پر ایمان اور اس کی بات ماننے) سے بڑی اس کائنات میں کوئی طاقت نہیں ہے، ایمان جب دل میں پیوست ہو جاتا ہے، تو اس کے سامنے زمین کی انتہائی گہرائیوں میں جمے ہوئے بڑے بڑے پہاڑ اور بڑی بڑی چٹانیں ہیچ ہیں، پہاڑوں کو جنبش دی جاسکتی ہے، چٹانوں کو ان کی جگہ سے ہٹایا جاسکتا ہے، لیکن ایمان والوں کو کوئی طاقت جنبش نہیں دے سکتی، ان کے اندر کسی طرح کا تزلزل کوئی نہیں پیدا کرسکتا۔

تیز آندھیاں اٹھتی ہیں، درختوں اور بڑی بڑی ٹھوس عمارتوں کو زمین بوس کر دیتی ہیں، لیکن مخالفتوں کی بڑی بڑی آندھیاں ایمان کے درخت کو اکھیڑنے اور جھکانے میں ناکام ہو جاتی ہیں، ایمان کے اندر کتنی حلاوت و شیرینی اور کیسی بشاشتِ وتراوٹ ہوتی ہے، اس کے متعلق شاہ روم ہرقل کا جملہ بھی بڑا لذیذ ہے، جس کو پڑھ کر لذت محسوس ہوتی ہے۔

ہرقل بہت بڑا عیسائی عالم تھا، ابوسفیان سے جب اس نے حضور اکرم ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں کے متعلق کچھ سوالات کئے تو ایک سوال اس نے اور بھی ابوسفیان سے کیا تھا کہ یہ بتایئے کہ کیا اس پیغمبر پر یعنی محمد ﷺ پر ایمان لاکر کوئی شخص مرتد بھی ہوا ہے، اسلام سے نکلا بھی ہے؟

مسلمانوں سے ہر طرح کی عداوت کے باوجود اس سوال کے جواب میں ابوسفیان کی زبان سے یہی نکلا کہ ہاں اب تک تو کوئی اس پیغمبر پر ایمان لاکر اسلام سے نکلا نہیں، یہ بات سن کر ہرقل نے عجیب وغریب جواب دیا، جس سے ایمان کی لذت وحلاوت کی پوری تصویر کشی ہو رہی ہے۔

ہرقل نے کہا کہ، وَكَذَالِكَ الْاِيْمَانُ اِذَا خَالَطَتْ بَشَاشَةَ الْقُلُوْبِ" یعنی ایمان ایسی ہی چیز ہے کہ جب اس کی بشاشت اور تراوٹ دلوں میں رچ جاتی ہے تو پھر نکلا نہیں کرتا۔

لیکن وہ ایمان جو لذت بخش اور طاقتور ہوتا ہے، اسکا تعلق محض زبانی اقرار سے نہیں ہے، بلکہ طاقتور ایمان وہ ہے جو دل میں پیوست ہو گیا ہو اور رگ رگ میں سرایت کر گیا ہو، اور ایمان کا ظہور عملی حیثیت سے بھی ہو۔

علامہ اقبال نے سچ کہا ہے کہ،

تو عرب ہو کہ عجم ہو ترا لا الٰـــہ الّا
لغتِ غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی

حافظ ابن تیمیہؒ حسن بصریؒ سے نقل کرتے ہیں کہ، لَيْسَ الْاِيْـمَانُ بِـالتَّحَلِّي وَلَا بِالتَّمَنِّي لٰكِنَّـهٗ مَـا وَقَرَ بِالْقَلْبِ وَصَدَّقَتْهُ الْاَعْمَالُ" یعنی ایمان صرف ظاہر داری اور جھوٹی آرزو کا نام

نہیں ہے، بلکہ ایمان اسے کہتے ہیں جو دل میں سرایت کر جائے اور اعمال اس کی تصدیق کریں۔

(بحوالہ، تَرْجُمَانُ السُّنَّة، جلداول، از مولانا بدرعالم میرٹھیؒ)

ایمان کی بے مثال اور انقلاب آفریں طاقت کا اندازہ مصر کے ان جادوگروں سے لگائیے کہ ایمان سے پہلے وہ کس طرح فرعون کے غلام تھے، اس کا مقرب بننا چاہتے تھے اور دنیا کے اتنے حریص تھے کہ حضرت موسٰی کے مقابلہ میں آنے سے پہلے فرعون سے کہا کہ اگر ہم غالب آجائیں گے تو ہم کو کیا فیس ملے گی اور ہم کو کس انعام اور ایوارڈ سے نوازا جائے گا، لیکن جب عصاءِ موسوی کے سامنے ان کا جادو ناکام ہوگیا اور میدانِ مقابلہ میں ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی توفیق ہوگئی اور فرعون کی غلامی کی وجہ سے ان کی آنکھوں پر جو پردہ پڑا ہوا تھا وہ ہٹ گیا اور ان کو یقین ہوگیا کہ حضرت موسٰیؑ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں، یقیناً اب تک ہم غلط فہمی کا شکار تھے، حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی رب العالمین ہے وہی بندگی اور عبادت کے لائق ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے، یہ عصاءِ موسوی اللہ تعالیٰ کا معجزہ ہے، کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، تو فوراً وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر گئے، اللہ پر، حضرت موسٰیؑ کی رسالت پر اور آخرت پر ایمان لائے۔

فرعون مصر کا بادشاہ تھا، ملک کی ساری طاقت اس کی پاس تھی اور کبر و غرور اور اپنی بڑائی کے نشہ میں جھوٹی خدائی کا دعویٰ کر کے ملک کے لوگوں کو بیوقوف بنا رکھا تھا، وہ اس بات کو کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ اس کے سامنے اس کی رعایا کے چند لوگ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت موسٰیؑ پر ایمان لائیں اور اس کی خدائی کا انکار کر دیں، چنانچہ اس نے ایمان لانے والے جادوگروں کو دھمکی دی کہ اگر تم حضرت موسٰیؑ اور اس کے پروردگار پر ایمان لائے اور میری خدائی سے انکار کیا تو میں تم کو تمہارے ہاتھ پاؤں کو مخالف سمت سے کاٹ کر سولی پر لٹکا دوں گا، پھانسی دیدوں گا، لیکن اس ظالم اور بے عقل کو کہاں خبر تھی کہ ان جادوگروں کو ایمان نے اب دوسرا انسان بنا دیا تھا۔

چند لمحے میں ان کا ایمان اتنا طاقتور ہوگیا کہ کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی اب ان کو جنبش نہیں دے سکتی، اب دار و رسن، پھانسی کا تختہ اور پھانسی کا پھندا، ان کیلئے بچوں کا کھیل ہوگیا، غضب کا طاقتور ایمان تھا فرعون کی اس دھمکی سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوئے۔

بانگ دُہل فرعون سے کہا کہ، فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ، اِنَّمَا تَقْضِي هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا"

جو چاہو تم کر ڈالو، ہم اس سے ڈرنے والے نہیں ہیں، تمہارا اقتدار تو بس اسی دنیا تک ہے۔

ہمارا ایمان پروردگار عالم پر ہے جس کے قبضہ قدرت میں ساری کائنات ہے، اب تم کسی طرح ہم کو شکار نہیں کر سکتے۔

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

بعثتِ نبوی کے ابتدائی دور میں مکہ کے چند لوگ جو ایمان لائے وہ بہت کم تعداد میں تھے اور بہت کمزور تھے اور بہت سے لوگ دشمنوں کے غلام تھے، لیکن جب ایمان ان کے دل میں پیوست ہوگیا تو ہر طرح کی سخت سے سخت دلوں کو ہلا دینے والی تکلیف دے کر بھی کفار ومشرکین ان کو ان کو ایمان سے پھیر نہیں سکے۔

حضرت بلالؓ، امیہ بن خلف جیسے ظالم وسفاک کے غلام تھے، جب امیہ بن خلف کو معلوم ہوا کہ بلالؓ بھی مسلمان ہوگیا ہے تو آگ بگولہ ہوگیا اور ان کو بلا کر کہا کہ اسلام اور ایمان سے پھر جاؤ ورنہ مرنے کیلئے تیار ہوجاؤ، جب حضرت بلالؓ نے انکار کردیا تو ان کو ظلم وستم کا نشانہ بنانے لگا، یہ ظالم حضرت بلالؓ کو ننگا کر کے گرم ریت پر لٹاتے اور ان کے سینہ پر پتھر رکھ دیتے، ببول کے کانٹے ان کے جسم پر چبھوتے اور چاروں طرف آگ سلگاتے، جب حضرت بلالؓ جلتے ہوئے کباب کی طرح تڑپنے لگتے تو اُمیہ پوچھتا کہ کیا اب محمد (ﷺ) کے ایک خدا کو چھوڑ کر ہمارے بتوں کو پوجا کرنے کیلئے تیار ہو؟

مگر حضرت بلالؓ کی زبان عشق سے صرف اَحد، اَحد، کلمات نکلتے، یعنی خدا تو ایک ہی ہے، جب رات ہوجاتی تو بلالؓ کو زنجیروں سے باندھ کر ایک اندھیری کوٹھری میں ڈال دیتا تھا، اور مسلسل آپ کی مبارک کمر پر کوڑوں کی بارش کرتا، پھر حضرت بلالؓ سے کہتا کہ لات عزیٰ اور دوسرے بتوں کو خدا مان لو، مگر ان کی زبان سے وہی ایک لفظ، اَحد، اَحد، نکلتا کہ خدا ایک ہی ہے اس طرح کی سخت سے سخت سزا دینے کے بعد بھی جب وہ ان کے ایمان کو متزلزل نہیں کرسکا تو حضرت بلالؓ کے گلے میں رسی ڈال کر اوباش لڑکوں کے حوالہ کردیا، وہ ظالم لڑکے حضرت بلالؓ کو مکہ کی پتھریلی گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے اور ان کا مذاق اڑاتے مگر حضرت بلالؓ کی زبان سے وہی اَحد، اَحد، کے کلمات نکلتے تھے۔

یہاں میں نے ایمان کی قوت، حلاوت، لذت اور شیرینی کا اندازہ لگانے کیلئے صرف ایک واقعہ نقل کیا ہے، ورنہ صحابہ کرامؓ کے اس طرح کے ایمان افروز واقعات بے شمار ہیں، جن کو سیرت صحابہؓ کی کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں، حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان بہت ہی طاقتور انقلابِ آفریں نظریہ ہے، لیکن آج ہمارے ایمان میں وہ معجزانہ قوت کیوں نہیں ہے، آخر ایمان کی اثر انگیزی، اس کی حلاوت اور لذت سے ہم کیوں محروم ہیں؟ کیا ایمان نے واقعی اپنی قوت کھودی ہے؟ نہیں ایسا نہیں ہے ایمان میں آج بھی وہی طاقت ہے، لیکن ہمارا ایمان صرف زبانی اقرار تک محدود ہے، وہ ہمارے دلوں میں پیوست نہیں ہے، اور ایمان ہمارے لئے لذت نہیں بن سکا، بس ہم نام کے مسلمان ہیں اور ایمان واسلام کا ایک رسمی ٹائیٹل لگا ہوا ہے اور ایمان کی روح رخصت ہوگئی ہے۔

آج حال یہ ہے کہ ہم ایمان کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور اپنے کو مسلمان سمجھتے ہیں لیکن مختلف گناہوں کا ارتکاب بھی کرتے ہیں، دار ورسن اور سولی کے تختوں سے کھیلنے کی بات کرنا تو عبث ہے، آج ہمارا ایمان اتنا کمزور ہے کہ معمولی معمولی وجہ سے بہت سے مسلمان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو نظر انداز کردیتے ہیں، ایمان کا

دعویٰ کرنے کے باوجود اگر ایک مسلمان سنت کے مطابق داڑھی رکھنے کیلئے تیار نہیں ہے اور اسلامی شکل وصورت اختیار کرنے سے شرماتا ہے، تو آخر یہ کیسا ایمان ہے؟ اس کا کھلا ہوا مطلب ہے کہ یہ ایمان رسمی ایمان ہے، اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت کی روح سے خالی ہے۔

ایمان دل کی کیفیت کا نام ہے، اگر وہ طاقتور ہوجائے اور ایمان کی روح سے دل روشن ہوجائے اور ایمان لذت وحلاوت بن جائے تو کوئی مسلمان گناہ نہیں کرسکتا، گناہوں کی طرف کسی آدمی کا قدم اس وقت اٹھ سکتا ہے جب کہ دل میں ایمان کی شمع روشن نہ ہو، یا ایمانی کیفیت دل سے غائب ہوگئی ہو، یا کسی وجہ سے بے جان اور مضمحل ہوگئی ہو اور اتنی طاقت اس کے اندر باقی نہ رہ گئی ہو جو گناہوں سے بچاسکے، اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو حقیقی ایمان کی دولت سے سرفراز کرے اور ہمارے دل کو ایمان کی قوت سے بھردے۔ آمین

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، سورہ اعراف کا حاشیہ نمبر ۱۶۱ ر پڑھئے،

اَللّٰہ اَللّٰہ، ایمان باللہ بھی ذہن کے اندر کیسا انقلاب برپا کردیتا ہے، یہ ساحر (جادوگر) وہی ہیں کہ کہاں تو ابھی اپنا کمال وفن دکھانے کیلئے مال وجاہ انعام واکرام کے طالب تھے، اور کہاں اب سر کٹانے پر بے تکلف آمادہ ہوگئے۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ اعراف، حاشیہ نمبر ۱۶۱ ر)

اقتباس

ایمان دل کی کیفیت کا نام ہے، اگر وہ طاقتور ہوجائے اور ایمان کی روح سے دل روشن ہوجائے اور ایمان لذت وحلاوت بن جائے تو کوئی مسلمان گناہ نہیں کرسکتا، گناہوں کی طرف کسی آدمی کا قدم اسوقت اٹھ سکتا ہے جب کہ دل میں ایمان کی شمع روشن نہ ہو، یا ایمانی کیفیت دل سے غائب ہوگئی ہو، یا کسی وجہ سے بے جان اور مضمحل ہو گئی ہو اور اتنی طاقت اسکے اندر باقی نہ رہ گئی ہو جو گناہوں سے بچاسکے۔

وسوسۂ شیطانی سے تقویٰ میں کوئی نقصان نہیں ہوتا

شیطان وسوسہ اندازی میں کمال مہارت رکھتا ہے اور اپنی وسوسہ اندازیوں سے انسانوں کو مختلف قسم کے سوالات اور قلبی خطرات میں مبتلا کر کے حق سے دور کر دیتا ہے پھر ان کو اپنے دام رنگین میں شکار کر لیتا ہے۔

کسی نے سچ کہا ہے کہ:۔

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

شیطان اسی طرح اپنے شکاریوں کو الجھائے رہتا ہے یہاں تک کہ اسی حالت میں اللہ کی رحمت سے محروم ہو کر وہ اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں، لیکن اللہ کے مخلص اور پرہیزگار بندوں کو اپنی وسوسہ اندازیوں سے شکار نہیں کر پاتا، بندۂ مومن اللہ کی پناہ میں آ کر اس کی وسوسہ اندازیوں کے سارے تار پود کو بکھیر دیتا ہے۔

اگر شیطان کسی مومن کے دل میں کوئی وسوسہ ڈالنے کی کوشش کرے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں، یہ تو ایمان کی علامت ہے، اس کا مطلب ہے کہ اس کے دل میں ایمان ومعرفت کا قیمتی خزانہ موجود ہے، ڈاکو اور چور اسی گھر میں نقب لگاتے ہیں جہاں خزانہ ہوتا ہے ویران گھروں میں جہاں کوئی خزانہ نہیں ہوتا وہ نہیں گھستے، اس لئے شیطان کی کوشش ہوتی ہے کہ نقب لگا کر مومن کے دل میں ایمان واسلام اور اللہ کی محبت ومعرفت کا جو خزانہ ہے اس کو چرا لے اور مومن کو ایمان کی دولت سے خالی کر دے۔

ایک آدمی سہل بن عبداللہؒ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے گھر میں چور داخل ہو گیا اور میرا سارا سامان چرا لے گیا، تو سہل بن عبداللہؒ نے کہا کہ اللہ کا شکر ادا کرو، فَلَوْ دَخَلَ اللِّصُّ قَلْبَكَ، وَهُوَ الشَّيْطَانُ، وَأَفْسَدَ عَلَيْكَ التَّوْحِيْدَ مَاذَا كُنْتَ تَصْنَعُ؟ اگر چور تمہارے دل میں داخل ہو گیا ہوتا، یعنی شیطان، اور وہ تمہارے عقیدۂ توحید میں بگاڑ پیدا کر دیتا تو پھر تم کیا کرتے؟

(بحوالہ۔ عُدَّةُ الصَّابِرِيْنَ وَذَخِيْرَةُ الشَّاكِرِيْنَ، علامہ ابن قیم جوزیؒ)

افسوس ہے کہ آج ایمانی حیثیت سے ہم اتنے کمزور ہو گئے ہیں کہ شیطان اپنی وسوسہ اندازیوں میں کامیاب دکھائی دے رہا ہے، وہ ہمارے دل، ہمارے اعمال، ہمارے عقائد پر حملہ کر رہا ہے اور ہمارے دلوں سے ایمان ومعرفت کے قیمتی خزانوں کو چرا لے جاتا ہے اور ہم کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہمارے دل میں ڈکیتی اور نقب زنی ہو رہی ہے، ہم اپنے گھر، اپنی دکان، اپنے مال کی حفاظت خوب کرتے ہیں لیکن اپنے دل کی، اپنے ایمان کی، اور اپنے اعمال کی حفاظت سے غافل ہیں۔

مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھیؒ نے خوب فرمایا ہے۔

نہ کوئی غیر آجائے نہ کوئی راہ پاجائے
حریم دل کا احمد ہر دم اپنے پاسباں رہنا

بہر حال وسوسہ شیطانی سے ہمارے ایمان وتقویٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، بشرطیکہ جب دل میں شیطان وسوسہ ڈالے تو ہم فوراً ہوشیار ہوجائیں اور سمجھ جائیں کہ یہ شیطان ہمارے ایمان وعمل اور اللہ تعالیٰ کی معرفت ومحبت کے محل میں ڈاکہ ڈالنا چاہتا ہے، اس لئے فوراً اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہوئے اس پر حملہ کردیں اور اس کو بھگادیں، اور پہلے سے زیادہ اپنے ایمان وعمل کے خزانوں کی حفاظت بڑھادیں، اور اللہ تعالیٰ سے شیطان کے وسوسوں سے بچنے کیلئے دعا کریں، اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم" کا ورد کریں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا استحضار کرکے اپنے ایمان کو تازہ کرتے رہیں، انشاء اللہ پھر شیطان ہم کو کسی طرح کا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہوگا، اس کی جرأت نہیں ہوگی کہ تقویٰ کے سپر اور ڈھال کے سامنے اپنا تیر چلائے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، سورہ اعراف کا حاشیہ نمبر ۲۹۵ / پڑھئے،

محققین نے لکھا ہے کہ وسوسہ شیطانی سے تقویٰ میں کوئی نقصان نہیں آتا، اور اس سے محفوظیت کے تین درجے ہیں، درجۂ اولیٰ یہ کہ وسوسہ کا اثر ہی سرے سے نہ ہو، جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیلؑ اور حضرت اسمٰعیل ذبیحؑ کے واقعہ میں منقول ہے اور درجۂ اوسط یہ کہ وسوسہ اثر دکھائے مگر معاً تنبیہ بھی ہوجائے اور وسوسہ کے شر سے حفاظت رہے، یہ مقام صدیقین کا ہے اور قصۂ یوسف وزلیخا میں اس کی نظیر موجود ہے، اور درجۂ ادنیٰ محفوظیت کا یہ ہے کہ پھسلے مگر سنبھل جائے، ڈرے، جھجکے اور باز آجائے، یہ مقام تابعین کا ہے، اور تینوں مقامات کا صاحب، عارف، متقی، ولی اور صاحب دل ہوتا ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ اعراف، حاشیہ نمبر ۲۹۵/)

❁ ❁

جرم اور مجرم سے مداہنت اور بے محل چشم پوشی جرم ہے

اگر وبائی امراض عام ہوں اور کوئی آدمی اس وبائی مرض سے محفوظ ہو اور اپنی جگہ مطمئن رہے کہ مجھ سے کیا مطلب میں تو اپنی جگہ تندرست ہوں، ان وبائی امراض کے خلاف مجھے کوئی قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے، تو یہ اس کی بہت بڑی بھول ہے، کیوں کہ اس کا خطرہ ضرور ہے کہ جو لوگ وبائی امراض کے شکار ہیں ان کے جراثیم اس تندرست آدمی کو بھی متاثر کردیں اور وہ بھی اس میں مبتلا ہو جائے۔

اسی لئے جب کوئی بیماری پھیلتی ہے تو محکمۂ حفظان صحت بھی حرکت میں آجاتا ہے، اور جو لوگ تندرست ہوتے ہیں وہ بھی اس بیماری سے بچنے اور بچانے کی کوشش کرتے ہیں، اگر کچھ لوگ اپنی جگہ خاموش رہتے ہیں اور ان خطرناک بیماریوں کو دفع کرنے کی کوشش نہیں کرتے، تو جو لوگ ان وبائی بیماریوں میں مبتلا ہیں وہ زبان حال سے تندرست لوگوں کو خطاب کرکے یہی کہتے ہیں کہ،

میں آج زد پہ ہوں تم خوش گمان مت ہونا
چراغ سب کے بجھیں گے ہوا کسی کی نہیں

جسمانی بیماریوں سے زیادہ خطرناک روحانی اور اخلاقی بیماریاں ہوتی ہیں جسمانی بیماریوں کا حلقۂ اثر محدود ہوتا ہے، ایک شہر میں کوئی وبائی بیماری پھیلی ہوئی ہے تو ضروری نہیں ہے کہ سیکڑوں اور ہزاروں میل دور، دوسرے شہروں میں بھی اس کے جراثیم پھیل جائیں، لیکن روحانی اور اخلاقی بیماریوں کا دائرہ اثر عالمگیر ہوتا ہے اور فاصلہ بعید کے بعد بھی دوسرے لوگ اس سے متاثر ہو جاتے ہیں، چند میل کے فاصلے پر اگر جامعۃ الفلاح بلریا گنج اور مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ہے اور سیکڑوں میل دور لکھنؤ میں ندوۃ العلماء ہے اگر ان دور دراز اسلامی مدرسوں کے کچھ طلبہ اور علماء داڑھی منڈاتے ہیں یا خلاف سنت داڑھی رکھتے ہیں، تو اس کا خراب اثر پچاسوں اور سیکڑوں میل دور رہنے والے مسلمانوں پر بھی پڑے گا جس کی وجہ سے اگر ہم اپنے گھر والوں کی اصلاح کرنا چاہیں تو ہمیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، اگر ہم کسی مسلم نوجوان سے کہیں کہ داڑھی رکھ لو داڑھی مسلمان ہونے کی پہچان ہے، اسلامی شعار ہے اور واجب ہے، تو وہ فوراً بول پڑے گا کہ کیوں داڑھی پر آپ اتنا زور دیتے ہیں اگر داڑھی واجب ہوتی تو ان اسلامی مدرسوں کے طلبہ ضرور رکھتے۔

اس طرح اسلامی شعار کو نظر انداز کرکے اسلامی مدرسوں کے طلباء خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسرے مسلمانوں کی بھی ہلاکت کا سبب بنے۔ گویا، ”خود تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے“

دیکھا آپ نے سیکڑوں میل دور پر واقع روحانی مریضوں کے جراثیم کہاں تک پہنچ کر لوگوں کو بیمار کر

دیتے ہیں، چند میل کا تو فاصلہ چھوڑیے، سعودیہ عربیہ یہاں سے چار ہزار میل دور ہے، وہاں اگر کوئی کینسر کا مریض ہے تو اس کا اثر یہاں اعظم گڈھ تک نہیں پہنچے گا، لیکن روحانی بیماریوں کے جراثیم چار ہزار، دس ہزار میل کے فاصلے سے بھی دوسرے لوگوں کو متاثر کردیتے ہیں۔

چنانچہ آج کتنے ناسمجھ مسلمان یہ کہتے ہیں کہ مولوی صاحب آپ خواہ مخواہ کیوں، پردہ، داڑھی اور غیر ضروری بلڈنگوں کی تعمیر پر تبصرہ کرتے ہیں، دیکھتے نہیں کہ وہ مرکز جہاں سے اسلام پھیلا وہاں کے لوگ داڑھی اور اسلامی شعار وغیرہ کا اہتمام نہیں کرتے، حدود حرم میں داڑھی منڈاتے ہیں اور پینٹ پہن کر اور گلے میں ٹائی لٹکا کر حرم میں ٹہلتے ہیں، سفید بالوں میں کالا خضاب بھی لگاتے ہیں، عورتیں کھلے چہروں کے ساتھ شاپنگ کرتی ہیں، تفریح طبع اور تزئین و آرائش کے وہاں ایسے ایسے سامان ہیں کہ مغربی ممالک امریکہ و برطانیہ اور فرانس بھی شاید ان کا مقابلہ نہ کرسکیں۔

اونچی اونچی فلک بوس عمارتیں ہیں نوے نوے لاکھ ریال سے بنا ہوا شاندار فوارہ ہے جہاں دنیا بھر کے سیاح تفریح کرنے کیلئے آتے ہیں، اور وہاں ایک ایسی گھڑی نصب ہے جس پر تین ارب ڈالر خرچ ہوئے ہیں، اگر یہ ساری چیزیں، سنت کے خلاف ہوتیں تو عرب کے لوگ کیوں ایسا کرتے، وہاں اگر داڑھی منڈاتے ہیں تو اسکا مطلب ہے کہ داڑھی اسلام میں واجب اور ضروری نہیں ہے، اگر داڑھی واجب ہوتی تو سعودی حکومت داڑھی منڈوں کو حج و عمرہ کا ویزا نہ دیتی، اسکا مطلب ہے کہ ہندوستان کے مولوی صاحب لوگ بہت تنگ نظر ہوتے ہیں، ان کے یہاں وسعت ظرف نہیں ہے، خواہ مخواہ داڑھی اور اسلامی وضع و قطع کو اپنی تقریر کا موضوع بناتے ہیں۔

دیکھا آپ نے کس طرح چار ہزار میل سے روحانی بیماریوں کے جراثیم دور تک پہنچ کر لوگوں کو روحانی بیماری میں مبتلا کررہے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ عالمی پیمانہ پر تمام برائیوں کے خلاف قدم اٹھایا جائے، اگر کچھ لوگ اپنی جگہ نیک اور صالح ہیں تو شیطان کے اس وسوسے کا شکار نہ ہوں کہ ہم تو اپنی جگہ ٹھیک ہیں، اگر دوسرے لوگ داڑھی منڈاتے ہیں، اسلامی شعار کی پابندی نہیں کرتے، نماز نہیں پڑھتے، ان کی عورتیں کالجوں میں پڑھنے جاتی ہیں، غیر محرموں سے ان کا اختلاط رہتا ہے تو ہم سے کیا مطلب؟ یاد رکھئے اگر ان برائیوں سے روکنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے تو جو تندرست اور نیک لوگ ہیں وہ بھی ان برائیوں کے زہریلے اثرات سے نہیں بچ سکتے۔

برائیوں کو دیکھ کر مداہنت، لیپا پوتی اور نرمی سے کام لینا جرم ہے، عجیب بات ہے کہ اگر کوئی لڑکا آگ میں کودنے جارہا ہو اور کوئی آدمی اس کو زبردستی پکڑ کر کھینچ لے اور اس کی اصلاح کیلئے دو چار طمانچہ اس کو لگادے، تو لوگ ایسے آدمی کو محسن اور ہمدرد سمجھتے ہیں اور اس طرح کے مواقع پر نرمی کو پسند نہیں کرتے۔

جسم میں لوہے کی کوئی خطرناک کیل گھس جائے تو زبردستی اس کو پوری قوت سے کھینچ کر نکالتے ہیں، کوئی

یہ نہیں کہتا کہ اس موقع پر نرمی کرو، کوئی لڑکا بجلی کے کھمبے کے پاس کھڑا ہو تو اس کو سختی سے ڈانٹتے ہیں کہ وہاں سے ہٹ جاؤ اگر نہیں ہٹتا تو جا کر اس کو دو چار تھپڑ رسید بھی کر دیتے ہیں، ایسے موقع پر کوئی یہ نہیں کہتا کہ بچے کے ساتھ اتنی سختی نہیں کرنا چاہئے تھا، نرمی سے کام لینا چاہئے، بلکہ ایسے آدمی کا لوگ شکریہ بھی ادا کرتے ہیں کہ اس نے اس بچے کو بجلی کے کرنٹ اور ہلاکت سے بچالیا۔

یاد رکھئے دنیا کی آگ سے جسم میں چبھی ہوئی لوہے کی کیل سے اور بجلی کے کرنٹ سے بھی زیادہ خطرناک جہنم کا عذاب ہے، لیکن عجیب بات ہے کہ روحانی بیماریوں کے مریض اور دوزخ کی طرف قدم بڑھانے والوں کے ساتھ لوگ نرمی کا مطالبہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مولویوں کو نرمی اور رواداری کا معاملہ کرنا چاہئے، داڑھی، نماز اور اسلامی لباس کیلئے اتنی سختی مناسب نہیں ہے۔

برائیوں، گناہوں، فواحش و منکرات اور روحانی و اخلاقی بیماریوں، کفر و شرک اور بت پرستی کو دیکھ کر جو لوگ خاموش رہتے ہیں اور مذہبی رواداری کا راگ الاپتے ہیں وہ سورہ انفال کی اس آیت کو پڑھیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ اور ڈرتے رہو اس وبال سے جو خاص انہیں لوگوں پر واقع نہیں ہوگا جو تم میں سے ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (سورہ انفال)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کا حکم دیا ہے کہ کسی جرم اور گناہ کو اپنے ماحول میں قائم نہ رہنے دیں، کیوں کہ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا یعنی جرم و گناہ دیکھتے ہوئے باوجود قدرت کے اس سے منع نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا عذاب عام کر دے گا، جس سے نہ گنہ گار بچیں گے نہ بے گناہ۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص جماعت کے گناہ کا عذاب عام لوگوں پر نہیں ڈالتے، جب تک ایسی صورت نہ پیدا ہو جائے کہ وہ اپنے ماحول میں گناہ ہوتا ہوا دیکھیں اور ان کو یہ قدرت بھی ہو کہ اسکو روک سکیں، اسکے باوجود انہوں نے اس کو نہیں روکا تو اسوقت اللہ تعالیٰ کا عذاب ان سب کو گھیر لیتا ہے۔ (شَرْحُ السُّنَّة، امام بغویؒ)

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ جب لوگ کسی ظالم کو دیکھیں اور ظلم سے اس کا ہاتھ نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا عذاب عام کر دیں۔ (بحوالہ، ترمذی، ابوداؤد)

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ کے قانونی حدود

توڑنے والے گنہگار ہیں اور جو لوگ ان کو دیکھ کر مداہنت کرنے والے ہیں یعنی باوجود قدرت کے ان کو گناہ سے نہیں روکتے، ان دونوں طبقوں کی مثال ایسی ہے جسے کسی بحری جہاز کے دو طبقے ہوں اور نیچے کے طبقہ والے اوپر آ کر اپنی ضرورت کیلئے پانی لیتے ہیں جس سے اوپر والے تکلیف محسوس کریں، نیچے والے دیکھ کر یہ صورت اختیار کریں کہ کشتی کے نچلے حصے میں سوراخ کر کے اس سے اپنے لئے پانی حاصل کریں، اور اوپر کے لوگ ان کی اس حرکت کو دیکھیں اور منع نہ کریں تو ظاہر ہے کہ پانی پوری کشتی میں بھر جائے گا اور جب نیچے والے غرق ہوں گے تو اوپر والے بھی ڈوبنے سے نہ بچیں گے۔ (بحوالہ، صحیح بخاری)

صحیح مسلم میں حضرت زینب بنت جحشؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ، اَنَھْلِکُ وَفِیْنَا الصَّالِحُوْنَ ؟ کیا ہم بھی ہلاک ہو جائیں گے جبکہ ہمارے درمیان صالح اور نیک لوگ موجود ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ، نَعَمْ اِذَا کَثُرَ الْخُبْثُ، ہاں جب برائیاں عام ہو جائیں تو سب ہلاک ہو جائیں گے۔ (صحیح مسلم، بحوالہ، قرطبی)

ابن وہب، حضرت مالک سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ، تُھْجَرُ الْاَرْضُ الَّتِیْ یَصْنَعُ فِیْھَا الْمُنْکَرُ جِھَارًا وَلَا یَسْتَقِرُّ فِیْھَا، اس سرزمین کو چھوڑ دیا جائے گا وہاں سے ہجرت کر لی جائے گی جہاں علانیہ گناہ ہوتے ہوں، اور وہاں قیام نہیں کیا جائے گا۔ (بحوالہ، قرطبی)

جو لوگ دین کے معاملے میں مداہنت، رواداری، نرمی اور لیپاپوتی کے قائل ہیں وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنے بارے میں سوچیں کہ وہ کتنے بڑے مجرم ہیں، وہ گویا چاہتے ہیں کہ بیماریاں بڑھیں منکرات و فواحش اور گناہوں کے جراثیم عام ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو مداہنت اور لیپاپوتی سے محفوظ رکھے، طاقت عطاء کرے اور توفیق دے کہ ہم خود بھی گناہوں سے بچ جائیں اور دوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کریں۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ، وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ،

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، سورہ انفال کا حاشیہ نمبر ۳۸ / پڑھیے،

بلکہ ان گناہگاروں کے علاوہ ان لوگوں پر بھی اسکا وبال پڑے گا، جنہوں نے باوجود کسی حد تک قدرت رکھنے کے ان گناہوں کو روکنے کی کوشش نہ کی اور خود بھی اسی طرح جرم مداہنت کے مرتکب ہوئے اور شریک جرم رہے، اسلام صالح وپاکیزہ صرف افراد ہی کو نہیں معاشرہ (سوسائٹی) کو دیکھنا چاہتا ہے اور اس کیلئے ضروری ہے کہ ہر فرد ملت نہ صرف بجائے خود صالح ہو بلکہ بقدر وسعت دوسروں کا مصلح بھی بنا رہے جرم اور مجرم سے مداہنت اور بے محل چشم پوشی اسی لئے اسلام میں بجائے خود ایک جرم ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ انفال، حاشیہ نمبر ۳۸ /)

مال بھی امتحان ہے اور اولاد بھی امتحان ہے

مال اور اولاد یہ دونوں چیزیں اللہ کی بہت بڑی نعمت ہیں اور یہ دونوں اللہ کی طرف سے انسان کے لئے بہت بڑا امتحان ہیں، انہیں دونوں کے صحیح استعمال سے دنیا میں امن وامان قائم ہوتا ہے اور انسانی معاشرہ پر کیف اور خوشگوار ہوتا ہے اور انہیں دونوں کے غلط استعمال سے دنیا میں فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور دنیا سے امن وامان رخصت ہو جاتا ہے انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو بھی مال دیا ہے وہ بطور امانت ہے، اپنی مرضی سے کسی کو اس میں تصرف کرنے کا حق نہیں ہے، اگر ایمان واخلاص کے ساتھ کوئی انسان اپنے مال کا صحیح استعمال کرتا ہے، یعنی اللہ کی مرضی اور منشا کے مطابق خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے اور اگر غلط استعمال کرتا ہے تو عذاب اور سزا کا مستحق ہوتا ہے۔

مال کے صحیح استعمال کا بہترین نمونہ صحابہ کرامؓ کی زندگی میں موجود ہے، اگر آج دنیا کے لوگ صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلیں اور مال ودولت کا صحیح استعمال کریں تو دنیا کا نقشہ بدل جائے، میں یہاں صحابہ کرامؓ کی چند مثالیں نقل کر رہا ہوں کہ کس طرح انہوں نے مال کا صحیح استعمال کیا اور مال کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے زمانہ میں قحط پڑا، لوگ سخت پریشان ہوئے، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ تم لوگ نہ گھبراؤ، اللہ جلد ہی تمہارے لئے کشادگی کی صورت پیدا کردے گا، اس کے بعد ایسا ہوا کہ عثمانؓ کا تجارتی قافلہ شام سے آیا، اس میں ایک ہزار اونٹ تھے اور سب کے سب گیہوں اور کھانے کی چیزوں سے لدے ہوئے تھے، یہ خبر مدینہ میں پھیلی تو شہر کے بڑے بڑے تاجر حضرت عثمان غنیؓ کے گھر پہنچے، اور دروازہ کھٹکھٹایا وہ باہر آئے حضرت عثمانؓ نے پوچھا کہ تم لوگ کیوں آئے ہو؟ اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ تاجروں نے کہا کہ ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ آپ کے پاس ایک ہزار اونٹ گیہوں اور غذائی سامان آیا ہے ہم ان کو خریدنا چاہتے ہیں، آپ ہمارے ہاتھ یہ غذائی سامان بیچ دیں تاکہ ہم اس کو مدینہ کے ضرورت مندوں تک پہنچا سکیں، حضرت عثمانؓ نے کہا، اندر آؤ اور گھر میں بیٹھ کر بات کرو، وہ لوگ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ غذائی سامان کے ایک ہزار ڈھیر گھر کے اندر پڑے ہیں۔

اب بات چیت شروع ہوئی، حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میری شام کی خریداری پر تم لوگ مجھ کو کتنا زیادہ نفع دو گے؟ انہوں نے کہا کہ دس درہم پر بارہ درہم، حضرت عثمانؓ نے کہا کہ مجھ کو اس سے زیادہ قیمت مل رہی ہے، انہوں نے کہا کہ دس درہم پر چودہ درہم نفع دیں گے، حضرت عثمانؓ نے کہا کہ مجھ کو اس سے بھی زیادہ قیمت مل رہی ہے، تاجروں نے کہا کہ کون آپ کو اس سے زیادہ دے رہا ہے، جب کہ مدینہ کے جتنے تاجر ہیں سب یہاں موجود

ہیں، حضرت عثمانؓ نے کہا کہ مجھ کو ہر ایک درہم کے بدلے دس درہم مل رہا ہے، پھر کیا تم اس سے زیادہ دے سکتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ نہیں یہ ہمارے لئے ممکن نہیں ہے۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ، مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۱۰ یعنی جو شخص نیکی لے کر آئے تو اس کیلئے اس کا دس گنا بدلہ ہے۔ (سورہ انعام)

تو اے مدینہ کے تاجرو گواہ رہو کہ میں نے یہ تمام غذائی سامان اللہ کیلئے شہر کے ضرورت مندوں پر صدقہ کردیا۔ (بحوالہ، اَلْعَبْقَرِیَاتُ الْاِسْلَامِیَۃ، صفحہ ۵۷۲)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بہت مالدار صحابی تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی تجارت میں برکت کی دعا کی تھی، ان کی تجارتی کوٹھیاں، روم، مصر اور شام میں ہر جگہ بنی ہوئی تھیں، نفع کا مال جب اونٹوں پر لد کر آتا تھا تو غلے کی طرح گھر میں ڈھیر لگ جاتا تھا، لیکن اس دولت کا کوئی خراب اثر آپ کے دل پر نہیں تھا، ان کے دل کی کیا کیفیت تھی؟ جس کا اندازہ ان کی مہمان نوازی سے لگا سکتے ہیں۔

تین تین، چار چار سو مہمان ان کے دستر خوان پر جمع ہوتے تھے جب دستر خوان پر کھانے سجا دیئے جاتے تھے تو عبدالرحمٰن بن عوفؓ رونا شروع کر دیتے تھے اور عجیب گریہ وزاری طاری ہوجاتی تھی اور فرمانے لگتے کہ، اے اللہ تیرے نبی ﷺ کے دستر خوان پر کبھی ایک سے دوسرا کھانا جمع نہ ہوا اور میرے دستر خوان پر اتنی قیمتی نعمتیں، کہیں میری جنت کی نعمتیں دنیا ہی میں تو ختم نہیں کی جارہی ہیں، یہ کہہ کر روتے اور بے حال ہوجاتے سارے حاضرین اور مہمان بھی روتے اور بے کھائے دستر خوان اٹھ جاتا تھا۔

رات کو بھی دستر خوان بچھایا جاتا تھا اور اس پر طرح طرح کے کھانے سجائے جاتے، پھر عبدالرحمٰن بن عوفؓ پر گریہ طاری ہوجاتا اور فرماتے کہ، اے اللہ مہاجرین اولین اتنی غربت اور بے کسی کے ساتھ دنیا سے گئے کہ فاقے پر فاقے ہوتے تھے، نبی کریم ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ نے اس غربت میں وفات پائی کہ کفن بھی پورا میسر نہیں تھا اگر سر ڈھانپا جاتا تو پیر کھل جاتے، پیر ڈھانپے جاتے تو سر کھل جاتا تھا، آخر میں سر ڈھانپ دیا گیا اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال کر دفن کر دیا گیا، تو حضرت حمزہؓ کی تو یہ حالت اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا گھر پیسوں اور اشرفیوں سے بھرا پڑا ہے کہیں دنیا ہی میں میری جنت کی نعمتیں تو ختم نہیں کی جارہی ہیں، پھر روتے اور سارے حاضرین روتے اور بے کھائے پیئے اٹھ جاتے اور کبھی کبھی اس طرح دو، دو، فاقے ہوجاتے۔

ذرا غور کیجئے، دولت کا یہ حال اور دل کی کیفیت اور اس کی خشیت کا یہ حال اور نعمتوں کی فراوانی کو دیکھ کر بھی خوف آخرت سے دل کانپ رہا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا تجارتی قافلہ سات سو اونٹوں پر لدے ہوئے مال و اسباب کے

ساتھ شام سے مدینہ پہنچا، اونٹوں کی بلبلاہٹ کی آواز جب حضرت عائشہ صدیقہؓ کے کان تک پہنچی تو پوچھا کہ یہ کیسا شور ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ، سات سو اونٹوں کے سامان کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا تجارتی قافلہ مدینہ پہنچا ہے اسی کی یہ آواز ہے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف حبواً (بکیاں) جنت میں داخل ہوں گے، جب ان کو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے ایسا فرمایا ہے تو سات سو اونٹوں کو مع سامان و اسباب اور ٹاٹ پالان کے ساتھ اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا، تا کہ جنت میں بکیاں کے بجائے سیدھے قالب سے داخلہ ہو۔

دیکھا آپ نے یہ ہے دولت کا صحیح استعمال، لیکن دولت کا صحیح استعمال وہی کر سکتا ہے اور دولت کے [illegible]ن میں کامیاب ہو سکتا ہے جو دولت کو اللہ کی امانت سمجھتا ہو اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور اس کے گھر میں دولت تو ہو لیکن اس دولت نے اس کے دل کو اپنا آشیانہ نہ بنایا ہو، افسوس ہے کہ آج زیادہ تر مسلمان مال و دولت کے اس امتحان میں فیل ہو رہے ہیں، اور غیر ضروری اور لایعنی کاموں میں خرچ کر کے اللہ کی اس امانت میں خیانت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

اولاد بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور بطور امانت دی گئی ہے اور بہت بڑا امتحان بھی ہے، اگر کوئی مسلمان اپنی اولاد کو تقویٰ اور خوف خدا کے لباس سے آراستہ نہیں کرتا، دینی تعلیم و تربیت کو نظر انداز کر کے ان کو دنیا پرست اور غیر اسلامی تہذیب کا عادی بناتا ہے تو گویا وہ اس عظیم نعمت خداوندی کا غلط استعمال کر رہا ہے اور اپنی اولاد پر ظلم بھی کر رہا ہے، جس کا نتیجہ ہوگا کہ ایسی دنیا پرست اولاد، دنیا اور آخرت دونوں میں اس کیلئے وبال ہوگی، اور دنیا میں اس سے جو امید وابستہ کئے ہوئے ہے وہ بھی پوری نہیں ہوگی اور خطرہ ہے کہ اس کی زبان یہی کہے کہ، ۔

مری نماز جنازہ پڑھی رقیبوں نے
مرے تھے جس کیلئے وہ رہے وضو کرتے

جو لوگ دین کو نظر انداز کر کے اپنے بچوں کو محض دنیاوی تعلیم دیتے ہیں اور ان کی مادّی ترقی کا خواب دیکھتے ہیں، ان کا بھی عام طور پر یہی حال ہوتا ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے کہ، ۔

ابھی اڑتے نہیں تو فاختہ کے ساتھ ہیں بچے
اکیلا چھوڑ دیں گے ماں کو جس دن پر نکل آئے

قرآن میں ہے کہ "لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ" فقر فاقہ کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔
بعثت نبوی سے پہلے دور جاہلیت میں عرب کے بہت سے لوگ فقر و فاقہ کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے، جس سے قرآن نے سختی کے ساتھ منع کیا ہے آج بھی ایک دوسری جدید شکل میں قتل اولاد کی وباء عام

ہوگئی ہے، بہت سے کلمہ گو مسلمان اپنے بچوں کا روحانی قتل کر رہے ہیں فقر و فاقہ اور معاشی تنگی کے حل کیلئے اس کو بہانہ بنا کر دینی تعلیم و تربیت کو نظر انداز کر کے اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو غیر اسلامی لباس پہنا کر نرسری انگلش میڈیم اسکولوں کے خدا فراموش ماحول میں بھیج دیتے ہیں، دور جاہلیت میں قتل جسمانی ہو رہا تھا اور آج مسلمان اپنی اولاد کا قتل ایمانی کر رہے ہیں جو قتل جسمانی سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ اکبرالہ آبادی نے کہا تھا کہ۔

یوں قتل سے بچوں کے نہ ہوتا بدنام
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

جدید تعلیمی اداروں، انگلش میڈیم اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کر کے جس طرح کے اسلامی تہذیب اور اسلامی شعار سے عاری طلبہ نکلتے ہیں ان کو دیکھ کر اکبرالہ آبادی نے کہا تھا کہ۔

جوانی کی دعاء بچوں کو ناحق لوگ دیتے ہیں
یہی بچے مٹائیں گے جوانی کو جواں ہو کر

مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کی ایک ایمان افروز، دنیا سے بے رغبت کرنے والی اور اپنی اولاد کے سلسلے میں صحیح موقف کی طرف لے جانے والی حسین تحریر ملاحظہ فرمائیں،

مولانا دریا آبادیؒ لکھتے ہیں کہ، حدیث نبوی ﷺ میں جو اہم دعائیں آئی ہیں ان میں سے ایک لمبی دعاء کا ایک آخری ٹکڑا یہ ہے، وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا غَايَةَ رَغْبَتِنَا " اے اللہ دنیا کو نہ ہمارا مقصود اعظم بنا دینا، اور نہ ہمارے علم کی انتہا اور نہ ہمارے شوق و خواہش کی منزل مقصود۔ (بحوالہ، ترمذی ونسائی، عَنْ اِبْنِ عُمَرؓ)

اسے پڑھنے کے بعد سوچئے کہ ہمارا، آپ کا عمل کسی وجہ سے بھی اس کے مطابق اور ماتحت ہے؟ جس دن سے بھی ہمارے اولاد ہوتی ہے ان کیلئے ہماری بڑی سے بڑی خواہش کیا رہنے لگتی ہے؟ یہی نہ کہ یہ اونچی سے اونچی ڈگری حاصل کر لے، اونچے سے اونچے امتحان مقابلہ میں کامیاب ہو اور اونچی سے اونچی ملازمت فلاں محکمے یا پیشے میں حاصل کرے، نمبر اول نہ سہی دوسرے تیسرے درجہ کسی نمبر پر کوئی خیال اسکا آتا ہے کہ آخر زندگی کا مقصد کیا ہے اور تعلیم و تربیت اور ہر قسم کی آخری منزل آخر کیا ہونا چاہئے۔ یہ ہر قسم کے اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں میں اپنے لڑکے اور لڑکیوں کو اندھادھند جھونکتے رہنا اور ترقی اور اونچی تنخواہ کے ہر راستہ پر آنکھ بند کر کے اپنی اولاد کو ڈال دینا کس ذہنیت کی علامت ہے؟ مآل اندیشی اور عاقبت بینی کا شائبہ بھی اپنے اندر رکھتا ہے؟

(بحوالہ، سیرت کی روشنی میں سچی باتیں، از مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ)

بہر حال اگر ہم اولاد کے امتحان میں پاس ہونا چاہتے ہیں اور خواہش ہے کہ اولاد ہمارے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں کام آئے تو ہمارے لئے بہترین نمونہ اللہ کے خلیل حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے حلیم صاحبزادے حضرت اسمٰعیلؑ ذبیح اللہ ہیں، ہم کو انھی کے نقش قدم پر اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کرنی چاہئے۔

آج ملت کو ایسے ہی نوجوانوں کی ضرورت ہے جو مکمل طور سے نہ سہی تو کسی حد تک حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کے مصداق ہوں اور اللہ کی رضاء کیلئے اللہ کی راہ میں اپنا سر پیش کرنے کی جرأت رکھتے ہوں۔

علامہ اقبالؔ نے اپنے شعر میں اسی تمنا کا اظہار کیا ہے۔

آگ ہے اولادِ ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

قصور والدین کا ہے اگر شروع سے اپنے بچوں کو اسلامی تعلیم وتربیت کریں اور ابراہیمی نظر پیدا کرلیں تو اس قحط الرجال میں بہت سے بچے اللہ کی راہ میں قربان ہونے کیلئے باپ کی آواز پر لبیک کہنے کیلئے تیار ہوجائیں گے۔

ادب سے یَـا اَبَتِ افْعَلْ کہے گلو میرا
کہیں سنائے تو مَـاذَا تَـرٰی زبانِ خلیل

اولاد بہت بڑی دولت ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اگر اس کو متقی و پرہیزگار اور صاحبِ قرآن بنادیا جائے تو آخرت میں ان کی وجہ سے ان کے ماں باپ کے سر پر حشر کے میدان میں نور کا ایسا تاج رکھا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بھی زیادہ ہوگی، اولاد جیسی نعمت پاکر حشر کے میدان میں اگر نور کا یہ تاج حاصل نہ کیا جائے تو کتنی بڑی بدقسمتی ہوگی، اللہ تعالیٰ اس بدقسمتی سے ہم کو محفوظ رکھے۔ آمین

اے اللہ، راقم الحروف کے تمام بچوں اور بچیوں کو نیک اور صالح بنادے، اگرچہ میں نے تعلیم وتربیت میں بہت کوتاہی سے کام لیا ہے، لیکن اے اللہ تو ان کے دل میں اپنی محبت پیدا کردے اور ان کے دل میں دین سیکھنے کا جذبہ بیدار ہوجائے، تاکہ تیرے لطف وکرم سے اولاد کے سلسلے میں مواخذہ سے بچ جاؤں، تیری رحمت سے بڑی امید ہے کہ تو آخرت میں مجھ نالائق نامہ سیاہ کو اولاد کے سلسلے میں مواخذہ سے بچالے گا۔

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، سورہ انفال کا حاشیہ نمبر ۱۴۱ ر پڑھئے،

سو اپنے مال واولاد کو ذریعہ بنالو اس اجر عظیم کے حصول کا۔

فِتْنَةٌ، آزمائش، ذریعہ امتحان، مال واولاد دونوں میں یہ علامت رکھ دی گئی ہے کہ یہ چیزیں ذریعۂ راحت ابدی وسرمدی کا بھی ہوسکتی ہیں اور انتہائی اسباب عذاب کے بھی ثابت ہوسکتی ہیں۔

یہ مال واولاد کی محبت ہی ایسی چیز ہے جس سے امتحان ہوتا رہتا ہے کہ کون ان کی محبت میں حد سے

گذر کر اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کو بھلا دیتا ہے، مال و اولاد کی محبت تو فطری و طبعی ہے اور اگر اپنے حدود کے اندر رہے تو ہرگز قابل گرفت نہیں، لیکن اکثر ہوتا یہی ہے کہ انسان ان حدود سے تجاوز کر کے اس سے اپنا بھی ذاتی نقصان آخرت کا کر لیتا ہے اور یا دنیا میں مصالح ملی کو بھی ضرر پہنچاتا ہے۔

مال را گر بہر دیں باشد حمول
نِعْمَ مَالٌ صَالِحٌ گفتہ رسول

ایک زر و مال ہمارے پیغمبر ﷺ کے سچے رفیقوں طلحہ، وزبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد ابی وقاص اور خود بعض پیغمبروں سلیمان کا اور داؤد کا ہوا ہے، اور ایک زور مال قارون کا بھی ہوا ہے، جس نے بدنصیب کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا؟ اور یہی حال اولاد یا قوم کی کثرت تعداد کا بھی ہوا ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ انفال، حاشیہ نمبر ۴۱/ر)

اقتباس

اولاد بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور بطور امانت دی گئی ہے اور بہت بڑا امتحان بھی ہے، اگر کوئی مسلمان اپنی اولاد کو تقویٰ اور خوف خدا کے لباس سے آراستہ نہیں کرتا، دینی تعلیم و تربیت کو نظر انداز کرے ان کو دنیا پرست اور غیر اسلامی تہذیب کا عادی بناتا ہے تو گویا وہ اس عظیم نعمت خداوندی کا غلط استعمال کر رہا ہے اور اپنی اولاد پر ظلم بھی کر رہا ہے، جس کا نتیجہ ہوگا کہ ایسی دنیا پرست اولاد، دنیا اور آخرت دونوں میں اس کیلئے وبال ہوگی، اور دنیا میں اس سے جو امید وابستہ کئے ہوئے ہے وہ بھی پوری نہیں ہوگی۔

متولی ہونے کیلئے اسلام کے ساتھ مرتبہ تقویٰ بھی شرط ہے

مسلمانوں کے زوال اور ان کی موجودہ پسماندگی اور مسلم معاشرہ میں بگاڑ کے جہاں دوسرے اسباب ہیں، وہیں ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ وہ سچے، مخلص، متقی، پرہیزگار، قائدوں، سرداروں اور ذمہ داروں سے محروم ہیں، مدرسہ میں، اسلامی اداروں میں، نام نہاد مسلم کالجوں اور یونیورسٹیوں میں، ہر جگہ نالائقوں، نااہلوں، مفاد پرستوں اور اللہ سے نہ ڈرنے والوں کا غلبہ ہے۔

حدیث کی روشنی میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب قیامت قریب ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ،
اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ" جب تم دیکھو کہ زمام اقتدار نااہلوں کے ہاتھ میں ہے، تو قیامت کا انتظار کرو۔

آج گاؤں کے پردھان سے لے کر زندگی کے تمام شعبوں میں مشاہدہ کر لیجئے، ہر جگہ نااہل اور دنیا پرست لوگوں کے ہاتھ میں زمام اقتدار ہے، سب سے زیادہ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ بے شمار اسلامی اداروں کا حال یہ ہے کہ وہاں نیک، صالح، دنیا سے بے رغبت، اللہ سے ڈرنے والے، امانت دار لوگوں کو ناظم اور ذمہ دار نہیں بنایا جاتا، بہت سے نظماء و مشائخ قوم کے سرمایہ سے شاہانہ زندگی گذارتے ہیں، یتیموں اور مسکینوں کے مال میں جیسے چاہتے ہیں تصرف کرتے ہیں، بہت سے لوگ مدرسہ قائم کر کے خود ساختہ ناظم بن جاتے ہیں اور ان مدرسوں میں ان کی وراثت چلنے لگتی ہے اور اپنی زندگی میں اپنے بچوں کو ناظم اور سرپرست بنا دیتے ہیں تا کہ یہ جھوٹی وراثت چلتی رہے اور ان کا معاشی مسئلہ حل ہوتا رہے۔ ان کا حال بالکل اسی طرح ہے کہ،

دریا کو اپنی موج کی طغیانوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

متقی اور پرہیزگار اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا آدمی کبھی کسی اسلامی ادارے کی نظامت سے چپکا نہیں رہے گا اور اپنی ذمہ داریوں کے محاسبہ سے اس قدر ڈرے گا کہ چاہے گا کہ جتنی جلد ممکن ہو نظامت و امارت کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکے، اگر کوئی شیخ یا بزرگ یا عالم یا علامہ کسی مدرسے کی نظامت کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھتا ہے، اس کی ذمہ داریوں سے اس کی نیند غائب نہیں ہوتی، اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب نہیں امنڈتا، اس سے دامن بچانے کی کوشش نہیں کرتا، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کا دل، تقویٰ، خوف خدا کی روح اور محاسبۂ آخرت کے اندیشے سے خالی ہے۔

بہر حال اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ ان کے مسلم معاشرہ کی اصلاح ہو، اور ان کے مدرسوں، اور ان کے

چھوٹے بڑے اسلامی اداروں میں دینی بہار آئے اور وہاں سے اچھے اور نیک وصالح طلبہ نکلیں اور علم وعمل کے اسلامی درختوں پر اچھے پھل لگیں تو ضروری ہے کہ متقی اور پرہیزگار لوگوں کو ناظم، مہتمم سرپرست اور ذمہ دار بنایا جائے۔

یہ نص قرآنی ہے کہ خانہ کعبہ کا متولی اور کسی مسلم ادارے کا ذمہ دار وہی ہوسکتا ہے جو متقی اور پرہیزگار ہو۔

صاحب تَرْجُمَانُ السُّنَّة مولانا بدر عالم میرٹھیؒ نے بہت سچ فرمایا ہے کہ کسی مدرسہ کے اساتذہ کے انتخاب میں علمی صلاحیت سے زیادہ تقوی اور پرہیزگاری کو دیکھنا چاہئے۔

بہرحال قوم مسلم کی بے حسی کی جو موجودہ صورت حال ہے اس کو دیکھ کر بہت ہی حسرت وافسوس کے ساتھ زبان پر یہ شعر جاری ہوجاتا ہے۔

شعورِ راہِ منزل مٹ گیا جب رہ نوردوں سے
تو ہم نے رہزنوں کو رہنما ہوتے ہوئے دیکھا

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، سورہ انفال کا حاشیہ نمبر ۴۸ / پڑھیے،

اِنْ اَوْلِيَاءُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ، بیت اللہ کے متولی اور اللہ کے ولی ہونے کیلئے پہلی اور بنیادی شرط اسلام ہی نہیں بلکہ مرتبہ تقوی ہے، جو ایمان راسخ اور اخلاص کامل ہی سے حاصل ہوتا ہے اور بہت سے لوگ اتنی موٹی اور کھلی ہوئی بات کا بھی علم نہیں رکھتے۔ مشرکوں کو تو چھوڑیئے اب تو صدیوں سے خود مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ ولایت کا معیار ان کے نزدیک محض خوارق وعجائب رہ گئے ہیں، جو شخص بھی کوئی اُعجوبہ کسی طرح دکھا سکتا ہے بس وہ "مجذوب" ہے، برگزیدۂ الٰہی ہے اور متصرف فی الکائنات ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ انفال، حاشیہ نمبر ۴۱/)

۞۞

میدان جنگ میں بھی ذکر الٰہی کی کثرت

اللہ پر اور آخرت پر ایمان لانے والوں کی اہم اور امتیازی صفت یہ ہوتی ہے کہ ہر وقت ان کو اللہ کا استحضار رہتا ہے ایک لمحہ بھی وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے، ذکر الٰہی کا یہ وہ ہتھیار ہے جس سے مسلح رہنے کی وجہ سے وہ زندگی کے ہر شعبے میں کامیاب ہوتے ہیں، یہاں تک کہ میدانِ جنگ میں جہاں انتہائی افراتفری کا عالم ہوتا ہے اور موت سامنے ہوتی ہے لیکن اللہ کی یاد ان کے دل پر چھائی رہتی ہے۔

اللہ ہر وقت ان کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے اور اللہ کو ہمہ وقت یاد رکھنے کی وجہ سے ان کا کوئی قول، فعل اور عمل اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہیں ہوتا اور اللہ کی رضاء کیلئے موت سے بے پرواہ ہو کر دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہیں، اور ذکر الٰہی کا یہ رعب دشمنوں پر چھا جاتا ہے اور ان کے دل میں مسلمانوں کی ہیبت بیٹھ جاتی ہے، بالآخر اخلاص اور ذکر الٰہی کی برکت سے قلت تعداد کے باوجود مسلمانوں کو دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔

ذکر الٰہی کی کثرت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی بھی حال میں اللہ کو نہ بھولے اور اسکا کوئی قدم اللہ کی مرضی کے خلاف نہ اٹھے، ذکر، عدم نسیان (اللہ کو نہ بھولنے) کا نام ہے، محض زبان سے الفاظ کی تکرار کا نام نہیں ہے۔

مولانا اسعد صاحبؒ نے خوب فرمایا ہے کہ،

گو ہزاروں شغل ہیں دن رات میں ☆ لیکن اسعدؔ آپ سے غافل نہیں

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، سورہ انفال کا حاشیہ نمبر ۷۱ / پڑھیے،

قلب میں قوت وثبات اسی ذکر الٰہی اور کثرت ذکر سے پیدا ہوگی، خوب غور کر لیا جائے، لشکر اسلام کو یہ حکم نہیں ہوتا کہ اپنے وطن کی یا اپنے قبیلہ کی جے پکارو، یا اپنے لیڈروں کے نام کے نعرے لگاؤ، بلکہ اس نازک گھڑی میں جب موت سامنے کھڑی ہو اللہ ہی کو پکارے جاؤ، زمین کے ٹکڑوں کے واسطے، ملک و مال کے واسطے، رنگ و زبان کے واسطے لڑنے والوں سے ان لوگوں کے طریقے بالکل دوسرے ہوتے ہیں جو محض اللہ کے دین کی خاطر اپنی جانیں دینے کو نکلتے ہیں، ان کو جغرافی، سیاسی بحثوں سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، یہ جان دیں گے تو اپنے ملک و وطن کا جھنڈا اڑاتے نہیں بلکہ اللہ کے نام کی بلندی پکارتے ہیں اور اسی کا ذکر جلی وخفی کرتے ہوئے۔

مولوی معنوی کا ایک شعر تھوڑے سے تصرف کے ساتھ،

دین مسلم از ہمہ دینہا جدا ست
مسلماں را مذہب و ملت خدا ست

(بحوالہ، تفسیر سورہ انفال، حاشیہ نمبر ۷۱ /)

کافر کے لئے اندھیرا ہی اندھیرا ہے

کفر و شرک کی وجہ سے کافر اور مشرک کتنے بڑے خطرے اور کتنی بڑی مصیبت میں ہیں اس کے تصور ہی سے دل کانپ جاتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ موت کے وقت موت کے بعد جس ہولناک منظر کا سامنا ان کو کرنا ہے اور ان کا جو انجام ہونے والا ہے اس کی ان کو خبر نہیں ہے، کافروں کی روح قبض کرتے وقت فرشتے ان کے چہروں اور ان کی پشتوں کو مارتے ہیں ان کی مار اور ضرب کتنی ہولناک ہوگی اس کا تصور بھی محال ہے اور ان سے کہتے ہیں کہ اب جلنے کے عذاب کا مزا چکھو۔

کافر نے چوں کہ اسی چند روزہ زندگی کو اپنا مقصد بنایا تھا اور جو کچھ کرتا تھا وہ اس دنیائے فانی ہی کیلئے کرتا تھا، اس لئے جب وہ موت کے وقت دیکھے گا کہ اس دنیا کو اور یہاں کے مال و اسباب کو یہاں کے بینک بیلنس کو یہاں کے فلیٹ اور محل کو چھوڑ کر جارہا ہے تو اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جائے گا، ایک غم تو اس کو دنیا کے چھوڑنے کا ہوگا اور دوسرا غم جہنم کے دردناک دائمی عذاب کا ہوگا، جس کا مطلب ہے کہ کافر کیلئے اندھیرا ہی اندھیرا ہے، اس کی قسمت میں خوشی اور امید کی کوئی کرن نہیں ہے۔

اب سوچنے کی بات ہے کہ دنیا والوں کی ایک کثیر تعداد اتنے بڑے خطرے سے دوچار ہے اور اندھیروں میں بھٹک رہی ہے تو ایسی صورت میں جو توحید کی روشنی میں ہیں ان کی کیا ذمہ داری ہوتی ہے، ظاہر ہے مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جو لوگ کفر و شرک کی وجہ سے دوزخ کے کنارے کھڑے ہیں اور اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں ان کو ان کے خطرناک انجام سے خبردار کریں۔

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، سورہ انفال کا حاشیہ نمبر ۸۰ / پڑھیئے،

يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ (فرشتے ان کے چہروں اور پشتوں پر مار رہے ہوں گے) سے امام رازیؒ نے یہ لطیف نکتہ بھی نکالا ہے کہ کافر کی روح جب دنیا سے روانہ ہوتی ہے تو دنیا کے چھوٹنے کا تو اسے صدمہ ہوتا ہی ہے، ادھر آخرت پر جب نظر کرتا ہے تو ادھر بھی تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے اس طرح اس پر آگے اور پیچھے دونوں طرف سے گویا دہری مار پڑتی ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ انفال، حاشیہ نمبر ۸۰)

❁ ❁

بداعمالیوں کا نتیجہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیکی اور حق کو پہچاننے کی ایک فطری صلاحیت دے رکھی ہے جب انسان اپنی اس فطری صلاحیت سے کام نہیں لیتا تو غلط راہوں پر جانا اس کیلئے آسان ہو جاتا ہے، کچھ ایسی نعمتیں ہوتی ہیں جس کا تعلق دل اور دماغ سے ہوتا ہے اور کچھ ایسی ہوتی ہیں جن کا تعلق ظاہر سے ہوتا ہے، جب آدمی اللہ کی دی ہوئی ان اندرونی اور بیرونی نعمتوں کو بدل دیتا ہے، یعنی ان کا صحیح استعمال نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کو اس سے چھین لیتا ہے۔

مکہ مکرمہ میں عربوں کیلئے حضور اکرم ﷺ کی بعثت بہت بڑی نعمت تھی جس پر ان کو فخر کرنا چاہئے تھا اور اس نعمت کی موافقت اور نصرت کرنا چاہئے تھا، لیکن جب انہوں نے موافقت کو مخالف سے اور حضور اکرم ﷺ کی نصرت کو عداوت سے بدل دیا تو ان کی ریشہ دوانیوں اور مخالفتوں سے مجبور ہو کر آپ مدینہ ہجرت کر گئے، تو اس نعمت عظمیٰ کو بدلنے یعنی اس کی ناقدری کرنے کی وجہ سے ان پر عذاب آ گیا۔

آپ کے پاس ایک برتن ہے جو شہد رکھنے کیلئے ہے، لیکن آپ نے اس کو شراب سے بھر دیا تو اس کا مطلب ہے کہ آپ نے اس برتن کو بدل دیا۔

آپ کے پاس ہیرے جواہرات کیلئے ایک دوکان ہے لیکن آپ نے ہیرے جواہرات کے بجائے اس کو مٹی ڈھیلے اور کنکر پتھر سے بھر دیا تو گویا آپ نے اس دوکان کو بدل دیا۔

اسی طرح اللہ نے آپ کو جو دل دیا تھا وہ اس لئے تھا کہ اس کو اللہ کی محبت اور معرفت سے بھرا جائے، لیکن آپ نے اسکو مادہ پرستی حب مال وجاہ وغیرہ سے بھر کر اس کو کباڑ خانہ بنادیا، اسکا مطلب ہے کہ آپ نے دل جیسے ربانی ظرف کو بدل دیا اور اس کو کباڑ خانہ بنادیا، تو اس کا نتیجہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے اپنی محبت و معرفت کی نعمت چھین لے گا، آپ کے اندر ہدایت کا ایک چراغ اللہ نے جلادیا تھا جس سے آپ روشنی حاصل کریں لیکن آپ نے اس چراغ کو بجھادیا، تو اس کا نتیجہ ہوگا کہ خود آپ کی بدعملی سے اللہ تعالیٰ آپ کو اندھیروں میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دے گا۔

آپ کی منزل آگے ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی آنکھوں کو روشنی عطاء کی ہے تا کہ آپ آگے اپنی منزل کی طرف دیکھیں، لیکن آپ نے پیچھے دیکھنا شروع کیا تو ظاہر ہے کہ آپ اپنی منزل سے دور ہوتے جائیں گے اور ہلاکت کے کسی گڈھے میں گر جائیں گے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آنکھ، کان، دل، دماغ، مختلف اعضاء و جوارح مال واولاد جو بھی نعمت آپ کو دی ہے، اگر ان کا غلط استعمال کریں گے تو گویا آپ نے اللہ کی ان نعمتوں کو بدل دیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بدلنے ہی کا نام بدعملی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے چہرے کو خوبصورت بنایا اور حکم دیا کہ اس کو آپ حضور اکرم ﷺ کے چہرہ مبارک کی طرح بنائیں یعنی سنت کے مطابق داڑھی رکھ لیں، لیکن اگر آپ داڑھی منڈاتے ہیں، تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ

کی فطرت اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدعت سے بدل دیا، تو لازمی ہے کہ اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی کی سزا آپ کو بھگتنی پڑے گی، جب تک مسلمان اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا صحیح استعمال کرتے رہے دنیا میں غالب رہے، لیکن جب اللہ کی نعمتوں کو مسلمان بدلنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فتح وغلبہ کی نعمت چھین لی اور غیروں کو ان پر مسلط کر دیا، اللہ کی نعمتوں کے غلط استعمال ہی سے اندلس اور ہندوستان کی آٹھ سو سالہ مسلم حکومت کا خاتمہ ہوا، بہر حال یہ حقیقت ذہن نشین کر لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بدلنے اور ان کے صحیح استعمال نہ کرنے ہی کا نام بدعملی ہے اور ہماری تمام ذلت ورسوائیوں کا سبب یہی بداعمالیاں ہیں۔

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، سورہ انفال کا حاشیہ نمبر ۸۲ / پڑھئے،

یہاں یہ کلیدی حقیقت بیان کر دی ہے کہ جب تک کوئی قوم خود اپنی اندرونی حالت اس سے مختلف نہ کرے جو نزول نعمت کے وقت اس کی تھی اور اپنے اندر بجائے ایمان وطاعت کے کفر وخباثت نہ پیدا کرے، نعمت اور خبث کا اجتماع خلاف حکمت الٰہی ہے اور امت کی تاریخ خود اس آیت کی بہترین شرح وتفسیر ہے۔

کہاں تو بعد رسول ﷺ دور خلافت راشدہ میں یہ قوم اس حیرت انگیز ترقی سے بڑھی اور چند سال کے اندر دنیا پر اس طرح چھا گئی کہ یہ بجائے خود ایک معجزہ ہے اور تاریخ عالم میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں، اور کہاں جب گرنا شروع ہوئی تو اس کی گراوٹ بھی ایک ضرب المثل اور کہاوت بن گئی، اسپین پر سات سو سال تک حکومت کی اور پھر انتہائی بیکسی کے ساتھ اسکے ایک ایک متنفس کو ملک بدر ہونا پڑا، ہندوستان میں نو سو سال سے اوپر تک اپنا جھنڈا بلند رکھا، پھر حکومت چھنی اور اب جو گت بن رہی ہے، ظاہر ہی ہے ترکی کا رقبہ حصے بخرے ہو کر کتنا سمٹ کر اور سکڑ کر رہ گیا ہے، حیدرآباد دیکھتے ہی دیکھتے خودکشی کر بیٹھا، دنیوی نعمت کی یہ ساری مسلوبی ثمرہ ہے اس کا کہ پہلے امت نے اپنی قلب ماہیت کر لی اور عدل عبادت، خداترسی کی ساری نعمت کو بدل کر اس کی جگہ ظلم، نفسانیت، شقاوت، برادرکشی، خیانت، عشرت پرستی، غرض ہر قسم کی خباثت سے اپنے سینوں کو آباد کر لیا۔

ذٰلِكَ " یعنی یہی قانون جو اوپر بیان ہوا ہے یہ کہ بلا جرم شدید اللہ کسی کو سزا نہیں دیتا، اور جب سزا دینا چاہتا ہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا، حَتّٰى يُغَيِّرُوْا، ان الفاظ نے بتا دیا کہ سلب نعمت، نتیجہ امت کے کسی اضطراری یا اتفاقی سہو وغفلت کا نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ارادی واختیاری عمل کا ہوتا ہے۔

مَا بِاَنْفُسِهِمْ " لفظ بہت اہم ہے، سلب نعمت جب ہی ہوتا ہے جب امت اپنی باطنی حالت نفسی زندگی تبدیل کر لیتی ہے، نعمت کا لفظ عام ہے، دنیوی، اخروی، مادی وروحانی، انفرادی وقومی، سب ہی طرح کی نعمتیں اس میں آگئیں۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ انفال، حاشیہ نمبر ۸۲ /)

دشمنوں کو مرعوب کرنے کیلئے آلات حرب کی اہمیت

کوئی کتنا ہی ڈیل ڈول والا آدمی ہو لیکن اس سے کوئی کتا مرعوب نہیں ہوگا، اس کو دیکھ کر بھونکے گا غرائے گا اور اس کی طرف لپکنے کی کوشش کرے گا، لیکن اگر اس کے ہاتھ میں کوئی ڈنڈا ہے تو وہ کتا ڈر جائے گا اور اس کی ہمت نہیں ہوگی کہ پھر اس کی طرف بڑھے۔

بندر آدمیوں کو دیکھ کر خوب گھورتے ہیں اور ڈرانے دھمکانے کیلئے ان کی طرف بڑھتے ہیں، لیکن آدمی کے ہاتھ میں اگر تیر و کمان ہو، کوئی غلیل ہو، بندوق ہو اور اس کا رخ ان بندروں کی طرف کر دے تو وہ ڈر کر بھاگ جائیں گے، اگر چہ نصرت اور فتح صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، لیکن اسباب کی اس دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہتھیار کا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ ان ہتھیاروں سے دشمنوں پر رعب رہتا ہے، اور ان کی ہمت مسلمانوں کے مقابلے میں آنے سے جواب دے دیتی ہے۔

اسلام بلا ضرورت جنگ و قتال کو پسند نہیں کرتا، اس لئے ہتھیاروں کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ دشمن اس کی وجہ سے جنگ کرنے کی ہمت نہیں کریں گے اور جنگ و قتال کی نوبت کم آئے گی، اور اگر مسلمانوں کے مقابلے میں دشمن آ بھی گئے تو مسلمان اپنے ہتھیاروں سے ان کے ہتھیاروں کا جواب دے سکتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ دشمنوں پر ہیبت طاری کرنے کیلئے جنگی اور دفاعی سامان بھی تیار کرو۔

حالات کے پیش نظر جیسے ہتھیار دشمنوں کے پاس ہیں اسی طرح کے ہتھیار مسلمانوں کے پاس بھی ہونا چاہئے البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ مسلمان ہتھیار سے مسلح تو رہتے ہیں لیکن ان کا بھروسہ ہتھیاروں پر نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی نصرت اور مدد پر ہوتا ہے، ہتھیار تو محض ان بے عقل دشمنوں کو ظاہری طور سے مرعوب ہونے کیلئے ہوتا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور اپنی مادّی طاقت پر بھروسہ کرتے ہیں، کفار و مشرکین اور اسلام کے دشمنوں کے پاس صرف مادّی طاقت ہوتی ہے اور ان کا بھروسہ بھی اسی مادّی اور ظاہری طاقت پر ہوتا ہے اور مسلمانوں کا بھروسہ اللہ کی نصرت پر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے ساتھ ہوتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ آلات حرب و ضرب بھی ان کے ہاتھ میں ہوتے ہیں، اس لئے جب کفار و مشرکین سے مقابلہ ہوتا ہے تو مسلمانوں کو ان پر غلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔

آج سب سے بڑا حادثہ ملت اسلامیہ کیلئے یہ ہے کہ وہ اخلاق و تقویٰ کی طاقت سے بھی محروم ہیں، اور مادّی طاقت بھی ان کے پاس نہیں ہے، اس لئے دشمن ان پر چڑھ بیٹھتا ہے اور اسلام دشمن طاقتوں کے وہ غلام ہیں، اگر کسی غیر مسلم ملک میں مسلمان ہیں تو وہاں ان کیلئے ممکن نہیں ہے کہ وہ جنگی تیاری کر سکیں اور اسلحہ اکٹھا کر سکیں، لیکن جہاں مسلمانوں کی حکومت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مال و دولت سے بھی نوازا ہے تو ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی مادّی طاقت کو بھی مضبوط کریں اور وہ سارے ہتھیار اور جدید ٹکنالوجی ان کے پاس ہو جو دشمنوں کے پاس ہے اور

دولت کا جو سرمایہ شاندار بلڈنگوں فلک بوس عمارتوں، تفریحی مقامات اور سپر مارکٹوں پر خرچ کرتے ہیں، وہ سرمایہ جنگی تیاری میں لگائیں اور ہتھیار اور جدید ٹکنالوجی میں وہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہو جائیں۔

لیکن افسوس ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتے، عربی مسلم ممالک اور جتنے بھی دنیا میں مسلم ممالک ہیں اللہ تعالیٰ ان کو صحیح اسلامی سوجھ بوجھ عطاء کرے، اخلاص وتقویٰ کے لباس سے آراستہ ہو کر دشمنوں کو مرعوب کرنے کیلئے جدید حالات کے تقاضوں کے مطابق جنگی سامان بھی تیار کریں تاکہ جس ذلت ورسوائی اور غیروں کی غلامی کے دور سے مسلمان گذر رہے ہیں اِس کا خاتمہ ہو، اور پھر چہار دانگ عالم میں اسلام کا جھنڈا لہرانے لگے، اور اسلام کے اس سہ نکاتی فارمولے پر عمل کریں، یعنی تمام غیر مسلم حکومتوں کو پہلے اسلام کی دعوت دیں اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو ان سے جزیہ کا مطالبہ کریں، اگر جزیہ دے کر مسلم حکومت کے ماتحت رہنے کیلئے تیار نہ ہوں تو میدانِ جنگ میں ان کو دعوت مقابلہ دیں، انشاء اللہ جس دن اس فارمولے پر عمل ہوا اسی دن سے دنیا میں مسلمانوں کا غلبہ شروع ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح ونصرت ان کا قدم چومے گی۔

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، سورہ انفال کا حاشیہ نمبر ۸۹/ ۹۰ / پڑھئے،

آیت میں اس گہری حقیقت کی تعلیم ہے کہ اہل کفر تو برابر تمہارے اور تمہارے دین کے دشمن رہا ہی کریں گے تم ان سے مقابلہ کیلئے ہمیشہ تیار رہو، ان کی طرف سے غافل کبھی بھی نہ ہو اور اپنے پاس وہ سامان برابر تیار رکھو جس سے ان پر ہیبت طاری ہوتی ہو، اور ان کے دل دہلتے ہوں، آیت میں کھلی ہوئی تاکید دنیوی سامان حرب سے لیس اور تیار رہنے کی ہے اور آیت نے اس جاہلانہ خیال کی جڑ کاٹ دی ہے کہ اسلام مذہب صرف توکل اور ترک تدبیر وترک جہد کا ہے۔

قوت کا لفظ عام ہے، عددی قوت، سامانِ جنگ کی قوت، آلاتِ حرب کی قوت، سب کچھ اس کے اندر آ گیا، حدیث میں قوۃ کی تفسیر رمی سے تو تصریح کے ساتھ آئی ہے، اس وقت رمی کا مصداق صرف تیر تھے اور اب اس کا اطلاق توپ وبندوق کی قسم کے ہر آلہ پر ہوتا ہے، صاحب روح المعانی نے آیت کے تحت میں بندوق کا ذکر تصریح کے ساتھ کیا ہے، اور اگر آج ہوتے تو مشین گن اور طیارہ اور ٹینک، جنگی جہاز اور ہائیڈروجن بم، اور ایٹم بم وغیرہ سب کے نام عجب نہیں کہ لکھ جاتے۔

۹۰ یہاں اشارۃً یہ بتادیا کہ علاوہ ان کافروں کے جن سے تمہارا سابقہ رہا کرتا ہے کچھ اور بھی قومیں ہیں جو ابھی تمہارے علم میں نہیں مگر اللہ کے علم میں تو ہے کہ کبھی ان سے بھی تمہاری مڈبھیڑ ہوگی، اس میں ایران کی مجوسی اور روم کی مسیحی قومیں تو آ ہی گئیں جن سے آگے چل کر حضرات صحابہ کو معرکہ آرائی کرنی پڑی، باقی قیامت تک کی ساری مخالف اسلام قومیں بھی آسکتی ہیں۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ انفال، حاشیہ نمبر ۸۹/ ۹۰)

قرآن وسنت کے خلاف ہر کسی قول کوٹھکرادیا جائے

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات کے مقابلے میں کسی کی بات نہیں مانی جائے گی، اگر کوئی آدمی قرآن و سنت کے کسی حکم کے مقابلے میں کسی دوسرے کے حکم کو ترجیح دیتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس نے اس کو اپنا خدا اور معبود بنالیا ہے، کسی بڑے سے بڑے امام اور بزرگ کا کوئی قول ہو اس کو قرآن وسنت کی روشنی میں دیکھا جائے گا، اگر قرآن وسنت سے وہ قول ٹکراتا ہے تو اس کوٹھکرادیا جائے گا۔

مسلمان ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کا پابند ہے، اسلام صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور فرماں برداری ہی کا نام ہے، حکومت وقت کا کوئی بھی قانون اگر شریعت کے خلاف ہوگا تو مسلمان اس کو تسلیم نہیں کرے گا، مسلمان اپنی بڑی سے بڑی ملازمت کو قربان کرسکتا ہے اور اپنا ہر مادی نقصان برداشت کرسکتا ہے لیکن قرآن وحدیث کے قانون کے خلاف بال برابر بھی انحراف نہیں کرسکتا۔

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، تفسیر سورہ توبہ کا حاشیہ نمبر ۵۶ ر پڑھئے۔

یعنی انہیں مستقلاً ایسا صاحب اختیار مان رکھا ہے کہ گویا وہی معبود اور رب ہیں، جو چاہیں جائز کردیں جو چاہیں وہ حرام ٹھہرادیں سارے اختیارات شریعت وقانون سازی کے گویا انہی کو حاصل ہیں مسیحیوں کے ہاں فرقہ کیتھولک میں پوپ (پاپائے روم) بہ حیثیت نائب مسیح آج بھی سارے اختیارات علانیہ رکھتا ہے، اور فرقہ پروٹسٹنٹ نے بھی عملاً سارے اختیارات کلیسا (چرچ) کو دے رکھے ہیں، یہود کے یہاں بھی ربیوں کے احکام خود توریت کی تعلیمات پر غالب آگئے تھے۔

آیت کی تفسیر ماثور بھی یہی ہے، عدیؓ بن حاتم نومسلم عیسائی کی روایت کتب حدیث میں درج ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم لوگ اپنے مقتداؤں اور پیشواؤں کو خدا کب مانتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حلال وحرام کے اختیارات ان میں مان لینا عملاً انہیں خدائی اختیارات دے دینا اور رب کے مرتبہ پر پہنچادینا ہے۔

آیت میں مسلمانوں کیلئے بھی بڑی عبرت ہے، انہوں نے بھی مختلف اماموں اور مشائخ کو مستقل مطاع قرار دے کر عملاً انہیں معصومیت بلکہ خدائی کے مرتبہ پر پہنچادیا ہے، قرآن کی صریح آیت کو اپنے ضمیر کی صحیح شہادت کو کھلے ہوئے مشاہدہ کو سب کو چھوڑ دیں گے، لیکن اپنے شیخ کے قول کو نہ چھوڑیں گے۔

امام رازیؒ نے اس موقع پر اپنے استاد کا قول نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں میری نظر سے ایسے مقلدین گذرے ہیں جن کے سامنے ان کے مسلک کے خلاف میں نے قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں،

انہوں نے آیات کے آگے سر تسلیم خم نہ کیا، ان کی طرف التفات نہ کیا، اسلئے حیرت سے میری طرف دیکھتے رہے کہ ان کے اسلاف کے مسلک کے خلاف یہ آیات قرآنی کیونکر ہوسکتی ہیں، اور تاویل بجائے ان کے اقوال میں کرنے کے خود ان آیات میں کرنا چاہئے۔ یہ قول نقل کر کے امام موصوف خود لکھتے ہیں کہ،

وَلَوْتَامَّلْتَ حَقَّ التَّامُّلِ لَوَجَدْتَ هٰذَاالدَّاءَ سَارِيًا فِيْ عُرُوْقِ الْاَكْثَرِيْنَ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا" اگر غور کر کے دیکھا جائے تو اکثر اہل دنیا اس بیماری میں مبتلا نظر آئیں گے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ توبہ، حاشیہ نمبر ۵۶)

اقتباس

اگر کوئی آدمی قرآن وسنت کے کسی حکم کے مقابلے میں کسی دوسرے کے حکم کو ترجیح دیتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس نے اس کو اپنا خدا اور معبود بنالیا ہے، کسی بڑے سے بڑے امام اور بزرگ کا کوئی قول ہو اس کو قرآن وسنت کی روشنی میں دیکھا جائے گا، اگر قرآن وسنت سے وہ قول ٹکراتا ہے تو اس کو ٹھکرادیا جائے گا۔

مسلمان ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کا پابند ہے اسلام صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہی کا نام ہے، حکومت وقت کا کوئی بھی قانون اگر شریعت کے خلاف ہوگا تو مسلمان اس کو تسلیم نہیں کرے گا، مسلمان اپنی بڑی سے بڑی ملازمت کو قربان کرسکتا ہے اور اپنا ہر مادّی نقصان برداشت کرسکتا ہے، لیکن قرآن وحدیث کے قانون کے خلاف بال برابر بھی انحراف نہیں کرسکتا۔

دنیا کی کوئی طاقت اسلام کو نقصان نہیں پہنچا سکتی

اسلام اللہ کا دین ہے، دنیا کی کوئی طاقت نہ پہلے اسلام کو نقصان پہنچا سکی اور نہ قیامت تک پہنچا سکتی ہے، اسلام کے سلسلے میں بہت سے مسلمانوں کی زبان پر یہ غلط جملہ جاری ہو جاتا ہے کہ اسلام بہت مظلومیت اور مغلوبیت کی حالت میں ہے، اسلام کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے، آج اسلام کی روشنی ٹمٹما رہی ہے، اسلام کے متعلق اس طرح کے جملے اسلام کی شان کے خلاف ہیں، اسلام اللہ تعالیٰ کا غالب دین ہے، وہ کبھی نہ مغلوب رہا ہے، نہ آج مغلوب ہے، نہ قیامت تک مغلوب ہوگا، اسلام اللہ کا نور ہے جس کی روشنی نہ کبھی مدھم ہو سکتی ہے، نہ بجھ سکتی ہے۔

کیوں دیتا ہے خطرے کی دہائی سر محفل
خطرے میں حقیقت کبھی آ ہی نہیں سکتی

البتہ یہ کہنا حق بجانب ہے اور صدفی صد صحیح ہے کہ اسلام کو چھوڑ دینے اور اسلامی تعلیمات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے دنیا میں آج مسلمان مغلوب ہیں، اسلام کی شمع فروزاں سے فائدہ نہ اٹھانے کی وجہ سے مشکلات و مصائب کے اندھیروں میں مسلمان بھٹک رہے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد ابھی چند ہی کمزور قسم کے لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے، اور حال یہ تھا کہ اسلام کو مٹانے کیلئے مکہ کے کفار و مشرکین نے اپنی پوری طاقت لگا دی اور سارے حربے اختیار کیے لیکن اسلام کی روشنی پھیلتی ہی گئی اسلام کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکا۔

ایرانیوں، رومیوں، مجوسیوں اور یہودیوں نے اسلام کے خلاف اپنی پوری طاقت جھونک دی، لیکن اسلام کے شجر طوبیٰ کی ایک ٹہنی کو بھی نہ ہلا سکے، قرآن اور اسلام کے خلاف عیسائیوں نے جو بھی سازش کی اس میں ان کو ناکام ہونا پڑا، اختصار کے ساتھ میں یہاں صرف ایک مثال پیش کر رہا ہوں۔

انگلستان کا بادشاہ رچرڈ، عیسائیوں کے یہاں شیر دل کے لقب سے مشہور تھا، اسی عیسائی بادشاہ رچرڈ نے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلیبی جنگ لڑی تھی اور پوری طاقت لگانے کے بعد بھی صلاح الدین ایوبی کے مقابلے میں شکست سے دوچار ہوا، اور صلاح الدین ایوبی نے ۵/ اکتوبر ۱۱۸۷ء کو بیت المقدس فتح کر لیا، یہ شاہ انگلستان اسلام اور مسلمانوں سے اتنا جلا بھنا رہتا تھا کہ ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کسی نہ کسی خطرناک سازش میں رہتا تھا، ایک مرتبہ اس نے انگلستان، فرانس، اسپین اور جرمنی کے کچھ منتخب پادریوں کو اکٹھا کیا اور ان کے سامنے ایک خطرناک تقریر کی جس کا ایک مختصر حصہ ملاحظہ فرمائیں۔

اس نے اپنی تقریر کے ابتدائی کلمات میں کہا کہ، اے کلیسا کے محافظو، چار سال پہلے جب میں نے

آپ لوگوں کو خطاب کیا تھا تو یہی تجویز طے پائی تھی کہ دین محمدی ﷺ کو نیست و نابود کرنے کیلئے دنیائے اسلام میں جتنے قلمی نسخے قرآن کے ہیں وہ خرید لئے جائیں اور ان کو جلا دیا جائے، نہ مسلمانوں کی مقدس کتاب (قرآن) باقی رہے گی نہ ان کا دین ترقی پذیر ہو سکے گا۔

ہمارے نمائندوں نے ترکی اور مصر میں ہزاروں قرآنی نسخے خریدے اور ان کو جلا دیا، لیکن معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے ایک طبقہ نے تو قرآن کو حفظ کر لیا ہے، اس طبقہ کو حفاظ کرام کہا جاتا ہے، اگر کوئی نسخہ گم ہو جائے یا چوری ہو جائے تو قرآن کے حافظ اپنے کاتبوں سے دوبارہ قرآن شریف لکھوا لیتے ہیں اور پھر سے نئے نسخے تیار ہو جاتے ہیں، ہمارے نمائندے جو اسلامی لبادہ میں قرآنی نسخے خرید رہے تھے اور پھر جلا دیا کرتے تھے اور جن کو ہم نے ایک لاکھ پونڈ دے کر اسلامی ملکوں میں بھیجا تھا، کافی روپیہ ضائع کرنے کے بعد بھی وہ ناکام انگلستان واپس آگئے اور ہماری یہ اسکیم بری طرح ناکام ہو گئی۔

آج بھی مغربی ممالک اپنے سابق ہیرو شاہ رچرڈ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، امریکہ، برطانیہ، فرانس وغیرہ سبھی ممالک متحد ہو کر اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کر رہے ہیں اور اسلام دشمنی میں وہ سب کچھ کر گذرتے ہیں جس کو دیکھ کر انسانیت شرما جاتی ہے، لیکن ان کی ہزار مخالفتوں اور خفیہ وعلانیہ سازشوں اور تدبیروں کے باوجود اسلام انہی کے ملکوں میں پھیل رہا ہے اور اسلام کے خلاف ان کی ہر سازش ناکام ہو رہی ہے اسی لئے ان پر بوکھلاہٹ طاری ہے اور اسلام کی قوت کشش اور اس کی طاقت سے ہراساں ہیں، ان بے عقلوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی ہے کہ اگر سورج کی طرف گرد، غبار اور گہرا دھواں اڑایا جائے تو کیا سورج کو اور اس کی روشنی کو کچھ بھی نقصان پہنچ سکتا ہے بلکہ انہی کا نقصان ہوگا کہ روشنی کے سامنے چادر پھیلانے کی وجہ سے وہ خود اندھیرے میں ہو جائیں گے۔

رات آتی ہے تو سورج کی روشنی غائب ہو جاتی ہے، فضا میں بادل چھا جاتا ہے تو اس وقت بھی سورج کی روشنی دکھائی نہیں دیتی لیکن اسلام ایک روشن سورج ہے جس کیلئے کوئی رات نہیں ہے، وہ جس طرح دن کو چمکتا ہے اسی طرح رات کو بھی چمکتا ہے اس کو نہ گہرے گرد و غبار والی آندھیاں چھپا سکتی ہیں نہ بادلوں کی کوئی گھٹا اس کی روشنی کے درمیان حائل ہو سکتی ہے، اس پر رات دن کا کوئی اثر نہیں ہوتا اسلام اپنی سنہری کرنوں کے ساتھ ہر وقت چمکتا رہتا ہے، جو اس کے مقابل آتا ہے اسی کا نقصان ہوتا ہے۔ جو لوگ اسلام کی مخالفت میں سرگرم ہیں ہم ان سے کہتے ہیں کہ تم لوگ اپنا نقصان مت کرو، اپنے اوپر رحم کرو، تم اسلام کے خلاف گھٹ گھٹ کے مر جاؤ اپنی ساری طاقت اسلام کے خلاف نچوڑ دو، لیکن نہ تم اسلام کو نقصان پہنچا سکتے ہو نہ مسلمانوں کو۔ یاد رکھو کہ۔

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

بہر حال اسلام دشمن طاقتوں کی ہزار مخالفانہ کوششوں کے باوجود اسلام پھیل رہا ہے، ان سطروں کے لکھتے وقت ایک خبر نظر سے گذری اس کو نقل کر رہا ہوں، جس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آج بھی اسلام کس طرح اسلام دشمن طاقتوں کے ملک میں بھی اپنی جگہ بنا رہا ہے۔

سہارا اخبار لکھنؤ، لکھتا ہے کہ پچھلے دنوں ایک تحقیقی ادارے نے مسلمانوں کی یوروپ میں بڑھتی ہوئی آبادی پر اعداد وشمار پیش کر کے چونکا دیا، اس کا اندازہ ہے کہ یوروپ میں مسلمانوں کی آبادی ترپن ملین ہے جب کہ چودہ ملین مسلمان یوروپی یونین کے ملکوں میں رہتے ہیں، جرمنی کے سینٹرل انسٹی ٹیوٹ اسلام آرکالف، نے یہ بات بتائی کہ گذشتہ دو سال میں مسلمانوں کی تعداد میں آٹھ لاکھ کا اضافہ ہوا ہے، جرمنی میں مسلمانوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا ہے، سینٹرل انسٹی ٹیوٹ کے مطابق دو لاکھ لوگ روزانہ نماز ادا کرتے ہیں، جب کہ تین لاکھ سے زیادہ جمعہ کی نماز مساجد میں ادا کرتے ہیں، اس سال میں جا کر نماز ادا کرنے والوں کی تعداد میں دس فی صد کا اضافہ ہوا ہے، مسلمانوں کی اکثریت نوجوانوں پر مشتمل ہے، نومسلموں کی تعداد میں زیادہ اضافہ ہوا ہے۔

۲۰۰۴ء اور ۲۰۰۵ء کے درمیان گیارہ ہزار مسلمان ہوئے، دلچسپ بات یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں کی اکثریت ساٹھ فی صد عورتوں پر مشتمل تھی، ان لوگوں نے مذہب بدل کر مسلمانوں سے شادی کی جرمنی کا ایک معتبر ادارہ سینٹرل انسٹی ٹیوٹ آف اسلام آرکائیوز نے ایک مطالعہ میں حیران کن اعداد وشمار پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ جرمنی میں مسلمانوں کی آبادی ۳۳؍ لاکھ کے قریب ہے، اور پچھلے سال چار ہزار لوگوں نے اسلام کو قبول کیا تھا، ۲۰۰۵ء میں تقریباً ایک ہزار لوگ مسلمان ہوئے تھے۔

ایک اور ملک برطانیہ میں مسلمانوں کی تعداد بیس لاکھ بتائی جاتی ہے، وہاں سے ملنے والے اعداد وشمار میں ان حقائق کی وضاحت نہیں ہوئی کہ وہاں کتنے لوگوں نے اسلام مذہب قبول کیا، جب کہ ۲۰۰۱ء کے اعداد وشمار پر مبنی یحییٰ برٹ کے اندازے کے مطابق برطانیہ میں اس وقت اسلام مذہب قبول کرنے والوں کی تعداد چودہ ہزار سے سولہ ہزار ہے، جب کہ اٹلی میں مسلمانوں کی تعداد بارہ لاکھ سے چودہ لاکھ ہے، روم کی مسجد کے ایک ترجمان کے مطابق اٹلی میں مشرف بہ اسلام ہونے والے لوگوں کی تعداد پندرہ تا بیس ہزار ہے۔

فرانس کی ''یونین آف اسلامک آرگنائیزیشن'' کا کہنا ہے کہ فرانس میں مسلمانوں کی تعداد پچاس سے ساٹھ لاکھ کے درمیان ہے، فرانس کے ایک اخبار .Leparisen نے اس تنظیم کے ایک مطالعہ کو نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ فرانس میں ۲۰۱۱ء میں مشرف بہ اسلام ہونے والے افراد کی تعداد چار ہزار کے قریب ہے، اسپین کی تنظیم کا کہنا ہے کہ وہاں پر مسلمانوں کی آبادی تقریباً دس لاکھ ہے جس میں ایک قلیل تعداد نومسلموں کی ہے۔

(بحوالہ روزنامہ راشٹریہ سہارا لکھنؤ، ۱۸؍ اکتوبر ۲۰۱۲ء جمعرات، یکم ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ)

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، تفسیر سورہ توبہ کا حاشیہ نمبر ۶۰ / پڑھئے۔

آیت کی صداقت پر امت کے ساڑھے تیرہ سو سال کی پوری تاریخ گواہ ہے، یہود، نصاریٰ، مشرکین، ملحدین، غرض مخالف و معاند مکر و حیلہ زور و جبر کے مختلف درجوں اور طریقوں سے اسلام کی بیخ کنی میں لگا ہوا ہے، لیکن اس کے باوجود اسلام ہے کہ پھیلتا ہی جاتا ہے اور پیروانِ اسلام کی تعداد میں اضافہ ہی روز افزوں ہے، یہاں تک کہ مسیحی مشنریوں کو اعتراف ہے کہ روپیہ کے بے دریغ خرچ کرنے اور اپنے نہایت درجہ مستحکم نظام کے باوجود مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے مشن افریقہ وغیرہ میں ناکام ہی رہے ہیں۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ توبہ، حاشیہ نمبر ۶۰ /)

۞۞

قمری جنتری کا استعمال سنت ہے فرض علی الکفایہ ہے

اسلام ہر معاملے میں ایک امتیازی شان رکھتا ہے وہ کسی چیز میں بھی غیروں کا محتاج نہیں ہے، دن، ہفتہ، مہینہ، اور سال کا تعین بھی ایک اہم مسئلہ تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے چاند کو تاریخ جاننے کا اہم ذریعہ بنایا، سورج کے حساب سے جس شمسی جنتری کا تعین کیا گیا ہے اسکے مقابلے میں قمری جنتری زیادہ اہم ہے، کیونکہ قمری (چاند والی) جنتری سے اسلامی عبادات کا بھی تعلق ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رمضان مبارک کا مہینہ ہے اور یہ حج کے ایام ہیں، ظاہر ہے کہ دنیا کے مقابلے میں دین زیادہ اہم ہے، اس لئے اسلامی قمری جنتری کو دنیا کی تمام جنتریوں پر فضیلت حاصل ہے، اسلامی جنتری کا استعمال جس کا تعلق چاند سے ہے سنت ہے اور فرض علی الکفایہ ہے، اور اسلامی شعار ہے، اس لئے اگر چہ شمسی جنتری کا استعمال دنیاوی معاملات میں جائز ہے، لیکن سنت یہی ہے کہ اسلامی جنتری کا استعمال کیا جائے، اسلامی قمری جنتری کی اتنی اہمیت ہے کہ اگر سب لوگ اس کا استعمال چھوڑ دیں تو اس کے ترک کرنے کا گناہ سب پر ہوگا۔

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، تفسیر سورہ توبہ کا حاشیہ نمبر ۷۱ / پڑھئے۔

چوں کہ احکام شرعیہ کا مدار حساب قمری پر ہے اس لئے اس کی حفاظت فرض علی الکفایہ ہے، پس اگر ساری امت دوسری اصطلاح کو اپنا معمول بنالیوے جس سے حساب قمری ضائع ہو جائے سب گنہگار ہوں گے اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی مباح ہے، لیکن خلاف سنت ملت ضرور ہے اور حساب قمری کا برتنا بوجہ اس کے فرض کفایہ ہونے کے لابد، افضل و احسن ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ توبہ حاشیہ نمبر ۷۱ /)

۞۞

مسلمانوں کیلئے سب سے بڑا داعیہ عمل اجر آخرت ہے

مسلمان ہونے کا مطلب ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے زندگی کے تمام شعبوں میں انسان کا تعلق آخرت سے ہو، اس کے ہر قول وفعل اور عمل سے ظاہر ہو کہ وہ دوسری دنیا یعنی آخرت کا باشندہ ہے، اس کے ہر عمل کا محرک اور داعیہ اجر آخرت اور آخرت کی کامیابی ہو، لیکن افسوس ہے کہ اس دور میں بہت سے قائدین اور ہمدردان ملت آج مسلمانوں کے بہت سے مسائل علمی ومعاشی پسماندگی کالجوں یونیورسٹیوں کی تعلیم کا تذکرہ تو بہت زور وشور سے کرتے ہیں، لیکن ان کے خطاب میں ان کی تقریروں میں اور ان کے بیانات میں کہیں آخرت کا تذکرہ نہیں ہوتا۔

علی گڈھ کالج اور یونیورسٹی کے بانی سرسید احمد خان کا تذکرہ تو بہت ہی جذباتی انداز میں دلکش اور حسین الفاظ کے ساتھ کریں گے اور ان کو محسن ملت اور معمار قوم کے لقب سے پکاریں گے، اور ان کی مدح وتوصیف میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے علامہ اقبال کا یہ شعر پیش کریں گے کہ:۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

لیکن آخرت سے انہوں نے اپنی آنکھیں اس طرح بند کر لی ہیں کہ ان کو یہ بھائی ہی نہیں دیتا کہ علی گڈھ نام نہاد مسلم یونیورسٹی نے مسلم نوجوانوں کو دنیا کا تحفہ دیا ہے یا آخرت کا؟ آخرت کو نظر انداز کر کے جو لوگ علمی و معاشی ترقی کا نام لیتے ہیں وہ قوم وملت کو زوال اور پستی کی طرف لیجاتے ہیں، علی گڈھ یونیورسٹی کے قیام کا صرف مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو مادّی حیثیت سے ترقی یافتہ بنا دیا جائے، بقول سرسید "تاکہ مسلم نوجوانوں کو علمی اور دنیاوی ترقی کر کے مہذب قوم، یعنی انگریزوں کی طرح جینا آجائے" نتیجہ یہی ہوا کہ علی گڈھ یونیورسٹی میں سب کچھ ہو لیکن فکر آخرت اور اسلامی روح سے خالی ہے۔

علی گڈھ یونیورسٹی کی پوری تصویر کشی اکبر الٰہ آبادی نے کی ہے کہ:۔

ہے دل روشن مثال دیوبند ☆ اور ندوہ ہے زبان ہوش مند
اب علی گڈھ کی بھی تم تمثیل لو ☆ ایک مہذب پیٹ اس کو جان لو

ہم کسی کالج، کسی یونیورسٹی اور کسی جائز تعلیم کے مخالف نہیں ہیں، لیکن بحیثیت مسلمان آخرت کو مقصد زندگی بنانے کی وجہ سے ہم یہی چاہتے ہیں کہ جو کام بھی کیا جائے، بڑے سے بڑا کارنامہ انجام دیا جائے، کالج اور یونیورسٹی اور ٹکنکل اداروں کا قیام عمل میں لایا جائے لیکن اس کا محرک اور داعیہ اجر آخرت ہو اور اس کام میں رضائے الٰہی کی روح ہونی چاہئے، بڑے سے بڑا کالج ہو، بڑے سے بڑا ادارہ ہو اگر وہاں اسلامی روح نہیں ہے

اور رضائے الٰہی کی بنیاد پر اس کا قیام نہیں ہوا ہے تو ہم اس کو کباڑ خانہ سمجھتے ہیں، کیوں کہ ہماری ترقی کا اصل میدان آخرت ہے، ہم جنت کی ممبر شپ اور جنت کے اعلیٰ منصب اور عہدہ کے طالب ہیں۔

جو شخصیت ہم کو آخرت سے دور کردے اور ہم کو دنیا پرست بنادے ہم اس کو اپنا محسن نہیں کہہ سکتے، جو تعلیم ہم کو آخرت سے غافل کردے ہم اس کو اعلیٰ تعلیم نہیں کہہ سکتے اور نہ اس علمی ترقی کی تعریف کرسکتے ہیں، ہم ایسے مسلم نوجوانوں کو تلاش کرتے ہیں جو دنیا میں رہ کر آخرت کے باشندے نظر آئیں، جن کا ظاہر و باطن اسلامی ہو۔

بقول حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی"۔

ڈھونڈتا ہوں نظر آتا نہیں لیکن کوئی
ماسوا سے کوئی اس دور میں غافل ملتا
رہ کے دنیا میں بھی رہتا نہ ہو جو دنیا میں
ہے تمنا مجھے ایسا کوئی عاقل ملتا

مومن کی شان تو یہ ہے کہ دنیا کے اس بھرے بازار میں سب کے ساتھ رہتا ہے اور ہر جائز میدان میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن اس کا داعیہ عمل صرف آخرت ہوتا ہے، وہ دنیا کے بازار میں دنیا کا خریدار نہیں ہوتا۔

دنیا میں ہوں دنیا کا طلب گار نہیں ہوں
بازار سے گذرا ہوں خریدار نہیں ہوں

آج کے اخباروں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے سمناروں اور علمی کانفرنسوں کا مشاہدہ کیجئے، وہاں سب کچھ ذکر ہوگا لیکن اگر ذکر نہیں آئے گا تو آخرت کا، بہرحال آخرت پر نظر رکھنے والوں کا نظریہ یہی ہے کہ اخبار نکالا جائے تو اللہ کیلئے، کالج اور یونیورسٹی کا قیام ہو تو اللہ کیلئے، علمی ترقی کی جائے تو آخرت کیلئے، اسی میں ہماری ترقیوں کا راز مضمر ہے اور یہی ہمارے مسائل کا حل ہے، کاش مسلم قوم کے دانشوروں کی سمجھ میں یہ بات آجائے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ بات انہی خوش قسمت انسانوں کی سمجھ میں آئے گی جو عقل مند ہیں اور جن کی زندگی کا مقصد آخرت کی کامیابی ہے، باقی جن لوگوں نے آخرت سے اپنی آنکھوں کو بند کرلیا ہے، اور دنیا ہی کی کامیابی ان کا نصب العین اور مطمع نظر ہے ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئے گی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے دنیا پرستوں کے بارے میں فرمادیا ہے کہ،

فَاَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ذٰلِکَ مَبْلَغُھُمْ مِنَ الْعِلْمِ"

تو اے پیغمبر آپ ان لوگوں سے اعراض کیجئے جنہوں نے ہماری یاد سے رخ پھیر لیا ہے اور دنیا ہی کو اپنا

مقصد بنالیا ہے اور ان کے علم کی پہنچ یہیں تک ہے۔ (قرآن)

یہ بیچارے دریا کی مچھلی کی طرح بس ایک محدود علاقے کو سب کچھ سمجھتے ہیں، دریا کے باہر جو ایک وسیع و عریض دنیا ہے، جس طرح مچھلی اسکو نہیں دیکھتی اسی طرح یہ دنیا پرست بھی نہیں دیکھتے، جن کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اور دنیا میں رہ کر آخرت کی وسیع و عرض دائمی زندگی کو دیکھتے ہیں، ان کی زبان پر تو بس یہی شعر جاری رہتا ہے کہ،

میں ہوں مجبور جو مطلق نہیں دنیا یہ نظر
میرا کیا بس ہے مری دور کی بینائی ہے

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، تفسیر سورہ توبہ کا حاشیہ نمبر ۳۷۷ر پڑھئے۔

امت کیلئے اصلی اور قوی ترین محرک اور داعیہ عمل اجر آخرت ہے، جیسا کہ قرآنِ مجید کی بہ کثرت آیتوں سے ظاہر و روشن ہے، جدید "روشن خیالی" نے افسوس ہے کہ اسی قوی ترین محرک اور مؤثر ترین داعیہ کو سب سے زیادہ کمزور کردیا ہے، اب مسلمانوں کو لالچ اور ترغیب ہر قسم کی دی جائے گی، دنیوی ترقی کی، آزادی کی، فلاح کی، مالی خوش حالی کی، وغیر ہا، زبان پر نام نہ آئیگا تو ایک اسی اجر آخرت کا۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ توبہ، حاشیہ نمبر ۳۷۷ر)

اقتباس

جو شخصیت ہم کو آخرت سے دور کردے اور ہم کو دنیا پرست بنادے ہم اس کو اپنا محسن نہیں کہہ سکتے، جو تعلیم ہم کو آخرت سے غافل کردے ہم اس کو اعلیٰ تعلیم نہیں کہہ سکتے اور نہ اس علمی ترقی کی تعریف کرسکتے ہیں، ہم ایسے مسلم نوجوانوں کو تلاش کرتے ہیں جو دنیا میں رہ کر آخرت کے باشندے نظر آئیں، جن کا ظاہر و باطن اسلامی ہو۔

کس قدر ڈرنے کی بات ہے؟

ایک مسلمان کیلئے دو چیزیں بہت ہی خطرناک اور بہت ہی زیادہ ڈرنے کی ہیں، ایک نماز میں سستی اور کسل مندی دوسرے اس کے لباس میں اخلاص اور اسلامی روح کا فقدان ہے۔

نماز اور دینی کاموں میں سستی اور دنیا کے کاموں میں چستی، اور اسلام کا دعویٰ کرنے کے باوجود اخلاصِ نیت اور اسلامی روح کا نہ ہونا منافقت کی علامت ہے، ذرا اس وقت کی حسرت کا تصور کیجئے کہ کوئی آدمی فوجی لباس میں وہاں پہنچ جائے جہاں مخلص فوجیوں کو فوجی انعام اور ایوارڈ مل رہا ہو، لیکن اس آدمی کو انعام کی مجلس سے دور کر دیا جائے اور اسکو گرفتار کر کے اس پر بغاوت کی فردِ جرم عائد کر دی جائے کہ تم محض نام کے فوجی تھے، تمہارے دل میں وطن کے سلسلے میں جذبہ وفاداری نہیں تھا، تم ملک کے غدار ہو تم صرف ظاہری چولہ پہن کر دھوکا دے رہے تھے، اس وقت اس آدمی کو جو حسرت ہوگی اور غم کے جس پہاڑ کے نیچے دبا جا رہا ہوگا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

عہدِ رسالت میں مدینہ کے منافق نماز بھی پڑھتے تھے اگر چہ سستی، کاہلی اور بے دلی کے ساتھ مسجد میں حاضر ہوتے تھے، مسلمانوں جیسا لباس بھی پہنتے تھے، صدقہ وغیرہ بھی کسی نہ کسی حد تک شرما شرمی سے نکالتے تھے، حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں بھی حاضری دیتے تھے، لیکن ان کی نیتوں میں اخلاص اور ان کے ظاہری اسلام میں اسلام کی روح نہیں تھی، جس کی وجہ سے اسلام کی ظاہری شکل وصورت کے باوجود ان کا شمار کافروں میں ہوا، اور کافروں سے بدتر انجام سے دوچار ہوں گے۔

دل میں اللہ پر اور آخرت پر ایمان ہو اور دین کے کاموں میں سرگرمی اور چستی نہ ہو یہ ناممکن ہے، اللہ تعالیٰ کو آدمی پہچانتا ہو اور اللہ کی پکار کی طرف نہ لپکے یہ محال ہے، کوئی پروانہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ شمع کا عاشق ہے اور جب شمع جلے تو مرنے سے گھبرائے اور شمعِ محبت کا طواف نہ کرے تو وہ اپنے دعویٰ عشق میں جھوٹا ہے، پروانہ کا تو یہ حال ہونا چاہئے کہ جب شمع جلے تو اس کی عید ہو جائے اور سوائے شمع کے کسی چیز کا ہوش باقی نہ رہے۔

آیا پروانہ گرا شمع پہ اور جل بھی مرا
تم ابھی پوچھ رہے ہو کہ محبت کیا ہے؟

آج مسلمان اپنے ایمان ویقین اور اپنی اسلامی حالت کا احتساب کریں کہ ان کے ظاہری وباطنی اعمال کس سے مشابہت رکھتے ہیں، شمعِ محمدی کے پروانے صحابہ کرامؓ کی زندگی اور ان کے اعمال سے یا اس دور کے نام نہاد منافق مسلمانوں سے، اگر منافقوں سے مشابہت ہے اور منافقوں ہی کے نقشِ قدم پر مسلمان چلتے ہیں تو پھر ان کو نئے سرے سے ایمان لانا چاہئے اور اپنے دعویٰ ایمان کی صداقت کو اپنے مخلصانہ اعمال سے ثابت کرنا

چاہئے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب آخرت میں انعام وایوارڈ حاصل کرنے کا وقت آئے تو وہاں محرومی کا سامنا کرنا پڑے، اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو منافقانہ اعمال سے محفوظ رکھے۔ آمین

اب تفسیر ماجدی جلد دوم، سورہ توبہ کا حاشیہ نمبر ۱۰۱ر پڑھئے۔

اور یہ دل سے ناگواری اور طبیعت پر گراں باری خود دلیل ہیں، ان کے فقدانِ ایمان کی، اداءِ طاعت سے طبیعت میں تازگی بشاشت اور مستعدی تو جب ہی پیدا ہو سکتی ہے جب ایمان پختہ ہو اور اجر وثواب کی امید قوی ہو، آیت میں ہم سب نام کے مسلمانوں کیلئے ڈرنے کی بات ہے، ظاہری اعمال منافقین کے بھی مسلمانوں سے مشابہت رکھتے ہیں، نام مسلمانوں سے، وضع ومعاشرت مسلمانوں کی سی، نمازیں بھی کسی نہ کسی طرح پڑھ لیتے تھے، خیر وخیرات بھی کچھ نہ کچھ دے ہی نکلتے تھے، اس پر بھی ان پر کفر اور فقدانِ ایمان کا لگا، خدا نہ کرے کہ ہم کلمہ گوؤں میں سے کسی کا بھی یہ حشر ہو۔

علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب محض کسلِ نماز نفاق کی علامت قرار پائی، تو ترکِ نماز ظاہر ہے کس درجہ کی چیز ہوگی، مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ لوگ لذتِ عبودیت سے محروم اور مشاہدۂ جمالِ معبود سے محروم ہیں، بعض عارفوں نے کہا ہے کہ، جس کو آمر (حکم دینے والے) کی معرفت نہ ہوگی، آمر کی طرف کسل سے آئے گا اور جس کے دل میں آمر کی معرفت ہوگی وہ امر کی طرف راحت سے آئے گا۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ توبہ حاشیہ نمبر ۱۰۱ر)

مصلحت کی وجہ سے اسلام کے رجسٹر میں نام لکھوانے والے مسلمان

اگر کوئی نوجوان کسی کالج کے رجسٹر میں بحیثیت طالب علم نام لکھوائے، لیکن نہ مطالعہ کرے، نہ تعلیمی اوقات کی پابندی کرے، نہ کالج کے اصول وضوابط کا خیال کرے، تو کیا محض کالج میں نام کارجسٹریشن کروانے کی وجہ سے اس کو طالب علم سمجھا جائے گا، نہیں بلکہ اس کا نام رجسٹر سے خارج کردیا جائے گا۔

اگر کوئی آدمی پیتل پر سونے کا پانی چڑھا کر دعویٰ کرے کہ میرے پاس سونا ہے، تو اس کی تصدیق نہیں کی جائیگی، جب تک کہ کسوٹی پر رکھ کر کے اس کو نہ دیکھا جائے، کسوٹی بتادے گی کہ وہ پیتل ہے یا سونا ہے۔

آج بہت سے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان تو کہتے ہیں اور مردم شماری کے رجسٹر میں بحیثیت مسلمان ان کا نام بھی لکھا جاتا ہے، لیکن اسلام سے ان کا کوئی قلبی اور عملی لگاؤ نہیں ہوتا، بس سماجی مصلحتوں کی وجہ سے اسلامی رجسٹر سے اپنا نام خارج نہیں کرواتے کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم مسلمانوں کے حلقے سے نکل جائیں گے تو خاندانی حیثیت سے اچھوت ہوجائینگے، اور اس وقت مسلم سماج میں جو پوزیشن ہم کو حاصل ہے، دوسری قوموں میں ضم ہوکر وہ باقی نہیں رہے گی، یہی وجہ ہے کہ نام نہاد حلقۂ اسلام سے باہر نکلنے کی جرأت نہیں کرتے۔

اسی طرح کے نام نہاد مصلحت پرست روشن خیال مسلمانوں سے خطاب کرکے مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھیؒ نے کہا تھا کہ:-

پاس باطل کے چلا جا حق سے ہے گر سوءِ ظن
تیرے جانے سے نہ سونی ہوگی ان کی انجمن
ہوکے مومن تو نے سیکھا ہے منافق کا چلن
چاہتا ہے خوش رہیں سب تجھ سے شیخ و برہمن

تو اسلام میں اس طرح کے منافقانہ اسلام کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس طرح کے نام نہاد مصلحت پرست مسلمان جو اسلام کے کچھ احکام کے بارے میں شک میں مبتلاء ہیں اور اسلامی احکام کو اپنی نفسانی خواہشات کے تابع کرنا چاہتے ہیں، اگر حلقۂ اسلام سے نکل جائیں تو دعوت اسلامی کے پیش نظر اسلام کا بہت زیادہ فائدہ ہوگا، کیونکہ انہی مصلحت پرست آدھا تیتر آدھا بٹیر مسلمانوں کی وجہ سے بہت سے غیر مسلم اسلام کی طرف نہیں آپاتے۔

نام نہاد، مغربی تہذیب کے دلدادہ، غیر اسلامی شعار اختیار کرنے والے مصلحت پرست مسلمانوں سے دین کو کتنا نقصان پہنچ رہا ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل خبر سے لگا سکتے ہیں۔

اخبار کی سرخی ہے،

﴿اسلام میں داڑھی رکھنا واجب نہیں، مرکزی حکومت نے کہا﴾

نئی دہلی ۱۹ر جنوری، (ایس، این، بی)

دین اسلام میں داڑھی رکھنا واجب نہیں، سپریم کورٹ میں یہ جواب مرکزی حکومت نے اس مسلم افسر کی درخواست پر دیتے ہوئے کہا جس نے داڑھی رکھنے کیلئے اپنے مذہبی حق کی ادائیگی کیلئے سپریم کورٹ میں ایک درخواست گذاری تھی، سپریم کورٹ نے گزشتہ برس ستمبر میں اس معاملے میں مرکزی حکومت سے جواب طلب کیا تھا، انگریزی اخبار انڈین ایکسپریس نے مرکزی حکومت کے حوالوں سے خبر دیتے ہوئے کہا ہے کہ حکومت ہند کا ماننا ہے کہ عملی پیمانے پر معلوم ہوتا ہے کہ داڑھی رکھنا مسلمانوں کے مذہب میں لازمی نہیں ہے، حکومت ہند نے صرف انہی افراد کو داڑھی رکھنے اور بال بڑھانے کی اجازت دی ہے جن کے یہاں ایسا کرنا لازمی ہے۔

خیال رہے کہ ہندوستانی فوج بحریہ فضائیہ میں ملازم سکھوں کی پوری مذہبی آزادی حاصل ہے، لیکن مسلمانوں کو داڑھی رکھنے کی اجازت حاصل نہیں ہے، کیونکہ حکومت کی نظر میں داڑھی رکھنا مسلمانوں کے مذہب میں فرض نہیں ہے بلکہ سنت ہے، اور حکومت کے مطابق سنت پر چلنا یا نہ چلنا لازمی نہیں ہے۔

(بحوالہ سہارا لکھنؤ ۲۰ر جنوری ۲۰۰۹ء بروز منگل)

داڑھی سنت رسول ہے جس پر استرا چلا کر مصلحت پرست مسلمانوں نے اسلام کو کتنا بڑا نقصان پہنچایا اس کے تصور سے دل کانپ جاتا ہے، آج حکومت ہند کو یہ کہنے کی جرأت ہو رہی ہے کہ داڑھی مسلمانوں کے یہاں فرض نہیں ہے، افسوس ہے کہ مسلمانوں نے حکومت کو اس طرح کا حکم جاری کرنے کا موقع دیا، مسلمانوں کو یہ بھی احساس نہیں ہے کہ داڑھی رکھنے کا حکم کس نے دیا ہے؟ جب اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے تو پھر حکومت ہند سے اجازت لینے کیلئے درخواست دینے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا اگر آپ سرکاری ملازم ہیں تو نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کی اجازت کیلئے درخواست دیں گے؟

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم میں کسی کو مداخلت کرنے کا حق نہیں ہے، داڑھی رکھنے کیلئے درخواست دینا ہی اسلام کی توہین کرنا ہے، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر عدم اعتماد کی دلیل ہے، ملازمت سے پہلے ہی اپنا اسلامی موقف واضح کر دینا چاہئے کہ نماز روزہ اور اسلامی شعار کے سلسلے میں حکومت کو مداخلت کرنے کا حق نہیں ہے، اگر حکومت کسی اسلامی شعار پر پابندی لگاتی ہے تو ملازمت کو طلاق دے دیجئے، اور اگر اپنی نفسانی خواہشات اور طاغوتی نظام حکومت کے غیر اسلامی قانون کو آگ لگانے کا حوصلہ نہیں ہے تو اللہ کے واسطے اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش مت کیجئے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، تفسیر سورہ توبہ کا حاشیہ نمبر ۱۰۴ / پڑھیے۔

اوراس بزدلی کی بنا پر کہ اگر کہیں اپنے واقعی عقائد (باطلہ) کا کھلم کھلا اظہار کردیں تو ان کے ساتھ بھی برتاؤ کافروں کا سا ہونے لگے، تقیہ کئے ہوئے ہیں اور اپنے کو زبردستی مسلمان ظاہر کئے ہوئے ہیں، آج بھی ہمارے اندر کتنے لوگ ایسے ہیں جو محض سوسائٹی کے ڈر سے اور اس مجبوری کے بنا پر کہ کوئی دوسری سوسائٹی انہیں عزت کے ساتھ اپنے اندر جذب کرنے اور قبول کرنے پر تیار نہیں محض سوشل حیثیت سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کئے ہوئے اپنے کو اسلامی سوسائٹی کا رکن بنائے ہوئے اور اپنا نام مردم شماری کے رجسٹروں میں مسلمان کے خانہ میں لکھائے ہوئے ہیں۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ توبہ، حاشیہ نمبر ۱۰۴ /)

❁ ❁

اقتباس

داڑھی سنتِ رسول ہے جس پر استرا چلا کر مصلحت پرست مسلمانوں نے اسلام کو کتنا بڑا نقصان پہنچایا اس کے تصور سے دل کانپ جاتا ہے، آج حکومت ہند کو یہ کہنے کی جرأت ہو رہی ہے کہ داڑھی مسلمانوں کے یہاں فرض نہیں ہے، افسوس ہے کہ مسلمانوں نے حکومت کو اس طرح کا حکم جاری کرنے کا موقع دیا، مسلمانوں کو یہ بھی احساس نہیں ہے کہ داڑھی رکھنے کا حکم کس نے دیا ہے؟ جب اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے تو پھر حکومت ہند سے اجازت لینے کیلئے درخواست دینے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا اگر آپ سرکاری ملازم ہیں تو نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کی اجازت کیلئے درخواست دیں گے؟

مذہبی رواداری کا اسلام قائل نہیں ہے

اسلام اللہ تعالیٰ کا دین ہے اور حق ہے، اسلام کے علاوہ سارے ادیان و مذاہب اور افکار و نظریات باطل ہیں، جو انسان کو جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں، اس لئے مذہبی رواداری اور ترقی کے نام پر حق و باطل میں کسی طرح کی مصالحت کی کوشش کرنا جرم عظیم ہے، جنت اور جہنم کے درمیان کبھی مصالحت نہیں ہو سکتی، یہ شیطانی پرفریب فلسفہ ہے، جس کا شکار بہت سے پڑھے لکھے روشن خیال مسلمان ہیں، جو کہتے ہیں کہ تمام مذاہب کا احترام کرنا چاہئے، جب کہ اسلام کے علاوہ کوئی مذہب قابل احترام نہیں ہے، یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کی بندگی کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بتوں کو پوجتے ہیں یا کچھ دوسری چیزوں کو خدا بنا رکھا ہے تو کیا ان کی بت پرستی اور غیر اللہ کی بندگی کا احترام کیا جائے گا؟ نہیں، صرف اور صرف اسلام ہی قابل احترام مذہب ہے، اندھیرے میں چراغ جلایا جائے اور کوئی کہے کہ ارے بھائی ذرا تاریکی اور اندھیرے کے ساتھ نرمی سے کام لیجئے، چراغ مت جلایئے اندھیرا بیچارہ بھاگ جائے گا، تو کیا یہ بے عقلی اور نادانی کی بات نہیں ہوگی؟ کیا اندھیرے کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا جائے گا؟ روشنی اور اجالے نور اور ظلمت کے درمیان مصالحت نہیں ہو سکتی۔

کسی کو خطرناک پھوڑا نکلا ہو، ڈاکٹر آپریشن کر رہا ہو، تو کیا آپ کہیں گے کہ ڈاکٹر صاحب ذرا پھوڑے کے ساتھ نرمی کیجئے، اگر کسی آدمی کے گھر میں آگ لگی ہو، شعلے اٹھ رہے ہوں اور فائر بریگیڈ یا آگ بجھانے کیلئے آئے تو تو کیا آپ اس سے کہیں گے کہ ذرا آگ اور اس کے شعلوں کے ساتھ نرمی کیجئے، بلکہ آپ یہی کہیں گے کہ جیسے بھی ممکن ہو آگ کو بجھا دیجئے۔

دنیا کے تمام بڑے بڑے حادثات سے بڑھ کر آخرت کا معاملہ ہے، لیکن افسوس ہے کہ دنیا کے معاملات میں تو لوگ رواداری، نرمی اور مداہنت کی بات نہیں کرتے ہیں اور جہاں دین کا معاملہ آتا ہے تو مشورہ دیتے ہیں کہ نرمی اور رواداری سے کام لینا چاہئے۔

ایک اندھا آدمی خطرناک کنوے کے کنارے کھڑا ہے اور اندیشہ ہے کہ اس میں گر جائے، کوئی مخلص آدمی اس کنوے میں گرنے والے اندھے کو سختی سے پکڑ کر دور کر رہا ہے، تو اگر کوئی دوسرا آدمی کہے کہ بھائی ذرا اس اندھے کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیجئے، اتنی سختی سے مت پکڑ کر کھینچئے، تو کیا اس کا مشورہ جائز ہوگا؟ نہیں، بلکہ اس وقت یہی مناسب ہے کہ ڈانٹ کر ڈپٹ کر اور سختی سے پکڑ کر جیسے بھی ممکن ہو اس کو کنوے میں گرنے سے بچا لیا جائے۔

جہنم کا کنواں اور آخرت کا عذاب دنیا کے اس کنوے سے زیادہ خطرناک ہے، اس لئے اس کنوے سے

بچانے کے سلسلے میں کسی طرح کی نرمی اور مذہبی رواداری سے کام لینا انسانی ہمدردی کے خلاف ہے۔
مسلمانوں کو کسی باطل مذہب کے سامنے جھکنے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے باغیوں، نافرمانوں، بت پرستوں کو خوش کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا انتہائی بدبختی اور ناعاقبت اندیشی کی علامت ہے، آج کل مذہبی رواداری کے نام پر عید ملن اور ہولی ودیوالی ملن وغیرہ کا رواج بہت عام ہوگیا ہے، مسلمان اپنی اسلامی غیرت کو آستانِ غیر پر قربان کردیتے ہیں، ہولی ملن میں شرکت کا مطلب ہے کہ ایک مسلمان غیر اسلامی تہواروں اور بت پرستی کو پسند کرتا ہے اوران کی تائید کرتا ہے، اسلام تو یہ بھی گوارانہیں کرتا کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کے مشرکانہ تہوار کے موقع پر یہ کہے کہ بھائی تمہاری ہولی ہے یا تمہارا دسہرا ہے مٹھائی کھلاؤ۔
جولوگ اس طرح مذہبی رواداری کے نام پر مشرکانہ تہواروں کی تائید کرتے ہیں اور بت پرستی کے فروغ میں حصہ لیتے ہیں وہ اپنا احتساب کریں کہ کیاان کے دل میں ایمان باقی رہ گیا ہے یا رخصت ہوگیا ہے، کیا اللہ کے حبیب ﷺ اور اللہ تعالیٰ کے خلیل حضرت ابراہیمؑ نے بت شکنی کے سلسلے میں کافروں اور مشرکوں کے ساتھ کسی طرح کی نرمی، مذہبی رواداری اور مداہنت سے کام لیا۔ سوچئے
ایمان اور توحید کی نزاکت ولطافت کا آپ کو احساس نہیں ہے، اسلام بہت ہی نازک اور لطیف چیز ہے، عقیدۂ توحید میں بال برابر بھی آپ نے ملاوٹ کی تو وہ رخصت ہوجائے گا۔
علامہ سید سلیمان ندویؒ نے خوب فرمایا ہے کہ،

نازک بہت ہے عشق و محبت کا آئینہ
سایہ بھی پڑے غیر کا اس پہ تو ٹوٹ جائے

اسلام اس مذہبی رواداری کو کیسے برداشت کرسکتا ہے کہ غیروں کو خوش کرنے کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام میں تبدیلی کردی جائے اوراس میں کچھ لچک پیدا کی جائے۔
علیگڈھ یونیورسٹی کے بانی سرسید احمد خان جن کی قومی ہمدردی کا ڈھنڈورا پیٹا جارہا ہے اور بہت سے دنیا پرست علماء بھی ان کو قوم کا معمار سمجھتے ہیں، ذرا ان کی مذہبی رواداری ملاحظہ فرمائیں۔
اللہ اوراس کے رسول ﷺ نے جس چیز کو فرض قراردیا ہے، غیروں کو خوش کرنے کیلئے اس کو ترک کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں، سرسید احمد خاں اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ،
ہم نے سنا ہے کہ بریلی میں ہندو مسلمانوں نے نہایت خوبی سے ایک دوسرے کی محبت کا ثبوت دیا یعنی بقرعید کے روز مسلمانوں نے گائے کی قربانی نہیں کی، بلکہ ہندوؤں کی خاطر بکرے اور بھیڑوں کی قربانی کی، ہماری بھی مدت سے یہی رائے ہے کہ اگر گائے کی قربانی ترک کرنے سے آپس میں ہندو

اور مسلمانوں کی دوستی اور محبت قائم ہوتو گائے کی قربانی نہ کرنا اس کے کرنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

(بحوالہ، ماہنامہ تہذیب الاخلاق علی گڑھ، جلد نمبر ۱۲ رشارہ نمبرا، جنوری ۱۹۹۳ء)

اس طرح کی رواداری پر ہم لعنت بھیجتے ہیں، اس کا مطلب ہے کہ اگر نماز ترک کردینے سے ہندو خوش ہو جائیں تو نماز کو بھی چھوڑ دیا جائے گا، بہر حال اسلام اس طرح کی مذہبی رواداری جس کی زد اسلامی احکام پر پڑتی ہو اور جو اسلام کی شان کے خلاف ہو جائز نہیں۔

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، تفسیر سورہ توبہ کا حاشیہ نمبر ۱۳۷ ر پڑھئے۔

غِلۡظَةً'' کا حکم کافروں اور منافقوں دونوں کے حق میں مشترک ہے اور غلظ، لغت میں رأفت، یا نرمی کی ضد ہے، مراد یہ ہے ان کے مقابلہ میں نرم نہ پڑیئے، مضبوطی سے قائم رہئے۔

آج کے دورِ دجل و تلبیس میں لفظ رواداری، جس معنی میں چلا ہوا ہے اسلام اس کا ہرگز قائل نہیں، دوستانِ حق سے وہ اس برتاؤ کا حکم دیتا ہے جس کے وہ مستحق ہیں، اسی طرح دشمنان حق سے بھی اس سلوک کا جس کے وہ لائق ہیں۔

انسان مرغیوں اور بکریوں کو اپنے پاس سے کھلا کھلا کر پالتا ہے اور محنت اٹھا اٹھا کر انہیں زندہ رکھتا ہے اور بڑھاتا ہے اور سانپوں اور بچھوؤں کو بلا تامل مار ڈالتا ہے، عقل کی تعلیم یہ ہرگز نہیں کہ جانور جانور سب برابر ہیں اور یکساں رواداری سے سب کے ساتھ پیش آنا چاہئے۔

فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جس کسی کے متعلق فساد عقیدہ کی اطلاع مل جائے اس پر جہاد دلائل سے کیا جائے گا، اور اس کے مقابلے میں سختی بھی حسب طاقت وضرورت استعمال کی جائے گی۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ توبہ، حاشیہ نمبر ۱۳۷ ر)

اللہ سے معاہدۂ بیع وشراء کتنا وجد آفریں ہے

میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف وکرم سے ہم ایمان والوں سے جو خرید وفروخت کا معاملہ کیا ہے اس کی لذت آفرینیوں اور اس میں جو حلاوت وشیرینی اور کیف سرور کا جو بے مثال نشہ ہے اس کو بیان کرسکوں، اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے راقم الحروف کو اپنی جنت میں داخل کردے اور وہاں پردۂ غیب سے کچھ شیریں الفاظ عطاء کردے تو شاید کسی حد تک اس آیت کے کیف وسرور کے جھلک کی ترجمانی ہوسکے، ویسے دنیا کے سارے لغات ساری ڈکشنریوں کو چھان ماریئے اس آیت کریمہ کی لذت آفرینیوں کو بیان کرنے کیلئے الفاظ نہیں مل سکتے، اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کا عجیب معاملہ ہے، مال بھی اللہ تعالیٰ کا جان بھی دی ہوئی اسی کی، اور پھر اپنی ہی دی ہوئی چیز کو بندۂ عاجز سے خرید رہا ہے۔

اَللّٰہ اَللّٰہ، اللہ کے کرم بے انتہاء اور اس کی حمد وثناء کا حق کون ادا کرسکتا ہے۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

بس بندۂ عاجز یہی کہنے پر مجبور ہے کہ، اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَالَّذِیْ تَقُوْلُ وَخَیْرًا مِمَّا نَقُوْلُ" اے اللہ تیرے لئے تو حمد وہی ہے جو تو اپنی بیان کرتا ہے اور اس سے بہتر ہے جو ہم کہتے ہیں ہم تو تیری حمد کا حق ادا کرنے سے عاجز ہیں۔

آپ ذرا تصور کیجئے، ایک آدمی اپنے ایک بیٹے کو سو روپیہ دیتا ہے پھر اس سے کہتا ہے کہ میرے بیٹے یہ سو روپیہ مجھے بطور قرض دے دو پھر اس سے کئی گنا تم کو دے دوں گا، تو اس وقت اگر واقعی اس بیٹے کو اپنے باپ کی بے انتہاء شفقت ورأفت اور مہربانی کا احساس ہوگا اور دل میں اس کی محبت ہوگی، تو باپ کی اس مشفقانہ ادا پر قربان ہوجائے گا، اور بلا تاخیر اگر مگر کئے بغیر سو روپیہ اپنے باپ کے ہاتھ پر رکھ دے گا، اور کہے گا کہ ابا جان آپ کے لطف وکرم پر میں جان ودل سے قربان ہوں، یہ سو روپیہ کیا چیز ہے اپنی جان بھی آپ کی اس مشفقانہ ادا پر فدا کرنے کیلئے تیار ہوں، اس خرید وفروخت پر بیٹے کو جو خوشی حاصل ہوگی اس کے دل میں کیف وسرور کا جو طوفان اٹھے گا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے، کہ ابا جان اپنا روپیہ بھی دے رہے ہیں اور اپنا ہی روپیہ بطور قرض مانگ بھی رہے ہیں اور پھر اس کے بدلے اس سے کئی گنا زیادہ دینے کیلئے فرما رہے ہیں۔

بہر حال یہ تو دنیا میں ایک باپ اور بیٹے کا معاملہ ہے، باپ کے پاس جو کچھ ہے محدود ہے، اس کے پاس اتنا نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق جتنا چاہتا ہے دے سکے، لیکن اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کسی

چیز کی کمی نہیں ہے، جب اللہ تعالیٰ اپنے دیئے ہوئے مال کا بندے سے خریدار ہوجائے گا تو کتنا دے گا کس قدر لطف وکرم اور نوازش کا معاملہ کرے گا اس کا تصور بھی محال ہے، کس قدر مسرت وشادمانی اور خوشی کی بات ہے کہ بندہ، بائع (بیچنے والا) اور اللہ تعالیٰ مشتری (خریدنے والا) ہے، مال وجان، مبیع، یعنی فروخت کی جانے والی چیز ہے اور اس کا عوض اور بدلہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اللہ کے دیدار کا مقام جنت ہے، اللہ تعالیٰ کے اس بے انتہا کرم پر اگر کوئی بندہ قربان نہ ہو تو اس سے زیادہ حیرت کی بات کوئی نہیں ہوسکتی۔

اللہ کا اپنے بندے سے اس کا مال اور اس کی جان کو خریدنا اس قدر فرحت انگیز اور سرور افزا معاملہ ہے کہ اگر بندہ اس کے بارے میں سوچے تو دنیا وآخرت کے ہر غم سے آزاد ہوجائے گا اور آرام روزگار کی طوفانی موجوں میں بھی اس کا دل غم پروف رہے گا، کیونکہ دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ جو آدمی کسی چیز کو خریدتا ہے تو اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے تحفظ کے لئے سارے انتظامات کرتا ہے، لیکن انسان بہرحال کمزور ہے اس کی تمام حفاظتی تدبیروں کے باوجود بھی اس کی خریدی ہوئی چیز کو نقصان پہنچ سکتا ہے، چور اس کو چرا سکتے ہیں، اس کے دشمن اس کے ہاتھ سے اس کو چھین سکتے ہیں، لیکن اللہ کے قبضہ قدرت میں ساری کائنات ہے اور سارے اسباب ہیں اللہ جس کو خریدے اس کو دنیا کی کوئی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ راقم الحروف کا ایک شعر ہے۔

اللہ کے لطف وکرم پر جان و دل قرباں ہیں سب
اللہ جب ہے مشتری پھر غم نہیں مجھ کو ہے اب

مولانا محمد احمد صاحب پرتابگڈھیؒ فرماتے ہیں کہ۔

کیا مٹائے گا مرا نام و نشاں ☆ جس کے قبضے میں نہیں سود و زیاں
جب مدد پر ہے مکین لامکاں ☆ کیا کریں گے پھر مرے نامہرباں

اب اس حیثیت سے اپنا جائزہ لینے کی ضرورت کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے خرید وفروخت کا جو معاہدہ کیا ہے کیا اس پر ہم قائم ہیں، اگر آپ اپنی گائے کسی کو بیچ دیں اور خریدنے والے سے اس کی قیمت وصول کرلیں، پھر اس کے بعد اگر کہیں کہ گائے کا مالک میں رہوں گا، میں جس طرح چاہوں گا اس میں تصرف کروں گا اور اس کا دودھ استعمال کروں گا، تو ساری دنیا کے لوگ اس کو بہت بڑی بے ایمانی اور ڈھٹائی سے تعبیر کریں گے، کیونکہ جب آپ اس گائے کو بیچ چکے ہیں تو آپ کی ملکیت ختم ہوگئی، اب آپ اس کے مالک نہیں ہیں، نہ آپ کسی دوسرے کو بیچ سکتے ہیں اور نہ اس میں کسی قسم کا تصرف کرنے کا آپ کو حق حاصل ہے۔ راقم الحروف کا ایک شعر ہے۔

ارے جاؤ خریدارو یہاں سے
کہ بیع دل کی مکمل ہوچکی ہے

اسی طرح اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہی خرید وفروخت کا یہ معاملہ مکمل ہو جاتا ہے، یعنی آپ نے اپنے مال اپنی جان اور اپنی ساری چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بیچ دیا اور اللہ نے اس کو خرید لیا، تو بیچنے کے بعد آپ کو یہ حق نہیں ہے کہ اللہ کی خریدی ہوئی چیز میں اپنی مرضی سے تصرف کریں، اب آپ اپنی مرضی سے نہ مال کما سکتے ہیں اور نہ اپنی مرضی سے خرچ کر سکتے ہیں، الغرض ایک قدم بھی اپنی مرضی سے اٹھانے کا حق نہیں ہے، اگر آپ بیچی ہوئی چیز میں اپنی مرضی سے تصرف کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جو آپ نے معاہدہ کیا تھا وہ ٹوٹ گیا۔

افسوس ہے کہ آج مسلمان قدم قدم پر اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے اس معاہدے کو توڑ رہے ہیں، تو پھر کس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اللہ کی طرف سے حفاظت کے مستحق ہوں گے، اس معاہدے کا تقاضا ہے کہ ہم جو بھی قدم اٹھائیں اور جو کچھ بھی کریں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے پوچھ کر کریں، جس کام کو کرنے کی اللہ تعالیٰ اجازت دے اس کو کریں اور جس سے اللہ روک دے اس کے قریب نہ جائیں۔ کیونکہ ؎

ہر نفس پر ہر قدم پر ہر جگہ
دیکھنا پڑتا ہے انداز نگاہ یار کو

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، تفسیر سورہ توبہ کا لذت آفریں حاشیہ نمبر ۲۰۵/ پڑھئے۔

اصل معاملہ بیع، (خریدنے کا معاملہ) صرف اس قدر ہے کہ مومن اپنے جان و مال کو بلا کسی شرط، قید وحجت کے اللہ کے حضور میں نذر کر دیتے ہیں اور ادھر سے اس نذرانہ کے عوض میں جنت مل رہی ہے۔

لفظ اِشْتِرَاء (خریدنے) کا اس موقع پر استعمال غایت شفقت وکرم ہی سے ہے، ورنہ کسی بندہ کی جان اور اس کا مال اس کی اپنی ملک ہے کب؟ یہ ملک تو تمام تر اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، وہ جو چاہے بلا کسی معاوضہ یا انعام کا سوال درمیان لائے حکم دے دے، اپنی ملک کو دوسرے سے خرید کر لینا اور اس کی قیمت ادا کرنا بجز کرم بے غایت اور احسان بے غایت کے اور کیا ہے؟

أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ" الفاظ بہت قابل غور ہیں (انفس واموال) جان مال کے بعد پھر انسان کے پاس رہ ہی کیا جاتا ہے، وہ دونوں تو اسلام کا اقرار کرنے کے بعد اللہ ہی کی ہو گئیں اور دنیا میں جتنی بھی جسمانی دماغی اور روحانی لذتیں اور راحتیں ہیں سب شرحیں اور شاخیں اسی ایک راحت تن کی ہیں اور ماحصل اسی حب بقائے نفس اور حب مال کی۔

مسلمان سمجھ لے اور اپنے دل میں اسے خوب بیٹھا لے کہ ایمان قبول کرتے ہی اس کی ساری مسرتیں ساری راحتیں تابع ہو گئیں اسی رضائے الٰہی کے جس کے محل کا نام جنت ہے۔

آیت قرآن مجید کی اہم ترین اور کلیدی آیتوں میں سے ہے، مسلمان اگر دل نشیں کر لے تو اس پر

ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو جائے، اور اس کے بعد مومن کے لئے بڑی سے بڑی قربانی بھی اس کے لئے کچھ مشکل نہ رہ جائے، بلکہ ہر قربانی کیلئے وہ ہنسی خوشی خود لپکنے لگے، صرف اسی یقین واذعان کے استحضار کی ضرورت ہے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ ۱۳ھ نبوی میں ستر (۷۰) شرفاءِ مدینہ نے مکہ میں آکر رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی اور اس بیعت کا نام بیعت عقبہ ثانیہ ہے اور ان کے ایک لیڈر عبداللہ بن رواحہؓ نے عرض کیا کہ آپ اپنے اور اپنے رب کی طرف سے شرطیں بیان فرمایئے۔

آپ نے فرمایا کہ میرے رب کی طرف سے تو یہ ہے کہ اس کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، اور میری طرف سے شرط یہ ہے کہ جس طرح اپنے جان و مال کی حفاظت کرتے ہو میری بھی حفاظت کرو، تو وہ بولے اچھا تو پھر ہمیں کیا ملے گا؟

آپ نے فرمایا، جنت، وہ لوگ بول اٹھے، رَبِحَ الْبَيْعُ لَانُقِيلُ وَلَانَسْتَقِيلُ " یہ سودا تو بڑے نفع کا ہے ہم نہ اس بیع کو توڑیں گے اور نہ اس کے توڑنے کی درخواست کریں گے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ توبہ، حاشیہ نمبر ۲۰۵)

اقتباس

افسوس ہے کہ آج مسلمان قدم قدم پر اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے معاہدے کو توڑ رہے ہیں، تو پھر کس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اللہ کی طرف سے حفاظت کے مستحق ہوں گے اس معاہدے کا تقاضا ہے کہ ہم جو بھی قدم اٹھائیں اور جو کچھ بھی کریں اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے پوچھ کر کریں، جس کام کو کرنے کی اللہ تعالیٰ اجازت دے اس کو کریں اور جس سے اللہ روک دے اس کے قریب نہ جائیں۔

ہر آبادی میں عالمِ باعمل کا ہونا ضروری ہے

اگر کسی علاقے میں کوئی ہسپتال یا اچھا ڈاکٹر نہیں ہوتا تو لوگ حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ حکومت کو ہمارے علاقے کی کوئی فکر نہیں ہے، ہمارے یہاں بیماروں کے علاج کیلئے کوئی انتظام نہیں ہے، اگر حکومت نے ہمارے اس اہم مسئلے سے دلچسپی نہیں لی اور ہمارے علاقے میں کوئی اچھا ہسپتال نہیں قائم کیا گیا تو ہم اس سلسلے میں زبردست احتجاج کریں گے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آئندہ ہم الیکشن کا بائیکاٹ کردیں۔

اسی طرح ہسپتال تو ہو لیکن اس میں کوئی ماہر فن، تجربہ کار ڈاکٹر نہ ہو، تب بھی لوگ حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارے ہسپتال میں اچھے تجربہ کار ماہر فن ڈاکٹر کی ڈیوٹی مقرر کی جائے، اناڑی اور ناتجربہ کار ڈاکٹر ہمارے مریضوں کیلئے خطرہ اور ان کی موت کا سبب بن سکتے ہیں۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جسمانی بیماریوں کے علاج کیلئے تو اتنی فکر ہے، لیکن ان جسمانی بیماریوں سے زیادہ خطرناک روحانی اور اخلاقی بیماریاں ہوتی ہیں، جنکا علاج نہ کیا گیا تو دنیا کے ساتھ آخرت بھی برباد ہوجائے گی، جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کو تو چھوڑیئے، ان کی نگاہ تو بس اس دنیا کے فائدے اور نقصان تک محدود ہے، لیکن جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، آخرت، دوزخ اور جنت پر ایمان رکھتے ہیں، انکا بھی حال کچھ غیر مسلموں سے مختلف نہیں ہے، ان کو بھی روحانی بیماریوں سے زیادہ جسمانی بیماریوں کی فکر ہے، دنیا کے مسائل کو جاننے کی کوشش تو کریں گے لیکن دین اور آخرت کے مسائل کو جاننے کی ان کو فکر نہیں ہے، حالانکہ بغیر علم کے جب دنیا کا کوئی راستہ کامیابی کے ساتھ طے نہیں کیا جاسکتا تو آخرت کا پر خطر راستہ بغیر علم کے کیسے طے کیا جاسکتا ہے۔

کیا حکمت وطب کے اصول اور طریقۂ علاج کو جانے بغیر کوئی حکیم اور طبیب ہوسکتا ہے، کیا میڈیکل سائنس کو جانے بغیر کوئی ڈاکٹر ہوسکتا ہے اور مریضوں کا علاج کرسکتا ہے، کیا بغیر علم کے کوئی پائلٹ فضاء میں جہاز چلاکر ہزاروں میل کا سفر طے کرسکتا ہے؟ اسی طرح بغیر دین سیکھے کیا کوئی دین کے تقاضوں کو پورا کرسکتا ہے؟ کیا اللہ کی کتاب کو سمجھے بغیر کسی کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوسکتی ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو جانے بغیر کسی سنت پر عمل کیا جاسکتا ہے؟ لیکن مسلمانوں کو آج اپنے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی ہے۔

اگر دین سے دلچسپی ہوتی، اللہ کی کتاب سے محبت ہوتی اور آخرت کی دشوار گھاٹیوں سے گذرنے کا خوف ہوتا، تو جس طرح وہ اس بات کو ضروری سمجھتے ہیں کہ ہر علاقے میں اچھا ہسپتال اور اچھا ڈاکٹر ہو، اسی طرح وہ اس بات کی بھی ضرورت محسوس کرتے کہ ہر علاقے میں روحانی ہسپتال، اسلامی نرسنگ ہوم، اسلامی بیوٹی پارلر بھی ہو، جہاں نیک صالح اور باعمل عالم ہوں جو لوگوں کی اصلاح کریں، ان کا تزکیہ کریں اور عملی حیثیت سے ان کو حسین اور

خوبصورت بنانے کی کوشش کریں، اور قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کے تمام معاملات کو حل کریں۔

بہر حال اگر کسی آبادی میں کوئی عالم باعمل نہیں ہے تو اس آبادی کے لوگوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے یہاں ایک عالم باعمل کو رکھنے کا انتظام کریں اور اس کی مادّی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے معقول مشاہرہ بھی دیں، اگر دینی مسائل کو جاننے کیلئے کسی عالم باعمل کا انتظام نہیں کیا گیا تو پوری آبادی کے لوگ گنہگار ہوں گے۔

اب تفسیر ماجدی جلد دوم تفسیر سورہ توبہ کے حاشیہ نمبر ۲۳۱ کا کچھ حصہ پڑھئے،

فقہاء نے لکھا ہے کہ، جس آبادی میں علماءِ حقانی کا وجود نہ رہے یا وہ موجود تو ہوں لیکن ہدایت خلق کے کام سے غافل ہوں تو وہ ساری آبادی گنہگار ہوگی، بدکرداری سے روکنا اور نیک کرداری کو پھیلانا فرض کفایہ ہے، علماءِ حق اس کے خصوصاً ذمہ دار ہیں، گو حکم کے مخاطب سب مسلمان ہیں۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ توبہ، حاشیہ نمبر ۲۳۱)

❁ ❁

اقتباس

کیا حکمت وطب کے اصول اور طریقہ علاج کو جانے بغیر کوئی حکیم اور طبیب ہوسکتا ہے، کیا میڈیکل سائنس کو جانے بغیر کوئی ڈاکٹر ہوسکتا ہے اور مریضوں کا علاج کرسکتا ہے، کیا بغیر علم کے کوئی پائلٹ فضاء میں جہاز چلا کر ہزاروں میل کا سفر طے کرسکتا ہے؟ اسی طرح بغیر دین سیکھے کیا کوئی دین کے تقاضوں کو پورا کرسکتا ہے؟ کیا اللہ کی کتاب کو سمجھے بغیر کسی کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوسکتی ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو جانے بغیر کسی سنت پر عمل کیا جاسکتا ہے؟ لیکن مسلمانوں کو آج اپنے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی ہے۔

گمراہی کی چار منزلیں

اس دنیائے فانی چند روزہ کے علاوہ ایک اور دنیا ہے جس کا نام آخرت ہے، جو دائمی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، اس کے وجود میں کسی طرح کا کوئی شک نہیں ہے، اس دنیا سے لوٹ کر وہیں جانا ہے جہاں انسانوں کا مستقل قیام رہے گا اور دنیا میں جس نے جیسا عمل کیا ہوگا اس کے لحاظ سے اسکو وہاں بدلہ ملے گا، یا تو ہمیشہ ہمیش کیلئے جنت ہے یا ہمیشہ ہمیش کیلئے دوزخ اور اسکا دردناک عذاب ہے، ساری گمراہیوں اور سارے بگاڑ اور فساد کا سبب یہی آخرت سے غفلت ہے، اس لئے یہ بات صد فیصد صحیح ہے کہ گمراہیوں کی پہلی منزل آخرت سے غفلت ہے۔

جب کسی انسان کے سامنے آخرت کا واضح تصور نہیں ہوتا اور آخرت میں محاسبۂ اعمال پر یقین نہیں ہوتا تو وہ برائیوں اور گناہوں پر بضد رہتا ہے اور خوش رہتا ہے اور بے فکری کے ساتھ گناہ کئے جاتا ہے، یہ گمراہی کی دوسری منزل ہے، پھر جب آدمی آخرت سے بالکل آنکھ بند کر لیتا ہے اور دنیا ہی کی ترقی و خوشحالی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیتا ہے اور اپنی مادی ترقی پر مگن رہتا ہے، تو گمراہی کی تیسری منزل شروع ہو جاتی ہے۔

دنیا میں انسانوں کو خوابِ غفلت سے چونکانے کیلئے اور ان کی بے حسی کو دور کرنے کے لئے بہت سے حادثات پیش آتے ہیں، لیکن جب وہ ان حادثات سے بھی عبرت حاصل نہیں کرتا اور خوابِ غفلت سے بیدار نہیں ہوتا، تو پھر گمراہی کی چوتھی منزل آجاتی ہے اور اندیشہ ہو جاتا ہے کہ شاید اب ہدایت کی توفیق اس سے چھن جائے اور گمراہی کے دلدل میں پڑا رہے۔

آہ، انسان کی سب سے بڑی ناعاقبت اندیشی اور بھول یہ ہے کہ ہر لمحہ اس کا قدم آخرت کی طرف بڑھ رہا ہے اور اس کی نگاہ دنیا کی عارضی رنگینیوں میں اٹکی ہوئی ہے۔

قدم سوئے عقبیٰ نظر سوئے دنیا
کدھر جا رہے ہیں کدھر دیکھتے ہیں

اللہ تعالیٰ ہم کو گمراہیوں کی ان تمام منزلوں سے محفوظ رکھے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، تفسیر سورہ یونس کا حاشیہ نمبر ۱۳/۱۴/۱۵/۱۶/ پڑھئے۔

جن لوگوں کو ہماری ملاقات کی امید ہی نہیں، غرض آخرت سے غفلت ہر صورت میں مشترک ہے، اور انسان کی گمراہی کا پہلا زینہ عموماً یہی آخرت سے غفلت ہی ہوتی ہے۔

اور اس لئے اللہ کی طلب ہی نہیں رکھتے اس دنیوی زندگی میں مگن ہیں، عالمِ ناسوت کا شر و فساد مومن کے دل کو ہمیشہ بے چین رکھتا ہے، کبھی اس دنیا پر رضامند نہیں ہونے دیتا، یہ فساد پر رضامندی گمراہی کی

دوسری منزل ہے اور مادی زندگی پر شاد وشاداں ہو کر آخرت کی طرف سے بالکل ہی بے پرواہ ہو بیٹھے ہیں، گمراہی کی یہ تیسری منزل ہوئی، پہلے تو یہ ہوتا ہے کہ نعمتِ آخرت کی تمنا وطلب دل سے مٹ جاتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ یہ ہو جاتا ہے کہ اپنے انجام وعاقبت کی طرف خیال ہی نہیں جاتا، اسی دنیوی زندگی کی دلچسپیوں اور رنگینیوں میں ایسا انہماک ہو جاتا ہے کہ اُدھر کی کھٹک کبھی کبھی بھی نہیں پیدا ہوتی، بلکہ جب کوئی اس مستقل زندگی کی یاد دلاتا بھی ہے تو الٹا اسی پر مضحکہ شروع کر دیا جاتا ہے کہ اس بدعقل کو دیکھو، نقد کو چھوڑ کر ہمیں ادھار کی طرف اور آگے کے بجائے پیچھے کی طرف لئے جا رہا ہے، اور سیاسیات ومعاشیات وطبعیات
پھنسانا چاہتا ہے۔
کے زندہ ورنگین مشغلوں سے ہٹا کر ہمیں دینیات خشک وبے حاصل مسائل میں

یعنی روزمرہ کی غفلت، بے حسی، بے پروائی کے علاوہ ایسی نشانیاں جو خاص طور پر چونکا دینے والی ہوتی ہیں مثلاً قحط، زلزلہ، وباء، جنگ عمومی انفرادی وشخصی، مالی وجانی صدمے یہ تک بھی ان کے ضمیر کو بیدار نہیں کرتے اور یہ بدستور فکرِ آخرت کی طرف سے بے پرواہ ہی رہتے ہیں اور افسوس ہے کہ ذکر وفکر آخرت کی طرف سے یہی بے اعتنائی اور دنیوی ساز وسامان اور مادی علوم وفنون وصنائع کی طرف یہی انہماک اور شدتِ التفات، تہذیبِ فرنگی وثقافتِ جاہلی کا جزوِ اعظم ہیں "مہذب" اور اعلیٰ سوسائٹی میں دوزخ وجنت، برزخ اور سکراتِ موت کا کسی کی زبان پر نام تک نہ آنے پائے اور علوم جدیدہ کے بڑے بڑے ماہروں اور فاضلوں کو خوب غور سے دیکھ لیجئے کیا ان میں ایک ذرہ برابر بھی طلب، معرفتِ حق کی اور ظواہرِ مادی سے گذر کر حقائقِ معنوی تک پہنچنے کی پائی جاتی ہے۔

(بحوالہ تفسیر سورہ یونس، حاشیہ نمبر ۱۳/۱۴/۱۵/۱۶/)

مصیبت میں بھی اللہ کی یاد کا نہ آنا خطرناک علامت ہے

اللہ تعالیٰ حقیقت ہے کہ انسان کے دل کی آواز ہے، کٹر سے کٹر کوئی منکر خدا، ملحد اور اللہ تعالیٰ سے غافل انسان ہو، لیکن جب اس کی کشتی طوفانی موجوں کے تھپیڑوں میں پھنستی ہے یا اور کوئی بڑی مصیبت آتی ہے، تو اس کی زبان پر اللہ کا نام آجاتا ہے۔ ؎

ہر مضطرب کو اس کی طرف التفات ہے
آخر خدا کے نام میں کوئی تو بات ہے

لیکن انسان اپنی غفلت سے اپنی فطرت کی اس آواز کو دباتا رہتا ہے جس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ اس کے دل پر زنگ چڑھ جاتا ہے اور وہ اللہ سے دور ہو جاتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ انسان کی فطرت اس کو الارم دیتی ہے کہ مصیبت کی بہت سی نازک گھڑیوں میں سارے مادی سہارے ہوا ہو جاتے ہیں اور کام آتا ہے تو صرف اللہ ہی کا نام آتا ہے اور اللہ ہی کا نام بے ساختہ زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی کا یہ شعر بہت ہی عارفانہ اور تسلی بخش ہے۔ ؎

جب وقت پڑا نازک اپنے ہوئے بے گانہ
ہاں کام اگر آیا تو نام ترا آیا

بہت سے انسانوں کا یہ حال ہے کہ مصیبت کے وقت تو خوب اللہ کے سامنے گریہ وزاری کریں گے اور وعدہ کریں گے کہ اے رب العلمین اگر تو نے ہم کو اس مصیبت سے نجات دے دی تو پھر ہم کبھی تیری نافرمانی نہیں کریں گے، لیکن زنگ خوردہ دل والے یہ انسان اتنے مصلحت پرست ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ ان کو مصیبت سے نجات دے دیتا ہے تو پھر اپنی باغیانہ روش پر قائم ہو جاتے ہیں۔

کسی نے خوب کہا ہے کہ، ؎

کشتی بھنور میں تھی تو دعاؤں کا سلسلہ
ساحل ہوا نصیب تو یاد خدا گئی

بہرحال اگر مصیبت کے وقت کسی کی زبان پر اللہ کا نام آئے تو اس بات کی علامت ہے کہ ابھی اس کے اندر اپنے پروردگار کو پہچاننے کی فطری چنگاری موجود ہے، لیکن اگر مصیبت کی نازک گھڑیوں میں بھی اللہ کا نام زبان پر نہ آئے تو اس کا مطلب ہے کہ فطرت صالحہ کی چنگاری بالکل بجھ چکی ہے۔

دور جاہلیت میں جب کبھی سمندری سفر میں کشتی طوفانی موجوں میں پھنس جاتی تھی تو کفار و مشرکین کی زبان

پر بھی اللہ کا نام جاری ہو جاتا تھا اور اس اکیلے اللہ ہی کو مصیبت سے نجات دینے کیلئے پکارتے تھے۔
لیکن آج معلوم ہوتا ہے کہ شرک اپنے انتہائی ترقی یافتہ دور میں داخل ہو چکا ہے، مصیبت کی نازک گھڑیوں میں بھی زبان پر اللہ کا نام نہیں آتا، بت پرستوں کو تو چھوڑیئے مسلمانوں میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو مصیبت کے وقت بجائے اللہ کے اپنے ان بزرگوں اور ولیوں کو پکارتے ہیں جو قبر میں پہنچ چکے ہیں اور ان سے مدد طلب کرتے ہیں، یہ شرک کی وہ انتہاء ہے جس سے آگے شرک کا کوئی درجہ نہیں، مصیبت کے وقت انتہائی بے حیائی کے ساتھ اللہ کو چھوڑ کر ان کی زبان پر یہ شعر جاری ہو جاتا ہے۔

بگرداب بلا افتاد کشتی
مدد کن یا معین الدین چشتی

بدعتیوں کی ایک کتاب (بارہ تقریریں) میں لکھا ہوا ہے کہ ایک آدمی دریا کے کنارے کھڑا تھا اس کو دریا پار کر کے جانا تھا کوئی کشتی وغیرہ نہیں تھی وہ پریشان تھا کہ ایک سفید پوش بزرگ آپہنچے اور پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کیوں پریشان ہو؟ اس نے اپنی پریشانی بتائی تو اس بزرگ نے کہا کہ میرا یہ مصلیٰ لو، دریا پر اس کو بچھا دو اور اس پر بیٹھ جاؤ اور یا الغوث مدد، یا الغوث مدد، کہتے ہوئے دریا سے پار ہو جاؤ گے۔
جب وہ دریا کے بیچ میں پہنچا اور کچھ طوفانی لہریں آئیں تو وہ گھبرا گیا، گھبراہٹ کے عالم میں اس کی زبان سے "یا اللہ مدد" نکل گیا اب تو اس کی حالت اور خراب ہو گئی، قریب تھا کہ ڈوب جائے وہ بزرگ دیکھ رہے تھے، زور سے کہا کہ یا الغوث مدد کہو، چنانچہ اس نے اللہ کے بجائے الغوث مدد، کہنا شروع کیا تو طوفانی لہریں بھی ختم ہو گئیں اور مصلیٰ پر بیٹھ کر اطمینان سے دریا پار کر گیا بعد میں اس نے بزرگ سے پوچھا کہ یا اللہ کہنے سے کیوں خطرہ بڑھ گیا اور الغوث مدد کہنے سے اطمینان کے ساتھ گذر گیا تو اس بزرگ نے کہا کہ ارے ناداں، ابھی تم الغوث تک پہنچے نہیں اور اللہ تک پہنچنا چاہتے ہو، (نعوذ باللہ من ھذہ الاباطیل والبدعات) اللہ رحم فرمائے شرک آج ترقی کی کیسی کیسی منزلیں طے کر رہا ہے۔
اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، تفسیر سورہ یونس کا حاشیہ نمبر ۴۰ پڑھئے،
ایسے نازک موقعوں پر اسباب سے قطع نظر کر کے ساری توجہ مسبب الاسباب کی طرف کر دینا عین انسان کی فطرت سلیم کا مقتضا ہے اور جو بدنصیب ایسے وقت بھی رجوع و انابت کی توفیق نہیں پاتے ان کے دل نور انسانیت کی آخری شعاع سے بھی محروم ہو چکے ہیں۔
علامہ آلوسی بغدادیؒ صاحب تفسیر روح المعانی نے اس مقام پر کچھ دور تک اپنی ملت کے حال زار پر نوحہ و ماتم کیا ہے کہ مشرکین تک ایسے مواقع پر خدائے واحد وقدوس کو پکارنے لگتے ہیں، لیکن ہم لوگوں

میں کوئی فلاں بزرگ کو پکارتا ہے کوئی فلاں شیخ کے نام کی دہائی دینے لگتا ہے، سو خدا کیلئے فیصلہ کیجئے کہ ہم اس لحاظ سے مشرکوں سے بھی ابتر ہو چکے ہیں یا نہیں، ہمارے ملک کے، یا غوث اور یا خواجہ، کی صدائیں لگانے والے اور یا علی مشکل کشاء کا نعرہ لگانے والے ذرا اپنے انجام پر غور کر لیں۔

منقول ہے کہ کسی نے حضرت جعفر صادقؒ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ پروردگار عالم کی بابت کچھ مجھے ارشاد فرمایئے، آپ نے کہا کہ تم کرتے کیا ہو؟ اس نے کہا کہ تجارت بحری میرا پیشہ ہے، آپ نے فرمایا کہ اچھا تم اس کا کچھ حال بیان کرو، اس نے کہا کہ ایک بار میری کشتی عین دریا میں ٹوٹ گئی اور میں ایک تختہ پر بیٹھا بہا جارہا تھا کہ ہوائے تیز وتند کا تھپیڑا آیا، آپ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ اس وقت تمہارے دل میں خشوع وشکستگی کی کیفیت پیدا ہوئی تھی؟ اس نے کہا بیشک، آپ نے فرمایا کہ جس کی طرف تمہاری تضرع وشکستگی نے رخ کیا تھا بس وہی تو پروردگار عالم ہے۔ (کبیر)

(بحوالہ، تفسیر سورہ یونس، حاشیہ نمبر ۴۰)

اقتباس

آج معلوم ہوتا ہے کہ شرک اپنے انتہائی ترقی یافتہ دور میں داخل ہو چکا ہے، مصیبت کی نازک گھڑیوں میں بھی زبان پر اللہ کا نام نہیں آتا، بت پرستوں کو تو چھوڑیئے مسلمانوں میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو مصیبت کے وقت بجائے اللہ کے اپنے ان بزرگوں اور ولیوں کو پکارتے ہیں جو قبر میں پہنچ چکے ہیں اور ان سے مدد طلب کرتے ہیں، یہ شرک کی وہ انتہاء ہے جس سے آگے شرک کا کوئی درجہ نہیں۔

جگہ دل لگانے کی دنیا نہیں ہے

یوں تو موت بچپن میں بھی آتی ہے جوانی اور بڑھاپے میں بھی، غربت وافلاس فقروفاقہ کی حالت میں اور خوشحال میں بھی، کسی بھی وقت آدمی اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے لیکن ذرا موت کے وقت اس آدمی کی حسرت اور اس کے غم کا تصور کیجئے جس نے دنیا سے دل لگا رکھا تھا، جس کا اوڑھنا بچھونا، سونا، جاگنا، سب کچھ دنیا ہی کیلئے تھا اور اپنی پوری زندگی اس نے اسی دنیائے فانی کیلئے وقف کر رکھی تھی اور اپنی جھوٹی تمناؤں کے محل میں مست اور مگن تھا، شاندار محل کی تعمیر میں مشغول تھا، مادّی ترقی کی ساری منزلیں طے کر چکا تھا، زمین وجائداد کا مالک تھا دنیاوی ترقی کی فصل خوب لہلہا رہی تھی، شاندار گاڑی پر فخر وناز کے ساتھ چلتا تھا، بڑے بڑے لیڈروں کی مجلس میں اسکا استقبال ہوتا تھا، کروڑوں اور اربوں روپے کا بینک بیلنس تھا اور وہ گمان کرتا تھا کہ اب میرا یہ چمن کبھی ویران نہیں ہوگا۔

لیکن عین اس مادی ترقی کے عروج کے زمانے میں وہ موت کے بستر پر پہنچ جاتا ہے اور یقین ہو جاتا ہے کہ اب اپنے شاندار محل، لمبی چوڑی جائداد، بینک بیلنس اور عیش وعشرت کے سارے سامانوں کو چھوڑ کر اس دنیا سے انتہائی بیکسی اور بیچارگی کے ساتھ جا رہا ہے، اس وقت اس کو جو حسرت ہوگی اس کا اندازہ لگانا محال ہے۔

یہی اس ناپائیدار دنیا کا حال ہے جس کا مشاہدہ دن رات آدمی کرتا رہتا ہے لیکن پھر بھی وہ اپنی حماقت سے اسی دنیا سے دل لگائے ہوئے ہے، بہرحال دنیا اس لائق نہیں ہے کہ اس سے دل لگایا جائے اور اس کو مقصد زندگی بنا کر آخرت کی اپنی دائمی زندگی کو برباد کیا جائے، یہاں جو بھی کسی کو کچھ بہار نظر آتی ہے وہ محض ایک دھوکہ ہے بہار نام کی کوئی چیز ہی یہاں نہیں ہے۔

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار آئی ہے

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم تفسیر سورہ یونس کا حاشیہ نمبر ۴۳ پڑھیے۔

یہاں دنیا کی بے ثباتی کو مثال کی صورت میں یوں پیش کیا ہے کہ جیسے آسمان سے خوب زور وشور کی بارش ہو، ہر قسم کے نباتات کی روئیدگی خوب ہے آدمی کے کھانے کے قابل پھل پھلاری، میوہ، غلہ، اور جانوروں کے کھانے کے قابل پتیاں، بھوسہ وغیرہ کی خوب پیداوار ہو، پھر جب ہر طرف خوب سرسبزی وشادابی پھیل جائے، لہلہاتے کھیت سرسبز درخت، شاداب باغ، ہر طرف پورے زیب وزینت کے ساتھ نظر آنے لگیں اور انسان سمجھنے لگے کہ بس ہم ان تمام لذتوں اور نعمتوں سے لطف اٹھانے کے پوری طرح مالک ومختار ہیں کہ یک بیک حکم الٰہی سے کوئی ایسا آسمانی یا زمینی حادثہ پیش آجائے کہ سارا گل و

گلزار تہس نہس ہو کر رہ جائے اور حالت یہ ہو جائے کہ گویا کل یہاں کچھ تھا ہی نہیں، یہ مرقع ہے انسانی زندگی کا کہ بڑے بڑے نامور و با اقبال انسان کا بھی خاتمہ دفعتہً موت پر ہو کر رہ جاتا ہے، اور یہ حال ہے دنیا کا جس کی اُدھیڑ بن میں غافل انسان ہمہ تن ہمہ وقت لگا رہتا ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ یونس، حاشیہ نمبر ۴۳)

وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ

آج ہندوستان میں ۶ رذوالحجہ ۱۴۳۳ھ ۲۳ راکتوبر ۲۰۱۲ء ہے، کل سعودیہ عربیہ (حجاز) میں ۸ رذوالحجہ ہے اور ۹ رذوالحجہ بروز جمعرات تمام حجاج کرام حج کے سب سے بڑے رکن کی ادائیگی کیلئے عرفات کے میدان میں حاضر ہوں گے، چند دن پہلے ایک اخبار میں ایک خبر نظر سے گذری کہ فلاں مولانا قاسمی صاحب کو اور ہندوستان کی سپریم کورٹ کے فلاں وکیل صاحب کو حج کے مبارک کے موقع پر سعودی حکومت یا شاہ عبداللہ نے بطور مہمان اپنے یہاں مدعو کیا ہے، سعودی حکومت کے مہمان بننے پر اتنی خوشی اور مسرت کا اظہار کیا گیا کہ اس کو اخبار میں شائع کروایا گیا اور کچھ لوگ اس کو اتنا بڑا اعزاز سمجھتے ہیں کہ ان کو مبارکباد دے رہے ہیں۔

جب کہ سعودی حکومت کا مہمان بننا کسی مسلمان یا کسی عالم کیلئے نہ عزت کی بات ہے اور نہ کسی قسم کا اعزاز ہے، نیتوں کا حال تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، اس موقع پر معلوم نہیں حج وغیرہ کی زیادہ خوشی ہے یا سعودی حکومت اور بادشاہ عبداللہ کا مہمان بننے کی خوشی ہے، حج کے موقع پر جو لاکھوں حجاج کرام مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ جاتے ہیں سب اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، لیکن فرداً فرداً اخباروں میں اللہ تعالیٰ کے کسی مہمان کیلئے مبارک نامہ کی خبر شائع نہیں ہوتی، لیکن دنیاوی بادشاہ نے بحیثیت مہمان کسی کو مدعو کر لیا تو اس کا نام اخبار کی سرخیوں میں آجاتا ہے، اور جس کو مدعو کیا جاتا ہے وہ بھی خوشی سے پھول کر کپّا ہو جاتا ہے۔

کیا کسی مسلمان کو یہ نہیں معلوم کہ سعودی حکومت کا مہمان بننے کی وجہ سے دینی لحاظ سے ذمہ داری بڑھ جاتی ہے، سعودی حکومت کا مہمان اگر وہاں کے منکرات سے نہ روکے، حضور اکرم ﷺ کی سنت داڑھی منڈانے والے یا خلاف سنت داڑھی رکھنے والے سعودی حکمرانوں اور شہزادوں کو سنت کے مطابق داڑھی رکھنے کی ترغیب نہ دے، وہاں کے سپر مارکیٹ کی مخالفت نہ کرے، جس میں داخل ہو کر انسان حج کی برکتوں سے محروم ہو جاتا ہے، اور دنیا سے بے رغبتی کے بجائے دنیا کی محبت کا جذبہ جوان ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ، تو یہ مہمانی خطرے کا سبب بن سکتی ہے اور وہاں کی برکتوں سے مہمان محروم ہو سکتا ہے، بس یہ شہرت ہو جائے گی اور اخبار کی سرخیوں میں یہ بات آجائے گی کہ فلاں صاحب سعودی حکومت کے مہمان بنے تھے۔

منکرات سے کھل کر رد کنے والے اور حق بات کہنے والے کو سعودی حکومت کبھی مدعو نہیں کرے گی، آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے حضرت ابوذر غفاریؓ نے کہا تھا کہ،

مَاتَرَکَ لِیَ الْحَقُّ صَدِیْقًا" حق بات نے میرا کوئی دوست ہی نہیں چھوڑا۔

تو اس پرفتن دور میں بہت مشکل ہے کہ کوئی حق بات کہے اور کھل کر منکرات سے روکے اور ہر جگہ اسکا استقبال ہو، اور بادشاہوں، حکمرانوں، رئیسوں اور امیروں کے یہاں بحیثیت مہمان خصوصی اس کو مدعو کیا جائے۔

یہ بات ضمناً تحریر میں آگئی، شاید کہ جو لوگ رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کے ممبر ہیں یا سعودی حکومت کے مہمان بنتے ہیں وہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں اور جزیرۂ عرب کو بھی تمام فواحش و منکرات، مخلوط تعلیم، بے پردگی، فضول خرچی اور ہر طرح کے خلاف سنت اور عمل سے پاک وصاف کرنے کی کوشش کریں۔

بہر حال یہاں سعودی حکومت کے مہمان بننے والے کی خبر سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ایک دنیاوی بادشاہ کی دعوت پر جب آدمی خوش ہو جاتا ہے اور اس کے دل میں خوشیوں کے پھول بلا موسم کھل جاتے ہیں تو اس وقت خوشی اور مسرت کا کیا عالم ہوگا جب رب کائنات کسی کو اپنے گھر بلائے۔

اس آیت وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ (اللہ سلامتی کے گھر جنت کی طرف بلا رہا ہے) کو سن کر بندۂ مومن کو جتنی خوشی ہوگی اس کا اندازہ لگانا ہی محال ہے۔

روح اڑنے لگی مسرت سے
اف صدائے تعال کی لذت

اللہ کی طرف سے اس دعوت پر تو بندۂ مومن قربان ہو جائیگا اور غیروں کا ہوش باقی ہی نہیں رہے گا۔

رہا ہوش اپنا نہ غیروں کا احمد
سنی جب سے میں نے اذانِ محبت

کیا اللہ تعالیٰ کی اس دعوت پر بندہ اللہ کی طرف جانے میں کسی طرح کی تاخیر اور ٹال مٹول کرے گا، بلکہ وہ چاہے گا کہ روشنی اور ہوا کی رفتار سے بھی زیادہ رفتار سے اللہ کے پاس پہنچ جائے، اور بے مثال ربانی دسترخوان سے لطف اندوز ہو، دیدار الٰہی کی لذت بے مثال سے نگاہ و دل کو مسرور کرے اور اس کی تیز گامی پر فرشتے بھی مبارک باد دے رہے ہوں کہ۔ "مبارک تجھے تیز گام محبت"

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ دعوت نامہ صرف اہل ایمان ہی کیلئے نہیں ہے بلکہ دنیا کے سارے انسانوں کیلئے ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی اس دعوت کی طرف کوئی نہ لپکے اور بصد شوق نہ دوڑے تو یقیناً اس کی بدقسمتی ہے کہ رب ذوالجلال والاکرام کی دعوت کو چھوڑ کر دنیا کی حقیر چیزوں میں دل لگائے ہوئے ہے جس کا کچھ حاصل نہیں۔

اب تفسیر ماجدی جلد دوم تفسیر سورہ یونس کا حاشیہ نمبر ۴۴/ پڑھیے۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ " اللہ اپنے بندوں کو بلاتا ہے اپنے انہیں احکام و ہدایت کے ذریعہ سے سلامتی کے گھر یعنی اس فانی و ناپائیدار دنیا کے برعکس ہمیشہ قائم اور سلامت رہنے والے گھر کی طرف، مراد جنت ہے، عارفین نے لکھا ہے کہ آیت میں مومنین کیلئے تو درس عبرت ہے کہ شہنشاہ خود بلا رہا ہے اور غلام حاضری میں توقف کر رہے ہیں، اور منکرین کیلئے سرزنش ہے کہ وہ کیسی دعوت و نعمت سے محروم رہے جارہے ہیں اور دنیا پرستوں کیلئے تازیانہ عبرت ہے کہ وہ کیسی پست و حقیر چیزوں کے پھیر میں پڑے ہوئے ہیں، اور عاشقوں کیلئے بشارت ہے کہ ان کے حق میں اشارے خلوت خاص کے ہورہے ہیں۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ یونس، حاشیہ نمبر ۴۴/)

جنت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسی کیسی ضیافت ہوگی اور کن کن نعمتوں سے نوازا جائے گا اس کا تصور بھی محال ہے، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ہمارے لئے دَارِ السَّلٰمِ کا راستہ آسان فرمادے اور اپنے لطف و کرم سے دَارِ السَّلٰمِ میں پہنچادے اور اپنے دیدار بے مثال کی لذت بے مثال سے لطف اندوز کرے، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اس دنیا سے رخصتی کے وقت ہی دارالسلام کی بشارت سنادے اور بلا حساب و کتاب اپنی خوشنودی کے اس مقام دارالسلام میں داخل کردے۔ آمین ثم آمین

اقتباس

بہت سے انسانوں کا یہ حال ہے کہ مصیبت کے وقت تو خوب اللہ کے سامنے گریہ وزاری کریں گے اور وعدہ کریں گے کہ اے رب العلمین اگر تو نے ہم کو اس مصیبت سے نجات دے دی تو پھر ہم کبھی تیری نافرمانی نہیں کریں گے، لیکن زنگ خوردہ دل والے یہ انسان اتنے مصلحت پرست ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ ان کو مصیبت سے نجات دے دیتا ہے تو پھر اپنی باغیانہ روش پر قائم ہوجاتے ہیں۔

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا ایک حکیمانہ قول

اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اللہ کی توحید کے علاوہ کسی دوسرے کی بندگی اور کفر وشرک کے ثبوت کیلئے کوئی دلیل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دنیا کا ذرہ ذرہ دلیل ہے، توحید کے اس بے شمار دلائل کے سامنے باطل کو آنے کی جرأت نہیں ہوسکتی، اس لئے اہل حق کو چاہئے کہ دعوتِ اسلامی کے میدان میں بلا خوف وخطر سرگرم عمل ہوجائیں، اگر کوئی اسلام اور اللہ کی توحید کے ثبوت کیلئے دلیل کا مطالبہ کرے تو اس سے صاف صاف کہہ دینا چاہئے کہ تمہارے پاس شرک کی کوئی دلیل ہو تو پیش کرو، ظاہر ہے کہ اس کے پاس شرک کے ثبوت کیلئے کوئی دلیل نہیں ہے، اس لئے وہ حق کے سامنے ہکا بکا رہ جائے گا، بس اپنی بے عقلی اور ناعاقبت اندیشی سے یہی کہے گا کہ باپ دادا سے ایسا ہوتا آیا ہے، ظاہر ہے عملی اکھاڑے میں ان لچر بہانہ بازی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بت پرست باپ اور اپنی بت پرست قوم سے کہا کہ "مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ" یہ بت اور پتھروں کے مجسمے جس کے سامنے تم جھکتے ہو وہ کیا ہیں؟ ان کی خدائی کے ثبوت کیلئے تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ تو وہ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے، اپنی بت پرستی کے ثبوت کیلئے کوئی دلیل نہیں پیش کرسکے، اس لئے لاچار بس یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ "وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِيْنَ" ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پوجا کرتے ہوئے دیکھا ہے اس لئے ہم بھی وہی کررہے ہیں، معلوم ہوا کہ نہ آج سے پہلے کوئی اپنے مشرکانہ مذہب کے ثبوت کیلئے کوئی دلیل پیش کرسکا اور نہ قیامت تک کرسکتا ہے۔

جب حق کے ثبوت کیلئے ساری کائنات دلیل ہے تو اہل حق کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا پیغام پہنچانے میں سستی اور کسل مندی سے کام نہ لیں۔

اب تفسیر ماجد، جلد دوم، تفسیر سورہ یونس کا حاشیہ نمبر ۶۰/ پڑھئے۔

یہاں یہ صاف بتادیا کہ مشرکین ومنکرین کے پاس نہ کوئی دلیل عقلی محکم ہے اور نہ کوئی استدلال نقلی مستحکم، یہ لوگ تو اندھیرے میں پڑے محض اٹکل کے تیر چلا رہے ہیں۔

ہمارے زمانہ کے ایک فاضل یگانہ علامہ مناظر احسن گیلانیؒ نے یہ بات بہت خوب لکھی ہے کہ اثباتِ توحید کے دلائل قائم کرنے کے بجائے ہم کو تو مطالبہ اہل شرک سے کرنا چاہئے کہ الٹی سیدھی کوئی دلیل تو تعدد آلہہ (کئی خداؤں) کے ثبوت میں لائیں۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ یونس، حاشیہ نمبر ۶۰/)

❁ ❁

قرآنِ مجید کے چار اوصاف

اس دنیا میں اللہ کی سب سے بڑی نعمت قرآنِ مجید ہے، دنیا کے تمام انسانوں کیلئے دنیا اور آخرت دونوں میں فلاح وکامیابی کا مکمل دستورِ ربانی ہے، اور تمام ظاہری و باطنی بیماریوں کے علاج کیلئے قیمتی نسخہ شافی ہے، اللہ کی اس نعمت کی ناقدری اور اسی کتاب کی رحمت سے عملی دوری کی وجہ سے آج پوری دنیا میں مسلمان ذلیل اور پریشان ہیں، خود اپنے آپ پر بھی ظلم کرر ہے ہیں اور قرآن کا پیغام نہ پہنچانے کی وجہ سے دوسروں پر بھی ظلم کرر ہے ہیں، اس سرچشمہ صافی سے نہ خود سیراب ہورہے ہیں اور نہ دوسروں کو سیراب کرنے کی کوشش کرر ہے ہیں، اس دولت گراں مایہ سے ان کو سب سے زیادہ خوش ہونا چاہئے اور اسکو پا کر دنیا کی تمام چیزوں سے بے رغبت ہوجانا چاہئے تھا، لیکن افسوس ہے کہ دنیا کی اس سب سے بڑی دولت کے ہوتے ہوئے دنیا کی حقیر چیزوں میں دل لگا رکھا ہے، اس زمین پر یہ سب سے بڑا حادثہ ہے جس پر زمین وآسمان اور کائنات کی ہر چیز کو یقیناً سب سے زیادہ حیرت ہوگی۔

حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب سے جب تک مسلمان عملی حیثیت سے وابستہ نہیں ہوں گے نہ ان کی زندگی میں کوئی صالح انقلاب آسکتا ہے اور نہ ان کی ذلت اور پریشانی دور ہوسکتی ہے، اور اس کتاب کا پیغام عام کئے بغیر دنیا میں بھی امن وامان قائم نہیں ہوسکتا۔

آج دنیا مادّہ پرستی اور فساد و بگاڑ کے جس دلدل میں پھنستی جارہی ہے اس کو قرآن ہی کے ذریعہ نکالا جاسکتا ہے، قرآنِ حکیم کی حکمرانی کے بغیر دنیا میں امن وسلامتی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا، آج سے پہلے زمین وآسمان قرآنِ مجید کی حکمرانی کا حسین منظر دیکھ چکے ہیں اور آج بھی اسی منظر کو دیکھنے کیلئے منتظر ہیں۔

وہ جس کے حکمراں ہوتے ہی دنیا بن گئی جنت
نرالا ہے جہاں میں جس کا آئینِ جہاں بانی

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، تفسیر سورہ یونس کا حاشیہ نمبر ۸۸ پڑھئے۔

یہاں قرآنِ مجید کے چار اوصاف بیان ہوئے ہیں، مَوْعِظَةٌ، شِفَاءٌ، هُدًى، رَحْمَةٌ" ان چار اوصاف کی تشریح میں صاحب روح نے بعض محققین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ نفس انسانی کیلئے حصول کمال میں چار مرتبے یا منزلیں ہیں اور ان میں سے ہر لفظ ایک ایک مرتبہ یا منزل کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

۱۔ پہلا مرتبہ تہذیب ظاہر کا، یعنی معاصی اور اعمال بد سے بچنے کا ہے، مَوْعِظَة اسی مقصد کے لئے ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا مرتبہ تہذیب باطن کا، یعنی اخلاق ذمیمہ وعقائد فاسدہ سے بچنے کا ہے، اس کو شِفَاءٌ

لِمَا فِی الصُّدُوْر" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۳۔ تیسرا مرتبہ عقائد حقہ و اخلاق فاضلہ سے آراستہ ہونے کا ہے، یہ منزل ھُدٰی کی ہے۔

۴۔ چوتھا مرتبہ انوار الٰہی سے جگمگا اٹھنے کا ہے اور یہ حاصل ہے مَقَامِ رَحْمَة کا۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ" خطاب کا عموم ملحوظ رہے، یٰاَیُّھَا الْعَرَبُ" ارشاد نہیں ہو رہا ہے، مخاطب ساری دنیا ہے، کوئی مخصوص قوم و ملک نہیں۔

مَوْعِظَةٌ یعنی ایسی کتاب جو برائیوں سے روکنے اور نیکیوں کی ترغیب کیلئے ایک مکمل نصیحت نامہ ہے، افراد و اشخاص کے حق میں بھی اور اقوام و جماعات کے حق میں بھی۔

شِفَاءٌ لِمَا فِی الصُّدُوْر" یعنی ایسی کتاب کہ اگر اس کی ہدایتوں پر عمل ہو تو ہر قسم کے امراضِ قلب اور عوارضِ باطن کو خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی شفاء ہو جائے۔

ھُدًی وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِیْنَ". میں مومنین کی قید اس لئے کہ مومنین ہی تو ان کی صفات سے استفادہ کریں گے اور ہدایت و رحمت کے مورد بنیں گے۔

(بحوالہ: تفسیر سورہ یونس، حاشیہ نمبر ۵۸)

اقتباس

آج دنیا مادہ پرستی اور فساد و بگاڑ کے جس دلدل میں پھنستی جا رہی ہے اس کو قرآن ہی کے ذریعہ نکالا جا سکتا ہے، قرآنِ حکیم کی حکمرانی کے بغیر دنیا میں امن و سلامتی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا، آج سے پہلے زمین و آسمان قرآنِ مجید کی حکمرانی کا حسین منظر دیکھ چکے ہیں اور آج بھی اسی منظر کو دیکھنے کیلئے منتظر ہیں۔

چندروزہ دنیاوی عیش کا نام فلاح نہیں ہے

مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کے درجات کو اللہ تعالیٰ بلند کرے، کس قدر ایمان افروز اور جرأت مندانہ انداز میں ملت کے دوست نما دشمنوں اور ملت کے دنیا پرست دانشوروں و ہمدردوں پر بے لاگ تبصرہ کیا ہے ان کے پرفریب دامِ رنگیں کا پردہ چاک کیا ہے اور ان کی وسوسہ اندازیوں سے مسلمانوں کو ہوشیار کیا ہے نیز پیٹ پوجا کالجوں اور یونیورسٹیوں اور ان کے مادہ پرستانہ تعلیمی نظریۂ فلاح کو بے نقاب کردیا ہے۔

آخرت کے مقابلے میں اس دنیائے بے ثبات کی کوئی حیثیت نہیں ہے، ایک لمحہ کیلئے بھی یہاں کسی کو زندہ رہنے کی کوئی گارنٹی نہیں دی جاسکتی، یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ بڑے سے بڑا امیر اور بادشاہ کتنی بے بسی کے ساتھ اپنی کرسیٔ شہنشاہیت اور اپنے سارے شہنشاہانہ کروفر اور امیرانہ ٹھاٹ باٹ کو چھوڑ کر اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔

عبرت کیلئے یہاں ہندوستان کے بہت بڑے صنعت کار اور پونجی پتی کا واقعہ نقل کررہا ہوں، جس نے "روپیہ کی کہانی" نام کی ایک کتاب لکھی اور روپیوں ہی کے ادھیڑبن میں پوری زندگی لگادی، لیکن بالآخر تمام اسباب عیش وعشرت کو چھوڑ کر "راکھ کی کہانی" بن گئے، ان کے جسم کو جلا کر راکھ کردیا گیا اور ہندوستان کی ندیوں میں بہادیا گیا۔ سچ ہے کہ،

جگہ دل لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

گھنشیام داس برلا (۱۸۹۴ء، ۱۹۸۳ء) ہندوستان کے مشہور ترین صنعت کار تھے، وہ گیارہ جون ۱۹۸۳ء کو لندن میں تھے، وہ ناشتہ کے بعد سڑک پر ٹہلنے کیلئے نکلے، تھوڑی دیر چلنے کے بعد انہیں تکلیف محسوس ہوئی، ان کو گھر لایا گیا جہاں فوراً بے ہوش ہوگئے، ہسپتال میں تھوڑا سا ہوش آیا تو انہوں نے کہا کہ، ڈاکٹر مجھے کیا تکلیف ہے؟ ڈاکٹروں نے کہا کہ ہم پانچ منٹ میں معائنہ کرکے بتاتے ہیں، لیکن پانچ منٹ کا موقع بھی نہیں ملا، معائنہ ابھی مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ مرگئے، مسٹر برلا کی لاش کو لندن میں بجلی کے ذریعہ جلادیا گیا اور ان کی راکھ ہندوستان لاکر یہاں کی ندیوں میں بہادی گئی۔

جب اس دنیائے ناپائیدار کی مادی ترقی اور یہاں کے عیش وآرام کا یہ حال ہے تو کتنی بڑی حماقت ہے کہ اس کیلئے اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو ضائع کردیا جائے، اور صرف پیٹ پوجا اور مختلف قسم کے غموں اور بیماریوں سے مخلوط چندروزہ عیش وآرام کیلئے بڑے بڑے کالج، بڑی بڑی یونیورسٹیاں اور بڑے بڑے کارخانے قائم کئے جائیں، البتہ اگر آخرت کو سامنے رکھ کر قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ سب کام کئے جائیں تو بہتر ہے، ورنہ یہ

سارے علوم وفنون اور ساری مادی ترقیاں لاحاصل ہیں۔
یہ بھی یاد رہے کہ آخرت کو نظر انداز کر کے اور اللہ سے رشتہ کاٹ کر اس دنیا میں کسی کو سکون نہیں مل سکتا، دنیا کے مالدار ترین اور خوش حال لوگوں کا جائزہ لیجیے تو معلوم ہوگا کہ سارے اسباب اور عیش وعشرت کے باوجود بھی ان کا دل غموں کا آتش فشاں بنا رہتا ہے، ان بیچاروں کے دل سکون اور راحت سے محروم رہتے ہیں۔
ان کا حال وہی ہے جیسا کہ ہمارے شیخ کامل جاثلی الہ آبادی نے کہا ہے کہ،

لب تبسم ریز ہیں اور قلب ہے آتش فشاں ☆ جیسے بیوہ کی ہنسی اندر سے کچھ باہر سے کچھ
تن ہے اجلا من ہے کالا اس پہ ہے شان وغرور ☆ جیسے بھرجائیں پتی اندر سے کچھ باہر سے کچھ

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، تفسیر سورہ یونس کا حاشیہ نمبر ۱۰۴/۱۰۵ پڑھئے۔
فلاح، حقیقی فلاح جس معنی میں کہ وہ عربی میں مستعمل ہے، تو وہی ہے جو مستقل دیرپا اور دائمی ہو اور یہ کسی منکر، مکذب، مشرک کے نصیب میں نہیں، عارضی چندروزہ دنیوی عیش وتنعم جس کا خاتمہ یقینی طور پر ذلت ومصیبت پر ہے، اسے فلاح ہرگز نہیں کہہ سکتے۔
مَتَاعُ الدُّنْيَا" کہہ کر قرآن مجید نے منکر ومکذب قوموں کی بالکل صحیح تصویر کھینچ دی ہے، اجمال کی تفصیل کیلئے مشاہدہ ہوں، روس، امریکہ، برطانیہ اور بڑی بڑی مہذب، ترقی یافتہ، اقبال مند قوموں کے حالات، ان کے آپس کے رشک وحسد کا حال، ان کی حرام کاریوں کا حال، ان کی شراب نوشیوں کا حال، ان کی غیر طبعی اور حیوانی شہوت رانیوں کا حال، ان کی سودخوریوں کا حال، ان کے جرائم کا حال، ان کے ہاں کے امراض خبیثہ کا حال، ان کے اسٹرائیکوں اور ہڑتالوں کا حال، زندگی سے اکتا اکتا کر ان کی خودکشیوں کا حال، ان کے ہاں کی کثرت فواحش کا حال، ان کے ہاں کی معاشی ابتری اور بے روزگاری کا حال، اور پھر فیصلہ کیجئے کہ متاع دنیا کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ رکھنے کے بعد بھی ان منکرین حق کو باوجود اپنی انتہائی "ترقیوں" کے فلاح کسی معنی میں بھی حاصل ہے؟
اور آج جو کج فہم "ہمدردانِ قوم" قوم وملت کو انہی "ترقی یافتہ قوموں" کی روش پر چلانا چاہتے ہیں، وہ ملت کو فلاح کی جنت کی طرف لے جارہے ہیں یا دنیا ہی میں دوزخ کے عذاب کی طرف؟
قرآن مجید تو ہر جگہ اور بار بار یہی بتا رہا ہے اور ہمارے مشاہدہ سے اس کی تصدیق کرا رہا ہے کہ جو قومیں ایمان صحیح اور تقویٰ سے عاری ہیں وہ عیش ابدی سے تو خیر محروم ہی ہیں، دنیا میں بھی ان کا تنعم محض ظاہری وسطحی ہوتا ہے، اندر سے بالکل کھوکھلا۔
(بحوالہ، تفسیر سورہ یونس، حاشیہ نمبر ۱۰۴/۱۰۵)

اللہ تعالیٰ بڑھاپے کے خراب اثرات سے محفوظ رکھے

پیدائش کے بعد، بچپن، جوانی، بڑھاپا، یہی تین دور ہیں جس سے انسان کو اس مختصر زندگی میں گذرنا پڑتا ہے، بڑھاپے کے بعد پھر دنیا میں اس حیات مختصر کی کوئی منزل نہیں ہے، بس اس کے بعد قبر کی منزل شروع ہو جاتی ہے جہاں سے دوبارہ پھر دنیا میں واپسی نہیں ہوتی، اگر آدمی اپنی عمر کے ان تینوں زمانوں پر غور کرے تو اس کا دل اس بات کو ماننے کے لئے مجبور ہو جائے گا کہ عمر کا یہ اتار چڑھاؤ اور انسان کا اپنی عمر کے مختلف ادوار سے گذرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دنیا گذرگاہ اور مسافر خانہ ہے، منزل نہیں ہے، بلکہ آخری منزل کوئی اور ہے جس کی طرف یہ سفر جاری ہے، جو عمر ایک مقام پر نہیں ٹھہرتی، کچھ دنوں بچپن رہا پھر جوانی آئی، اور وہ بھی بہت جلد بڑھاپے کی چوکھٹ پر سر پٹک دیتی ہے۔

جو جاکے نہ آئے وہ جوانی دیکھی
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا

جب اس مختصر زندگی کا یہ حال ہے تو پھر اس میں دل لگا کر ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی آخرت کو برباد کر دینا انتہائی درجے کی حماقت نادانی اور ناعاقبت اندیشی ہے، اللہ تعالیٰ اس حماقت اور ناعاقبت اندیشی سے محفوظ رکھے۔ راقم الحروف کا ایک شعر ہے۔

گیا بچپن، جوانی بھی گئی، سر پر بڑھاپا ہے
لگانا دل ہی اس دنیا میں نادانی سراپا ہے

اس دنیا میں آنے جانے کا جو سلسلہ جاری ہے اس کا مشاہدہ ہر روز انسان کرتا ہے، کتنی تیز رفتاری سے زندگی کے لمحات گذر جاتے ہیں، اور دیکھتے ہی دیکھتے قبر کی منزل قریب آجاتی ہے، اگر آدمی کو اس حیات مختصر کے عارضی قیمتی لمحوں اور قبر کی منزل کا احساس ہو جائے تو یقیناً دنیا سے اپنی تمام آرزوؤں تمناؤں اور خواہشوں کو منقطع کرکے آخرت کی تیاری میں لگ جائے، اس زندگی کی ابتداء اور انتہاء میں بس اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا فاصلہ اذان کے بعد نماز ادا کرنے میں ہے۔

آئے جب ہوئی اذاں، گئے تب ہوئی نماز
اس عرصۂ قلیل میں آئے رہے چلے گئے

اس حیات مختصر کا آخری دور بڑھاپا ایک انسان کیلئے بہت بڑا امتحان ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کے لطف وکرم کے بغیر بڑھاپے کی آفتوں سے بچنا بہت مشکل ہے، اس عمر میں عام طور پر آدمی دوسروں کا محتاج ہو جاتا

ہے، ہوش وحواس گم ہوجاتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کی یاد میں جوانی کے ایام نہیں گذرے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کمزور رہا ہے تو شیطان کی وسوسہ اندازیوں سے بچنا مشکل ہوجاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اَرْذَلِ عُمَر (ناکارہ عمر) انتہائی بڑھاپے کی منزل سے پناہ مانگتے تھے۔

حضرت سعد ابن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ ان الفاظ میں اللہ کی پناہ مانگتے تھے، وَاَعُوْذُ بِکَ اَنْ اُرَدَّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ "اے اللہ میں ناکارہ عمر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ (بحوالہ بخاری)

اَرْذَلِ عُمَر وہ عمر ہے جس میں ہوش وحواس باقی نہیں رہتے، دماغی کمپیوٹر سے ساری یادداشتیں نکل جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ پھر بچپن کے لاعلمی دور کی طرف لوٹا دیتے ہیں، سائنس وٹکنالوجی کے سارے فارمولے انسان بھول جاتا ہے اور بچپن کی طرح دوسرے کا محتاج ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بہت علم والے بہت قدرت والے ہیں، اگر چاہیں تو جوان آدمی پر بڑھاپے کے آثار ظاہر کردیں اور وہ بوڑھوں سے بھی بدتر حالت میں ہوجائے، اور چاہیں تو سو سال کے بوڑھے کو ایسا بنادیں جس پر نوجوان بھی رشک کرنے لگیں، اللہ تعالیٰ کو ہر طرح کی قدرت حاصل ہے، وہ جو چاہے کرسکتا ہے، اس لئے ہر معاملے میں اسی کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور اسی سے دعا مانگنا چاہئے اور اپنی ہر حاجت اسی کے سامنے پیش کرنا چاہئے۔

اے اللہ، راقم الحروف کی زندگی کے لمحات جس طرح گذرے ہیں اور گذر رہے ہیں تو سب سے واقف ہے، میرا کوئی حال تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے، تو جانتا ہے کہ تیرا یہ بندۂ عاجز مختار احمد اصلاحی کتنا کمزور ہے، کسی معمولی امتحان کے بھی لائق نہیں ہے، معمولی آزمائش میں بھی اس کا قدم پھسل جاتا ہے، اے اللہ زندگی کے جو لمحے باقی ہیں اس کو اپنے لطف وکرم سے اپنے ذکروفکر اور اپنی کتاب مقدس کی مشغولیت میں گذارنے کی توفیق دے، اور بڑھاپے کی آفتوں اور اس کے خراب اثرات سے محفوظ رکھ، اور بڑھاپے کو رشک شباب بنادے، آخری وقت تک ہوش وحواس باقی رہیں اور اپنے علاوہ کسی کا محتاج نہ بنا، عزت وراحت اور عاقبت کے ساتھ بڑھاپے کی یہ منزل بھی گذر جائے، اور تیری خوشنودی اور تیری رضاء کی نشانی کے بطور داڑھی اور سر کے بالوں کی سفیدی میں کچھ سیاہی بھی آجائے، تاکہ دیکھنے والے پکار اٹھیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ نالائق اور عاجز بندہ جوان ہوکر اپنے پروردگار کی آغوش رحمت میں جارہا ہے، اے اللہ دنیا سے اس حال میں رخصتی ہو کہ کوئی مجھے کسی طرح کا طعنہ نہ دے سکے، جب دنیا سے میری رخصتی ہو تو دیکھنے والوں کی زبان پر یہ شعر جاری ہوجائے کہ۔

تجھے بھی آگیا ہو پیار جس پر
کوئی ... الیات شبیہ ... ناز بھی ہے

اے اللہ کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے اور تیری طرف اٹھتے ایک حسین خطاب ... زبان پر اُدْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ

وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (اے بندے میرے بندوں میں داخل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا) کو سنتے ہوئے میری روح اس جسد فانی سے پرواز کرے اور تیری طرف سے بلاوا کے وقت میرا یہی حال ہو، جس کی تصویر مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھیؒ نے اپنے اس عارفانہ شعر میں کی ہے۔

روح اڑنے لگی مسرت سے
اف صدائے تعال کی لذت

اے اللہ، اپنے اس بندۂ عاجز پر رحم فرما، اس کے گناہوں اور اس کی خطاؤں کو اپنی ستاری کے پردے میں چھپالے، میرا کوئی عمل تیری بارگاہ قدس کے لائق نہیں ہے بس تیری رحمت پر میری نظر ہے، اے اللہ، ان سطروں کو لکھتے ہوئے مولانا محمد احمد صاحبؒ کا یہ شعر یاد آگیا، مجھے یقین ہے کہ تیری رحمت اس وقت میری طرف متوجہ ہے، اسی لئے تو یہ کلمات میری زبان پر جاری ہورہے ہیں۔

احمد خستہ جان کیوں اتنا تو بے قرار ہے
وہم و گماں سے بھی سوا رحمت کردگار ہے

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، تفسیر سورۃ النحل کا حاشیہ نمبر ۱۰۴ ر پڑھئے۔

پیدا کرنے کا، موت دینے کا، بعض کو پیر فرتوت (بڈھا کھوسٹ) بنا دینے کا، سارا کام صرف حق تعالیٰ ہی کا ہے، کوئی اس میں اس کا شریک و سہیم نہیں، یہ نہیں کہ پیدائش کا دیوتا کوئی اور ہے، موت کا کوئی اور، زندہ رکھنے کا کوئی اور، اَرْذَلُ الْعُمُرِ یعنی عمر کی وہ منزل کہ جب نہ قوت جسمانی ہی برقرار ہے اور نہ قوت دماغی، اردو محاورہ میں اسی کو پیر فرتوت یا بوڑھا پھوس ہونا کہتے ہیں۔

منطق و فلسفہ، ادب، لغت، تاریخ، جغرافیہ، اور سائنس وغیرہ سارے علوم و فنون کے ماہروں اور فاضلوں کو نوے سال کی عمر میں دیکھئے کہ وہ ان علوم سے کیسے معریٰ اور خالی الذہن ہوکر رہ جاتے ہیں، دین کے کسی خادم پر اول تو اس درجہ کا اثر عموماً ہوتا نہیں، اور اگر ہو بھی جاتا ہے تو اس سے اس کی آخرت کو مطلق کوئی ضرر نہیں، اس کا اجر اس کی معذوری کے زمانہ میں برابر بلا ادنیٰ کمی کے ثبت ہوتا جاتا ہے، ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ یہاں يُمِيْتُكُمْ نہیں ارشاد ہوا ہے، جس کے معنی مطلق موت دینے کے ہیں، بلکہ يَتَوَفّٰكُمْ فرمایا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ تمہاری مدت پوری کرکے تمہیں اپنی طرف بلا لیتا ہے۔

بندہ کی اپنے رحیم و شفیق خالق کی طرف یہ مراجعت کوئی قہر و غضب کی علامت اور کوئی ڈرنے بھاگنے بچنے وحشت کرنے اور پناہ مانگنے کی چیز نہیں، سفر حیات کے قدرتی و طبعی تکملہ کا نام ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سورۃ النحل، حاشیہ نمبر ۱۰۴ ر)

گھر کو اللہ تعالیٰ نے سکون کا ذریعہ بنایا ہے

بَیْت، گھر کو کہتے ہیں، جس کے معنی ہیں وہ مکان جہاں رات گذاری جائے، گھر کا انتظام بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لطف وکرم سے ہوتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ اس کا انتظام نہ کرے تو دنیا میں سر چھپانے کی بھی جگہ نہیں مل سکتی، گھر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جن چیزوں سے گھر کی تعمیر ہوتی ہے وہ سارے میٹیریل اللہ تعالیٰ ہی کے بنائے ہوئے ہیں، مٹی، اینٹ، لکڑی، چھڑ، سیمنٹ، ریت، بالو، سنگ مرمر، سب اللہ تعالیٰ ہی کے تو ہیں۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت گھر کا بھی صحیح استعمال ہونا چاہئے، جس کا دیا ہوا مکان ہے، گھر ہے، اسی کی مرضی کے مطابق اس میں رہنا چاہئے، جو لوگ اپنی مرضی سے شاندار مکانات بناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر وفکر سے غافل ہو کر زندگی گذارتے ہیں، کھاتے ہیں، پیتے ہیں، سوتے ہیں، آرام کرتے ہیں، ان کو اپنے ان شاندار محلوں میں بھی سکون نہیں مل سکتا۔

راقم الحروف کا شعر ہے، ؎

جہاں ہو ذکر ان کا بات ان کی تذکرہ ان کا
وہی ہے قصر اصلاحیؔ وہی ہے بام و در اپنا

اللہ تعالیٰ نے گھر کو سَکَنْ فرمایا ہے، یعنی وہ سکون وراحت کا ذریعہ ہے، اس لفظ سے اللہ نے مکان اور گھر کی حکمت کو واضح فرما دیا، جب آدمی گھر سے باہر رہتا ہے تو مختلف قسم کے اعمال اور اشغال میں مشغول اور متحرک رہتا ہے، پھر تھکا ماندہ جب گھر میں آتا ہے تو اس کو سکون حاصل ہو جاتا ہے اور دن بھر کی تھکان دور ہو جاتی ہے، حقیقت ہے کہ دل اور دماغ کو اپنے گھر ہی میں سکون ملتا ہے، لیکن راحت وسکون کا تعلق شاندار فلک بوس عمارتوں سے نہیں ہے، بس ضرورت کے مطابق مکان ہو اور غیر ضروری زینت وآرائش اور ٹیپ ٹاپ سے خالی ہو، اور ہر آدمی کی نظر اللہ کی اس نعمت پر رہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے سکون وراحت کا یہ سامان مہیا کیا ہے، اللہ کی یاد اللہ کے ذکر اور اللہ کی نعمتوں کے استحضار کے ساتھ رہے، تو یقیناً اس کو جو راحت اس کے مکان میں ملے گی وہ راحت بڑے بڑے بادشاہوں کو ان کے شاندار فلک بوس ظاہری زیب وزینت سے آراستہ مکانوں میں نہیں مل سکتی۔

سچ ہے، ؎

دل کی خوشی گرو، نہیں سبزۂ وگل کے ساتھ کچھ
دل ہو شگفتہ جس جگہ وہی چمن ہے باغ ہے

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے مکانات کو سکون اور راحت کا ذریعہ بنا دے، اور ان کو اپنی یاد اپنے ذکر و

فکر اور اپنی کتاب قرآنِ مجید کی تلاوت اور اس میں فکر وتدبر سے آباد کردے، اور اللہ کا ذکر ہمارے مکانات کے درو دیوار میں ٹیپ کردے، ہمارے گھر کا ہر سامان، ہر اینٹ کو نغمہ الحمد اور ذکر وفکر کا ٹیپ ریکارڈ بنادے اور حشر کے میدان میں گھر کا ہر سامان گواہی دے کہ یہ گھر ہمیشہ نغمہ الحمد سے گونجتا رہتا تھا۔

حقیقت ہے کہ اسی مکان میں دل ودماغ کو سکون مل سکتا ہے جس میں اللہ کی مرضی کے مطابق رات گذاری جائے اور وہ گھر ان تمام لایعنی چیزوں سے محفوظ ہو جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔

جب یہ مکان اللہ کی نعمت ہے تو اس میں ٹیلی ویژن اور اس طرح کی جو بھی خلاف شریعت چیزیں ہوں ان کو گھر میں نہیں رکھنا چاہئے، بہت ڈرنے کی بات ہے کہیں ایسا نہ ہو جائے جیسا کہ کسی نے کہا ہے کہ،

چند تصویر بتاں چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

اللہ تعالیٰ ہمارے گھروں کو اپنی مرضی کے خلاف تمام چیزوں سے محفوظ رکھے۔ آمین

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، سورۃ النحل کا حاشیہ نمبر ۱۲۶ / پڑھئے۔

مِنۡ بُيُوۡتِكُمۡ سَكَنًا، یہ اینٹ اور پتھر اور مٹی اور چونے اور لکڑی کے گھر بیشتر انسانی آبادی کیلئے مسکن اور انسان کیلئے راحت قلب وسکونِ خاطر کا کتنا بڑا ذریعہ اور سبب ہیں، اس کی قدر کو اس غریب کے دل سے پوچھئے جو بیچارہ بے گھر ہوا ہو اور اپنا چھوٹا بڑا کوئی مکان بھی نہ رکھتا ہو، جس طرح ہم بچپن سے کپڑے پہنے رہنے کے اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ ہمیں اس کا وزن تک محسوس نہیں ہوتا، اسی طرح مکان بھی چونکہ چھوٹا بڑا کوئی نہ کوئی اپنی حیثیت وبساط کے لائق ہم میں سے ہر شخص رکھتا ہی ہے، اس لئے اس کا پورا اندازہ ہی نہیں ہونے پاتا ہے کہ مکان کتنی بڑی نعمت ہے، یہ قرآن مجید ہی کا کام تھا جو اسے وجہ سکون و مایہ تسکین پکار کر کہہ دے۔ (بحوالہ، تفسیر سورۃ النحل، حاشیہ ۱۲۶ /)

❁ ❁

دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کا دوام

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ، جو کچھ تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے باقی رہے گا۔ (سورہ نحل)

چند الفاظ پر مشتمل یہ مختصر کلام ربانی ایک انقلاب آفریں جملہ ہے جس میں دنیا اور آخرت کی دونوں تصویر بالکل بے نقاب دکھائی دے رہی ہے، دنیا اور دنیا کا ہر سامان ختم ہونے والا ہے، اس کو ثبات اور دوام حاصل نہیں ہے، اور اس کے مقابلے میں آخرت دائمی اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

اگر اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اور اللہ کی نعمتوں کو غلط استعمال کر کے انسان نے زندگی گذاری ہے تو اس کا انجام، عذاب کی شکل میں آخرت میں بھگتنا پڑے گا، اور اللہ تعالیٰ کی بندگی میں زندگی گذاری ہے اور اللہ کی نعمتوں کا صحیح استعمال کیا ہے تو اس کا نتیجہ اجر ثواب کی شکل میں آخرت میں ملے گا، اور اللہ کی خوشنودی کے مقام جنت میں ہمیشہ ہمیش عیش و راحت سے لطف اندوز ہوتا رہے گا۔

جب دنیا اور آخرت کے درمیان یہ فرق ہے تو عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ فنا ہو جانے والی چندروزہ زندگی اور اس کے سامان واسباب سے دل نہ لگایا جائے، بلکہ آخرت کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا جائے۔

یہ ایسی معجزانہ، اثر انگیز اور انقلاب آفریں آیت ہے کہ اگر بندہ مومن ہمیشہ اس کو سامنے رکھے، تو دنیا کے سارے غموں سے اس کو نجات مل جائے، آخرت کا غم، ایسا عصاءِ موسوی ثابت ہوگا جو دنیا کے غموں کے سانپوں، سپولوں اور اژدہوں کو نگل جائیگا اور جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس دنیا میں بھی جنت کا مزا ملنے لگے گا۔

اک غم نے بنایا ہے ہر غم سے مجھے فارغ
اندوہِ محبت بھی گنجینۂ عشرت ہے

یہ آیت مادہ پرستی اور حب مال وجاہ کے تمام جراثیم کی قاتل ہے، آج کا مادہ پرست اپنی دوکانوں کارخانوں انگلش میڈیم اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مادہ پرستی کے مختلف رنگین، دلفریب، جاذب نظر، اور دلکش بورڈ لگاتا ہے، کاش دنیا میں ہر جگہ دوکانوں میں، راستوں پر، ہوٹلوں میں، کالجوں میں اس آیت کا بورڈ لگا دیا جائے۔

دنیا میں فقر فاقہ ہو، خوشحالی ہو، شاندار محل ہو، شاندار گاڑیاں ہوں، بڑے سے بڑا عہدہ اور منصب ہو، ڈگری ہو، فائیو اسٹار ہوٹل ہو، دبئی کا ۱۶۰ رمنزلہ بلند وبالا خلیفہ ٹاور ہو، الاحساء، (سعودیہ عربیہ) میں نوے لاکھ ریال سے بنا ہوا تفریحی لایعنی فوارہ ہو یہ ساری چیزیں ختم ہو جائیں گی، سب کچھ چھوڑ کر انتہائی بیکسی اور بیچارگی کی حالت میں انسان آخرت کے سفر پر روانہ ہو جائے گا، جب اس دنیائے فانی کا یہ حال ہے تو اس سے دل لگانا اور یہاں کی

ترقی کا خواب دیکھنا انتہائی درجے کی حماقت، نادانی اور ناعاقبت اندیشی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ چندروزہ فانی زندگی کی محبت دل سے نکال دے اور آخرت کی ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی میں مشغول رکھے۔ آمین

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم، تفسیر سورہ نحل کا انقلاب آفریں، ایمان افروز اور مادّی ترقی کا نشہ ختم کرنے والا حاشیہ نمبر ۱۵۴ پڑھیے۔

یعنی دنیا کا سارہ ذخیرہ اولاً تو وہ ہے ہی کتنا اور پھر جتنا ہے سریع الزوال کیسا ہے، آناً فاناً ختم ہو جانے والا، اور اجر آخرت تو بے حساب و بے نہایت اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ دائم، لازوال، غیر منقطع۔

موجودہ مہذب دنیا عقائد میں جس شئ کو سب سے زیادہ اور یکسر بھولی ہوئی ہے وہ یہی آخرت کی نعمتیں اور ان کی اہمیت ہے، فسق و معصیت کی طرف لے جانے والی اور تقویٰ وطاعت کی طرف سے بے پرواہ کر دینے والی سب سے بڑھ کر یہی آخرت فراموشی ہے، اور اسی لئے قرآن مجید صدہا پیرایوں سے اسی کی یاد دلاتا رہتا ہے، کیا اچھا ہو اگر انسان اس آیت کو اپنے کردار و عمل کا مستقل معیار بنالے۔

یعنی اس بات کو دل میں اتار لے کہ اس دنیا میں جو کچھ وہ پانے والا ہے جاہ و منصب، مال و دولت شہرت واعزاز، اعلیٰ علمی ڈگریاں سائنسی کمالات، بڑے بڑے بینک، بڑے بڑے خزانے اور ذخیرے سب فانی اور بہت جلد مٹ جانے والے ہیں اور جو کچھ اللہ کے پاس پہونچ چکا ہے عبادات وطاعت، اخلاص ایثار، بس وہی کام آنے والا ہے اور باقی رہ جانے والا ہے، فکر انسان اس کی نہ کرے کہ وہ یہاں چھوڑ کیا جارہا ہے صرف اسی کی سوچے کہ اپنے ساتھ لئے کیا جارہا ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ نحل، حاشیہ نمبر ۱۵۴)

مومن کامل پر شیطان غالب نہیں آسکتا

اگر کسی کے ہاتھ میں ڈنڈا یا کوئی ہتھیار ہے تو کتے اس کے پاس جانے سے ڈرتے ہیں، یا کوئی معمولی سے معمولی چپراسی جس کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے اس کے ساتھ زیادتی کرنے سے لوگ ڈرتے ہیں، اگر کوئی بچہ باپ یا ماں کی گود میں ہو تو بلی اس پر حملہ کرنے کی ہمت نہیں کرتی، یہاں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی کے ہاتھ میں ڈنڈا ہونے کے باوجود کتا اس پر چڑھ دوڑے، ماں کی گود میں بچہ کے ہوتے ہوئے بھی بلی اس پر حملہ کرسکتی ہے، اور باپ اپنے بچہ کی مدافعت میں ناکام ہوسکتا ہے۔

لیکن اگر کوئی بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کی آغوشِ رحمت میں آجائے، اور ایمان وتقویٰ کے شیطان پروف لباس میں ملبوس ہو تو شیطان کی ہمت نہیں ہوتی کہ اس پر حملہ کرسکے، شیطان مادی ہتھیار، ڈنڈا، لاٹھی بندوق، پستول یہاں تک کہ الیکٹرانک بم سے بھی نہیں ڈرتا، لیکن ایمان وتقویٰ کی ڈھال سے بہت ڈرتا ہے، حملہ کرنے کی جرأت بھی نہیں کرتا، کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ کامل بندۂ مومن پر حملہ کرکے وہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔

اگر کسی ایمان والے پر اس کا حملہ کامیاب ہوتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کا ایمان ضرور کمزور ہے اور تقویٰ کی ڈھال کو اس نے اتار پھینکا ہے، اس طرح وہ خود شیطان کو موقع دیتا ہے کہ اس پر حملہ کرکے اس کو گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا رکھے، گناہوں کا ارتکاب اور اور گناہوں پر اصرار اور مستقل جمے رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شیطان کے جال میں شکار ہوچکا ہے۔

ایک آدمی اگر رسول اللہ ﷺ کی اہم سنت داڑھی پر استرا چلاتا ہے یا خلاف شریعت داڑھی رکھتا ہے تو وہ اپنے تئیں جس قدر بھی مطمئن ہو کہ میں نماز پڑھتا ہوں حج وعمرہ کرتا ہوں، قربانی کرتا ہوں، مسجد اور مدرسہ میں چندہ دیتا ہوں، اور علماء ومشائخ کو شاندار دعوت دیتا ہوں اور ان کی دعائیں بھی لیتا ہوں، لیکن شیطان اس پر غلبہ پاچکا ہے، شیطان اپنے حملہ میں کامیاب ہے اور اس نے شیطان کو اپنا دوست بنا رکھا ہے، اس لئے اگر ہم چاہتے ہیں کہ شیطان کے حملہ سے ہم محفوظ رہیں تو ہر وقت ہر لحہ ایمان واخلاص اور تقویٰ کے ربانی لباس میں ملبوس رہیں۔

اب تفسیر ماجدی، جلد دوم تفسیر سورہ نحل کا حاشیہ نمبر ۱۵۹/۱۶۰ ا پڑھئے۔

یہ نص صریح ہے اس باب میں کہ اہل ایمان واہل توکل پر شیطان کا وسوسہ مؤثر نہیں ہوتا، شیطان میں ہرگز قدرت اس کی نہیں کہ وہ بہ جبر کسی سے گناہ کرا سکے، یہ صاف اعلان الٰہی ہے کہ جب تک تم خود ہی شیطان کے دوست نہ بن جاؤ اور اس کے وسوسوں کو دل میں جگہ نہ دینے لگو وہ تم پر قابو نہیں پاسکتا، اور اس کے حملوں سے بچنے کا نسخہ ایمان کامل اور توکل راسخ ہے۔

مرشدی تھانویؒ نے اس حدیث کو نقل کر کے کہ مومن جب شیطان پر غالب آنا چاہے تو شیطان اس کے مقابلہ میں ایک چیونٹی سے بھی زیادہ کمزور نکلتا ہے، لکھا ہے کہ اس کا مشاہدہ جب جی چاہے کر لیا جائے، سادہ دل ایمان والوں کو تسلی دی ہے کہ خواہ مخواہ شیطان سے مرعوب نہ ہوں اور اس کا خوف نہ بیٹھنے دیں اس کا بس ہی مومنین متوکلین پر کب چل سکتا ہے، اس کا بس تو بس ان ہی پر چلتا ہے جو پہلے ہی سے اس کی جانب جھکے ہوئے ہیں۔ (بحوالہ، تفسیر سورۂ نحل، حاشیہ نمبر ۱۵۹/۱۶۰)

۞ ۞

اقتباس

اگر کوئی بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کی آغوشِ رحمت میں آجائے، اور ایمان و تقویٰ کے شیطان پروف لباس میں ملبوس ہو تو شیطان کی ہمت نہیں ہوتی کہ اس پر حملہ کر سکے، شیطان مادّی ہتھیار، ڈنڈا، لاٹھی بندوق، پستول یہاں تک کہ الیکٹرانک بم سے بھی نہیں ڈرتا، لیکن ایمان و تقویٰ کی ڈھال سے بہت ڈرتا ہے، حملہ کرنے کی جرأت بھی نہیں کرتا، کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ کامل بندۂ مومن پر حملہ کر کے وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اگر کسی ایمان والے پر اس کا حملہ کامیاب ہوتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کا ایمان ضرور کمزور ہے اور تقویٰ کی ڈھال کو اس نے اتار پھینکا ہے، اس طرح وہ خود شیطان کو موقع دیتا ہے کہ اس پر حملہ کر کے اس کو گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا رکھے، گناہوں کا ارتکاب اور اور گناہوں پر اصرار اور مستقل جمے رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شیطان کے جال میں شکار ہو چکا ہے۔

القاب کی بھرمار

آج علماء ومشائخ کے ناموں کے ساتھ جس طرح کے القاب کی بھرمار ہے، اس کا وجود عہد رسالت، عہد صحابہؓ اور عہد تابعینؒ میں نہیں تھا، حضور اکرم ﷺ اللہ کے رسول تھے، آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی، آپ کو حق تھا کہ جس کو چاہیں کوئی لقب عطاء فرمادیں، جیسا کہ آپ نے بعض صحابیؓ کو اَمِیۡنُ الۡاُمَّت اور بعض کو اَمِیۡنُ السِّر کا خطاب دیا، وہ بھی القاب بہت سادہ اور حقیقت پر مبنی تھے۔

آج کسی پر وحی نازل نہیں ہوتی کہ کسی کو اس طرح کے القاب سے نوازے، کیونکہ باطن کا حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، جس شخصیت کی مدح وتوصیف میں مبالغہ آرائی کرتے ہیں ضروری نہیں ہے کہ وہ اسی بلند مقام پر ہو، جس پر آپ اس کو فائز سمجھتے ہیں، زہد وتقویٰ، دنیا سے بے رغبتی اور فنائیت میں کس کا کتنا اونچا مقام ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، بس اس کے ظاہری اعمال کو دیکھ کر آپ اس سے خوش گمان رہیں، لیکن آداب والقاب کے ذریعہ اس کو وہاں تک نہ پہنچائیں جو اس کی حد پرواز سے باہر ہے۔

مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھیؒ نے خوب فرمایا ہے کہ۔

راز سربستہ کھلیں گے حشر کے میدان میں
ہائے اب اس کا تصور بھی نہیں اذہان میں
میں سمجھتا تھا کہ میرے پاس بھی ہیں نیکیاں
ایک بھی نیکی نہ نکلی عدل کے میزان میں

اگر اللہ تعالیٰ عدل سے کام لیں تو بڑے بڑے القاب والوں کا عدل کے میزان میں کوئی وزن نہیں ہوگا، بس اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جس کو چاہے اپنے لطف وکرم سے نواز دے، اور کوئی درجہ عطاء فرمادے، اس لئے کسی کو اپنی کسی دینی خدمت اور اپنی عبادت وریاضت پر ناز نہیں کرنا چاہئے۔ کیوں کہ۔

"احمد گناہ اکبر ہے ناز پارسائی"

راقم الحروف کا بھی ایک شعر ہے۔

خدا جب بخش دے گا تب لقب دینا مجھے کوئی
ابھی کوئی لقب اچھا نہیں لگتا ہے اصلاحی

حقیقت یہ ہے کہ جب عمل کا دور ہوتا ہے، اور علماء ومشائخ دعوت اسلامی کے میدان میں سرگرم عمل ہوتے ہیں اور سب کچھ کرلے کے بعد یہ احساس رہتا ہے کہ ہم نے کچھ نہیں کیا تو ایسی صورت میں القاب وآداب سے کوئی دلچسپی

نہیں ہوتی اور جب بے عملی کا دور آتا ہے، اخلاص اور تقویٰ کی روح کمزور ہو جاتی ہے تو القاب و آداب سے دلچسپی ہو جاتی ہے، اور ان آداب والقاب کے پردے میں بس ان بزرگوں اور مشائخ سے نسبت ہی کو لوگ کافی سمجھنے لگتے ہیں۔

آج ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح دار الضرب اور ٹکسال میں سکے ڈھالے جاتے ہیں اسی طرح القاب و آداب بھی ڈھالے جارہے ہیں، سکوں اور روپیوں سے تو دنیاوی ضروریات پوری ہوتی ہیں، لیکن علماء و مشائخ کے ان القاب و آداب سے نہ دین و دنیا کا فائدہ ہوتا ہے، نہ قوم ملت کا، بس مشائخ کے معتقدین و مریدین اپنے مشائخ کے ناموں کے ساتھ اس طرح کے القاب کو چسپاں کر کے ان کی تشہیر کرتے ہیں اور شہرت کے بلند مقام پر پہنچانا چاہتے ہیں، حالانکہ جس کو واقعی اپنی ذمہ داریوں کا احساس رہتا ہے اور اپنی کوتاہیوں پر نظر ہوتی ہے وہ شہرت کے بجائے گم نامی کو پسند کرتا ہے، اور آداب والقاب سے اس کو وحشت ہونے لگتی ہے۔

خلوت میں ان کی یاد کی لذت جسے ملی
کرتا نہیں پسند وہ پھر اشتہار کو

آج اس قدر القاب و آداب کی بھرمار ہے کہ حیرت ہوتی ہے مسلمانوں میں کوئی مفکر ملت ہے کوئی مجاہد ملت ہے اور معلوم نہیں کیسے کیسے شاندار القاب والے علماء و مشائخ ہیں لیکن اس کے باوجود بھی ملت کا جو حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، کام کرنے والے کام کرتے ہیں وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ان کیلئے استقبالیہ جلسے ہوں اور ان کی شان میں قصیدے پڑھے جائیں اور طرح طرح کے القاب سے نوازا جائے۔

بعض رسالوں میں دیکھا جاتا ہے کہ کسی بزرگ کے نام کے ساتھ حضرت اقدس، چشتی، نقشبندی، سہروردی جیسے القاب پوری ایک لائن میں لکھے رہتے ہیں، لفظ ''اقدس'' کا استعمال آج کل کسی عالم اور شیخ کے نام کے ساتھ صحیح ہے یا غلط اس کے بارے میں مفتیان کرام ہی بتا سکتے ہیں، لیکن اگر اس کا استعمال صحیح بھی ہو تو احتیاط کا تقاضا ہے کہ کسی بزرگ کے نام کے ساتھ لفظ اقدس کو چسپاں نہ کیا جائے، کیونکہ اقدس کے معنی ہوتے ہیں، جس کے اندر نہ ماضی میں کوئی عیب رہا ہو اور نہ مستقبل میں کوئی عیب ہو سکتا ہے۔

ہم میں سے بڑا سے بڑا بزرگ ہو، کون ہے جو کسی عیب اور نقص سے خالی ہے، یا آئندہ اس سے کسی گناہ اور لغزش کا صدور نہیں ہو سکتا، یہاں تو اللہ سے ڈرنے والوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ۔

کچھ ہونا مرا ذلت و خواری کا سبب ہے
یہ ہے مرا اعزاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

القاب کے بھرمار کی بلا تبصرہ ایک تحریر ملاحظہ فرمائیں، ایک مضمون نگار ایک بزرگ کے انتقال کے بعد ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

شیخ المشائخ، مرجع العلماء والصلحاء، شفیق الامت، فنانی اللہ، سادگی اور تواضع کا نایاب نمونہ، فیضان خلیل اور فیضانِ تھانوی کا مجمع البحرین، عبادالرحمٰن کے اوصاف کے حامل زندہ تصویر، مقبول خاص وعام، داعی سنت، عارف باللہ، حضرت اقدس الحاج مولانا قاری امیر الحسن صاحب علیہ الرحمۃ کا سانحۂ وصال کچھ ایسا ہی لگا کہ شاعر نے ان ہی جیسی شخصیات کے بارے میں یہ شعر کہا ہوگا۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

(بحوالہ، ماہنامہ تحفہ خواتین مرادآباد، جلد ۱۳، ۵ رمئی ۲۰۱۲ء جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ)

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، سورہ بنی اسرائیل کا حاشیہ نمبر ۶ پڑھئے۔

اور شکر گزاری کی سب سے بڑی فرد عقیدۂ توحید اور اس کے مقتضیات پر عمل ہے، عَبْــد، کا لقب یہاں بھی ایک پیغمبر جلیل (نوحؑ) کیلئے عین مدح وتخصیص پر لایا جا رہا ہے۔

خوب خیال کرلیا جائے ایک پیغمبر برحق کی قرآنی مدح کیا ارشاد ہوئی ہے؟ یہ کہ وہ بندے تھے اور اللہ کے بڑے شکر گزار بندے تھے، بعد کو صوفیہ مشائخ کے القاب میں جو شدید مبالغہ آرائی ہوئی ہے وہ قرآن مجید کی روشنی میں کوئی بھی بار استناد رکھتی ہے؟ (بحوالہ، تفسیر سورہ بنی اسرائیل، حاشیہ نمبر ۶)

❁❁

اقتباس

اگر اللہ تعالیٰ عدل سے کام لیں تو بڑے بڑے القاب والوں کا عدل کے میزان میں کوئی وزن نہیں ہوگا، بس اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جس کو چاہے اپنے لطف وکرم سے نواز دے، اور کوئی درجہ عطاء فرما دے، اس لئے کسی کو اپنی کسی دینی خدمت اور اپنی عبادت وریاضت پر ناز نہیں کرنا چاہئے۔

غیر قوموں سے مسلمانوں کی پٹائی

كَمَا تَكُونُونَ يُوَمَّرُ عَلَيْكُمْ ۔ یعنی جیسے تمہارے اعمال بھلے یا برے ہوں گے ویسے ہی حکام اور امراء تم پر مسلط کیے جائیں گے۔ (بحوالہ، بیہقی شعب الایمان)

حدیث قدسی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں میں سب بادشاہوں کا مالک اور بادشاہ ہوں، سب بادشاہوں کے قلوب میرے ہاتھ میں ہیں جب میرے بندے میری اطاعت کرتے ہیں تو میں ان بادشاہوں اور حکام کے دلوں میں ان کی شفقت اور رحمت ڈال دیتا ہوں اور جب میرے بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے حکام کے دل ان پر سخت کر دیتا ہوں وہ ان کو ہر طرح کا برا عذاب چکھاتے ہیں اس لئے تم حکام اور امراء کو برا کہنے میں اپنا وقت ضائع نہ کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اپنے عمل کی اصلاح کی فکر میں لگ جاؤ، تا کہ تمہارے سب کاموں کو درست کر دوں۔ (بحوالہ، مشکوٰۃ شریف)

عذاب کی دوسری قسم، تنبیہی عذاب ہے، اس عذاب کا تعلق امت مسلمہ سے ہے، یعنی جب مسلمانوں میں بگاڑ آ جائے گا تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر ظالموں کو مسلط کر دے گا، اور مسلمانوں کی عبادت گاہوں پر غیر مسلم طاقتیں قبضہ کرنے لگتی ہیں، اس سلسلے میں بیت المقدس قیامت تک کیلئے بطور علامت ہے، جب مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ خوش رہتے ہیں تو بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں رہتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں تو بیت المقدس پر دشمنوں کا قبضہ ہو جاتا ہے۔

بنی اسرائیل جو اپنے زمانے میں ایک موحد قوم تھی لیکن جب حضرت عیسیٰؑ سے ۵۸۷ سال پہلے شریعت موسوی کی مخالفت کی وجہ سے ان کے اندر بگاڑ آیا تو اللہ تعالیٰ نے بابل کے بادشاہ بخت نصر کو مسلط کر دیا، جس نے بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور بنی اسرائیل کا قتل عام کیا، پھر عیسیٰؑ کے ستر سال بعد شریعت عیسوی کی مخالفت کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ نے ٹائٹس رومی کو مسلط کر دیا، جس نے بخت نصر کی طرح ان پر ہر طرح کا ظلم و ستم کیا، سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر چار سے آیت نمبر آٹھ تک انہی دونوں واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا۔

توریت یا کسی اور آسمانی کتاب میں یہ پیشین گوئی کی گئی تھی کہ یہ قوم بنی اسرائیل دو مرتبہ ملک میں سخت فساد کرے گی، ظلم و تکبر کا شیوہ اختیار کرے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ہر مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دردناک سزا کا مزا چکھنا پڑا، جب سدھر گئے اور اپنی اصلاح کر لی تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو غلبہ عطاء کیا اور ان پر نعمتوں کی بارش کی۔

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ بنی اسرائیل حاشیہ نمبر ۱۵/۱۶ ر پڑھئے۔

اب خطاب ان اسرائیلیوں سے ہے جو قرآن کے معاصر اور براہِ راست مخاطب تھے، ان سے ارشاد ہو رہا ہے کہ پہلی تباہیاں جو آنا تھیں آچکیں اب بھی کچھ نہیں گیا ہے، اگر اصلاحِ حال کر لو اور عدوان و طغیان چھوڑ دو تو اب بھی یہ ادبار ٹل سکتا ہے، عفو خداوندی اور رحمتِ الٰہی کی کوئی انتہاء ہے کہ اتنی نافرمانیوں اور عدول حکمیوں کے بعد بھی تعلیم رحمتِ الٰہی سے دائمی مایوسی کی نہیں مل رہی ہے، قوم یہود کی اس مکرر بربادی وتعذیب کا تذکرہ بڑا ہی سبق آموز ہے۔

یہود بہر حال ایک موحد قوم ہیں، دونوں مرتبہ (چھ سوا چھ صدیوں کے فصل سے) ان کے فاتح ان پر غالب آنے والے اور انہیں ہر طرح کے دردناک عذاب میں مبتلا کرنے والے مشرک ہی تھے۔

اس سے اور کھلا ہوا سبق آج کل کے مسلمانوں کو یہ ملتا ہے کہ جب کسی موحد قوم کی عملی حالت ناگفتہ بہ ہو جائے تو مشیتِ الٰہی کو اس میں ذرا بھی تامل نہیں ہوتا کہ انہیں پیٹ ڈالنے اور انہیں ہر طرح ذلیل و خوار کرنے کا کام مشرک ومبغوض قوموں ہی سے لے، یہود کا اپنا دعویٰ توحید اور انبیاءِ مقبولین کی جانب اپنا انتساب ذرا بھی ان کے کام نہ آیا۔

صدیوں سے جو مسلمان مختلف ملکوں میں عیسائیوں یا ملحدوں کے ہاتھ پٹ رہے ہیں اور اب اس میں اضافہ یہود اور دوسری غیر مسلم قوموں کا ہو گیا ہے، یہ سب اسی قانونِ الٰہی تکوینی کی مثالیں ہیں اور ذرا بھی حیرت انگیز نہیں۔

وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا" یعنی تم نے بھی اگر اپنی وہی پچھلی حرکتیں، وہی مخالفتِ حق، وہی انانیت، وہی استکبار جاری رکھا، تو پھر وہی سزائیں، قتل، اسیری، جلاوطنی، خانماں بربادی وغیرہ اب بھی تمہارے لئے موجود ہیں، بدنصیب یہود عرب نے اس آخری تنبیہ کو نہ سنا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے سارے پرقوت قبیلے بنی قریظہ، بنی نضیر، بنی قینقاع ایک ایک کر کے ایک قلیل ہی مدت کے اندر مٹ گئے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ بنی اسرائیل، حاشیہ نمبر ۱۵/۱۶/ر)

دنیا کی ترقی مقبولیت کی دلیل نہیں ہے

جوانسان، اللہ تعالیٰ کی حکمت ومشیئت پر ایمان نہیں رکھتا وہ اپنی ناعاقبت اندیشی سے دنیا کی خوش حالی و بدحالی معاشی تنگی اور مال ودولت کی فراوانی کے بارے میں ایک غلط تصور قائم کرلیتا ہے، جس کی وجہ سے دنیا میں دل کے سکون سے محروم ہوجاتا ہے اور آخرت کا عذاب مول لے لیتا ہے، کیونکہ دنیا کی جس ترقی کو وہ اپنی مقبولیت کی دلیل سمجھتا تھا وہ اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے، اور آخرت کو نظرانداز کردینے کی وجہ سے وہی ترقی اس کیلئے عذاب کا پیش خیمہ بن جاتی ہے، ایسے بے عقل اور ناعاقبت اندیش انسان پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے، جس نے دنیا اور آخرت دونوں کو کھودیا، اس کی حسرت ناک تصویر اس شعر کی مصداق ہے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

دنیا میں ایسے احمقوں، نادانوں، جاہلوں اور ناعاقبت اندیشوں کی تعداد زیادہ ہے، اور بے وقوفوں کی اس فہرست میں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے پڑھے لکھے روشن خیال، بڑے بڑے مالدار اور سرمایہ دار زیادہ ہیں، اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیئت پر ان کی نظر نہیں ہے، اس لئے وہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہے، اسی لئے تو ہمارے پاس مال ودولت کی فراوانی ہے، اور ہمارے سارے مادّی منصوبے آسانی کے ساتھ کامیاب ہوجاتے ہیں، لیکن ان بے عقلوں کو یہ نہیں معلوم کہ اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ساتھ کسی کو دنیا زیادہ مل رہی ہے تو یہ استدراجی عذاب ہے، اگر کوئی ناسمجھ عذاب کو نعمت سمجھے تو اس کی بہت بڑی بھول ہے۔

اگر کسی آدمی کو شاندار ایرکنڈیشن گاڑی میں بیٹھا کر اور خوب کھلاتے پلاتے ہوئے اور اس کو ہر طرح کا آرام پہنچاتے ہوئے کسی قیدخانے کی طرف لے جایا جارہا ہو جہاں اسکے گلے میں پھانسی کا پھندا لگا دیا جائیگا اور پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جائیگا، یہ ایرکنڈیشن گاڑی، عیش وعشرت کے یہ سامان، یہ مخملی قالین، یہ لذیذ کھانے پینے کی چیزیں، بہترین کے خادموں کا اپنے ہاتھوں میں روح افزاء کا جام، سیب وسنترہ کا جوس لے کر سامنے کھڑے رہنا، اور ادب واحترام سے سر جھکا کر یہ کہنا کہ، جی حضور، روح افزاء کا جام پیش خدمت ہے، اسکو نوش فرمالیں، اگر اس اندازِ ضیافت کو وہ مقبولیت کی دلیل سمجھے تو اس کا یہ سمجھنا انتہائی درجے کی حماقت اور جہالت ہے۔

بالکل یہی حال ان دنیا پرستوں کا ہے جو دنیا کی خوش حالی اور اسبابِ عیش وعشرت کی فراوانی کو مقبولیت کی دلیل سمجھتے ہیں، بلکہ یہ دنیا پرست اس پھانسی دیئے جانے والے شخص سے بھی زیادہ احمق ہیں، مال ودولت کی فراوانی اور مال ودولت سے تہی دامانی کا تعلق اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیئت سے ہے۔

اگر کوئی سمجھتا ہے کہ اس نے علم وہنر اور اپنی عقلمندی اور تاجرانہ سوجھ بوجھ سے دنیا حاصل کرلی ہے تو یہ اس کی غلط فہمی ہے، کسی کے چاہنے سے دنیا اس کو زیادہ نہیں ملتی، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں زیادہ دیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں کم دیتے ہیں، رزق کی کمی بیشی کا تعلق اللہ تعالیٰ کی خوشی اور ناراضگی سے نہیں ہے۔

اس لئے آدمی کو چاہئے کہ دنیا سے بقدر ضرورت تعلق رکھتے ہوئے آخرت کی تیاری میں وقت لگائے اور دنیا کو اپنی زندگی کا مقصد نہ بنائے، دنیا، ظالموں، نافرمانوں، اللہ تعالیٰ کے باغیوں اور ملحدوں کو بھی ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو بھی ملتی ہے، اس لئے دولت کی کمی بیشی اور یہاں کی خوش حالی و بدحالی کو معیار مقبولیت و فضیلت نہ سمجھا جائے، دولت کی فراوانی اپنی مقبولیت کا معیار ہوتی تو کافروں، مشرکوں، ظالموں، اللہ تعالیٰ کے باغیوں اور نافرمانوں کو دنیا نہیں دی جاتی۔

ایک سبق آموز واقعہ نقل کر رہا ہوں جو بار بار پڑھنے کے لائق ہے، ایک بزرگ ایک باندی خرید کر لائے وہ اپنے کاموں سے فارغ ہو کر مصلی پر کھڑی ہوگئی اور دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعاء کی کہ اے میرے اللہ، اے میرے پروردگار، میں اپنی محبت کا واسطہ دیتی ہوں جو آپ کو مجھ سے ہے، آپ مجھے یہ دید یجئے وہ دید یجئے، دوزخ سے بچالیجئے، جنت میں داخل کر دیجئے، مگر واسطہ اور وسیلہ اس محبت کا ہے جو آپ کو مجھ سے ہے۔

وہ بزرگ بولے کہ ارے یہ کیا کہہ رہی ہو اس طرح مت کہو کیوں کہ ان کی محبت کا کیا پتہ کہ ان کو تجھ سے محبت ہے؟ بلکہ اس طرح کہو کہ اے میرے مولیٰ میں آپ سے محبت کرتی ہوں، اس محبت کا واسطہ دے کر آپ سے دعاء کرتی ہوں کہ مجھے یہ چاہئے وہ چاہئے، وہ باندی بولی نہیں، حضرت میں جو کچھ کہہ رہی ہوں وہی ٹھیک ہے، اگر ان کو مجھ سے محبت نہ ہوتی تو آپ کو چارپائی پر نہ لٹاتے اور مجھ کو مصلی پر نہ کھڑا کرتے، ان کو مجھ سے محبت ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ، إِنَّ اللّٰهَ يُعْطِي الدُّنْيَا لِمَنْ يُحِبُّ وَلِمَنْ لَا يُحِبُّ وَلَا يُعْطِي الدِّينَ إِلَّا لِمَنْ يُحِبُّ" اللہ دنیا اس کو بھی دیتے ہیں جس سے محبت کرتے ہیں اور اس کو بھی دیتے ہیں جس سے محبت نہیں کرتے، مگر دین اسی کو دیتے ہیں جس سے محبت کرتے ہیں۔

محبت اس کو دیتے ہیں جسے کچھ بھی نہیں دیتے

انہیں سب کچھ دیا ہے جن کو اس قابل نہیں سمجھا

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ بنی اسرائیل کا حاشیہ نمبر ۲۹ پڑھئے۔

آیت کے اندر بڑی عبرت کا مضمون بیان ہوا ہے، آج دنیا میں کثرت سے لوگ ایسے ہیں کہ مختلف منصوبوں میں کامیاب پا کر اپنے کو برسرحق اور مقبول سمجھنے لگتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ضمیر کی خلش محسوس کریں، اپنی ہر کامیابی کے ساتھ اور زیادہ غافل مطمئن اور بے فکر ہوجاتے ہیں۔

کوئی رشوت لے لے کر اپنی حرص پوری کر رہا ہے، کوئی سود لے لے کر اپنا خزانہ جمع کر رہا ہے اور چونکہ دولت کھٹا کھٹ چلی آرہی ہے، اپنے حال پر اور زیادہ نازاں ہوتا جاتا ہے اور اپنے عمل پر احتساب ونظر ثانی کی ضرورت ہی سرے سے نہیں سمجھتا۔

آیت میں بتایا ہے کہ یہ فوری کامیابی مطلق صورت میں ہرگز خوش ہونے والی چیز نہیں، دیکھنا تو یہ چاہئے کہ غایت عمل کیا ہے اور مقصود سعی کیا ہے؟ اگر محض دنیا ہے، تو انجام تمام تر خراب ہی ہوتا ہے۔

مَانَشَاءُ لِمَنْ نُرِيْدُ" دونوں قیدیں اہم ہیں، یہ وعدہ مطلق صورت میں نہیں کہ ہر طالبِ دنیا کو اس کی خاطر خواہ دنیا مل ہی جائے، بلکہ صرف اسی کو اور اتنی ہی مقدار میں ملے گی جس کیلئے اور جس حد تک مشیتِ الٰہی، مصالح تکوینی کے مطابق ہوگی۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ بنی اسرائیل، حاشیہ نمبر ۲۹)

اقتباس

دنیا میں احمقوں، نادانوں، جاہلوں اور ناعاقبت اندیشوں کی تعداد زیادہ ہے، اور بے وقوفوں کی اس فہرست میں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے پڑھے لکھے روشن خیال، بڑے بڑے مالدار اور سرمایہ دار زیادہ ہیں، اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت پر ان کی نظر نہیں ہے، اس لئے وہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہے، اسی لئے تو ہمارے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے، اور ہمارے سارے مادّی منصوبے آسانی کے ساتھ کامیاب ہوجاتے ہیں، لیکن ان بے عقلوں کو یہ نہیں معلوم کہ اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ساتھ کسی کو دنیا زیادہ مل رہی ہے تو یہ استدراجی عذاب ہے، اگر کوئی ناسمجھ عذاب کو نعمت سمجھے تو اس کی بہت بڑی بھول ہے۔

محض تمنا سے کام نہیں چلتا عمل بھی ضروری ہے

ایک آدمی حج وعمرہ کی سعادت حاصل کرنے کیلئے بیتاب ہے اور اس کی تمنا ہے کہ جلد از جلد حرمین شریفین کی زیارت نصیب ہو، اور اپنی بیتابی اور تمنا کا اظہار بھی لوگوں کے سامنے کرتا ہو، لیکن نہ پاسپورٹ بنواتا ہو، نہ حج کمیٹی میں حج کی درخواست دیتا ہو، نہ فیس ادا کرنے کے لئے تیار ہو، تو کیا محض آرزو اور تمنا سے حج کی سعادت حاصل ہو سکتی ہے۔

ایک آدمی تمنا کرتا ہے کہ اس کیلئے ایک شاندار محل تعمیر ہو جائے، لیکن نہ اینٹ کا انتظام کرے، نہ سیمنٹ اور چھڑ خریدنے کیلئے تیار ہو، نہ تعمیر کرنے والے کاریگروں کو بلانے کیلئے تیار ہو، تو کیا محض تمنا سے محل کی تعمیر کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔

جب دنیا کا کوئی کام محض آرزو سے پورا نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی تکمیل کے جو اسباب ضروری ہیں ان کو اختیار نہ کیا جائے، تو پھر کیا آخرت کی دائمی فلاح وکامیابی محض آرزو سے حاصل ہو سکتی ہے، کیا جنت جیسی نعمت صرف تمنا کرنے سے مل سکتی ہے، ظاہر ہے کہ جنت حاصل کرنے کے لئے جو اسباب ہیں، جو تدبیریں ہیں ان کو بھی اختیار کرنا پڑے گا۔

حسرت موہانی نے خوب کہا ہے کہ۔

وصل کی بنتی ہیں ان باتوں سے تدبیریں کہیں
آرزوؤں سے پھرا کرتی ہیں تقدیریں کہیں

آخرت کے مسافروں، یعنی جن لوگوں نے آخرت کی کامیابی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے مقام جنت کے حصول کو اپنا مقصد بنایا ہے ان کیلئے اختصار کے ساتھ ان تین بنیادی چیزوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے، جن کے بغیر جنت کی آرزو اور تمنا پوری نہیں ہو سکتی۔

اب تفسیر ماجدی جلد سوم سورہ بنی اسرائیل کا حاشیہ نمبر ۳۰ / پڑھئے۔

مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ " یعنی جو اپنا مطمع نظر اس مکمل وپائیدار زندگی کو بنائے رکھے اور اپنے عمل سے مقصود اسی کو رکھے، گویا قبول کی پہلی شرط تصحیح نیت ہوئی۔

وَسَعٰی لَهَا سَعْيَهَا " محض تمنا ہرگز کافی نہیں، جب انسان نیکی حاصل کرنا چاہئے تو لازم ہے کہ عملاً بھی اس کی طرف قدم بڑھائے، محض آرزو و تمنا کا درجہ قطعاً ناکافی ہے اور عمل بھی اپنے ظن وتخمین سے نہیں یا اپنی ہوائے نفس کے ماتحت نہیں، بلکہ قانون شریعت کے مطابق ہو۔

گویا دوسری شرط تصحیح عمل ہوئی، حسب ضابطہ شریعت اعمال وطاعات کا شریعت کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ہونا بہت ہی ضروری ہے، اپنے دل سے گھڑی ہوئی ریاضتیں اور مجاہدات کیسے ہی شدید ہوں ہرگز نافع نہ ہوسکیں گے اگر معیار شریعت سے ہٹے ہوئے رہے۔

وَهُوَ مُؤْمِنٌ" تیسری اور سب سے زبردست شرط یہ تصحیح عقیدہ کی ہوئی، منکر قانون الٰہی کا عمل کوئی سا بھی مقبول نہیں، ان مضمون کی جہاں بھی آیتیں قرآن مجید میں آئی ہیں ہر جگہ قید وَهُوَ مُؤْمِنٌ" کی لگی ہوئی ہے۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ بنی اسرائیل، حاشیہ نمبر ۳۰)

ایک واقعہ یاد آگیا، موضوع کی مناسبت سے نقل کر رہا ہوں، شیخ ابوبکر نساج کا قول ہے،

تصور آب تشنگی نہ نشاند، وفکرت آتش گرمی نہ بخشد ودعویٰ طلب بمطلوب نرساند۔

یعنی: پانی کے تصور سے پیاس نہیں بجھتی، نہ آگ کا صرف خیال گرمی پہنچاتا ہے، اسی طرح (اللہ کی) جستجو کا مدعی بننے سے مقصود تک رسائی نہیں ہوتی۔ (بحوالہ، نفحات الانس صفحہ، ۳۳۲)

اقتباس

ایک آدمی تمنا کرتا ہے کہ اس کے لئے ایک شان دار محل تعمیر ہو جائے، لیکن نہ اینٹ کا انتظام کرے، نہ سیمنٹ اور چھڑ خریدنے کیلئے تیار ہو، نہ تعمیر کرنے والے کاریگروں کو بلانے کیلئے تیار ہو، تو کیا محض تمنا سے محل کی تعمیر کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوسکتا ہے؟ جب دنیا کا کوئی کام محض آرزو سے پورا نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی تکمیل کے جو اسباب ضروری ہیں ان کو اختیار نہ کیا جائے، تو پھر کیا آخرت کی دائمی فلاح وکامیابی محض آرزو سے حاصل ہوسکتی ہے، کیا جنت جیسی نعمت صرف تمنا کرنے سے مل سکتی ہے، ظاہر ہے کہ جنت حاصل کرنے کے لئے جو اسباب ہیں، جو تدبیریں ہیں ان کو بھی اختیار کرنا پڑے گا۔

مشرک دونوں عالم میں بے سہارا ہوتا ہے

میں اکثر سوچتا رہتا ہوں کہ کفار و مشرکین یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ کیسے زندہ رہتے ہیں؟ اور کیسے وہ اس زمین پر سکون واطمینان سے چلتے ہیں؟ ان کا دن کیسے گذرتا ہے؟ ان کی رات کیسے کٹتی ہے؟ وہ بے چارے تو بہت پریشان رہتے ہوں گے؟ ان کے دل سے غم کبھی جدا نہیں ہوتا ہوگا، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگرچہ وہ بظاہر خوش نظر آرہے ہیں لیکن ان کے دل میں رنج وغم اور مختلف قسم کے اندیشوں کی انگیٹھی سلگتی رہتی ہے کیونکہ اللہ سے تعلق نہ ہونے کی وجہ سے وہ بے سہارا ہیں ان کا کوئی مددگار نہیں، دنیا میں بھی بے سہارا اور آخرت میں بھی ان کا کوئی حامی اور مددگار نہیں، وہ بالکل کٹی پتنگ کی طرح ہیں، جو پتنگ اپنے مرکزی دھاگے سے کٹ جاتی ہے تو بالکل بے سہارا ہو جاتی ہے، کہیں بجلی کے کھمبے پر لٹک جاتی ہے یا کہیں گر جاتی ہے۔

کوئی کافر اور مشرک جب کفر وشرک کی حالت میں دنیا سے جاتا ہے تو غموں کے جس پہاڑ کے نیچے وہ اپنے کو دبا ہوا محسوس کرتا ہے، اس کا اندازہ کسی دوسرے کو ہو ہی نہیں سکتا، بڑھاپے کی آخری منزل میں جب موت سامنے رہتی ہے تو ایک غیر مسلم کتنا پریشان ہوتا ہے، اس کی مایوسی، اس کی افسردگی، اس کے قلبی اضطراب کا کیا عالم ہوتا ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے لگا سکتے ہیں۔

امریکہ کے ایک مشہور مشنری ڈاکٹر ''بلی گرہم'' کی ایک کتاب ہے جس کا نام مسرت اور خوشی کا راز The Secret of Happiness ہے، اس نے کتاب میں لکھا ہے کہ ایک بار مجھے دنیا کے ایک بہت بڑے لیڈر کا ارجنٹ پیغام ملا کہ فوراً آکر مجھ سے ملاقات کرو، میں اس لیڈر کے پاس پہنچا جب اسکے دفتر میں اس سے ملاقات کی تو فوراً وہ مجھے الگ ایک کمرہ میں لے گیا اور مجھ سے بہت ہی اثر انگیز اور دل کو تڑپا دینے والے لہجہ میں کہا کہ۔

I am an old man,Life has lost all meaning,I am ready to take a fatefull leap into unknown yaung man, can you give me a ray of hope.

میں ایک بوڑھا آدمی ہوں زندگی نے اپنی تمام معنویت کھودی ہے، عنقریب میں نامعلوم دنیا کی طرف ایک فیصلہ کن چھلانگ لگانیوالا ہوں، اے نوجوان شخص، کیا تم مجھے امید کی کوئی کرن دے سکتے ہو؟

یہ لیڈر بڑھاپے کی چوکھٹ پر پہنچ کر کیوں اتنا پریشان ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کا کوئی مستقبل نہیں، آخرت کی جس معلوم دنیا کی طرف اس کو جانا تھا اس کو اس نے جاننے کی کوشش نہیں کی، اس لئے اس کو وہ نامعلوم دنیا سمجھتا تھا، اگر اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق رہا ہوتا تو اس کو کوئی گھبراہٹ نہیں ہوتی، کیونکہ اس کو یقین رہتا کہ اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا سہارا تھا اور جس دنیا کی طرف سفر کرنے جا رہا ہوں وہاں بھی اللہ تعالیٰ کا سہارا رہے گا، لیکن اب

وہ بے چارا ہر طرح کے سہارے سے محروم ہے، یہی حال دنیا کے تمام کافروں اور مشرکوں اور اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں اور دنیا پرستوں کا ہوتا ہے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْکٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَهُمْ ۔ (سورہ محمد)

اہل ایمان کا مددگار اللہ ہے اس لئے کسی حال میں بھی ان کو غم نہیں ہوتا اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہوتا وہ بغیر خدا کے ہیں اس لئے ان کا کوئی بھی لمحہ غم سے خالی نہیں ہوتا۔

جنگ احد میں جب رسول اللہ ﷺ ایک گڑھے میں گر گئے اور یہ افواہ اڑ گئی کہ حضور اکرم ﷺ شہید ہو گئے تو کفار و مشرکین بڑے فخر کے ساتھ کہنے لگے کہ، لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ" یعنی ہمارے پاس عزیٰ دیوی ہے اور تمہارے پاس کوئی عزیٰ دیوی اور درگا مائی نہیں ہے، تو حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں سے کہا کہ تم یہ کہو کہ، اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ" اللہ ہمارا کارساز اور مددگار ہے اور تمہارا کوئی کارساز اور مددگار نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ کافر و مشرک دنیا اور آخرت دونوں میں بے سہارا ہیں، لیکن ایک سوال بہت سے لوگوں کے ذہن میں اٹھ سکتا ہے کہ جب مسلمانوں کا سہارا اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا حامی اور کارساز ہے اور کافر و مشرک بے سہارا ہیں تو پھر بے سہارا لوگ سہارا والوں پر کیوں غالب ہیں؟ بے سہارا لوگ سہارا والوں پر کیوں حکومت کرتے ہیں؟ سہارا والے لوگ بے سہارا لوگوں کے غلام کیوں ہیں؟ اس سوال کا جواب ایک مثال سے سمجھ سکتے ہیں۔

اگر کہیں اندھیرا چھایا ہو اور کوئی آپ سے پوچھے کہ بھائی یہاں کیوں اندھیرا چھایا رہتا ہے؟ تو اس کا جواب آپ یہی دیں گے کہ بھائی جان یہاں چراغ نہیں جل رہا ہے، روشنی نہیں ہے یا سورج نہیں نکلا ہوا ہے، یا چراغ اور سورج کی روشنی کے سامنے ہم نے دبیز چادر حائل کر رکھی ہے، معلوم ہوا کہ اندھیرے اور ظلمت کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اس کو کوئی ثبات اور دوام حاصل نہیں ہے، بس روشنی کے نہ ہونے کا نام اندھیرا ہے، اگر روشنی آ گئی سورج نکل گیا تو اندھیرے کا وجود معدوم ہو جاتا ہے، اس کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک جائیں گے لیکن کہیں اس کو نہیں پا سکتے، روشنی کے سامنے اندھیرا ٹھہر ہی نہیں سکتا، سورج روشنی کا مرکز ہے، سورج کا جسم اور گولا تو موجود ہو لیکن وہ اپنی روشنی کھو دے، چراغ کا جسم اور اس کی ظاہری شکل و صورت تو موجود ہو لیکن وہ روشن نہ ہو، تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ اندھیرا چھایا رہے گا۔

اسی طرح مسلمانوں نے ایمان کی روشنی کھو دی ہے، یا ان کے ایمان کی روشنی بالکل مدہم ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی طرح ہے اس لئے اندھیرا غالب ہے، اور بے سہارا کفار و مشرکین ان پر غالب ہیں، جس دن ایمان کا سورج اپنی تمام ضوفشانیوں کے ساتھ طلوع ہو جائے گا کفر و شرک کی تاریکیوں کا پتہ نہیں چلے گا، حق کے آتے ہی باطل اپنی آخری سانس لینے لگے گا اور اس پر جانکنی کا عالم طاری ہو جائے گا۔

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ بنی اسرائیل کا حاشیہ نمبر ۳۴ پڑھئے۔

مشرک کی ایک نمایاں قباحت تو اسی دنیا میں یہ نظر آتی ہے کہ انسان توحید سے کٹ کر بالکل بے سہارا اور بے یار و مددگار رہ جاتا ہے، اور آخرت میں یہی بے کسی اور بے بسی متشکل ہو کر خود مشرک کے سامنے آجاتی ہے، "فَتَقْعُدَ" قعود سے یہاں مراد جسم کی وہ وضع وہیئت نہیں جو کھڑے ہونے یا لیٹنے سے ممتاز ہے، بلکہ جیسے اردو محاورہ میں "بیٹھ رہے" سے مراد کسی ناخوشگوار حالت میں پڑے رہ جانے سے ہوتی ہے، جیسے ان کے فقروں میں کہ، صدمہ تو بہت ہوا لیکن کرتے کیا؟ رو پیٹ کر بیٹھ رہے، تھک کر بیٹھ رہے، اسی طرح عربی محاورہ میں بھی قعود کسی بری حالت کے مستمر (برابر مستقل) ہو جانے کے موقع پر آتا ہے۔

(بحوالہ تفسیر سورہ بنی اسرائیل، حاشیہ نمبر ۳۴ر)

اقتباس

اندھیرے اور ظلمت کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اس کو کوئی ثبات اور دوام حاصل نہیں ہے، بس روشنی کے نہ ہونے کا نام اندھیرا ہے، اگر روشنی آگئی سورج نکل گیا تو اندھیرے کا وجود معدوم ہو جاتا ہے، روشنی کے سامنے اندھیرا ٹھہر ہی نہیں سکتا، سورج روشنی کا مرکز ہے، سورج کا جرم اور گولا تو موجود ہو لیکن وہ اپنی روشنی کھودے، چراغ کا جسم اور اس کی ظاہری شکل وصورت تو موجود ہو لیکن وہ روشن نہ ہو، تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ اندھیرا چھایا رہے گا۔

مسلمانوں نے ایمان کی روشنی کھودی ہے، یا ان کے ایمان کی روشنی بالکل مدھم ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی طرح ہے اس لئے اندھیرا غالب ہے اور بے سہارا کفار و مشرکین ان پر غالب ہیں جس دن ایمان کا سورج اپنی تمام ضوفشانیوں کے ساتھ طلوع ہو جائے گا کفر و شرک کی تاریکیوں کا پتہ نہیں چلے گا، حق کے آتے ہی باطل اپنی آخری سانس لینے لگے گا اور اس پر جانکنی کا عالم طاری ہو جائے گا۔

والدین کی خدمت اہم ترین واجبات میں ہے

ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن وسلوک کی جو اہمیت ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے، ماں باپ کی خدمت اوران کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلے میں بہت سی احادیث اور روایات ہیں، آپ حدیث کی کتابوں اور والدین کے حق کے متعلق بہت سی جو کتابیں ہیں ان کی طرف رجوع کریں۔

یہاں میں صرف دو روایتیں اور ماں باپ کی خدمت کے متعلق ایک سبق آموز واقعہ نقل کر رہا ہوں۔

حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک صحابیؓ، جہاد، ہجرت، پر بیعت کرنے کیلئے حاضر ہوئے، حضور ﷺ نے ان سے دریافت کیا، اَحَیٌّ وَالِدَاکَ؟ (کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟) اس نے کہا ہاں، تو آپ نے فرمایا کہ اپنے ماں باپ کی خدمت میں واپس جاؤ اور انہی دونوں کی خدمت کر کے اجر وثواب حاصل کرو۔ (بحوالہ، بخاری ومسلم)

حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ، اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِاَکْبَرِ الْکَبَائِرِ ثَلٰثًا؟ قُلْنَا بَلٰی یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ " حضور اکرم ﷺ نے مکرر تین بار صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ کیا تم کو بڑے گناہوں میں سب سے بڑے گناہ سے مطلع نہ کروں، صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے کہا کہ کیوں نہیں یارسول اللہ ﷺ ضرور مطلع فرمائیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ (بحوالہ، بخاری ومسلم)

اس سبق آموز واقعہ کو بار بار پڑھئے، علامہ یافعیؒ مِرْآۃُ الْجِنَان میں لکھتے ہیں کہ وہ برامکہ جس کے اولوالعزم افراد مملکت بغداد کا سارا انتظام اپنے کمان میں رکھے ہوئے تھے اور جن کی سطوت وشوکت کی دھاک پورے قلمرو پر پھیلی ہوئی تھی اور جن کی سخاوت وفیاضی کی شہرت چار دانگ عالم میں پہنچ چکی تھی، جب ان پر خلیفہ ہارون رشید کا عتاب نازل ہوا تو فضل برمکی اور ان کے والد یحییٰ برمکی قید خانہ میں ڈال دیئے گئے، فضل برمکی، اپنی وزارت اور شوکت کے زمانے میں بھی اپنے باپ کے بیحد خدمت گذار وجاں نثار تھے سیر وتاریخ والوں نے فضل کے متعلق یہ فقرہ لکھا ہے کہ کَانَ الْفَضْلُ کَثِیْرَ الْبِرِّ بِاَبِیْہِ " یعنی فضل اپنے باپ کے ساتھ بے حد سلوک کرنے والے تھے، جب قید میں ڈالے گئے اور جاڑوں میں قید خانہ کے اندر پانی گرم ہونے کا کوئی انتظام نہ تھا تو فضل برمکی تانبہ کے لوٹا میں پانی بھر کر لاتے اور اس کو اپنے پیٹ سے چمٹائے رکھتے تاکہ پیٹ کی گرمی سے اس کی ٹھنڈک کچھ دور ہوسکے اور اس بوڑھے باپ کو صبح وضو کیلئے قدرے گرم پانی مل سکے۔ (بحوالہ، مِرْآۃُ الْجِنَان، جلد، اول صفحہ ۴۴۲)

ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی میں کسی کوکوتاہی نہیں کرنی چاہئے اپنے بچوں کیلئے ماں جیسا نرم دل کسی کا نہیں ہوتا اس لئے اگر اتفاق سے ماں کسی وجہ سے ناراض ہوجائے فوراً ان کو منانے کی کوشش کی جائے۔ ماں اپنے بچے کی بڑی بڑی لغزشوں کو بہت جلد معاف کردے گی۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ۔

ماں جو مجھ سے روٹھی ہے میں اسے مناؤں گا
موم کے پگھلنے میں دیر کہاں لگتی ہے

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ بنی اسرائیل کا حاشیہ نمبر ۳۴ ر پڑھئے۔

ماں باپ کی خدمت کرتے رہنا شریعت اسلامی کے اہم ترین واجبات میں سے ہے، تہذیب فرنگ کی طرح شریعت اسلامی کا یہ فتویٰ نہیں کہ لڑکا جب عاقل اور بالغ وصاحب اختیار ہوجائے تو بیوی کو ساتھ لے کر اپنا الگ گھر بار کرلے اور بوڑھے ماں باپ سے تعلق اگر رکھے بھی تو محض دور کا اور ضابطہ کا بڑے ہوکر ماں باپ سے بے تعلقی خاص وصف حیوانی ہے اور تہذیب فرنگ نے حیوانیت کے اور عنصروں کی طرح اسے بھی بے تکلف اپنے میں جذب کرلیا ہے، قرآن مجید کو پورا علم تھا کہ ایک دور عالم انسانی پر ایسا آئے گا جب یہ حیوانیت ہی عین علامت تہذیب سمجھی جائے گی۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا " یہ فقرہ جس میں خدمت والدین کا حکم ہے اس کا عطف اس فقرہ پر جس میں توحید اور منع شرک کا حکم ہے خود اس امر پر ایک دلیل ہے کہ شریعت میں خدمت والدین کا درجہ کتنا اہم اور بلند ہے۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ بنی اسرائیل، حاشیہ نمبر ۳۴)

اقتباس

حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک صحابیؓ، جہاد، ہجرت، پر بیعت کرنے کیلئے حاضر ہوئے، حضور ﷺ نے ان سے دریافت کیا، اَحَیٌّ وَالِدَاکَ؟ (کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟) اس نے کہا ہاں، تو آپ نے فرمایا کہ اپنے ماں باپ کی خدمت میں واپس جاؤ اور انھیں دونوں کی خدمت کرکے اجر وثواب حاصل کرو۔ (بحوالہ، بخاری ومسلم)

فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں

اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت میں اپنی مرضی سے تصرف کرنے کا نام فضول خرچی ہے اور اسی کا نام ناشکری بھی ہے، جس کے پاس جو بھی مال و دولت ہے وہ اللہ کا عطیہ ہے اسلئے کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اپنی مرضی سے اس میں تصرف کرے اور ایسی جگہ خرچ کرے جہاں خرچ کرنے سے اللہ نے روکا ہے، غیر محل میں خرچ کرنے کا نام تو فضول خرچی ہے ہی، جائز جگہ میں بھی اگر آدمی اپنی مرضی سے خرچ کرتا ہے اور شریعت کے حدود کا لحاظ نہیں کرتا، تو وہ بھی فضول خرچی ہے، اور یہ فضول خرچی اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی مشابہت شیطان سے ہو جاتی ہے۔

شیطان کو اللہ تعالیٰ نے عقل اور سوچنے سمجھنے کی جو صلاحیت دی تھی اس نے اس کا غلط استعمال کیا، اس نے اس سے صحیح کام نہیں لیا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اس لئے اس کے اس جرم کو بھی فضول خرچی اور ناشکری سے تعبیر کیا گیا ہے، اس لئے جو لوگ اللہ کی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال کو غیر محل میں خرچ کرتے ہیں وہ اسی ناشکرے شیطان کے بھائی ہیں، کسی انسان کے لئے اس سے بڑی بدقسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کو شیطان کا بھائی قرار دیا جائے۔

آج اللہ کی نعمتوں کا کتنا غلط استعمال ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں کس قدر فضول خرچی کی جا رہی ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شیطان کے بھائیوں اور دوستوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے، اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو تبذیر و اسراف، فضول خرچی نعمتوں کے غلط استعمال اور شیطان کی مشابہت سے محفوظ رکھے۔ آمین

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ بنی اسرائیل کا حاشیہ نمبر ۳۹، ۴۰ ر پڑھئے۔

اسلام مالدار کو یہ حکم نہیں دیتا کہ وہ اپنے نفس کی آسائش پر سرے سے کچھ خرچ ہی نہ کرے، جائز حدود کے اندر اس نے اس کی بھی پوری اجازت دی ہے، البتہ وہ اندھا دھند اسراف سے قطعاً روکتا ہے، جس سے جائداد کچھ روز میں تباہ ہو کر رہ جائے، تَبْذِیر کہتے ہیں مال کے بے موقع یعنی محل معصیت میں خرچ کرنے کو اور اس کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ مَعْصِیَتْ بِالذَّات" مثلاً زنا، شراب، قمار بازی وغیرہ، اس میں کچھ بھی صرف کرنا ہر حال میں حرام ہے۔

۲۔ مَعْصِیَتْ بِالْغَیر" یعنی عمل تو بجائے خود جائز ہو، لیکن اس میں شرکت سے مقصود شہرت، تفاخر وغیرہ ہو، حق تعالیٰ نے اس کو (یعنی شیطان کو) دولت عقل کی دی تھی، مگر اس نے اسے خدا تعالیٰ کی

نافرمانی میں لٹادیا۔

۳۔ اِخْـوَانُ الشَّیٰـطِیْـن" یعنی ناشکری اور کفرانِ نعمت میں شیطان کے مشابہ اور ہم سطح کے ہوتے ہیں۔

اِخْوَان، اَخٌ کا اطلاق عربی زبان میں بہت وسیع اور ہر قسم کے اشتراک ومشابہت کیلئے عام ہے، انسان کی مذمت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ اسے شیطان سے تشبیہ دیدی جائے، جو سرچشمہ ساری برائیوں کا ہے۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ بنی اسرائیل، حاشیہ نمبر ۳۹؍۴۰)

اقتباس

شیطان کو اللہ تعالیٰ نے عقل اور سوچنے سمجھنے کی جو صلاحیت دی تھی اس نے اس کا غلط استعمال کیا، اس نے اس سے صحیح کام نہیں لیا، اللہ کی نافرمانی کی، اس لئے اسکے اس جرم کو بھی فضول خرچی اور ناشکری سے تعبیر کیا گیا ہے، اس لئے جو لوگ اللہ کی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے مال کو غیر محل میں خرچ کرتے ہیں وہ اسی ناشکرے شیطان کے بھائی ہیں، کسی انسان کیلئے اس سے بڑی بدقسمتی اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس کو شیطان کا بھائی قرار دیا جائے۔

آج اللہ کی نعمتوں کا کتنا غلط استعمال ہورہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں کس قدر فضول خرچی کی جارہی ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شیطان کے بھائیوں اور دوستوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔

آنکھ، کان اور دل کے متعلق سوال

یوں تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تمام نعمتیں اہم ہیں اور کسی نعمت کو بھی غلط استعمال کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے، سب کے متعلق اللہ تعالیٰ کے یہاں سوال کیا جائے گا لیکن ان تمام نعمتوں میں، کان یعنی سننے کی صلاحیت، آنکھ یعنی دیکھنے کی صلاحیت اور دل یعنی سوچنے، سمجھنے اور اللہ کو پہچاننے کی صلاحیت بہت ہی اہم ہیں، اور ان تینوں نعمتوں کے بارے میں خاص طور سے پوچھ گچھ ہوگی کہ ان کا تم نے کیا استعمال کیا۔

کان، آنکھ اور دل کے متعلق تفصیلی بحث سے قطع نظر میں یہاں صرف ایک سبق آموز واقعہ نقل کر رہا ہوں جس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان نعمتوں کے صحیح استعمال کا کیا مطلب ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک جنگل میں سے گذر رہے تھے ایک لڑکے پر نظر پڑی، لڑکا بڑا ذہین اور سمجھ دار معلوم ہو رہا تھا، حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کے ذہن میں آیا کہ یہ لڑکا اصحابِ علم کی صحبت میں نہیں بیٹھا ہے یہ اللہ تعالیٰ کو کیسے جانے گا؟ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ نے اس لڑکے سے پوچھا کہ میاں صاحبزادے آپ نے کچھ تعلیم بھی پائی ہے یا وقت یونہی گذارتے پھرتے ہیں؟ لڑکے نے جواب دیا، کچھ بہت زیادہ تو نہیں پڑھا ہے لیکن چار باتوں کا علم مجھے حاصل ہے، لڑکے نے جواب دیا کہ سر کا علم، کانوں کا علم اور زبان کا علم مجھے حاصل ہے۔

عبداللہ ابن مبارکؒ نے فرمایا، اگر ایسا ہے تو مجھے بھی بتاؤ کہ یہ کیا ہے؟ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کے اصرار پر اس لڑکے نے کہا، سر اللہ تعالیٰ کے حضور جھکانے کیلئے ہے، کان، اس کا کلام سننے کیلئے ہے، زبان اس کا ذکر کرنے کیلئے اور دل اس کی یاد بسانے کیلئے ہے، انسان کو چاہئے کہ وہ کسی وقت بھی اللہ کے خیال سے غافل نہ رہے، عبداللہ ابن مبارکؒ کبھی لڑکے کو دیکھتے کبھی اس کی باتوں پر غور کرتے پھر اللہ تعالیٰ کی ثناء کرتے کہ اس نوجوان کو کیسا اچھا ذہن عطاء فرمایا ہے، پھر اس لڑکے سے فرمایا کہ اے نوجوان، مجھے کوئی نصیحت کرو، اس لڑکے نے کہا کہ اے شیخ آپ عالم معلوم ہوتے ہیں، تو اگر علم اللہ تعالیٰ کیلئے پڑھا ہے تو دنیا والوں سے کسی بات کی امید نہ رکھئے اور اگر دنیاداری کیلئے پڑھا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ سے امیدیں نہ باندھئے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ بنی اسرائیل کا حاشیہ نمبر ۵۵ پڑھئے۔

قیامت کے دن سوال ہر ہر شخص سے اس کا ہوگا کہ کان سے سننے کا، آنکھ سے دیکھنے کا، دل سے سوچنے سمجھنے کا، یقین کرنے کا کام جائز اور صحیح موقعوں پر کتنا لیا اور ناجائز موقعوں پر کتنا؟ احساس ذمہ داری کی تعلیم ہر ہر فرد کو اس سے بہتر اور کہاں ملے گی؟ اس پر آج عمل ہونے لگے تو شخصی اور قومی، انفرادی و اجتماعی دونوں قسموں کے کتنے جھگڑے، قضیے آج دنیا سے مٹ جائیں۔

اسلام ہر ہر فرد کو پوری طرح ذمہ داری کے سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے، آیت سے روشنی اس مسئلہ پر بھی پڑ گئی کہ آلات حس وادراک میں اصل ذمہ داری ومسئولیت ان تین اعضاء پر ہے، کان، آنکھ اور قلب، یعنی علم سمعی پر علم بصری پر اور علم قلبی پر۔

وَلَا تَقْفُ مَالَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ" یعنی بلا تحقیق ہر سنی سنائی بات کے پیچھے نہ ہولیا کرو، فقہانے اسی آیت کے ذیل میں یہ بھی کہا ہے کہ احکام شرعی محض اپنی اٹکل سے بتا دینا یا کسی پر بغیر تحقیق کوئی الزام لگا دینا دونوں اس آیت سے ناجائز ٹھہرتے ہیں۔ (حوالہ، تفسیر سورہ بنی اسرائیل، حاشیہ نمبر ۵۵)

اقتباس

آج اس قدر القاب وآداب کی بھرمار ہے کہ حیرت ہوتی ہے مسلمانوں میں کوئی مفکر ملت ہے کوئی مجاہد ملت ہے اور معلوم نہیں کیسے کیسے شاندار القاب والے علماء ومشائخ ہیں لیکن اس کے باوجود بھی ملت کا جو حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، کام کرنے والے کام کرتے ہیں وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ان کیلئے استقبالیہ جلسے ہوں اور ان کی شان میں قصیدے پڑھے جائیں اور طرح طرح کے القاب سے نوازا جائے۔

بعض رسالوں میں دیکھا جاتا ہے کہ کسی بزرگ کے نام کے ساتھ حضرت اقدس، چشتی، نقشبندی، سہروردی جیسے القاب پوری ایک لائن میں لکھے رہتے ہیں، لفظ "اقدس" کا استعمال آج کل کسی عالم اور شیخ کے نام کے ساتھ صحیح ہے یا غلط اس کے بارے میں مفتیان کرام ہی بتا سکتے ہیں، لیکن اگر اس کا استعمال صحیح بھی ہو تو احتیاط کا تقاضا ہے کہ کسی بزرگ کے نام کے ساتھ لفظ اقدس کو چسپاں نہ کیا جائے، کیونکہ اقدس کے معنی ہوتے ہیں، جس کے اندر نہ ماضی میں کوئی عیب رہا ہو اور نہ مستقبل میں کوئی عیب ہوسکتا ہے۔

کفر و معصیت سے انسان ذلیل ہو جاتا ہے

اللہ تعالیٰ نے پیدائشی طور پر انسان کو ایک اشرف مخلوق بنایا ہے، کسی خاندان کسی ملک اور کسی برادری میں پیدا ہونے کی وجہ سے وہ دوسرے کے مقابلے میں ذلیل نہیں ہوتا، کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، اشرفیت کا معیار محض تقویٰ ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری ہے، اللہ کی اطاعت سے آدمی باعزت اور اشرف ہو جاتا ہے اور اللہ کی نافرمانی سے ذلیل اور پست ہو جاتا ہے، ابلیس اپنی عبادت و ریاضت کی وجہ سے ایک بلند مقام پر تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے ذلت و پستی کے اس مقام تک پہنچ گیا جس سے آگے پستی اور ذلت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

حیرت ہوتی ہے کہ ہندوستان کے مشرکانہ مذہب میں خاندان اور نسل کی بنیاد پر انسانوں کو مختلف طبقوں میں بانٹ کر انتہائی حد تک انسانیت کی تذلیل کی گئی، ہزاروں سال سے ہندو سماج اس طبقاتی نظام کی چکی میں پس رہا ہے، اس طبقاتی نظام کی اہم کتاب ''منوسمرتی'' ہے، اسی لئے اس کو منووادی نظام بھی کہا جاتا ہے، اس مشرکانہ منووادی نظام میں تمام انسانوں اور چوپایوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، جن کو برہمن، چھتری، ویشیہ اور شودر کے نام سے جانا جاتا ہے، ان چاروں طبقات میں سب سے اونچا اور اعلیٰ مرتبہ برہمنوں کا ہے، ان کے ذمہ دھرم کرم اور علم و فکر جیسے شعبے ہیں، وہ جیسے بھی بگڑے ہوئے ہوں لیکن ہندو سماج ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ان کا سارا مذہبی نظام انہی برہمنوں کے اشارے پر چلتا ہے۔

ویشیہ طبقہ کے ذمہ معاشی اور کاروباری امور ہوتے ہیں، چھتری برادری پر دفاعی امور، راج پاٹ چلانے اور حکومت کرنے کی ذمہ داری ہے، اور شودر طبقہ کا کام یہ ہے کہ وہ مندرجہ بالا طبقات ثلثہ کی پھیلائی ہوئی گندگی اور غلاظت کی صفائی ستھرائی کریں ان کے جوتوں اور چپلوں کو صاف کریں اور ان کی خدمت کریں۔

ان چار طبقوں میں بانٹنا ہی انسانیت کی توہین ہے، اور پھر انسانیت کی توہین و تذلیل کی یہ انتہاء ہے کہ اس غیر منصفانہ تقسیم کو جانوروں سے مشابہ قرار دے دیا گیا، چنانچہ چوپایوں کو بھی اسی لحاظ سے چار طبقات میں تقسیم کر دیا گیا، چنانچہ چوپایوں میں ہاتھی جیسے جانور برہمن ہوتے ہیں، شیر، چیتے وغیرہ چھتری ہوتے ہیں، گائے بیل گھوڑے وغیرہ ویش ہوتے ہیں، اور گیدڑ، کتے اور سیار وغیرہ شودر کے درجے میں شمار کئے جاتے ہیں۔

اس طرح کے مشرکانہ مذاہب کی بنیاد پر جو بھی نظام قائم ہوگا اس میں انسان کو کبھی انصاف نہیں مل سکتا، اور نہ کسی انسان کو عزت حاصل ہو سکتی ہے، اس کے برعکس اسلام نے انسانوں کو اس کا وہ حقیقی مقام عطاء کیا جس پر اس کی پیدائش ہوئی تھی، اسلام میں ذات، برادری، خاندان اور نسل کی بنیاد پر کوئی کسی کے مقابلے میں عزت والا

نہیں ہوتا، تمام انسان ایک ہی انسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں، اس لئے انسان کی حیثیت سے سب برابر ہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

یہاں جو بھی مقام جس کو حاصل ہوتا ہے وہ اپنے خالق کی اور پروردگار کی اطاعت اور فرماں برداری سے حاصل ہوتا ہے۔

مذہب عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اب تفسیر ماجدی جلد سوم، تفسیر سورہ بنی اسرائیل کا حاشیہ نمبر ۱۰۲ر پڑھئے۔

شرکیہ مذاہب میں تو انسان کی حالت اور بھی ذلیل اور گندی تسلیم کی گئی ہے، آیت اس باب میں نص واضح ہے کہ انسان فِی نَفْسِہٖ ایک ذی عزت اور قابل احترام مخلوق ہے، نہ جلد کے رنگ کی بنا پر کالی قومیں یا زرد قومیں حقیر و ذلیل سمجھی جا سکتی ہیں اور نہ خلاف کنبہ یا برادری میں پیدا ہو جانے کی بنا پر کسی کو اچھوت یا نیچ قرار دیا جا سکتا ہے، ہر انسان پیدائشی طور پر معزز ہی ہوتا ہے، انسان ذلیل صرف اسوقت ہوتا ہے جب وہ کفر و معصیت اختیار کر کے اپنے ہاتھوں اپنے کو اللہ کے نزدیک ذلیل و خوار کر ڈالتا ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ بنی اسرائیل، حاشیہ نمبر ۱۰۲ر)

اقتباس

اسلام نے انسانوں کو اس کا وہ حقیقی مقام عطاء کیا جس پر اس کی پیدائش ہوئی تھی، اسلام میں ذات، برادری، خاندان اور نسل کی بنیاد پر کوئی کسی کے مقابلے میں عزت والا نہیں ہوتا، تمام انسان ایک ہی انسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں، اسلئے انسان کی حیثیت سے سب برابر ہیں۔

دنیا پرستوں کا ذوق فاسد، خواہ مشائخ ہوں یا عام لوگ

آج کل بہت سے مسلم دانشوروں اور قوم وملت کی اصلاح کا جھنڈ بلند کرنے والے ہمدردوں کے اس ذوقِ فاسد اور مزاجِ غیر اسلامی پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے، ان پر مادّی ترقی اور مادّی خوشحالی کا ایسا بھوت سوار ہے کہ کوئی دینی اصلاحی اور تعلیمی قدم اٹھاتے ہیں تو اس میں بھی دنیا کو شامل کردیتے ہیں، ان کا کوئی روحانی دسترخوان بھی دنیا کی چٹنی کے بغیر نہیں ہوتا۔ بقول راقم الحروف،

ہدایا ملیں گے بنامِ بزرگی
نفع بخش کیا یہ تجارت نہیں ہے

جو اسلامی درس گاہیں خالص دین کیلئے اور آخرت کا انسان بنانے کیلئے قائم ہوتی تھیں ان کو بھی مادّی کالجوں اور یونیورسٹیوں کی دُم سے جوڑ دیا ہے، اور اسلامی درسگاہوں کے منشور میں یہ باقاعدہ اعلان کیا جاتا ہے کہ ہمارا نصاب تعلیم جدید وقدیم علوم کا سنگم ہے، یہاں جو طلبہ پڑھ کر نکلتے ہیں ان کیلئے دنیا کی ترقی کے میدان میں بھی دوڑ لگانے کا راستہ ہموار ہوجاتا ہے، اس ذوقِ فاسد کا نتیجہ ہے کہ دینی درسگاہوں میں داخلہ لیتے ہی خالص رضائے الٰہی کا مقصد فوت ہوجاتا ہے اور دنیا کی طلب بڑھ جاتی ہے، اور طلبہ علم وعمل کی روحانی برکتوں سے محروم ہوجاتے ہیں، پھر آہستہ آہستہ ان کے دلوں پر دنیا پرستی کا زنگ چھانے لگتا ہے اور ان کے دلوں پر روحانی موت طاری ہوجاتی ہے، اس ذوقِ فاسد کا نتیجہ ہے کہ دینی درسگاہوں میں داخلہ لیتے ہی خالص رضاءِ الٰہی کا مقصد فوت ہوجاتا ہے اور دنیا کی طلب بڑھ جاتی ہے، اور طلبہ علم وعمل کی روحانی برکتوں سے محروم ہوجاتے ہیں، پھر آہستہ آہستہ ان کے دلوں پر روحانی موت طاری ہوجاتی ہے۔

حضرت مالک بن دینارؒ نے حسن بصریؒ سے پوچھا کہ عالم کی سزا کیا ہے؟ فرمایا، دل کی موت، پھر پوچھا کہ دل کی موت کا کیا مطلب ہے؟ دل کس طرح مرجاتا ہے؟ تو حسن بصریؒ نے فرمایا کہ، طَلَبُ الدُّنْیَا بِعَمَلِ الْاٰخِرَۃِ'' آخرت کے عمل کے ذریعہ دنیا کی طلب سے دل مردہ ہوجاتا ہے۔ (اَلطَّبَقَات الشَّافِعِیَّۃ)

علامہ اقبالؒ نے بھی کہا تھا کہ،

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں
جس علم کا حاصل ہو جہاں میں دو کف جو

قرآن حکیم اس ذوقِ فاسد کو پسند نہیں کرتا، اصل کامیابی تو آخرت کی کامیابی ہے، دنیا اس لائق نہیں ہے کہ اسکو مقصد زندگی بنایا جائے اور دینی کام کے ساتھ دنیا کو جوڑ دیا جائے، قرآن نے بہت ہی صراحت کے ساتھ کہہ دیا

ہے کہ دنیا کی ترقی اور دنیا پرستوں کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے، کیونکہ ان کی طرف دیکھنے سے دنیا پرستی کے جراثیم دل میں سرایت کر سکتے ہیں، اللہ والوں نے یعنی جن لوگوں نے رضائے الٰہی اور آخرت کی کامیابی کو اپنا مقصد بنایا ہے وہ دنیا پرستوں، مالداروں، امیروں، رئیسوں، حاکموں اور بادشاہوں کی صحبت سے بہت دور بھاگتے ہیں۔

احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ بڑے سے بڑا بزرگ ہو، شیخ طریقت ہو لیکن اگر بہت مالدار ہے، شان وشوکت کی زندگی گذارتا ہے جیسا کہ آج کل بہت سے مشائخ اور پیروں کا حال ہے تو ان کی صحبت سے بھی بچنا چاہئے، اسی طرح علماء ومشائخ کو چاہئے کہ اپنے مالدار دنیا پرست مریدوں سے بھی زیادہ خلط ملط نہ رکھیں کیونکہ مالدار مریدوں سے اختلاط کی وجہ سے قناعت اور دنیا سے بے نیازی کا جوہر متاثر ہو سکتا ہے اور اس کی چمک زائل ہو سکتی ہے۔

میں یہاں چند واقعات نقل کر رہا ہوں جس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہمارے اہل دل اسلاف دنیاداروں اور مالداروں سے کس قدر دور بھاگتے تھے۔

حضرت میر سید علی قوام (جن کا مزار فیض بار سرائے میر اعظم گڈھ میں مشہور ومعروف ہے) فرماتے تھے کہ میں کبھی کسی دنیادار کے گھر نہیں گیا ہوں، نہ کبھی کسی دنیادار کو اپنے گھر بلایا ہے اور نہ کسی دنیادار کے پاس خادم ہی کو بھیجا ہے، یہ بھی فرماتے تھے کہ بعض لوگ کسی دنیادار کے گھر تو نہیں جاتے لیکن اس کے نام رقعہ لکھتے ہیں اور خادم کو بھیجتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں ہے، اصل میں تو دنیادار کی طرف توجہ منع ہے اور وہ رقعہ لکھنے اور آدمی بھیجنے میں بھی پائی گئی لہذا اس سے بھی بچنا چاہئے۔

(اخبار الاخیار، صفحہ ۲۲۶، بحوالہ، اہل دل کی دل آویز باتیں)

(مؤلفہ، محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ)

دینی کام میں چاہے وہ تعلیم وتعلم ہو، درس وتدریس ہو، جلسہ وسیمینار ہو، تحریر وتقریر ہو، وعظ وخطاب ہو یا بیعت وخلافت ہو، اگر دنیا کی معمولی سی بھی ملاوٹ ہو جاتی ہے تو اس کی نفع بخشی اور اثر انگیزی ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت حمدون قصارؒ سے کسی نے پوچھا کہ اگلوں کا کلام (وعظ) ہمارے کلام سے زیادہ نفع بخش کیوں ہے؟ حمدون نے فرمایا کہ اگلے بزرگ اسلام کی سربلندی، روحوں کی نجات اور اللہ کی خوشنودی کیلئے کلام کرتے تھے اور ہم نفس کی عزت، دنیا کی چاہت اور مخلوق کی عقیدت حاصل کرنے کیلئے کلام کرتے ہیں۔ (بحوالہ، طبقات کبریٰ، جلد اول، صفحہ ۷۲)

اللہ والے مالداروں کے ہدیہ ونذرانہ سے کس طرح بے نیاز رہتے تھے اسکا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے۔

نواب نظام الملک نے حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ کی خدمت میں تیس ہزار روپیہ کا نذرانہ پیش کیا، مرزا صاحب نے قبول نہیں فرمایا نظام الملک نے کہا کہ حضرت اللہ کی راہ میں ضرورت مندوں کو تقسیم

کر دیجئے، مرزا صاحبؒ نے کہا کہ میں تمہارا خانساماں اور نوکر نہیں ہوں یہاں سے نکل کر تقسیم کرنا شروع کرو گھر پہنچتے سب تقسیم ہو جائے گا۔ (بحوالہ، مقامات مظہری، صفحہ ۴۴ر)

ہمایوں بادشاہ نے بہت چاہا اور بار بار درخواست کی کہ قاضی خاں ظفر آبادیؒ کوئی نذرانہ قبول فرمالیں لیکن نہیں لیا، ایک دفعہ سادہ کاغذ اور شاہی مہر و نشان شیخ کی خدمت میں بھیج کر درخواست کی کہ جو موضع چاہیں اور جس مقدار میں چاہیں اس کی معافی کا فرمان ہماری طرف سے اس پر لکھ کر مہر و نشان لگا دیں، حضرت قاضی خان نے کہا کہ ہم کو حاجت اور ضرورت نہیں ہے اور بغیر حاجت کے مسلمانوں کا حق لینا جائز نہیں ہے، پھر ہم نے اپنے پیر کی خدمت میں عہد کیا ہے کہ، ۔

از خدا خواہم واز غیر خدا نخواہم بخدا
کہ نیم بندۂ غیر ونہ خدائے دیگر است

یعنی: میں خدا سے مانگوں گا اللہ کی قسم کسی دوسرے سے نہ مانگوں گا کہ نہ میں دوسرے کا بندہ ہوں نہ کوئی دوسرا خدا ہے۔ (بحوالہ، اخبار الاخیار، صفحہ ۲۲۷ر)

مولانا محمد احمد صاحبؒ نے بھی خوب فرمایا ہے کہ، ۔

غلط ہے غیر پر کچھ بھی بھروسہ ہو اگر مجھ کو
بجز اللہ میرا کوئی مونس ہے نہ ہمدم ہے

علماء و مشائخ کو امیروں اور مالداروں سے کس طرح بے نیاز رہنا چاہئے، اس کا اندازہ مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھیؒ کے ان اشعار سے لگایئے۔ فرماتے ہیں کہ، ۔

مال کا بندہ سمجھتا ہے تو مجھ کو اے امیر ☆ دامِ الفت میں نہیں اب تک ہوا ہے تو اسیر
تیری حاجت کچھ نہیں مجھ کو سمجھتا ہے تو کیا ☆ شکر ہے اللہ کا اللہ کا میں ہوں فقیر
اللہ اللہ مال و زر کی کیا مجھے پرواہ ہو ☆ ہے مرا اللہ حامی ہے وہی نعم النصیر

راقم الحروف کا بھی ایک شعر ہے، ۔

مدرسہ کیسے قائم ہو، بنوں میں پیر جی کیسے
کسی کے سامنے جب ہاتھ پھیلانا نہیں آتا

اب تفسیر ماجدی جلد سوم تفسیر سورہ کہف کا حاشیہ نمبر ۴۵ر پڑھئے۔
اہل طریق نے آیت کے اس ٹکڑے سے یہ استنباط کیا ہے کہ مشائخ کو نہ چاہئے کہ دنیا کے طلبگار مریدوں سے زیادہ خلا ملا رکھیں یا ان کی طرف زیادہ التفات کریں، ورنہ ان کی صحبت کے اثر سے

اندیشہ ہے کہ خود اپنے مقام سے نیچے گر جائیں۔

آیت آج کل کے بہت سے مصلحین کیلئے قابل غور ہے، آج ہر اصلاح پر زور (خواہ وہ عقائد سے متعلق ہو یا اعمال سے) سب سے زیادہ اسی پہلو سے دیا جاتا ہے کہ اس سے مسلمانوں کی مالی و معاشی حیثیت چمک جائے گی یا اس سے مسلمان سیاسی اقتدار حاصل کرلیں گے۔

وَقِسْ عَلٰى هٰذَا" غرض مقصود و مطلوب ہر اصلاح سے کسی نہ کسی پہلو اور اعتبار سے یہی دنیا اور اس کی سربلندیاں رکھی جاتی ہیں۔

تعلیم قرآنی اس ذوق فاسد سے کس درجہ اِباء کرتی ہے، یہاں تو یہ حکم مل رہا ہے کہ جن لوگوں کے پیش نظر یہی دنیوی زندگی اور اس کی چمک دمک ہے، اور جن کے قلب و دماغ یادِ الٰہی اور ذکر آخرت سے خالی ہیں اور اپنی ہی خواہش نفس اپنی ہی اسکیمیں اور منصوبہ بندیاں ان کے پیش نظر رہتی ہیں، غرض یہ کہ جن کے دل و دماغ کے کاروبار کا سارا دھندا اسی مادّی زندگی کے فروغ کے بل پر رہتا ہے، اور جن کا محورِ فکر، محورِ عمل یہی دنیوی زندگی ہے، ایسوں کی طرف کسی مسلمان کو رخ ہی نہ کرنا چاہئے۔

قرآنِ مجید پڑھنے والے اور اس پر ایمان رکھنے والے سارے لوگ سوچ لیں کہ یہ اشارے آج دنیا کی کس قوموں کی جانب ہیں، خواہ وہ یورپ کی ہوں یا امریکہ کی، افریقہ کی ہوں یا ایشیاء کی، کون اس ترقی پسندی کی شکار ہونے سے بچی ہوئی ہیں۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ کہف، حاشیہ نمبر ۴۵ر)

اقتباس

حضرت حمدون قصارؒ سے کسی نے پوچھا کہ اگلوں کا کلام (وعظ) ہمارے کلام سے زیادہ نفع بخش کیوں ہے؟ حمدون نے فرمایا کہ اگلے بزرگ اسلام کی سربلندی، روحوں کی نجات اور اللہ کی خوشنودی کیلئے کلام کرتے تھے اور ہم نفس کی عزت دنیا کی چاہت اور مخلوق کی عقیدت حاصل کرنے کیلئے کلام کرتے ہیں۔ (طبقات کبریٰ، جلد اول، صفحہ ۷۲ر)

مال اور اولاد کو آخرت کی زینت بنایا جائے

جو پھول مرجھا کر باغ میں منتشر ہو جاتا ہے اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، اس کا وجود ختم ہو جاتا ہے، لیکن اگر اسی پھول کو کوئی حسین اپنے دامن کی زینت بنالے تو اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے اور اس کے حسن میں چار چاند لگ جاتا ہے اور اس کا وجود باقی رہتا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے تمثیلی زبان میں پھول کی شکایت کا ذکر کیا ہے کہ:

نہیں یہ شانِ خودداری چمن سے توڑ کر تجھ کو
کوئی دستار میں رکھ لے کوئی زیبِ گلو کر لے

پھر علامہ اقبال نے پھول کی شکایت پر اس کو تسلی بخش جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

اسی میں دیکھ مضمر ہے کمالِ زندگی تیرا
جو تجھ کو زینتِ دامن کوئی آئینہ رو کر لے

جس طرح پھول کو زینت اور اس کو بقا و دوام اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے کہ کوئی حسین اور حسینہ اس کو اپنے دامن اور اپنے گلے کی زینت بنالے، اسی طرح وہی مال اور وہی اولاد انسان کیلئے نفع بخش ہے جس کو آخرت کی زینت بنالیا جائے اور وہ باقیات الصالحات کی فہرست میں شامل ہو جائے۔

مال بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اگر ان دونوں نعمتوں کا غلط استعمال کیا جائے تو ان کی نفع بخشی معدوم ہو جاتی ہے اور خزاں رسیدہ درخت کے پتوں کی طرح وہ جھڑ کر ضائع ہو جاتے ہیں اور ان کا وجود باقی نہیں رہتا، اگر مال و اولاد کا صحیح استعمال کیا جائے یعنی مال کو جائز طریقے سے کمایا جائے اور آخرت کی تیاری میں اس کو لگایا جائے، اولاد کی دینی تعلیم و تربیت کی جائے اور اللہ کے دین کی نصرت میں ان کو مددگار بنایا جائے تو ان کو بقا و دوام حاصل ہو جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کو اعمال باقیات الصالحات میں شامل کر لیتے ہیں، جس کا نفع دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں ان کے ذریعہ انسان اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو مال و اولاد کے صحیح استعمال کی توفیق دے۔ آمین

اب تفسیر ماجدی جلد سوم تفسیر سورہ کہف کا حاشیہ نمبر ۶۸ / پڑھئے۔

اَلْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ" محققین نے کہا کہ ہر وہ عمل یا قول جو معرفتِ الٰہی یا محبتِ الٰہی یا طاعتِ الٰہی کی طرف لے جانے والا ہو وہ اسی باقیات صالحات کی فہرست میں داخل ہے۔

زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" یعنی مال و اولاد اسی دنیوی زندگی کی بہار اور اس کا ایک ضمیمہ ہیں، تو جب

دنیا ہی کو ثبات نہیں تو اس کے تابع وضمیمہ کی بے ثباتی تو اور بڑھ کر ہوگی۔

یہ مال اور اولاد کو تحقیراً محض زینتِ حیات دنیوی کہنا خود ان کے مال و اولاد ہونے کے اعتبار سے ہے، لیکن اگر انہیں امانتِ الٰہی سمجھ کر ان ہی کو خدا پرستی اور دین طلبی کا ذریعہ بنالیا جائے اور ان سے طاعت الٰہی وخدمتِ دین کا کام لیا جانے لگے تو یہی مال و اولاد مقصود ومطلوب بن جاتے ہیں، اوران کا شمار بھی عین باقیات الصالحات میں ہونے لگتا ہے۔

محققین عارفین نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ چونکہ خود باقی، قائم اور لازوال ہے، اس کی رضا وطاعت کیلئے جو کام بھی کیا جاتا ہے وہ خود ہی حیاتِ ابدی حاصل کرلیتا ہے اور مخلوق چونکہ خود فانی ہے اسلئے رضائے مخلوق والے سارے کام خود بھی زود فنا ہوتے ہیں۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ کہف، حاشیہ نمبر ۶۸)

اقتباس

مال بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اگر ان دونوں نعمتوں کا غلط استعمال کیا جائے تو ان کی نفع بخشی معدوم ہوجاتی ہے اور خزاں رسیدہ درخت کے پتوں کی طرح وہ جھڑ کر ضائع ہوجاتے ہیں اور ان کا وجود باقی نہیں رہتا۔

اگر مال واولاد کا صحیح استعمال کیا جائے یعنی مال کو جائز طریقے سے کمایا جائے اور آخرت کی تیاری میں اس کو لگایا جائے، اولاد کی دینی تعلیم وتربیت کی جائے اور اللہ کے دین کی نصرت میں ان کو مددگار بنایا جائے تو ان کو بقاودوام حاصل ہوجاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کو اعمال باقیات الصالحات میں شامل کرلیتے ہیں، جس کا نفع دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں ان کے ذریعہ انسان اجروثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

اگر رفیق سفر من مانی کرے تو اس کو الگ کر دینا چاہئے

اللہ کی محبت کے راستے میں ہم مزاج رفیقوں اور ساتھیوں کا ہونا ضروری ہے مصلحت پرست اور نفسانی خواہشات پر چلنے والے اس راہ عشق ووفاء میں بہت خطرناک ثابت ہوتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ ابتلاء و آزمائش کی کسوٹی پر جانچتے ہیں، تاکہ خبیث اور طیب، مخلص اور غیر مخلص، وفادار اور غدار کا پتہ چل جائے، کیونکہ امتحان اور آزمائش کے وقت مخلص کے گروہ سے منافق الگ ہو جاتے ہیں، اور امتحان ہی کے وقت پتہ چلتا ہے کہ کون مخلص ہے، کون مصلحت پرست اور اپنی نفسانی خواہشات کا غلام ہے۔

محبت کی کسوٹی پر حقیقت ہوگئی عریاں
جو کہلاتے تھے دیوانے وہ نکلے ہائے فرزانے

یہ مثل مشہور ہے کہ نادان دوست سے دانا دشمن بہتر ہے، اس لئے اس راہ وفا میں سب کو اپنا رفیق اور ہمسفر نہیں بنانا چاہئے اور اگر اس طرح کے مصلحت پرست اور منافقانہ ذہن رکھنے والے اپنی چرب زبانی اور دلکش باتوں سے ساتھ ہو جائیں اور ان کی منافقانہ روش کا پردہ فاش ہو جائے تو فوراً ان کو علاحدہ کر دینا چاہئے۔

خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے خوب کہا ہے کہ،

فرزانہ جسے بننا ہو جائے وہ کہیں اور
دیوانہ جسے بننا ہو بس وہ ادھر آئے

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ کہف کا حاشیہ نمبر ۱۱۶ پڑھئے۔

مرشد تھانویؒ نے اس سے استنباط کیا ہے کہ جب مرید سے خلاف ونزاع بار بار ظاہر ہونے لگے اور مرشد کو امید اس سے مناسبت وموافقت کی نہ باقی رہ جائے تو اسے جدا کرنا درست ہے۔

(بحوالہ تفسیر سورہ کہف، حاشیہ نمبر ۱۱۶)

جنہوں نے دنیا ہی کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا ہے

اللہ تعالیٰ مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کے درجات کو بلند کرے اور حاشیہ کی ان سطروں کو آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے، اور ناقل راقم الحروف مختار اصلاحی کو بھی آخرت میں نجات پانے والوں کی فہرست میں شامل کردے۔

اس ایمان افروز حاشیہ کو اگر کوئی مسلمان صدق دل سے پڑھے تو یقیناً دنیا سے اس کی طبیعت اچاٹ ہوجائے گی، اور وہ اپنی بڑی بڑی ڈگریوں، شاندار محلوں اور بڑے بڑے منصب وعہدہ کو بھول جائے گا، بہرحال بہت ہی سوچ سمجھ کر اس دنیا میں رہنا چاہئے، دنیا کی بھول بھلیوں میں پھنس کر کہیں ایسا نہ ہو کہ موت کے وقت حسرت کے ساتھ یہ کہنا پڑے کہ،

تھی فقط غفلت ہی غفلت عیش دنیا کچھ نہ تھا
ہم جسے سب کچھ سمجھتے تھے وہ لیکن کچھ نہ تھا

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ کہف کا حاشیہ نمبر ۱۵۵/ پڑھیے۔

"اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا" یعنی ایسے لوگ جن کی ساری جدوجہد، تگ ودو، کاوش کوشش کا مدعا اولاً بھی اور آخراً بھی بس دنیا اور اس کے محظوظات رہتے ہیں، اسی دنیا اور اس کی رنگارنگ دلچسپیوں کو انہوں نے عین مطلوب بلکہ مقصود بنا رکھا ہے۔

بینک کے بڑے بڑے کھاتے، اونچے اونچے عہدے اور خطابات، اونچی اونچی کوٹھیاں، نام ونمود شہرت واعزاز، علمی ترقیاں، معاشی فلاح یابیاں، غرض ان ہی چکروں میں شروع سے آخر تک پڑے رہتے ہیں اور رضاءِ الٰہی وفلاح آخرت کا خیال بھی کبھی نہیں آتا۔

"ضَلَّ" کا لفظ بہت قابل غور ہے، ایسے لوگوں کو ساری کوششیں بس اس دنیا کے پیچھے ختم ہوجاتی غارت جاتی ہیں۔

"یَحْسَبُوْنَ" یعنی محض اپنے پندارِ باطل اور ہواءِ نفس کے موافق بغیر کسی دلیل شرعی کے اپنے مسلک اور روش کو بہتر سمجھے بیٹھے ہیں، پورا رکوع اگر ذرا بھی غور کرکے پڑھا جائے تو مومن کے دل کو تھرا دینے اور لرزا دینے کے لئے کافی ہے۔

آہ کہ آج ہم میں سے کتنے ایسے ہیں جن کی صبح وشام رات اور دوپہر سب اسی دنیا کی ادھیڑ پن میں رضاءِ مولیٰ سے بالکل منہ موڑے ہوئے گذر رہی ہے اور اپنے زعم وپندار میں اپنے کو محقق و مصلح،

شاعر و ادیب، رومانس نگار و فنکار اور آرٹسٹ اور خدا معلوم ''روشن خیالی'' کے ایجاد کئے ہوئے کیسے کیسے خوشنما القاب سے اپنے کو آراستہ سمجھتے رہتے ہیں تا آنکہ جب موت آجاتی ہے اس وقت آنکھیں کھلتی ہیں کہ ارے ہم کس دھوکے میں پڑے رہے، یہاں تو پرسش ان ''علوم و فنون و صنائع'' میں سے کسی کی بھی نہیں۔ اَللّٰھُمَّ احْفِظْنَا۔

ہندوستان اور پاکستان اور عالم اسلام پر عموماً اس وقت جو دنیا پرستی کی وباء چھائی ہوئی ہے یہ سب فیض ان ہی فرنگی قوموں کا ہے جو زبان سے اپنے کو اہل کلیسا ہی میں شمار کررہی ہیں۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ کہف، حاشیہ نمبر ۱۵۵)

اقتباس

اللہ کی محبت کے راستے میں ہم مزاج رفیقوں اور ساتھیوں کا ہونا ضروری ہے مصلحت پرست اور نفسانی خواہشات پر چلنے والے اس راہ عشق و وفاء میں بہت خطرناک ثابت ہوتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ ابتلاء و آزمائش کی کسوٹی پر جانچتے ہیں، تاکہ خبیث اور طیب مخلص اور غیر مخلص، وفادار اور غدار کا پتہ چل جائے، کیونکہ امتحان اور آزمائش کے وقت مخلص کے گروہ سے منافق الگ ہوجاتے ہیں، اور امتحان ہی کے وقت پتہ چلتا ہے کہ کون مخلص ہے، کون مصلحت پرست اور اپنی نفسانی خواہشات کا غلام ہے۔

محبت کی کسوٹی پر حقیقت ہوگئی عریاں
جو کہلاتے تھے دیوانے وہ نکلے ہائے فرزانے

جنت میں کسی طرح کی اکتاہٹ نہیں ہوگی

انسان کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ جیتا رہے اور وہ اپنی تمام آرزوؤں اور تمناؤں کی تکمیل کرتا رہے اور کبھی اکتاہٹ کا شکار نہ ہو، لیکن اس محدود دنیا میں اس کی خواہش پوری نہیں ہو پاتی، صحت ہے تو بیماری کا خطرہ، جوانی ہے تو بڑھاپے کا اندیشہ اور اگر اس نے اتفاق سے عیش وعشرت کے سامان اکٹھا بھی کر لئے تو بھی بہت جلد اکتاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔

حقیقت ہے کہ ہماری آرزوؤں اور تمناؤں کا محل جنت ہے، لیکن یہ جنت اسی کے حصہ میں آئے گی جو دنیا میں رہ کر آخرت کیلئے اس کی تعمیر کرے گا، جس نے دنیا کو اپنی آرزوؤں کا محل بنالیا اس کو محرومی کے سوا کچھ نہیں ملے گا، آخرت کے تصور سے جو لوگ محروم ہیں ان کی زندگی کا جائزہ لیجئے تو وہ بے چارے ہر وقت پریشان ہی نظر آئیں گے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اکتاہٹ کا شکار ہو کر اپنے مکان اور اپنی گاڑی کو بدلتے رہتے ہیں، دیہات کی زندگی سے اکتاہٹ ہو جاتی ہے تو شہر کا خواب دیکھنے لگتے ہیں، لیکن شہر میں بھی خاطر خواہ سکون نہیں مل پاتا، اگر مال و دولت کی فراوانی ہے تو نیا فلیٹ بدلتے رہتے ہیں، بہر حال کسی صورت میں بھی ان کی اکتاہٹ دور نہیں ہوتی، شدید بیماری اور بڑھاپے کی حالت میں تو زندگی سے اکتا ہی جاتے ہیں اور اس شعر کی تصویر نظر آتے ہیں۔ ؎

ناکام تمنا دل اس سوچ میں رہتا ہے
یوں ہوتا تو کیا ہوتا، یوں ہوتا تو کیا ہوتا

اسی اکتاہٹ، مایوسی اور بے چارگی کی حالت میں اس دنیا سے چلے جاتے ہیں، لیکن جنت، آرزوؤں اور تمناؤں کی تکمیل کا ایسا حسین محل ہے جہاں نہ اکتاہٹ ہوگی، نہ جھنجھلاہٹ ہوگی، نہ مکان بدلنے کی خواہش ہوگی، بہر حال جنت میں دائمی عیش وعشرت کا جو عالم ہوگا اس کا تصور بھی دنیا میں محال ہے۔

اب تفسیر ماجدی جلد سوم، تفسیر سورہ کہف کا حاشیہ نمبر ۱۵۸ پڑھئے۔

یعنی جنت کی ان لازوال اور نت نئی نعمتوں میں رہنے والوں کو نہ کوئی بے دخل کر سکے گا اور نہ وہ از خود وہاں سے نکلنے کی خواہش کریں گے، وہاں کے ماحول میں کسی قسم کی اکتاہٹ کسی قسم کی بدمزگی کا نام ونشان بھی نہ ہوگا۔

لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا" جنت اپنی ان گنت نعمتوں، راحتوں اور لذتوں کے ساتھ ان کیلئے ہر لحہ اور ہر آن ایک نئی کشش رکھے گی، اس لئے اہل جنت اپنی تبدیلی چاہیں گے بھی تو آخر کیوں؟

ہر لحظہ جمال خود نوع دگر آرائی ☆ شورِ دگر انگیزی شوقِ دگر افزائی

وہ عالم، کُلَّ یَوۡمٍ ھُوَفِیۡ شَاۡنٍ" کے ظہور کامل کا ہوگا، لامحدود حسن و جمال والا مظاہرہ اپنے اسی لامحدود حسن و جمال کا کررہا ہوگا، بس اس نا متناہی، غیر منقطع، نت نئی لذتوں اور راحتوں سے کسی کے گھبرانے اکتانے کا کوئی سوال ہی نہ پیدا ہوگا۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ کہف، حاشیہ نمبر ۱۵۸)

۞ ۞

دنیا کی ترقی کو معیار فضیلت سمجھنا ہی حماقت ہے

ہمیشہ سے جاہل دنیا پرست اور کافرو مشرک اپنی مادّی خوش حالی دنیاوی ترقی، مال و اسباب کی فراوانی، اپنے شاندار مکانات، اعوان و انصار کی کثرت، اور اپنی شاندار مجلسوں کے سلسلے میں غلط فہمی کا شکار ہیں اور اسکو اس بات کی علامت سمجھتے ہیں کہ، ہم حق پر ہیں، اور اہل ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں کہ دیکھو یہ لوگ جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے آپ کو بہت اللہ والا سمجھتے ہیں لیکن وہ کس طرح فقرو فاقہ کا شکار ہیں، نہ ان کے پاس شاندار مکانات ہیں، نہ زمانے کے لحاظ سے ان کی مجلسیں ہیں، چند غریبوں اور فاقہ مستوں کی جماعت ہے، اس لئے ہم ان سے افضل ہیں، اگر ہم ان فاقہ مستوں کے مقابلہ میں افضل نہ ہوتے تو ہم پر اللہ کی نعمتوں کی بارش نہ ہوتی۔

قرآن حکیم نے ان کے اس جاہلی استدلال کی سختی کے ساتھ تردید کی ہے کہ فضیلت کا معیار مال دولت کی فراوانی نہیں ہے، فضیلت کا معیار تو اللہ کا خوف اور اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری ہے دنیا عارضی، چندروزہ ہے یہاں اللہ کے باغیوں اور نافرمانوں کو بھی دنیا کا چندروزہ سامان دے دیا جاتا ہے، اللہ کے نزدیک اس حقیر دنیا کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ راقم الحروف کا ایک شعر ہے:

بڑے احمق ہیں جو دنیا پہ فخر و ناز کرتے ہیں
ہمیں تو مچھروں کے پر پہ اترانا نہیں آتا

آج کل کے جاہل دنیا پرست بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں، غیروں کو تو چھوڑیئے جو مسلمانوں میں اپنے آپ کو دانشور اور پڑھا لکھا سمجھتے ہیں ان میں سے بھی زیادہ تر اسی طرح کے لوگ ہیں، وہ بھی دنیا کی اس ترقی کو کامیابی اور فضیلت کا معیار سمجھتے ہیں، آخرت سے ان کی آنکھیں بند رہتی ہیں، وہ بھی مسلمانوں کو اسی مادّی ترقی کی ترغیب دیتے ہیں، آج کل کے وہ جاہل، روشن خیال، دنیا پرست، نام نہاد، مسلم دانشور جن کے سروں پر دنیا کی ترقی، عصری تعلیم، کالج اور یونیورسیٹی کا بھوت سوار ہے، میں ان سے کہتا ہوں کہ مسلمانوں کے زوال کا سبب وہ نہیں ہے جس کو تم سمجھتے ہو، تم ہزار اپنے آپ کو ترقی یافتہ سمجھو لیکن تم کو حقیقی ترقی اور کامیابی کی ہوا بھی نہیں لگی ہے، تمہارا دماغ اس قدر بگڑ گیا ہے کہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہوگئی ہے، اگر تم قارون، فرعون، ہامان، اور دیگر بہت سے دنیا پرست سرمایہ داروں کو ترقی یافتہ سمجھتے ہو تو ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

ہمارے لئے تو ترقی کا معیار، حضرت بلال ؓ، حضرت سلمان فارسی ؓ، حضرت ابوذر غفاری ؓ، حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ اور تمام صحابہ کرام ؓ ہیں، ان کو نظر انداز کر کے جو لوگ ترقی کرنا چاہتے ہیں ہم ان سے بیزار ہیں اور دعاء کرتے ہیں کہ آخرت کو نظر انداز کر کے جو بھی ترقی کی جائے اللہ تعالیٰ اس سے ہم کو محفوظ رکھے۔

علامہ اقبال نے سچ کہا ہے کہ:

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ مریم کا حاشیہ نمبر ۱۰۸ پڑھئے۔

یہ جاہلی استدلال آج جس زور و شور سے پیش کیا جا رہا ہے، شاید پہلے بھی کبھی نہ ہوا ہو، صرف اہل باطل ہی نہیں، بلکہ ان سے مرعوب بہت سے مسلمان بھی مسیحی قوموں، مشرک قوموں، لامذہب قوموں کی مثالیں پیش کر کر کے پکار پکار کر مسلمانوں سے کہہ رہے ہیں کہ ان کی ترقیاں دیکھو ان کی دولت، حکومت، عظمت، جاہ ثروت دیکھو، ان کی اقبال مندی پر نظر کرو، اور تم اگر اپنی ترقی اور رفاہ چاہتے ہو تو انہی کے طریقے اختیار کرو، ان ہی کی روش پر چلو اور یہی کرو جو یہ ''ترقی یافتہ'' اقبال مند، قومیں کر رہی ہیں ترقی و فلاح، نام ہی انہی دنیا پرست و آخرت فراموش قوموں کی اندھا دھند تقلید کا پڑ گیا ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ مریم، حاشیہ ۱۰۸)

اقتباس

ہمارے لئے تو ترقی کا معیار، حضرت بلال ؓ، حضرت سلمان فارسی ؓ، حضرت ابوذر غفاری ؓ، حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ اور تمام صحابہ کرام ؓ ہیں، ان کو نظر انداز کر کے جو لوگ ترقی کرنا چاہتے ہیں ہم ان سے بیزار ہیں اور دعاء کرتے ہیں کہ آخرت کو نظر انداز کر کے جو بھی ترقی کی جائے اللہ تعالیٰ اس سے ہم کو محفوظ رکھے۔ آمین

اللہ کی معیت سے بڑھ کر تسلی بخش اور کیا چیز ہو سکتی ہے

اس کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کا نام لیجئے تو وہ اسی وقت آپ کے پاس موجود ہو، یعنی نام کے ساتھ اس کا مسمّی آپ کے ساتھ نہیں ہوگا اسوقت میں جین پور (اعظم گڈھ) میں موجود ہوں اور میرا ایک دوست یہاں سے کچھ دور ہے، میں اس کا نام لے رہا ہوں لیکن میں اس کو اپنے پاس موجود نہیں پار ہا ہوں، بس اللہ ہی کی ایک ذات ہے کہ جب بھی اسکا نام لیجئے وہ آپ کے ساتھ ہے، یہی وجہ تو ہے کہ مصیبت کے وقت اپنے کسی بڑے سے بڑے مددگار کو بلایئے وہ آپ کی مدد کیلئے فوراً حاضر نہیں ہو سکتا۔

اسی لئے مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے فرمایا ہے کہ:

جب وقت پڑا نازک اپنے ہوئے بیگانے
ہاں کام اگر آیا تو نام ترا آیا

بعض لوگوں کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ اگر کسی عظیم شخصیت کی سرپرستی حاصل رہتی ہے تو وہ مست رہتا ہے اور کہتا پھرتا ہے کہ مجھے کیا غم ہے، حکومت میرے ساتھ ہے، فلاں فلاں بڑے لوگ میری حمایت میں ہیں، جب کہ دنیا کے یہ سارے سہارے جھوٹے ثابت ہو جاتے ہیں۔

مسلمان اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے وہ سب پر غالب اور قاہر ہے پھر بھی ان پر خوف و ہراس طاری ہے، اسلام دشمن طاقتوں سے خائف ہیں اور ڈرتے ہیں، مسلمانوں کو تو دنیا کی تمام طاقتوں سے بے خوف ہونا جانا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کی معیت کے احساس سے ان کے دل کو باغ باغ رہنا چاہئے۔ مولانا محمد احمد صاحبؒ نے خوب فرمایا ہے کہ:

اگر معیت نہ ہو ان کی تو گھبراؤں گلستاں میں
اگر وہ ساتھ ہوں صحراء میں گلشن کا مزا پاؤں

اللہ تعالیٰ کی معیت اور اللہ تعالیٰ کے استحضار کے بعد غیر اللہ کا خوف دل سے کس طرح نکل جاتا ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے لگا سکتے ہیں۔

شیخ محمد بن مبارک کرمانیؒ (متوفی ۷۷۰ھ) اپنی کتاب سیر الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ سلطان محمد تغلق نے شیخ قطب الدینؒ منور کو دہلی طلب کیا، انہوں نے بادشاہ کو تعظیمی سلام نہیں کیا تھا، اسی پر سرزنش اور عتاب مقصود تھا، جب وہ دربار میں داخل ہوئے اور ایوان شاہی میں پہنچے تو دیکھا، تمام امراء، وزراء، حکام اور درباری ہتھیار لگائے ہوئے مؤدب انداز میں کھڑے ہیں اور شوکت سلطانی سے کانپ رہے ہیں۔

شیخ کے ساتھ ان کے صاحبزادے نورالدین بھی تھے، جو اسوقت بہت کم عمر تھے اور انہوں نے ایسا مرعوب کن منظر کبھی نہیں دیکھا تھا، وہ دیکھ کر ڈر گئے اور مرعوب ہونے لگے، شیخ قطب الدین نے یہ دیکھ کر بہت بلند آواز کے ساتھ ان سے کہا کہ، بابا نورالدین، اَلْعَظْمَۃُ لِلّٰہ (بڑائی اور عظمت صرف اللہ کی ہے) نورالدین بیان کرتے ہیں کہ یہ آواز سنتے ہی میں نے اپنے اندر ایک عجیب قوت محسوس کی، ساری ہیبت یکلخت کافور ہوگئی اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ یہ انسان نہیں ہیں بلکہ بھیڑ اور بکری ہیں۔ (بحوالہ، سیرالاولیاء)

علامہ حمید الدین فراہیؒ نے بہت ہی ایمان افروز شعر کہا ہے:

چشم بر شوکت شاہی نہ کشایم ہرگز
کہ نگاہم بسوئے شوکت و شان دگراست

کسی اردو شاعر نے بھی خوب کہا ہے کہ:

بپھری ہوئی موجیں ہوں کہ طوفان بلا ہو
جب اس کا سہارا ہے تو کس بات کا ڈر ہے

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ طٰہٰ کا حاشیہ نمبر۴۶ پڑھئے۔

کسی سب انسپکٹر کو اگر وائسرائے کہہ دے کہ فلاں ڈاکو سے مقابلہ کرنے میں تم اندیشہ نہ کرو ہم خود مع اپنی ساری قوت کے تمہارے ساتھ ہوں گے، تو وہ کیسا باغ باغ ہو جائے گا، اور اسے کیسا زبردست سہارا ہاتھ آجائے گا، پھر یہاں تو بندہ کو کسی برتر بندہ کا نہیں خدا کا سہارا ہاتھ آرہا تھا، ڈھارس بندھانے اور ہمت بڑھانے کی اس سے بڑھ کر صورت خیال میں نہیں آسکتی۔ (بحوالہ، سورہ طٰہٰ حاشیہ نمبر۴۶)

❁ ❁

آثارِ کفر وشرک کو مٹانا اوران کی توہین مستحب ہے

کفر وشرک اور معصیت کوختم کرنے کیلئے اسلامی اصول سے زیادہ مؤثر دنیا میں کسی مذہب ومسلک کے اصول نہیں ہیں، دنیا سے برائیوں کا خاتمہ صرف اسلامی اصول وقوانین ہی سے ہوسکتا ہے، کیوں کہ اسلام جہاں کفر وشرک اور معصیت کوختم کرنا چاہتا ہے وہیں کفر ومعصیت کے نشانات کو بھی مٹاتا ہے۔

مثال کے طور پر اگر شراب حرام ہے تو جن پیالوں میں شراب پی جاتی ہے اور جن مٹکوں میں رکھی جاتی ہے ان کو بھی توڑنے کا حکم دیتا ہے، اگر لکڑی یا پتھر کا کھمبا بنا کر لوگ پوجتے ہیں تو اسلام ان کھمبوں کو بھی توڑنے اور ان کا نام ونشان مٹانے کا حکم دیتا ہے، تاکہ شراب کے پیالوں، مٹکوں کو دیکھ کر پینے اور بت پرستی کے کھمبوں کو دیکھ کر پھر بت پرستی کا جذبہ انسان کے نفس میں بیدار نہ ہو۔

اسی طرح ٹائی یہود کا شعار ہے، اس کو گلے میں نہیں لٹکانا چاہئے، جو مسلمان کراس (+) کا نشان اپنے مطب اور اپنے ہسپتال میں لگاتے ہیں وہ بھی صلیب کی علامت ہے، اس کو بھی مٹا دینا چاہئے۔

کسی کالج اور یونیورسٹی کے ساتھ اگر چہ لفظ مسلم کا ٹائٹل لگا ہو یا اس کے ساتھ کسی مسلم شخصیت کا نام چسپاں کردیا گیا ہو، اگر اس سے دین کو نقصان پہنچتا ہو، وہاں خدا فراموش اور آخرت سے بے نیازی کا ماحول ہو اور طلبہ غیر اسلامی تہذیب کے دھارے میں بہہ رہے ہوں، تو اس کی حیثیت اس عبادت خانہ کی ہے جس کے ساتھ مدینہ کے منافقوں نے لفظ مسجد کو چسپاں کردیا تھا اور ان کا منصوبہ یہ تھا کہ اس کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جائے، اس لئے اس کا نام ہی مسجد ضرار ہوگیا تھا، اس کو اللہ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے جلانے اور منہدم کرنے کا حکم دے دیا تھا، تو اگر ان کالجوں، یونیورسٹیوں اور انگلش میڈیم نرسری اسکولوں کے ماحول کو اسلامی نہ بنایا جائے تو ان کے نام ونشان کو مٹا دینا ہی بہتر ہے، تاکہ مسلم نوجوانوں اور ملت کو دینی لحاظ سے نقصان نہ پہنچ سکے۔

علامہ اقبالؔ نے اسی طرح کے اداروں کے بارے میں کہا تھا کہ،

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

اسی طرح وہ کتابیں، وہ لٹریچر، وہ رسائل واخبارات جن کو پڑھ کر دین سے دوری پیدا ہو جائے ان کو بھی جلا دینا چاہئے۔ بقول اکبر الہ آبادی،

ہم ایسی سب کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کر بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

جب حضرت موسیٰ کوہِ طور سے واپس تشریف لائے اور دیکھا کہ قوم کے لوگ گوسالہ پرستی میں مبتلا ہیں، بچھڑے کو معبود بنا رکھا ہے، تو آپ نے بچھڑے کے موجد سامری کو اچھوت قرار دے دیا اور ہر شخص کو اس کے پاس جانے اور اس سے ملنے سے منع کر دیا، پھر اس سے خطاب کر کے کہا کہ جس بچھڑے کو تم پوج رہے اور اللہ کے علاوہ اس کو معبود بنا رکھا ہے تو دیکھو اس کا حشر تمہارے سامنے کیا ہو رہا ہے۔

لَنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ ہم ابھی اس کو جلائے دیتے ہیں پھر اس (کی راکھ) کو دریا میں بہائے دیتے ہیں۔ (سورۂ طٰہٰ)

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورۂ طٰہٰ کا حاشیہ نمبر ۱۱۶ پڑھئے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ آثار کفر و شرک کا مٹانا اور ان کی توہین مستحب ہے اور کسی نیت باطل یا ادعاء فاسد کی رعایت ہرگز ضروری نہیں جس طرح گوسالہ میں اثر رسول کی اور مسجد ضرار میں اسم مسجد کی کچھ بھی رعایت نہ کی گئی تعزیہ اور ضریح والے اور عرس اور میلے والے کاش ان حقائق پر غور کریں۔

(بحوالہ تفسیر سورۂ طٰہٰ، حاشیہ نمبر ۱۱۶)

اقتباس

کفر و شرک اور معصیت کو ختم کرنے کیلئے اسلامی اصول سے زیادہ مؤثر دنیا میں کسی مذہب و مسلک کے اصول نہیں ہیں، دنیا سے برائیوں کا خاتمہ صرف اسلامی اصول و قوانین ہی سے ہو سکتا ہے، کیوں کہ اسلام جہاں کفر و شرک اور معصیت کو ختم کرنا چاہتا ہے وہیں کفر و معصیت کے نشانات کو بھی مٹاتا ہے۔

دل کی تنگی کا مفہوم

ایک بچی کیلئے سکون اور راحت کا ذریعہ ماں کی آغوشِ شفقت ہے، اگر ماں کو چھوڑ کر وہ پلاسٹک کی بنی ہوئی گڑیا کے ذریعہ سکون حاصل کرنا چاہے تو اس کو کبھی سکون نہیں مل سکتا، کیونکہ ماں کی گود کے سامنے پلاسٹک کی غیر نفع بخش گڑیا کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اس دنیا کی ہر چیز فانی زوال پذیر اور چند روزہ ہے اور اس زمین پر سب سے اشرف مخلوق انسان ہے، مقام و مرتبہ میں کائنات کی ہر چیز انسان کے مقابلے میں پست ہے، اس کے اوپر صرف اللہ کی زندہ جاوید ہستی ہے جو ساری کائنات کا مالک اور پروردگار ہے، جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، جس کی نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہا، جس کو فنا اور زوال نہیں، اگر انسان اپنے پروردگارِ حقیقی کو چھوڑ کر دنیا کی فانی چیزوں سے دل لگائے تو اس کو کبھی سکون نہیں مل سکتا، اس کا حال اسی نادان بچی جیسا ہے جو ماں کی گود کو چھوڑ کر پلاسٹک کی گڑیا سے دل لگا رہی ہے، انسان جیسی برتر مخلوق کو اگر سکون مل سکتا ہے تو صرف اللہ کی یاد اور اللہ کی معرفت و محبت سے مل سکتا ہے۔

کسی فلسفی نے خوب کہا ہے کہ،

Our soul may never rest in things that are beneath itself.

یعنی: ہماری روح کبھی ان چیزوں میں سکون نہیں پاسکتی جو خود اس سے نیچی ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے وہ زیادہ پریشان رہتے ہیں، اسباب عیش و نشاط کی فراوانی کے باوجود بھی وہ دل کے سکون سے محروم رہتے ہیں، ان کا دل اس قدر تنگ ہو جاتا ہے کہ اس میں خوشیوں کی ہوائے نسیم داخل نہیں ہو پاتی، معمولی مصیبت سے بھی ان کا دم گھٹنے لگتا ہے، ہر وقت، اس چندروزہ، زوال پذیر دنیا کا چکران کے دل کو غموں کا آتش نشاں بنا دیتا ہے۔

راقم الحروف کا شعر ہے،

اب تک بنا سکے نہ ہم ان کے غم کو غم اپنا
راحتوں کے ساماں ہیں گھٹ رہا ہے دم اپنا

اللہ کی محبت، معرفت اور اللہ کے ذکر کی برکت سے بندۂ مومن کا دل غم پروف ہوتا ہے، غموں کی بڑی بڑی طوفانی لہریں اٹھتی ہیں اور اس کے دل کے دیوار سے ٹکرا کر واپس چلی جاتی ہیں، اس کا دل اس سے متاثر نہیں ہوتا اس کے برعکس اللہ سے تعلق نہ ہونے کی وجہ سے کافروں، مشرکوں اور دنیا پرستوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ خوشیوں کا ساحل، ان کیلئے غموں کا سمندر ہو جاتا ہے، ان کا دل اتنا تنگ ہو جاتا ہے کہ مصائب و حادثات کی معمولی لہروں

کو بھی نہیں برداشت کر پاتا اس لئے بہت سے دنیا پرست خودکشی پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

سچ ہے کہ،

ان کو ساحل پر بھی طغیانی ملی
ہم کو طوفانوں میں بھی ساحل دیا

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ طٰہٰ کا حاشیہ نمبر ۱۵۱ ر پڑھیے۔

آخرت کی طرف سے بے خبر اور بے فکر اور قناعت و توکل کے مفہوم سے نا آشنا رہنے کا لازمی اور قطعی نتیجہ یہ ہے کہ انسان ساری عمر مال کی طلب میں، جاہ کی حرص میں، ترقی کی فکر و ہوس میں نقصان اور کمی کے غم و اندیشہ میں گھل گھل کر گذارے اور اس لئے آیت میں تنگی کا تعلق قلب سے ارشاد ہوا ہے۔

بڑے بڑے دولت مندوں، خوشحالوں، کی خودکشی کر لینے کی خبریں جو آئے دن اخبارات میں چھپی رہتی ہیں، سب اسی تنگیٔ قلب کے شواہد ہیں۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ طٰہٰ، حاشیہ نمبر ۱۵۱)

اقتباس

اس دنیا کی ہر چیز فانی زوال پذیر اور چندروزہ ہے اور اس زمین پر سب سے اشرف مخلوق انسان ہے، مقام و مرتبہ میں کائنات کی ہر چیز انسان کے مقابلے میں پست ہے، اس کے اوپر صرف اللہ کی زندہ جاوید ہستی ہے جو ساری کائنات کا مالک اور پروردگار ہے، جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، جس کی نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہا، جس کو فنا اور زوال نہیں، اگر انسان اپنے پروردگارِ حقیقی کو چھوڑ کر دنیا کی فانی چیزوں سے دل لگائے تو اس کو کبھی سکون نہیں مل سکتا، اس کا حال اسی نادان بچی جیسا ہے جو ماں کی گود کو چھوڑ کر پلاسٹک کی گڑیا سے دل لگا رہی ہے، انسان جیسی برتر مخلوق کو اگر سکون مل سکتا ہے تو صرف اللہ کی یاد اور اللہ کی معرفت و محبت سے مل سکتا ہے۔

مال و دولت وہی قابل قدر ہے جو آخرت میں کام آئے

اگر آپ ہندوستان کے شہری ہیں اور چند سالوں کیلئے عارضی ویزا پر کسی دوسرے ملک چلے جائیں اور وہاں کوئی کاروبار شروع کردیں تو یہ بتائیے کہ اس دوسرے ملک میں جہاں آپ روپیہ کمارہے ہیں اور سامان خرید رہے ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ جب ویزا کی مدت ختم ہوجائے گی تو وہاں سے زبردستی آپ کو ہندستان بھیج دیا جائے گا جہاں کے آپ مستقل شہری ہیں تو ایسی صورت میں دوسرے ملک میں جو کچھ آپ کماتے تھے اس میں سے کون چیز آپ کے کام آئے گی ظاہر ہے وہی سامان اور وہی روپیہ آپ کے کام آئے گا جس کا تعلق آپ کے اصلی وطن سے ہے، اگر آپ نے سارا سامان اور اپنا کمایا ہوا سرمایہ اسی عارضی ملک میں خرچ کردیا تو وہ آپ کے کام نہیں آئے گا، وہاں کی بلڈنگ وہیں رہ جائے گی وہاں کا سامان عیش ونشاط وہیں رہ جائے گا، وہاں جو کچھ بھی آپ نے جمع کیا ہے سب کو چھوڑ دینا پڑے گا۔

یہی حال اس دنیا اور آخرت کا ہے، دنیا میں چند روزہ قیام ہے اور مستقل رہائش آخرت میں ہوگی، اصلی اور دائمی وطن آخرت ہی ہے اسلئے آپ کیلئے وہی مال ودولت قابل قدر ہے جو آخرت میں کام آئے، جو چیز آخرت میں کام نہ آئے وہ اپنی ہے ہی نہیں، لیکن آج کل زیادہ تر لوگوں کا حال یہ ہے کہ جو چیز آخرت میں کام نہ آئے اسی کے چکر میں رات دن رہتے ہیں اور اپنا زیادہ تر سرمایہ دنیا ہی کی تعمیر میں خرچ کردیتے ہیں، اس سے بڑی حماقت کوئی ہو ہی نہیں سکتی کہ جہاں مستقل رہنا ہے اسکو تو ویران کردیا جائے اور آباد اس عارضی جگہ کو کیا جائے جس کو چھوڑ کر جانا ہے۔

۱۹۱۳ء میں جب انگریز نئی دہلی میں اپنا شاندار دارالسلطنت تعمیر کررہے تھے تو اس زمانہ میں فرانس کے ایک لیڈر نے ہندوستان کا دورہ کیا اور اس عظیم الشان عمارت کو دیکھ کر تبصرہ کیا کہ،

What a magnificent world they built to leave.

''انہوں نے یہ کیسی شاندار دنیا بنائی ہے صرف چھوڑنے کیلئے''

اس فرانسیسی لیڈر کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ اب حالات اس طرح کے پیدا ہوگئے ہیں کہ انگریز ہندوستان چھوڑنے پر مجبور ہوجائیں گے، اور جب یہ طے ہے کہ جب اس ملک کو چھوڑ دینا ہے تو اس طرح کی شاندار عمارت بنانا اور اس کی تعمیر میں اپنا قیمتی سرمایہ خرچ کرنا حماقت ہے، لیکن اس سے بڑھ کر احمق اور نادان وہ لوگ ہیں جو دنیا کیلئے آخرت برباد کردیتے ہیں۔ راقم الحروف کا شعر ہے،

ریت کی دیوار پر تعمیر سے کیا فائدہ
قصر جو خود گرنے والا ہے اٹھا کر کیا کروں

اب تفسیر ماجدی جلد سوم، تفسیر سورہ طٰہٰ کا حاشیہ نمبر ۱۶۲/ پڑھئے۔

آیت کے اس مختصر ٹکڑے میں اس مادّی دنیا، اس کی آرائشوں، زینتوں، تکلفات کی کل کائنات بیان کردی کہ پورے تسلسل حیات سے جو یہاں سے لے کر آخرت تک ہے قطع نظر کر کے صرف اس مادّی دنیا پر قناعت کر لینا کس درجہ حمق اور خام خیالی ہے، مال و دولت صرف وہی قابل قدر ہے جو آئندہ کی ابدی و دائمی زندگی میں بھی کام آنے والا ہو۔

بخاری کی مشہور حدیث ہے، "كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ" دنیا میں اس طرح رہو کہ گویا غریب الوطن ہو یا مسافر راہ رو۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ طٰہٰ، حاشیہ نمبر ۱۶۲/)

❁❁

اقتباس

دنیا میں چندروزہ قیام ہے اور مستقل رہائش آخرت میں ہوگی، اصلی اور دائمی وطن آخرت ہی ہے اس لئے آپ کیلئے وہی مال و دولت قابل قدر ہے جو آخرت میں کام آئے، جو چیز آخرت میں کام نہ آئے وہ اپنی ہے ہی نہیں، لیکن آج کل زیادہ تر لوگوں کا حال یہ ہے کہ جو چیز آخرت میں کام نہ آئے اسی کے چکر میں رات دن رہتے ہیں اور اپنا زیادہ تر سرمایہ دنیا ہی کی تعمیر میں خرچ کردیتے ہیں، اس سے بڑی حماقت کوئی ہو ہی نہیں سکتی کہ جہاں مستقل رہنا ہے اس کو تو ویران کردیا جائے اور آباد اس عارضی جگہ کو کیا جائے جس کو چھوڑ کر جانا ہے۔

دنیا کی کمائی مقصد نہیں ہے بلکہ مقصد دین واطاعت ہے

ٹرین میں آپ بیٹھے ہیں آپ کی منزل بمبئی ہے، راستے میں بے شمار دلکش مناظر آپ کے سامنے آتے ہیں، خوشنما باغ وچمن، لہلہاتی فصلیں، شاندار عمارتیں، دلکش تفریحی مقامات، دریا کے دلکش نظارے، بیچ بیچ میں مختلف شاندار اسٹیشن، لیکن اس طرح کے سارے جاذب نظر اور دلکش مناظر کو چھوڑتے ہوئے آپ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتے ہیں، دورانِ سفر کسی تفریحی مقام پر اتر کر اس سے لطف اندوز ہونے کی کوشش نہیں کرتے، کیوں کہ آپ کو یقین ہے کہ اگر دورانِ سفر کہیں ٹھہر گئے تو پھر منزل تک پہنچ نہیں پائیں گے۔

یہی حال دنیا سے آخرت کے سفر کا بھی ہے، انسان کی حقیقی منزل آخرت ہی ہے، دنیا میں اگر کوئی ٹرین چھوٹ گئی تو بہت بڑا حادثہ نہیں ہوگا، لیکن آخرت اور جنت کی ٹرین کو چھوڑ کر دنیا کے مختلف مناظر سے لطف اندوز ہونے لگیں گے تو پھر کامیابی کے ساتھ آخرت کے اس پلیٹ فارم پر نہیں پہنچ پائیں گے، جہاں فرشتے نیک لوگوں کا استقبال کرنے کیلئے انتظار کرتے ہیں۔

اس لئے عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ آخرت کی کامیابی کیلئے دنیا کی ہر چیز کو قربان کر دیا جائے اور جنت کی طرف جانیوالے راستے میں جو بھی دیوار حائل ہو اس کو گرا دیا جائے اور دنیا کے کسی بڑے سے بڑے نقصان کا خیال نہ کیا جائے، دین کیلئے دنیا کے ہر فائدے کو قربان کیا جا سکتا ہے لیکن دنیا کیلئے آخرت کو نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا۔

آخرت کی کامیابی اور جنت کی منزل کی طرف جس کی نظر ہوتی ہے اس کا حال ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ مولانا محمد احمد صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ:۔

اسے نسیانِ کامل غیر سے واللہ ہوتا ہے
عجب کچھ شان دیکھی میں نے بیمار محبت میں

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا کے لئے نہیں پیدا کیا ہے، دنیا تو آخرت کی تیاری کے لئے ہے جہاں تک دنیا میں کچھ بشری ضرورتوں کا تعلق ہے روٹی روزی کا مسئلہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے خود اس کی ذمہ داری لے لی ہے بس اتنی اجازت دی ہے کہ دنیا سے بقدر ضرورت تعلق رکھا جائے اور پوری تیاری آخرت کیلئے کی جائے۔

آخرت کے مسافر کیلئے یہاں ایک واقعہ نقل کر رہا ہوں جو بہت سبق آموز ہے، ایک مرتبہ مجنوں ایک اونٹنی پر سوار ہو کر لیلیٰ کی ملاقات کیلئے جا رہا تھا اس اونٹنی کا ایک بچہ بھی تھا اس کے پیچھے چل رہا تھا، اونٹنی کا یہ حال تھا کہ ایک قدم آگے بڑھاتی تھی پھر اپنے بچے کی محبت میں دو قدم پیچھے بڑھا کر اسکو دیکھ لیتی تھی، مجنوں نے جب دیکھا کہ اگر اس کی اونٹنی اسی طرح دو قدم پیچھے بڑھاتی رہی اور ایک قدم آگے تو اس کا مطلب ہے کہ منزل دور ہوتی

پچھڑ جائے گی اور لیلیٰ کی ملاقات ناممکن ہو جائے گی۔ چنانچہ اس کی زبان پر یہ کلمہ جاری ہو گیا کہ:

هَوِیْ نَاقَتِیْ خَلْفِیْ وَقُدَّامِی الْهَوٰی

اِنِّیْ وَاِیَّاهَا لَمُخْتَلِفَانِ

یعنی: میری اونٹنی کا محبوب پیچھے ہے اور میرا محبوب آگے ہے، اس لئے دونوں کی منزلوں کے درمیان مشرق و مغرب کا فرق ہے۔

یہ شعر پڑھتے ہوئے اونٹنی کی پشت سے کود گیا اور کولھے میں چوٹ آگئی تو گھسٹ گھسٹ کر لیلیٰ تک پہنچا۔ ایک فانی چیز کی محبت میں ایک عاشق کا یہ حال ہے کہ راہِ وفا میں اگر اسکی سواری بھی حائل ہو تو اس کو بھی چھوڑ دیتا ہے تو جن لوگوں نے اللہ کی خوشنودی کے مقام جنت کو اپنی منزل بنایا ہے، جو دائمی ہے تو اس عظیم مقصد کیلئے ہر طرح کی قربانی بصد شوق دینا چاہئے، اس راہ میں بیوی بچے خاندان، رشتہ دار، منصب، عہدہ ملازمت کوئی بھی چیز حائل ہو اس کو طلاق دے دینا چاہئے، اس مقصود اعظم کیلئے کسی کو خاطر میں نہیں لانا چاہئے۔

مقصود صرف وہ ہیں کوئی دوسرا نہیں

ان کے سوا کسی کو نہ خاطر میں لائیے

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ طٰہٰ کا حاشیہ نمبر ۱۶۴ پڑھئے۔

یعنی مقصود اصلی اکتساب نہیں بلکہ دین اور طاعت ہیں اکتساب کی اسی حالت میں اجازت یا امر ہے کہ ضروری طاعت میں وہ مخل نہ ہو۔ (تھانویؒ)

آج جو لوگ ظہر کی نماز کیلئے دفتروں کچہریوں وغیرہ کی مشغولیتوں اور عصر و مغرب عشاء وغیرہ کیلئے دوسری مشغولیتوں کو عذر بنا کر پیش کرتے ہیں آیت میں ان سب کا رد آ گیا۔ (بحوالہ تفسیر سورہ طٰہٰ، حاشیہ نمبر ۱۶۴)

❁ ❁

قیامت قریب ہے اور انسان غافل ہے

ان سطروں کو لکھتے وقت ایک خبر نظر سے گذری جس کی سرخی بہت ہی دلکش اور خوشنما الفاظ میں مندرجہ ذیل ہے۔

جامعۃ الفلاح کے جشن زرّیں کی تیاریاں شباب پر

پوری خبر کو یہاں نقل کرنا لا حاصل ہے، اس خبر کی اہم عبارت جو آخرت کے مسافروں اور موت وقیامت پر یقین رکھنے والوں کیلئے عبرت وموعظت کا سامان رکھتی ہے، وہ درج ذیل ہے۔

جامعہ آئندہ ۱۶ر نومبر تا ۱۸ر نومبر ۲۰۱۲ء اپنی گولڈن جبلی منانے جا رہا ہے، اس سلسلہ میں جامعہ کے ناظم اعلیٰ نے نمائندہ سے ملاقات کے دوران بتایا کہ اس موقع پر ملک وبیرون ملک سے مشاہیر اہل علم ودانش کے بڑے پیمانے پر شرکت متوقع ہے، چوں کہ اب وقت بہت کم رہ گیا ہے اس لئے تیاریاں پورے شباب پر ہیں۔

خط کشیدہ عبارت کو پڑھ کر سورہ انبیاء کی پہلی آیت کی تصویر نگاہوں کے سامنے آگئی۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ① قریب آ لگا لوگوں سے ان کا حساب (کا وقت) اور وہ غفلت ہی میں پڑے ہوئے ہیں اعراض کئے ہوئے۔ (سورہ، انبیاء)

آہ، جب کسی عظیم الشان جلسے، جلوس اور غیر ضروری سیمینار وغیرہ کا وقت قریب آجاتا ہے تو اس کی تیاری پورے شباب پر ہونے لگتی ہے اور اس کے اہتمام میں پوری طاقت لگادی جاتی ہے، کوئی احتجاجی ریلی ہونے والی ہوتی ہے تو اس کی بھی خبر اخباروں میں آجاتی ہے کہ پورے جنگی پیمانے پر اس کی تیاری ہو رہی ہے، شادی وغیرہ کی تقریب کا وقت قریب آجاتا ہے تو اس کی تیاری بھی پورے شباب پر ہوتی ہے، قیامت کی خبر اللہ تعالیٰ نے دی ہے کہ وہ قریب آگئی ہے، موت سر پر منڈلا رہی ہے لیکن اس کے بارے میں یہ منظر کہیں نہیں دیکھا جاتا کہ اس کی تیاری شباب پر ہو اور نہ اخباروں میں کبھی یہ خبر شائع ہوتی ہے کہ اے لوگو، قیامت بالکل قریب آگئی ہے، کسی لمحہ بھی موت آسکتی ہے اس لئے موت اور قیامت کی تیاری جنگی پیمانے پر شروع کردو۔

علمی وادبی جلسہ منعقد کرنے والے علماء اور دانشور بھی کبھی اس طرح کی خبر شائع نہیں کرتے کہ بھائیو، اب غفلت میں دن گذارنے کا وقت نہیں ہے، قیامت کی تیاری پورے شباب پر ہونا چاہئے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اگر قرب قیامت، عالم برزخ، میدانِ محشر، میزانِ عدل، پل صراط اور آخرت کے تمام ہولناک مناظر کا یقین ہو جائے تو مشاہیر اہل علم ودانش سلور (چاندی) جبلی، گولڈن (سنہری) جبلی، اور ڈائمنڈ (ہیرا) جبلی بھول جائیں، پھر ان کی ہمت نہیں ہوگی کہ چندہ کر کے جشن زرّیں کا اہتمام کریں اور چندہ کی رقم سے خواہ مخواہ مشاہیر اہل علم ودانش کیلئے اور خود اپنے لئے شاندار دسترخوان سجائیں اور بلا مقصد قوم کا قیمتی سرمایہ ضائع کریں۔

اگر تجلیۂ روح اور تزکیۂ نفس مقصود ہو تو ایک گھنٹہ کی مجلس کافی ہے، مشاہیر اہل علم و دانش کے بجائے کسی صاحب عمل، متقی و پرہیزگار، دنیا سے بیزار، یاد الٰہی میں اشکبار، امیروں، مالداروں سے بے نیاز انسان کو تلاش کر کے بلایا جائے، جو اپنے شکستہ دل سے مجلس کو خطاب کر کے دلوں کی انگیٹھی اس طرح گرم کر دے کہ محبت الٰہی کی جو بھاپ دل میں اٹھے وہ آنکھوں سے آنسوؤں کی شکل میں برسات کا منظر پیش کرے۔۔

ہر چیز کو نگاہِ محبت سے دیکھ کر
طوفان بحر عشق میں اب لا رہے ہیں ہم

اور جو لوگ اس مجلس عرفان و محبت سے اٹھیں تو ان کا یہ حال ہو جس کی تصویر کشی ایک بزرگ نے اس انداز میں کی ہے کہ،۔

اب رفتہ رفتہ ہوش میں کچھ آرہے ہیں ہم
مجلس سے تیری روتے ہوئے جارہے ہیں ہم
جب آرہے تھے دل کا تھا عالم ہی اور کچھ
عالم ہی دل کا اور ہے جب جارہے ہیں ہم

بہر حال عہد رسالت اور عہد صحابہؓ میں سلور جبلی، گولڈن جبلی، اور ڈائمنڈ جبلی کی بدعت ایجاد نہیں ہوئی تھی، ان کے پاس وقت ہی کہاں تھا کہ اس طرح کے جشن زریں منائیں، وہ تو محاسبہ آخرت سے اس طرح خائف اور لرزہ براندام رہتے تھے کہ اپنی ٹوٹی پھوٹی دیوار کی ضروری مرمت میں بھی وقت لگانے سے ڈرتے تھے، قیامت ہر وقت ان کی نگاہوں کے سامنے رہتی تھی، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل روایت سے کر سکتے ہیں۔

ایک صحابیؓ اپنی ایک دیوار اٹھا رہے تھے، ایک دوسرے صحابیؓ کا ان کے پاس سے گذر ہوا، تو گذرنے والے صحابیؓ سے انہوں نے پوچھا کہ، مَاذَا نَزَلَ الْيَوْمَ مِنَ الْقُرْآنِ" آج قرآنِ حکیم کا کون سا حصہ نازل ہوا ہے؟ تو اس گذرنے والے صحابیؓ نے فرمایا کہ،

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ① (لوگوں کا حساب قریب ہو گیا ہے اور حال یہ ہے کہ وہ غفلت میں پڑے اعراض کر رہے ہیں) اس آیت کو سنتے ہی دیوار کی تعمیر سے ہاتھ اٹھا لیا اور فرمایا کہ، وَاللّٰهِ لَا بَنَيْتُ اَبَدًا وَقَدِ اقْتَرَبَ الْحِسَابُ" اللہ کی قسم اب میں کبھی دیوار کی تعمیر نہیں کروں گا کیونکہ حساب کا وقت قریب آگیا، (اب غیر ضروری تعمیر کا وقت نہیں ہے) (بحوالہ، قرطبی)

ہم اپنی تمام سرگرمیوں، اپنے علمی و ادبی و تعلیمی مشاغل اور خود اپنی عملی زندگی کا جائزہ لیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ کیا آخرت کی تیاری کا کچھ بھی اثر ہمارے اوپر ہے؟ کیا محاسبۂ آخرت کے ڈر سے ہم اس شعر کے مصداق ہیں،۔

گذر رہی ہے جو دل پر وہ کوئی کیا جانے
بنا دیا مجھے بے کیف یادِ فردا نے

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ انبیاء کا حاشیہ نمبر ار پڑھئے۔

یعنی وقت قیامت ہے کہ ہر روز انسان سے قریب تر ہوتا جاتا ہے اور انسان ہے کہ اس کے لئے تیاریاں تو کیا کرتا ایسی غفلت میں پڑا رہتا ہے کہ اس خبر ہی کا اس کو یقین نہیں ہے، آج یورپ اور یورپ زدہ مادّی دنیا کے ملحدوں اور مشرکوں کی ساری آبادی کا یہی نقشہ غفلت واعراض کے لحاظ سے ہے، ان کے علوم وفنون ان کی سائنس ان کا آرٹ، ان کی تہذیب، ان کی معاشرت اس اعراض عقلی کو بڑھانے والی اور ان کے دلوں سے عقیدۂ آخرت کو اور دور ہی کرنے والی ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ انبیاء، حاشیہ نمبر ار)

اقتباس

جب کسی عظیم الشان جلسے، جلوس اور غیر ضروری سیمینار وغیرہ کا وقت قریب آجاتا ہے تو اس کی تیاری پورے شباب پر ہونے لگتی ہے اور اس کے اہتمام میں پوری طاقت لگادی جاتی ہے، کوئی احتجاجی ریلی ہونے والی ہوتی ہے تو اس کی بھی خبر اخباروں میں آجاتی ہے کہ پورے جنگی پیمانے پر اس کی تیاری ہو رہی ہے، شادی وغیرہ کی تقریب کا وقت قریب آجاتا ہے تو اس کی تیاری بھی پورے شباب پر ہوتی ہے، قیامت کی خبر اللہ تعالیٰ نے دی ہے کہ وہ قریب آگئی ہے، موت سر پر منڈلا رہی ہے لیکن اس کے بارے میں یہ منظر کہیں نہیں دیکھا جاتا کہ اس کی تیاری شباب پر ہو اور نہ اخباروں میں کبھی یہ خبر شائع ہوتی ہے کہ اے لوگو، قیامت بالکل قریب آگئی ہے، کسی لمحہ بھی موت آسکتی ہے اس لئے موت اور قیامت کی تیاری جنگی پیمانے پر شروع کردو۔

آخرت فراموشی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک بہت بڑی نعمت دی ہے جس کا نام دل ہے، اگر وہ دل کا صحیح استعمال کرتے اور اس کی فطری آواز کو توجہ سے سنتے اور اس پر غور کرتے تو بہت آسانی کے ساتھ اس بات کو سمجھ جاتے کہ کیا حق ہے کیا باطل ہے؟ کون سا راستہ اس کی حقیقی منزل کی طرف جا رہا ہے اور کون منزل کے مخالف سمت جا رہا ہے، لیکن جب وہ دل کی آواز کی طرف توجہ نہیں دیتا بار بار الارم بجنے کے بعد بھی اس سے اعراض کرتا ہے تو دل کا الارم بند ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے اور دل مردہ ہو جاتا ہے، جس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ اس کو حق بات سنائی جاتی ہے تو ایک کان سے سنتا ہے اور دوسرے کان سے اڑا دیتا ہے۔ سچ ہے کہ، ۔

مجھے ڈر ہے دلِ زندہ کہیں تو نہ مرجائے
کہ زندگی عبارت ہے تیرے جینے سے

غیروں کو تو چھوڑیئے وہ تو حق کی آواز سنتے ہی نہیں، افسوس تو اس بات کا ہے کہ بہت سے مسلمان بھی غفلت کا شکار ہیں، ان کا حال بھی کچھ غیروں سے مختلف نہیں ہے، وہ بھی خدا فراموشی اور آخرت فراموشی میں مبتلاء ہیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام سنائے جاتے ہیں تو اس کی طرف توجہ نہیں دیتے، ایک کان سے سنتے ہیں اور دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں، مسلمانوں میں فساد اور بگاڑ کا سبب یہی آخرت فراموشی ہے، وہ بھی دنیا کی رنگینوں اور آخرت فراموش قوموں کی مادی ترقی سے متاثر ہیں اور آخرت کو نظر انداز کر کے دنیا پرستی کے سیلاب میں بہے جا رہے ہیں، جس کا نتیجہ ہے کہ آج پوری دنیا میں مسلمان محکومیت اور مغلوبیت کی زندگی گذار رہے ہیں، آخرت فراموشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محروم ہیں۔

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ انبیاء کا حاشیہ نمبر۲ ؍ پڑھئے۔

"لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ" یعنی وعظ و نصیحت کو اس کان سننا اور اس کان اڑا دینا آخرت فراموشی یہی ہے، یہ جس طرح جاہلیت قدیم میں عام تھا آج جاہلیت جدید میں بھی رائج ہے، چنانچہ تہذیب حاضر کے علوم وفنون میں، سائنس میں، آرٹ میں، التزام اسکا رہتا ہے کہ کوئی شی بھی آخرت کو یاد دلانے والی نہ آجائے اور یہی آخرت فراموش نظام جو کہنا چاہئے کہ ساری مہذب و نیم مہذب دنیا پر مسلط و مستولی ہو چکا ہے، اس نے کروڑوں مسلمانوں کو بھی آہستہ آہستہ دین فراموش و آخرت فراموش بنا دیا۔

ذکر رسول تو خیر محفل میلاد وغیرہ کے نام سے بعض طبقوں میں خواہ رسماً و بدعۃً سہی پھر بھی قائم ہے، آخرت کی ذمہ داری اور یوم الحساب کا تذکرہ اتنا بھی کہیں سنائی نہ دے گا، "لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ" دین کے معاملات میں غیر ذمہ داری کی ہوا ہر سر میں سمائی ہوئی ہے۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ انبیاء، حاشیہ نمبر۲ ؍)

جنت میں جو کچھ ہوگا جنتی کی مرضی سے ہوگا

"اَللّٰهُ اَكْبَر، سُبْحَانَ اللّٰه، اَلْحَمْدُ لِلّٰه" اللہ تعالیٰ کے اس لطف وکرم کا کون اندازہ لگا سکتا ہے کہ اللہ ہی ساری کائنات کا مالک ہے، اور ہر ذرّۂ عالم اسی کی مرضی کے تابع ہے، لیکن اس نے ایسا حسین عالم بنایا ہے جہاں سارے اختیارات کا مالک اپنے مومن بندوں کو بنادے گا، اللہ تعالیٰ کے اس لطف وکرم پر قربان ہوجایئے کہ مختارِ مطلق ہونے کے باوجود اپنے جنتی بندوں سے کہہ دیا کہ اب اس جنت میں میری مرضی بھی نہیں چلے گی، جو کچھ ہوگا تمہاری مرضی سے ہوگا، جو بھی تمہاری خواہش ہوگی فوراً پوری ہوگی، جو حکم بھی دوگے اس کی تعمیل کیلئے خدام جنت تمہارے لئے حاضر ہیں، تم کو کھانے پینے کی وہی چیز ملے گی جس کو تم چاہوگے، جس سواری کی خواہش ہوگی فوراً تمہارے سامنے حاضر ہوجائے گی، عیش ونشاط کا جو سامان چاہوگے وہ بلا تاخیر تمہارے سامنے موجود ہوگا، اگر تم چاہوگے کہ تمہارے محل کا نقشہ ہزار بار بدلے تو ہزار بار تمہاری مرضی کے مطابق بدلتا رہے گا۔

لذتوں اور نعمتوں کے اس لامحدود عالم پر سارا اختیار تم کو حاصل ہوگا، "اَللّٰهُ اَكْبَر، وَلِلّٰهِ الْحَمْد" جنت کا کتنا حسین پرکیف جاذبِ نظر اور دلکش منظر ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی کیسی کیسی نعمتوں کی بارش ہوگی جس کا تصور بھی اس دنیا میں محال ہے۔ سچ ہے:

میں اور کہاں دوستو لحات کا عالم ☆ مت پوچھئے محبوب کی سوغات کا عالم
ہر وقت ہی رہتا ہے مدارات کا عالم ☆ کیا پوچھتے ہو ان کی عنایات کا عالم

اَللّٰهُ اَكْبَر، ایسی جنت کے حصول کیلئے تو منہ میں پانی آجانا چاہئے اور دنیا کی اپنی تمام حسرتوں، آرزوؤں، تمناؤں، اور خواہشوں کو قربان کردینا چاہئے، لیکن یہ یاد رہے کہ اپنی من پسند اس جنت جنت کو حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اس دنیا میں ہم اپنی تمام مرضیات کو اللہ تعالیٰ کی مرضی میں گم کردیں، یہاں ہم اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق چلیں گے تو وہاں جنت میں ہماری مرضی چلے گی۔

دنیا تو چند روزہ ہے یہاں کی ہر خوشی اور ہر غم عارضی ہے، اگر چند دنوں کچھ غم سہہ لیا جائے، کچھ پریشانیوں اور دنیا کی حسرتوں کی پامالی کو برداشت کرلیا جائے جس کے نتیجہ میں اپنی من پسند جنت مل جائے، تو یہ بہت ہی سستا سودا ہے۔

"کچھ دنوں غم سہہ لیا پھر آرام ہی آرام ہے"

راقم الحروف کا ایک شعر ہے۔

ہوئے جنت میں ہم پیدا وہی ہے گھر وطن اپنا
جہاں غم ہی نہیں کوئی نہ الجھن ہے نہ جھنجھٹ ہے

ارے کیا خوب جنت ہے مقام عیش و عشرت ہے
نہ اکتاہٹ نہ جھنجھلاہٹ نہ گھبراہٹ نہ جھنجھٹ ہے

اے اللہ، تو اپنے لطف و کرم سے ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے اور بلا حساب اپنی خوشنودی کے مقام جنت میں داخل کردے۔ آمین

اے اللہ، تیرے لطف و کرم سے راقم الحروف کا یہی حال ہر لمحہ رہے جیسا کہ اس شعر میں ہے۔

کبھی نظر میں جمال تیرا کبھی نظر میں جلال تیرا
بس اب دل ہے اور خیال تیرا کسی کا اس میں گذر نہیں ہے

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ انبیاء کا حاشیہ نمبر ۱۳۵ ار پڑھئے۔

جنت کی ایک خاص اور امتیازی خصوصیت یہاں بہ کمال بلاغت ایک مختصر فقرہ میں بیان کردی گئی، یعنی وہ جگہ ایسی ہوگی جہاں سب کچھ انسان کی اپنی مرضی کے مطابق ہوگا، جو ہوا بھی چلے گی اس کی مرضی کے موافق، جو موسم بھی وہ چاہے گا وہی پیدا ہو جائیگا، جو غذا چاہے گا وہی حاضر ہوگی، جو مشغلہ اسے پسند ہوگا وہی اس کیلئے موجود ہوگا جو پڑھنا چاہے گا وہ کتابیں اس کیلئے فراہم ہو جائیں گی۔ وَقِس علیٰ ھٰذا دنیا کی چند روزہ زندگی میں اپنے کو احکام الٰہی کے ماتحت کردینے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جنت میں سارے قوانین تکوینی خود اسی کے ماتحت و محکوم ہوں گے اور پھر سرور و نشاط کی یہ انتہائی کیفیت عارضی نہیں، وقتی نہیں، دائمی لازوال غیر منقطع ہوگی، کوئی انسانی دماغ پورا تصور بھی ان لذتوں، راحتوں اور مسرتوں کا آج نہیں کرسکتا۔ (بحوالہ تفسیر سورہ انبیاء، حاشیہ نمبر ۱۳۵)

عقیدۂ آخرت کو رگ رگ میں سرایت کر جانا چاہئے

یہ دنیا چند روزہ ہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں انسان کو صرف امتحان کیلئے پیدا کیا ہے تا کہ اللہ یہ دیکھے کہ یہ انسان کہاں تک اللہ کی نعمتوں کا صحیح استعمال کرتا ہے، امتحان کی اس مدت کے خاتمہ کے بعد ایک دوسری دنیا میں انسان پہنچ جائے گا جس کا نام آخرت ہے، جہاں اس کے ہر عمل کا حساب لیا جائے گا اور ہر نعمت کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اگر اس نے اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں زندگی گذاری ہے اور اللہ کی نعمتوں کا صحیح استعمال کیا ہے تو اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا اور اگر اس نے محاسبۂ آخرت کو نظرانداز کر کے من مانی زندگی گذاری ہے تو اس کا دردناک انجام اس کو بھگتنا پڑے گا۔

یہ ہے عقیدۂ آخرت کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہونا ہے اللہ کی ایک ایک نعمت کا حساب دینا ہے یہ بہت ہی طاقتور اور انقلاب آفریں عقیدہ ہے اس عقیدۂ آخرت کے بغیر انسانی زندگی میں کوئی صالح انقلاب نہیں آسکتا اور نہ دنیا سے شر و فساد کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

آج اگر بہت سے مسلمانوں کی عملی زندگی صحیح نہیں ہے وہ مختلف اخلاقی بیماریوں میں مبتلا ہیں، اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کی زندگی اور ان کی زندگی میں بظاہر کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا تو اس کا مطلب یہی ہے کہ یا تو وہ آخرت پر ایمان ہی نہیں رکھتے، اور ان کو یقین ہی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے، یا ان کا عقیدۂ آخرت انتہائی حد تک کمزور ہے، محاسبۂ آخرت، جنت و دوزخ، میدان حشر، میزانِ عدل اور پل صراط جیسے ہولناک مراحل کا دھندلا سا تصور ہے، حقیقت ہے کہ عقیدۂ آخرت کے استحکام کے بغیر انفرادی، اجتماعی، سیاسی، معاشرتی، اقتصادی، تعلیمی، کسی بھی شعبۂ زندگی میں صلاح وفلاح کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

عقیدہ آخرت کی اثر انگیزی کے صرف دو واقعات یہاں نقل کر رہا ہوں، رات کا وقت تھا حضرت عمر فاروقؓ سرکاری کام میں مشغول تھے چراغ جل رہا تھا، اتنے میں حضرت علیؓ آگئے، حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ سرکاری کام ہے یا نجی کام ہے؟ فرمایا کہ ذاتی کام ہے ایک مشورہ کرنا ہے، حضرت عمرؓ نے چراغ کو پھونک مار کر بجھا دیا، حضرت علیؓ نے کہا کہ حضرت کیا اندھیرے میں بیٹھیں گے؟ حضرت عمرؓ نے دوسرا چراغ جلا دیا، حضرت علیؓ نے پوچھا کہ اس کو بجھایا کیوں اور اس کو جلایا کیوں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پہلے جو تیل جل رہا تھا وہ بیت المال کا تھا اور میں سرکاری کام کر رہا تھا دوسرے چراغ میں میرے گھر کا تیل ہے، آپ جانتے ہیں کہ اللہ کو حساب دینا ہے، اگر اللہ کے یہاں پکڑ ہوگئی تو میں ہلاک ہو جاؤں گا کہ میں تیل قوم کا جلاؤں اور باتیں ذاتی کروں۔

آج اسلامی مدرسوں کے بہت سے ناظم اور بزرگ مدرسے کی بہت سی چیزوں کو اپنے ذاتی کاموں میں

استعمال کرتے ہیں، مدرسہ کی گاڑی میں بیٹھ کر دعوت ولیمہ میں شرکت کرتے ہیں، مدرسہ کے جنریٹر سے خوب عیش وآرام کرتے ہیں، مدرسے کی عمارت کو اپنے بچوں کیلئے شادی ہال بنا رکھا ہے، اور مدرسہ کے طالب علموں سے اپنا ذاتی کام لیتے ہیں، ان سے اپنی خدمت کرواتے ہیں، وہ ذرا اپنے بارے میں سوچیں اور اپنے عقیدۂ آخرت کا احتساب کریں، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ان کے عقیدۂ آخرت کی جڑیں کمزور ہو چکی ہیں، یا حب مال وجاہ کے جراثیم اس میں لگ گئے ہیں۔

حضرت عمرؓ ایک مرتبہ سفر میں جا رہے تھے بھوک لگی ہوئی تھی زادِ راہ ختم ہو گیا تھا، آس پاس کوئی بستی بھی نہیں تھی، کھانے کی تلاش کے دوران دیکھا کہ بکریوں کا گلہ چر رہا ہے، چرواہے کے پاس جا کر کہا مجھے بھوک لگی ہوئی ہے اس لئے بکری کا دودھ نکال کر دو اور مجھ سے اس کی قیمت لے لو، تا کہ دودھ پی کر میں اپنی بھوک مٹالوں، یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت عمرؓ آدھی دنیا سے زیادہ کے حکمران تھے، چرواہے نے جواب دیا کہ جناب میں آپ کو ضرور دودھ دے دیتا مگر بات یہ ہے کہ یہ بکریاں میری نہیں ہیں، یہ میرے مالک کی ہیں اور اس نے مجھ کو چرانے کیلئے دی ہے، یہ امانت ہے اور اس کا دودھ بھی امانت ہے، مالک کی اجازت کے بغیر اس کا دودھ دینے کا مجھ کو اختیار نہیں ہے اس لئے مجبوری ہے، حضرت عمرؓ نے سوچا ذرا سا اس آدمی کا امتحان لیا جائے، چنانچہ انھوں نے اس چرواہے سے کہا کہ میں تمہیں ایک تدبیر بتاتا ہوں اگر تم اس پر عمل کر لو تو اس میں تمہارا بھی فائدہ اور میرا بھی فائدہ ہے، اس چرواہے نے پوچھا کہ وہ کیا تدبیر ہے؟

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم ایسا کرو کہ ایک بکری تم مجھے فروخت کر دو، اور اس بکری کی جو قیمت ہے وہ تم مجھ سے لے لو، اس میں میرا تو یہ فائدہ ہے کہ میں اس بکری کو اپنے ساتھ سفر میں رکھوں گا، اور جب ضرورت ہوگی اس کا دودھ پی لوں گا، اور تمہارا فائدہ یہ ہے کہ تمہیں بکری کے پیسے مل جائیں گے، رہا مالک کا معاملہ تو اگر مالک پوچھے کہ بکری کہاں گئی؟ تو اس سے یہ کہہ دینا کہ اس کو بھیڑیا کھا گیا، اس لئے کہ اس قسم کے واقعات جنگل میں پیش آتے ہی رہتے ہیں، تو اس تدبیر میں ہم دونوں کا فائدہ ہے، چرواہے نے جب یہ تدبیر سنی تو فوراً اس کی زبان پر یہ کلمات آئے کہ، یَا ھٰذَا فَاَیْنَ اللّٰہ (اے فلاں پھر اللہ کہاں گیا؟) اگرچہ مالک تو نہیں دیکھ رہا ہے لیکن اللہ تو دیکھ رہا ہے اسلئے اگر ایسا کروں گا تو اللہ کو کیا جواب دوں گا؟ حضرت عمرؓ نے چرواہے کا یہ جواب سن کر فرمایا کہ، جب تک تم جیسے انسان اس روئے زمین پر موجود رہیں گے اور جب تک اللہ کے سامنے حاضر ہو کر جواب دہی کا احساس دلوں میں موجود ہوگا اس وقت تک اس روئے زمین پر ظلم نہیں ہو سکتا۔

بہر حال اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں دنیا وآخرت دونوں جگہ کامیابی حاصل ہو اور ہر طرح کی اخلاقی بیماریوں اور گناہوں سے نجات مل جائے تو ضروری ہے کہ عقیدۂ آخرت ہماری رگ رگ میں سرایت کر جائے،

ہماری آنکھ میں اگر عقیدۂ آخرت سرایت کر جائے تو وہ کبھی غلط نہیں دیکھ سکتی، اگر ہمارے کان میں عقیدۂ آخرت سرایت کر جائے تو وہ لایعنی بات نہیں سن سکتا، اگر زبان میں عقیدۂ آخرت سرایت کر جائے تو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اس سے کوئی بات نہیں نکلے گی اور حرام لقمہ چکھنے سے اس کو الرجی ہوگی، ہمارے دل و دماغ میں اگر عقیدۂ آخرت سرایت کر جائے تو ان میں کبھی غلط خیالات پرورش نہیں پا سکتے، اگر ہمارے قدموں میں عقیدۂ آخرت سرایت کر جائے تو وہ غلط راستے کی طرف کبھی نہیں اٹھ سکتے۔

معلوم ہوا کہ جسم کے تمام اعضاء و جوارح میں عقیدۂ آخرت کا سرایت ہونا ضروری ہے۔

راقم الحروف کا ایک دعائیہ شعر ہے؂

ہر مسام جلد میں بس ٹیپ ہو نغمہ ترا
معرفت کے نور سے تو بھر دے میرا بال بال

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ انبیاء کا حاشیہ نمبر ۱۳۷؍ پڑھئے۔

قرآن مجید وقوعِ قیامت اور اس روز کی ہولناکیوں اور بشارتوں دونوں کا ذکر اس کثرت اور اس قطعیت کے ساتھ اسلئے کرتا ہے کہ مخاطبین کے دل میں عقیدۂ آخرت پوری طرح راسخ ہو جائے ان کی رگ رگ میں سما جائے، ساری نیکیوں کی جڑ اور بنیاد یہی ہے کہ عقیدۂ آخرت محض ایک نظریہ یا وہم و گمان کی طرح نہ رہے بلکہ جزمِ کامل و وثوق کے ساتھ دل کی گہرائیوں میں اتر جائے اور قال، حال بن جائے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ انبیاء، حاشیہ نمبر ۱۳۷؍)

❁ ❁

مصلحت پرست مسلمان

آپ نے بڑے بڑے جلسوں میں دیکھا ہوگا کہ جو لوگ جلسے کی اگلی صف میں ہوتے ہیں یا بیچ میں ہوتے ہیں ان کیلئے اپنی جگہ سے اٹھ کر جانا مشکل ہو جاتا ہے، اگر مجمع سے نکل جانا بھی چاہیں تو شرم کی وجہ سے ان کی ہمت مجمع سے نکل کر جانے کی نہیں ہوتی، کیوں کہ ایسی صورت میں مجمع کی نگاہوں سے بچنا ان کیلئے مشکل ہو جائے گا، لیکن اگر کوئی آدمی جلسے کے کنارے بیٹھا ہے اور کوئی ضرورت پیش آ گئی یا جلسہ پسند نہیں آیا تو بہت آسانی سے جلسہ گاہ سے کھسک کر باہر چلا جاتا ہے۔

اسی طرح مچھلی کا شکار کرنے اور موتی نکالنے والے غوطہ زنوں کے ساتھ بعض مصلحت پرست ہو جاتے ہیں، وہ نہ دریا کے بیچ میں جاتے ہیں نہ موجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے موتی نکالنے کیلئے ڈبکی لگاتے ہیں، بس دریا کے کنارے کھڑے رہتے ہیں اس امید پر کہ اگر مچھلی کا شکار کرنے والے یا موتی نکالنے والے کامیاب ہو گئے تو ہم کو بھی حصہ مل جائے گا اور اگر خطرے کی کوئی بات پیش آ گئی اور دریا کی طوفانی لہروں کی لپیٹ میں یہ لوگ آ گئے تو ہم آسانی کے ساتھ دریا کے کنارے سے باہر ساحل پر آ جائیں گے اور خطرے سے محفوظ رہیں گے۔

اس طرح کے مصلحت پرست تاریخ کے ہر دور میں رہے ہیں، چنانچہ مدینہ منورہ میں اس طرح کے منافقانہ اسلام والے بہت سے لوگ تھے، اگر حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ان کو کچھ مالی فائدہ ہونے لگتا، ان کی کھیتی باڑی اور اونٹ و بکری میں اضافہ ہونے لگتا، تو کہتے تھے کہ اسلام بہت اچھا مذہب ہے، اور اگر کسی قسم کی آزمائش میں مبتلا ہو جاتے اور کچھ جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑ گیا، تو کہتے تھے کہ اسلام اچھا مذہب نہیں ہے، ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے، چنانچہ وہ حلقۂ اسلام سے باہر آ جاتے تھے، یا کچھ لوگ اپنے نفاق کو چھپائے ہوئے مصلحتاً مسلمانوں کی جماعت میں شامل رہتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک یہودی نے اسلام قبول کیا، لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد اس کی آنکھ کی روشنی چلی گئی، اس کے مال میں بھی تباہی آ گئی تو اسلام کے سلسلے میں بدشگونی کا شکار ہو گیا اور حضور اکرم ﷺ کے پاس پہنچا اور کہا کہ میں اب اسلام سے استعفاء دے رہا ہوں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اسلام ایک ایسا سچا دین ہے جس کو قبول کرنے کے بعد اس سے استعفاء نہیں دیا جاتا، تو اس یہودی نے کہا کہ جب سے میں نے اس دین کو قبول کیا ہے کسی طرح کا کوئی فائدہ نہیں دیکھا، میری آنکھ بھی چلی گئی، مال اور اولاد کا بھی نقصان ہو گیا، تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ، اے یہودی، اسلام آدمیوں کو امتحان کی بھٹی میں تپا کر اس طرح پاک و صاف کرتا ہے جس طرح لوہے،

سونے اور چاندی کو بھٹی میں تپا کر اس کے میل وکچیل کو دور کیا جاتا ہے۔ (بحوالہ، قرطبی)

عہد رسالت اور عہد صحابہ میں تو بہت سے منافق ابتلاء وآزمائش سے ڈر کر اسلام سے دست بردار ہوجانے کا اعلان بھی کر دیتے تھے، لیکن اس زمانے میں ایسے نام نہاد روشن خیال منافق مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، جو اسلام کے تمام احکام پر یقین نہیں رکھتے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا جو حکم ان کی خواہش کے مطابق ہوتا ہے اس کو اختیار کر لیتے ہیں اور جس حکم کو ماننے میں کوئی مادّی مصلحت رکاوٹ بنتی ہے تو اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں، اسلام کے مقابلے میں اپنی مادّی مصلحتوں کو ترجیح دیتے ہیں اور حلقہ اسلام میں شامل بھی رہتے ہیں، حیرت تو یہ ہے کہ اس طرح کے بے شمار نام نہاد مسلم قائدوں، لیڈروں، مالداروں اور دانشوروں کا اسلامی مدرسوں میں علماء کرام استقبال بھی کرتے ہیں، اور مدرسوں کے کچھ ذمہ دار حضرات ایسے نام نہاد مسلمانوں کو مادّی مصلحت کے پیش نظر مدرسہ کا ممبر بھی بنا لیتے ہیں، مدرسے کی عمارت کی بنیاد بھی ان کے منافقانہ ہاتھوں سے رکھواتے ہیں۔

آج اسلام اور ملت اسلامیہ کو اس طرح کے مصلحت پرست نام نہاد مسلمانوں سے بہت نقصان پہنچ رہا ہے، وہ اسلام کے چہرۂ تاباں کی ضوافشانیوں کے سامنے آڑ بن جاتے ہیں، اس طرح کے منافق مسلمان اگر اسلامی حلقے سے نکل جائیں تو اسلام کو بہت زیادہ فائدہ پہنچے گا اور اسلام کی صحیح اور سچی تصویر غیر مسلموں کے سامنے آجائے گی۔

اگر واقعی کوئی حلقہ اسلام میں شامل رہنا چاہتا ہے تو اس کو پہلے ہی اس کے بارے میں سوچ لینا چاہئے، اگر مادّی مصلحت کا شکار ہے اور ابتلاء وآزمائش کی بھٹی سے گذرنے کی ہمت نہیں ہے تو دعویٔ اسلام سے باز آجانا چاہئے۔ مولانا عامر عثمانیؒ نے سچ کہا تھا کہ،

یہ قدم قدم بلائیں یہ سوادِ کوئے جاناں
وہ ابھی سے لوٹ جائے جسے زندگی ہو پیاری

کسی اور شاعر نے خوب کہا تھا کہ،

جس کو ہو جان ودل عزیز ان کی گلی میں جائے کیوں؟

حقیقت ہے کہ جب تک اسلامی جماعت سے نام نہاد، مصلحت پرست، آدھا تیتر، آدھا بیٹر اور با مسلماں اللہ اللہ، با برہمن رام رام، کے فلسفہ پر عمل کرنے والے منافق مسلمانوں کو الگ نہیں کیا جائیگا ملت اسلامیہ کو نقصان پہنچتا رہے گا، اس طرح کے مسلمانوں سے خطاب کر کے مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھیؒ نے فرمایا تھا کہ،

پاس باطل کے چلا جا حق سے گر ہے سوءِ ظن
تیرے جانے سے نہ سونی ہوگی ان کی انجمن

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ حج کا حاشیہ نمبر ۱۶ ر پڑھئے۔

مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک مذہب کی صداقت وحقانیت بجائے خود کوئی معنی ہی نہیں رکھتی اگر مسلمان رہنے سے انھیں کوئی دنیوی منافع حاصل ہورہے ہیں تو یہ بھی اپنے کو مسلمان کہیں گے اور سمجھیں گے لیکن اگر دقتوں اور دشواریوں کا سامنا ہوا تو بس یہ چٹ سے الگ ہوگئے اور کھلم کھلا اپنی بے دینی کا اظہار کرنے لگے، آج دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کے اندر بھی یہ مرض کس کثرت سے پھیلتا جارہا ہے کہ اسلام کی قدر گویا صرف منافع دنیوی کے لحاظ سے اور اسکی قیمت صرف مصالح مادّی کے تناسب سے ہے۔

مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ" یعنی اسلام اس نے قبول تو کرلیا ہے لیکن ایسی بے دلی کے ساتھ اور ایسے اوپری دل سے کہ جیسے کوئی شخص کسی چیز کے کنارے کھڑا ہوا اور جیسے موقع پاتے ہی اسے چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہو، ذکر منافقین کا ہورہا ہے اور اس میں منافع طبع افراد اور جماعتیں (پارٹیاں) سب شامل ہیں۔

(بحوالہ تفسیر سورہ حج، حاشیہ نمبر ١٦)

حرم کی زمین پر تمام مسلمانوں کا حق برابر ہے

"جزیرۂ حرم کی تطہیر" کے نام سے راقم الحروف کی ایک کتاب ہے جو ابھی شائع نہیں ہوئی ہے، اللہ کرے جلد شائع ہوجائے، حدود حرم کی زمین کے متعلق مزید تفصیل سے قطع نظر صرف تفسیر ماجدی، تفسیر سورہ حج کا حاشیہ پیش خدمت ہے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ حج کا حاشیہ نمبر ۳۳ / پڑھئے۔

اَلْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادُ" حرم محترم کے حدود کے دروازے ہر مومن وموحد کیلئے کھلے ہوئے ہیں کسی کے ساتھ اسے کوئی خصوصیت نہیں، پردیسی اور وطنی، مکی اور آفاقی دونوں اس پر یکساں حق رکھتے ہیں، فقہاء حنفیہ نے اس آیت سے اخذ کر کے لکھا ہے کہ حرم کی سرزمین مثل وقف کے ہے کسی کو اس میں ملک کا دعویٰ کرنا یا کسی کو ان حدود میں انتفاع سے روکنا جائز نہیں، نہ وہاں کی آراضی کا کرایہ لینا درست ہے، مکہ کے مکانات کی بیع کی کراہت پر خود تابعین اور صحابہؓ کی روایات موجود ہیں اور یہ بجائے خود دلیل ہے اس امر کی کہ ان کے نزدیک بھی مسجد الحرام سے یہاں مراد سارا حرم مکہ ہے نہ کہ محض مسجد حرام۔ (جصاص)

(بحوالہ، تفسیر سورہ حج، حاشیہ نمبر ۳۳)

اللہ اپنے دوستوں کی آواز ہر جگہ پہنچا سکتا ہے

اللہ اپنے دوستوں کی آواز حق دور دور تک پہنچانے کے لئے کسی آلے کا محتاج نہیں ہے۔ اس لئے اگر مسلمانوں کے پاس آوازِ حق پہنچانے کے لئے جائز اسباب و وسائل نہ ہوں جب بھی حق کی آواز کو بلند کرنا چاہئے، حق کی آواز دریاؤں، سمندروں، پہاڑوں، کوہساروں، صحراؤں، جنگلوں، تمام نشیب و فراز کو پار کرتے ہوئے دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ جائے گی۔

جس وقت اللہ کے حکم سے اللہ کے خلیل حضرت ابراہیمؑ نے حج کا اعلان کیا تو ان کے ذہن میں یہ بات آئی تھی کہ اے اللہ یہاں تو ابھی کوئی آبادی نہیں ہے، صحراء و بیابان ہے، ہر طرف پہاڑیوں کا سلسلہ ہے دور دراز آباد علاقوں تک میری آواز کیسے پہنچے گی، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے یہی فرمایا تھا کہ آپ کا کام آواز لگانا اور اعلان کرنا ہے، پہنچانا میرا کام ہے، چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے حج کے لئے بلند آواز سے اعلان کیا تو اس وقت تمام آباد دنیا تک آپ کی آواز پہنچ گئی اور یہ اسی صدائے ابراہیمی کی کشش ہے کہ آج بھی پوری دنیا سے مسلمان حرم کی زیارت کے لئے کھنچے چلے آتے ہیں۔

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو توحید کی آواز پہنچانے میں سستی، کاہلی اور کم ہمتی سے کام نہیں لینا چاہئے، آج دور تک آواز پہنچانے کیلئے بہت سے جدید آلات بھی تیار ہو چکے ہیں، بالفرض اگر آلات نہ بھی ہوں تو بھی توحید کی آواز کو بلند کرنا مسلمانوں کا دینی و ملی فریضہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کس طرح معجزانہ طریقے سے بغیر کسی صوتی آلہ کے آواز پہنچا دیتا ہے اس کا اندازہ ان تاریخی سچے واقعات سے لگا سکتے ہیں، عہد فاروقی میں سعد بن ابی وقاصؓ اسلامی لشکر کو لے کر قادسیہ میں اترے جو عربوں کے نزدیک ایران کا دروازہ تھا، یہاں زیادہ دنوں تک قیام کرنا پڑا اور کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو گئیں، حضرت سعدؓ نے کچھ لوگوں کو روانہ کیا کہ کہیں سے بکریاں اور گائیں تلاش کر کے لائیں، ان کو ایک ایرانی ملا جس سے انہوں نے بکریوں اور گایوں کے متعلق دریافت کیا، اس نے کہا کہ مجھے کچھ علم نہیں ہے حالانکہ وہ خود ایک چرواہا تھا، اس نے اسلامی لشکر کی خبر سن کر اپنے جانوروں کو قریب کے گھنے جنگل میں چھپا دیا تھا۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ تاریخ کے الفاظ میں یہ ہے کہ،

فَصَاحَ ثَوْرٌ مِنْهَا كَذَبَ الرَّاعِي هَا نَحْنُ فِي هٰذِهِ الْاَجَمَةِ ، ایک بیل چلایا، چرواہا جھوٹا ہے، ہم یہاں اسی جھاڑی میں موجود ہیں، بیل کی آواز سن کر وہ لوگ جنگل میں گھس گئے اور کچھ مویشیوں کو ہانکتے ہوئے حضرت سعدؓ کے پاس لے گئے، اسلامی لشکر کو جب یہ قصہ معلوم ہوا تو وہ بہت خوش

ہوئے اور اس کو اللہ کی ایک کھلی ہوئی مدد سمجھا۔ (بحوالہ، اَلفخری، صفحہ ۷۹)

اسلامی لشکر اور بکری کے چرواہے کے درمیان جو بات چیت ہوئی اس آواز کو جنگل کی جھاڑی میں موجود چوپایوں تک کس نے پہنچایا، ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نے پہنچایا۔

حضرت معاویہؓ کے دورِ خلافت میں جب حضرت عقبہ بن نافعؓ نے شمالی افریقہ کے ایک گھنے جنگل میں قیروان شہر بسانے کا ارادہ کیا تو وہ جنگل درندوں اور مختلف قسم کے خطرناک جانوروں سے بھرا ہوا تھا لیکن انہوں نے اسلامی شہر بسانے کیلئے اسی کا انتخاب کیا تو حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے جنگل کے کنارے کھڑے ہو کر یہ آواز لگائی اور اعلان کیا کہ،

اَيَّتُهَا السِّبَاعُ وَالْحَشَرَاتُ نَحْنُ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِرْحَلُوْا عَنَّا فَاِنَّا نَازِلُوْنَ فَمَنْ وَجَدْنَاهُ بَعْدُ قَتَلْنَاهُ" اے درندو اور کیڑ و مکوڑو، ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں، ہم یہاں بسنا چاہتے ہیں اس لئے تم یہاں سے کوچ کر جاؤ، اس اعلان کے بعد تم میں سے جو کوئی یہاں نظر آئے گا ہم اسے قتل کر دیں گے۔ (بحوالہ، اَلْکَامِل، از علامہ ابن کثیر)

یہ آواز جنگل کے تمام جانوروں کے کانوں تک پہنچ گئی، کس نے پہنچایا، اللہ تعالیٰ نے پہنچایا، اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ جیسا کہ امام ابن جریر طبریؒ لکھتے ہیں کہ،

فَلَمْ يَبْقَ مِنْهَا شَئٌ اِلَّا خَرَجَ هَارِبًا حَتّٰى اِنَّ السِّبَاعَ تَحْمِلُ اَوْلَادَهَا" ان جانوروں میں سے کوئی نہیں بچا جو بھاگ نہ گیا ہو، یہاں تک کہ درندے اپنے بچوں کو اٹھائے لئے جا رہے تھے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ حج کا حاشیہ نمبر ۳۸ / پڑھئے۔

حضرت ابراہیمؑ کو (حج کے) اس اعلان کا حکم اس وقت ملا تھا جب دنیا نہ تار سے واقف تھی نہ ٹیلیفون سے، نہ مائیکروفون سے، نہ لاؤڈ اسپیکر سے، لیکن حضرت ابراہیمؑ نے خدا معلوم کس لاہوتی اسٹیشن سے اور کس ملکوتی میٹر پر اس پیام کو نشر کیا کہ روئے زمین سے ہر براعظم کے ایک ایک گوشہ میں سمندر کے ایک ایک جزیرہ میں یہ آواز پہنچ گئی، اور ہزاروں برس گذر چکے ہیں کہ خلقت آج تک اس بے آب و گیاہ سرزمین کی طرف کھنچی چلی آتی ہے۔

مفسرین کرام نے ذکر کیا ہے کہ جب یہ حکم ملا ہے تو حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ اے پروردگار میری آواز کون سب کے کانوں تک پہنچائے گا؟ جواب ملا کہ ہم، اتنا بلیغ، مؤثر سچا جواب مخلوق کی زبان سے نکل ہی نہیں سکتا، خالق ہی کیلئے ممکن تھا۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ حج، حاشیہ نمبر ۳۸ /)

گلے میں ٹائی لٹکانا گویا بت لٹکانا ہے

اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک کرنا سب سے بڑی گندگی ہے، اسی لئے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بتوں کی گندگی سے بچو اور اپنے تمام اعضاء و جوارح کو بھی بت پرستی کی گندگی سے محفوظ رکھو، قرآنِ حکیم میں بتوں کیلئے صَنَمْ اور وَثَن" دو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، صَنَمْ اور وَثَن کے درمیان ایک فرق یہ ہے کہ جو بت کسی انسانی یا حیوانی شکل میں بنائے جاتے ہیں ان کو صَنَمْ کہتے ہیں، پتھر یا کسی اور چیز کے کچھ ایسے بھی بت ہوتے ہیں جن کو انسانی یا حیوانی شکل میں نہیں بنایا جاتا، بس کسی پتھر کو اٹھا لیا یا کسی درخت کی لکڑی کو صاف ستھرا کرلیا اور پوجنے لگے، تو عام طور پر اس طرح کے بتوں کو وَثَن کہا جاتا ہے۔

یہ قرآنِ حکیم کا اعجازِ بلاغت ہے کہ، وَثَن کا لفظ استعمال کر کے شرک اور بت پرستی کی تمام صورتوں کا احاطہ کرلیا، تا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ محض انسانی یا حیوانی شکل میں جو فرضی دیوی دیوتا بنائے جاتے ہیں انہی کا نام بت ہے، بلکہ بت کے اور بھی اقسام ہیں جن سے بچنا چاہئے، مثال کے طور پر صلیب جو یہودیوں کا شعار ہے جس کی مروجہ شکل ٹائی ہے، وہ بھی بت ہی کی ایک شکل ہے، اگر کوئی آدمی گلے میں ٹائی باندھتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنے گلے میں بت لٹکا رہا ہے، اور ظاہر ہے کہ جو اپنی گردن کو بت سے زینت بخشے تو اس کا شمار بھی بت پرستوں ہی میں ہوگا، جب شرک اور بت پرستی کو قرآن نے گندگی کہا ہے تو وہ لوگ کتنے بدذوق ہیں جو اپنے گلے پر گندگی کا لیپ چڑھاتے ہیں اور اس گندگی پر فخر کرتے ہیں۔

اب تفسیر ماجدی جلد سوم تفسیر سورہ حج کے حاشیہ نمبر ۴۷ رکا کچھ حصہ پڑھئے۔

حضور اکرم ﷺ نے عدیؓ بن حاتم نومسلم مسیحی سے کہا جب وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں اس صورت سے حاضر ہوئے کہ صلیب ان کے گلے میں پڑی ہوئی تھی، اَلْقِ هٰذَا الْوَثَنَ عَنْكَ" (اپنے سے اس وَثَن (بت) کو اتار پھینک) اور ظاہر ہے صلیب میں تصویر نہیں ہوتی۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ حج، حاشیہ نمبر ۴۷ ر)

❁ ❁

اسلامی حکومت کا ثمرہ

کسی کمپنی نے کوئی مشین بنائی ہے اور اس نے یہ کہہ دیا ہے کہ اس مشین میں اسی کمپنی کا تیل ڈالا جائے گا اور اسی کے بتائے ہوئے طریقے سے اس کو چلایا جائے گا تو وہ خراب نہیں ہوگی، اور اگر اس میں کسی دوسری کمپنی کا تیل ڈال دیا جائے گا تو وہ مشین جس کام کیلئے بنائی گئی ہے اس کو انجام نہیں دے پائے گی بلکہ اس کا انجن اور اس کے تمام پرزے خراب ہو جائیں گے، جب ایک معمولی مشین کسی دوسری کمپنی کے تیل سے نہیں چل سکتی، تو اس زمین کا نظام کسی دوسرے کے بنائے ہوئے قانون سے صحیح اور درست کیسے ہوسکتا ہے، آسمان و زمین اور ہر چیز کا خالق و مالک اور پروردگار اللہ تعالیٰ ہے، اس لئے جب اسی کا قانون اس زمین پر نافذ ہوگا تو یہاں امن وامان قائم ہوگا، اور عدل وانصاف کا دور دورہ ہوگا اور شر وفساد کا خاتمہ ہوگا۔

سورج، چاند، ستاروں، سیاروں اور آسمانی فضاء کا مشاہدہ کیجئے، جہاں اللہ کے قانون کی حکمرانی ہے، سورج کی یہ مجال نہیں ہے کہ اس کے طلوع وغروب کا جو قانون اللہ تعالیٰ نے بنا دیا ہے اس سے بال برابر بھی انحراف کرے، آسمان کے تمام ستارے، سیارے اپنے اپنے دائرے میں سرگرم عمل ہیں، جس کی وجہ سے وہاں کسی طرح کا فساد رونما نہیں ہوتا، سورج، چاند، ستارے، سیارے آپس میں ٹکراتے نہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو بغرضِ امتحان کچھ آزادی دی ہے اور اپنا قانون بھی قرآنِ حکیم کی شکل میں نازل کر دیا ہے، اور اپنے پیغمبر کو بھیج کر قرآنِ حکیم کی حکمرانی کا مشاہدہ بھی کروا دیا ہے، تاکہ انسان اپنی آزادی اور اختیار کا ناجائز فائدہ نہ اٹھائے، بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی کے مطابق اس زمین پر زندگی گذارے، اور شریعت نے زندگی کے تمام شعبوں میں جو دائرہ مقرر کر دیا ہے اس سے تجاوز نہ کرے۔

معلوم ہوا کہ اس زمین پر امن امان اللہ کے قانون ہی کی حکمرانی سے ہوسکتا ہے، اللہ کے قانون کو نظر انداز کر کے نہ کبھی دنیا میں امن وسکون کی فضاء قائم ہوئی ہے اور نہ اس کے بغیر کبھی امن وامان قائم ہوسکتا ہے۔

سچ ہے۔ ؎

وہ جس کے حکمراں ہوتے ہی دنیا بن گئی جنت
نرالا ہے جہاں میں جس کا آئین جہاں بانی

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ حج کا حاشیہ نمبر ۷۷ پڑھئے۔

یہ ہے اصلی اور سچی تصویر اسلامی طرزِ حکومت کی، گورنمنٹ اگر مسلمانوں، سچے مسلمانوں کی قائم ہو جائے تو مسجدیں آباد و پر رونق ہو جائیں، ہر طرف سے صدائیں تکبیر وتہلیل کی گونجا کریں، بیت المال

کے بعد کوئی ننگا بھوکا نہ رہے، عدالتوں میں انصاف بکنے کے بجائے ملنے لگے، رشوت، جعلسازی، دروغ حلفی کا بازار سرد پڑ جائے، امیر کو کوئی حق، کوئی موقعہ، غریب کی تحقیر کا، ایذاء کا باقی نہ رہ جائے، غیبتیں، بدکاریاں، چوریاں، ڈاکے خواب و خیال ہو جائیں، آبکاری کے محکمہ کو کوئی پانی دینے والا نہ رہے، مہاجنی کوٹھیوں، سودخور ساہوکاروں، سودکار بینکوں کے ٹاٹ الٹ جائیں، گویئے، نچنیے اگر تائب نہ ہوں شہر بدر کر دیئے جائیں، سینما تھیٹر، تمام شہوانی تماشہ گاہوں کے پردوں کو آگ لگا دی جائے، گندہ فحش افسانہ، شاعری کی جگہ صالح و پاکیزہ ادبیات لے لیں، غرض یہ کہ دنیا دنیا رہ کر بھی نمونۂ جنت بن جائے۔ (بحوالہ، تفسیر سورۂ حج، حاشیہ ۷۷)

اقتباس

سورج، چاند، ستاروں، سیاروں اور آسمانی فضاء کا مشاہدہ کیجئے، جہاں اللہ کے قانون کی حکمرانی ہے، سورج کی یہ مجال نہیں ہے کہ اس کے طلوع و غروب کا جو قانون اللہ نے بنا دیا ہے اس سے بال برابر بھی انحراف کرے، آسمان کے تمام ستارے، سیارے اپنے اپنے دائرے میں سرگرم عمل ہیں، جس کی وجہ سے وہاں کسی طرح کا فساد رونما نہیں ہوتا، سورج، چاند، ستارے، سیارے آپس میں ٹکراتے نہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو بغرضِ امتحان کچھ آزادی دی ہے اور اپنا قانون بھی قرآنِ حکیم کی شکل میں نازل کر دیا ہے، اور اپنے پیغمبر کو بھیج کر قرآنِ حکیم کی حکمرانی کا مشاہدہ بھی کروا دیا ہے، تاکہ انسان اپنی آزادی اور اختیار کا ناجائز فائدہ نہ اٹھائے بلکہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی مرضی کے مطابق اس زمین پر زندگی گذارے اور شریعت نے زندگی کے تمام شعبوں میں جو دائرہ مقرر کر دیا ہے اس سے تجاوز نہ کرے۔

اللہ کی صفتِ رزاقیت پر یقین کا ثمرہ

اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے، رزق کی تقسیم اور رزق کے سارے اسباب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، وہ جس کیلئے چاہتا ہے رزق کو کشادہ کر دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی صفت رزاقیت پر کامل یقین ہو جائے تو کوئی انسان کبھی رزق کے معاملے میں پریشان نہیں ہو سکتا، البتہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ جائز طریقے سے رزق تلاش کرو اور حصول رزق کے جو جائز اسباب ہیں ان کو بھی اختیار کرو، لیکن نظر اسباب پر نہ ہو اور نہ روٹی روزی کو اپنی زندگی کا مقصد بناؤ، ہمیشہ نظر اللہ کی صفت رزاقیت پر ہونی چاہیے، خیالِ رزق میں اتنا گم نہ جاؤ کہ اپنے رازق حقیقی ہی کو بھول جاؤ۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

خدا کو بھول گئے لوگ فکرِ روزی میں ☆ خیالِ رزق ہے رزاق کا خیال نہیں

اللہ کی طرف سے رزق میں کشادگی بھی امتحان ہے اور رزق میں تنگی بھی امتحان ہے، اسلئے جن لوگوں کے پاس رزق میں فراوانی ہے وہ اس پر فخر و ناز نہ کریں، اللہ تعالیٰ نے یہ نظام بغرض امتحان قائم کیا ہے تا کہ جو مالدار اور خوشحال ہیں وہ اس مال کو اپنا ذاتی نہ سمجھیں، بلکہ اس میں اپنے غریب محتاج بھائیوں کا بھی حصہ سمجھیں۔

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ و صدقات کا ایسا حسین و جامع نظام قائم کر دیا ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو مسلم معاشرے میں کوئی بھی فقر و فاقہ کا شکار نہیں ہو سکتا، افسوس کہ آج اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق مسلمانوں میں اسلامی بیت المال کا نظام قائم نہیں، جس کی وجہ سے وہ معاشی ابتری میں مبتلا ہیں۔

اللہ کی صفت رزاقیت پر جس کو یقین ہوگا وہ کبھی ناجائز ذریعہ معاش اختیار نہیں کرے گا، آج جو مسلمان جائز و ناجائز، حلال و حرام کا خیال نہیں کرتے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کی صفت رزاقیت پر یقین نہیں رکھتے۔

اب تفسیر ماجدی جلد سوم سورہ حج کا حاشیہ ۱۰۱ اور ساتھ ہی تفسیر سورہ مومنون کا بھی حاشیہ ۶۸/ پڑھئے۔

خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ" آخرت کے عقیدہ کی طرح اس خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ" کے عقیدہ کو بھی آج کس درجہ بھلا چکے ہیں، یہ عقیدہ (کہ اللہ بہترین رزق دینے والا ہے) دلوں میں زندہ و تازہ ہوتا تو امت کو آج اس معاشی ابتری کی نوبت نہ آئی ہوتی اور نہ حرام و ناجائز پیشوں میں اس درجہ ابتلاء کی۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ حج، حاشیہ ۱۰۱/)

وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ" (اور وہی سب روزی دینے والے سے بہتر ہے) یہ ہے صحیح اسلامی معاشیات کی بنیادی حقیقت، یعنی دنیوی آمدنی آپ ہی آپ اور اٹکل پچو نہیں ہو جایا کرتی، معاش کا کلیدی ذریعہ، خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ" ہی کا دست عطاء ہے، فقہا نے یہاں یہ مسئلہ نکالا ہے کہ علماء و واعظین کو اجرت طلب کرنا ناجائز ہے۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ مومنون، حاشیہ ۶۸/)

اللہ کے علاوہ کسی کی طرف نظر نہ جائے

عقیدۂ توحید سے بڑھ کر دنیا میں کوئی طاقتور چیز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ پر ایمان اللہ پر توکل اور اعتماد ایک مسلمان کو دنیا کی ساری طاقتوں سے بے خوف کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے باوجود اگر مسلمان حالات کا شکوہ کریں اور پریشانیوں کا اظہار کریں تو اس کا مطلب ہے کہ ان کا عقیدۂ توحید کمزور ہے، اور دعویٔ ایمان کے باوجود ان کی نظر دوسروں کی طرف ہے، حقیقت ہے کہ ساری پریشانیوں اور سارے غموں کی جڑ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے پر نظر کرنا ہے، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد تو مومن کا یہ حال ہونا چاہئے جیسا کہ خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے فرمایا ہے کہ:۔

ایک بے تعلقی سی بس اب ہر کسی سے ہے ☆ اک ربطِ مستقل جو میسر کسی سے ہے
اے وہ کہ جس نے خلق سے بیزار کر دیا ☆ امید ہے کسی سے نہ اب ڈر کسی سے ہے

غیروں سے بے نیازی کی قوت حاصل کرنے کیلئے اس روایت کو بار بار پڑھئے۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے فرمایا، یَا غُلَامُ اِنِّیْ اُعَلِّمُکَ کَلِمَاتٍ، اِحْفَظِ اللّٰہَ یَحْفَظْکَ اِحْفَظِ اللّٰہَ تَجِدْہُ تُجَاھَکَ اِذَا سَئَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰہَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّۃَ لَوِاجْتَمَعَتْ عَلٰی اَنْ یَّنْفَعُوْکَ بِشَیْءٍ لَمْ یَنْفَعُوْکَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَہُ اللّٰہُ لَکَ وَاِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی اَنْ یَّضُرُّوْکَ بِشَیْءٍ لَمْ یَضُرُّوْکَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَہُ اللّٰہُ عَلَیْکَ رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ"

یعنی: اے لڑکے میں تمہیں چند کلمات سکھاتا ہوں، اللہ کے حقوق کا خیال رکھو اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ کو دھیان میں رکھو پھر ہر وقت اللہ کو سامنے پاؤ گے، جب کوئی چیز مانگو تو اللہ تعالیٰ سے مانگو، جب مدد مانگو تو اللہ سے مانگو، اور جان لو کہ اگر ساری مخلوق تم کو نفع پہنچانے کیلئے جمع ہو جائے تو وہ صرف اسی چیز کا نفع پہنچا سکتے ہیں جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے، اور اگر ساری مخلوق تم کو نقصان پہنچانے کیلئے اکٹھا ہو جائے تو تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے، مگر اسی قدر جتنا تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے، قلم لکھ کر اٹھا لئے گئے ہیں اور دفتر سمیٹ دیئے گئے ہیں۔

مسلمانوں کیلئے تو انتہائی ذلت اور بے غیرتی کی بات ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف ان کی نظر جائے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے اندر کوئی طاقت نہیں ہے کہ کسی کو کچھ فائدہ یا نقصان پہنچا سکے۔

ایک بزرگ نے خوب فرمایا ہے کہ:۔

غیروں پہ تیری جاتی ہے کس واسطے نظر
واللہ ان کے ہاتھ میں نفع و ضرر نہیں

جو لوگ مادّی مصلحتوں کے پیش نظر دوسروں کو خوش کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کو ناراض کردیتے ہیں، تو یہ ان کی بہت بڑی ناعاقبت اندیشی ہے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے تعلقات اور دنیاوی مصلحتوں کی ساری دیواروں کو منہدم کردینا چاہئے، اگر بندہ ایسا نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محروم ہوجائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس کے حوالہ کردیں گے جس سے وہ ڈرتا تھا۔

اگر کوئی بندہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تمام حاجتوں اور ضرورتوں کی کفالت کرے تو اللہ سے تعلق، اللہ سے محبت اور اللہ پر ایمان کا یہی تقاضا ہے کہ ہر معاملہ میں صرف اللہ کی خوشنودی کو اپنی زندگی کا مقصود بنالے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اس ایمان افروز اور جامع نصیحت کو بار بار پڑھئے۔

عَنْ مُعَاوِيَةَؓ اَنَّهُ كَتَبَ اِلٰى عَائِشَةَؓ اَنِ اكْتُبِىْ اِلَىَّ كِتَابًا تُوْصِيْنِىْ فِيْهِ وَلَا تُكْثِرِىْ فَكَتَبَ، سَلَامٌ عَلَيْكَ، اَمَّا بَعْدُ، فَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنِ الْتَمَسَ رِضَى اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَى النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَّلَهُ اللّٰهُ اِلَى النَّاسِ، وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ" حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو خط لکھا اور اس میں درخواست کی کہ آپ مجھے کچھ نصیحت اور وصیت فرمائیں لیکن بات مختصر اور جامع ہو بہت زیادہ نہ ہو، تو حضرت ام المومنینؓ نے ان کو یہ مختصر خط لکھا۔

سلام ہو تم پر، اما بعد، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے، جو کوئی اللہ کو راضی کرنا چاہے لوگوں کو اپنے سے خفا کرکے تو اللہ تعالیٰ بے نیاز کردے گا، اس کو لوگوں کی فکر اور بار برداری سے اور خود اس کیلئے کافی ہوجائے گا اور جو کوئی بندوں کو راضی کرنا چاہے گا اللہ کو ناراض کرکے، تو اللہ اس کو حوالہ کردے گا لوگوں کے۔ (بحوالہ، جامع ترمذی)

مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھیؒ کے یہ عارفانہ اشعار اس لائق ہیں کہ ان کو بھی ورد زباں رکھا جائے۔

غلط ہے غیر پر مجھ کو بھروسہ ہو اگر کچھ بھی
بجز اللہ کوئی اپنا مونس ہے نہ ہمدم ہے
سوا اللہ کے کیوں غیر کو حاجت رواں سمجھو
زمین و آسماں اس کا اسی کا عرشِ اعظم ہے

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ حج کا حاشیہ نمبر ۱۴۰/۱۴۱ پڑھئے۔

عزم وہمت کو قائم رکھنے والی اور کشاکش حیات میں ہر مصلحت نفس پر غالب رکھنے والی چیز یہی عقیدۂ توحید ہے، جس قدر یہ اعتماد علی اللہ قوی ہوگا اسی درجہ میں انسان مراتب معرفت وقرب میں ترقی کرتا جائے گا، اور ہر غیر الٰہی قوت کے مقابلہ میں دلیرتر ہوتا جائے گا۔

انسان کو ضمیر کی پابندی سے ہٹانے والی چیز ہمیشہ یہی خوف ہوتا ہے کہ اگر فلاں کو میں نے خوش نہ رکھا تو وہ مجھے نقصان پہنچا دے گا، قرآن نے بار بار ضرب کاری اسی گمانِ فاسد پر لگائی ہے، اور بار بار اعلان کیا ہے کہ کام بنانے والا اور ہر طرح کی نصرت واعانت کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس کے ہوتے ہوئے کسی اور کی طرف خیال لے جانا ہی حماقت ونادانی ہے۔

نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ" ولایت وتولیت (امور کارسازی) اور نصرت (مدد) کا منبع ومرجع صرف اسی کی ذات واحد ہے۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ حج، حاشیہ نمبر ۱۴۰/۱۴۱/۱)

❁ ❁

اقتباس

جو لوگ مادّی مصلحتوں کے پیش نظر دوسروں کو خوش کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دیتے ہیں، تو یہ ان کی بہت بڑی ناعاقبت اندیشی ہے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے تعلقات اور دنیاوی مصلحتوں کی ساری دیواروں کو منہدم کر دینا چاہئے، اگر بندہ ایسا نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محروم ہو جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس کے حوالہ کر دیں گے جس سے وہ ڈرتا تھا۔

اگر کوئی بندہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تمام حاجتوں اور ضرورتوں کی کفالت کرے تو اللہ سے تعلق، اللہ سے محبت اور اللہ پر ایمان کا یہی تقاضا ہے کہ ہر معاملہ میں صرف اللہ کی خوشنودی کو اپنی زندگی کا مقصود بنا لے۔

نماز کی پابندی اور ہر لایعنی بات سے پرہیز

نماز ایک ایسی روح پرور عبادت ہے جو تمام اسلامی عبادات کی جامع ہے، بغیر نماز کے کوئی آدمی اسلامی جماعت کا ممبر نہیں ہوسکتا، نماز انسان کو دنیا اور دنیا کی ساری چیزوں سے بے نیاز کر کے اللہ تعالیٰ کی آغوشِ رحمت میں پہنچادیتی ہے، نماز ہی سے پتہ چلتا ہے کہ بندے کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے کس طرح کا ہے، نماز ہی اللہ تعالیٰ سے قرب ووصال کا ذریعہ ہے، زمین پر رہتے ہوئے وہ عرشِ بریں کے پاس اللہ تعالیٰ سے ہم کلام نظر آتا ہے، نماز میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے تمام جمال وجلال کے ساتھ بندہ کے سامنے ہے، اسی لئے حدیث میں ہے کہ نماز کی حالت میں بندہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے اور اس سے راز ونیاز کی باتیں ہوتی ہیں، سوال وجواب کا وہ حسین منظر ہوتا ہے جس کی خبر فرشتوں کو بھی نہیں ہوتی۔

اگرچہ راقم الحروف اپنے اس مندرجہ ذیل شعر کا مصداق نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ اپنے لطف وکرم سے اس کا مصداق بنادے، سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی پر منحصر ہے۔

جھکا دیتا ہے جب سنگ درِ جاناں پہ سر اپنا
اٹھاتے ہیں وہی تب جاکے سر اٹھتا ہے اصلاحی

نماز کا مقام اتنا بلند ہے کہ حدیث میں اس کو مومن کی معراج کہا گیا ہے نماز میں اللہ تعالیٰ سے مناجات اور ہم کلامی کے حسین منظر کی تصویر کشی مولانا محمد احمد صاحبؒ کے ان اشعار میں کی گئی ہے۔

قربان وہ کردیتا ہے جنت کی بہاریں ☆ پاتا ہے جو قسمت سے مناجات کا عالم
غائب ہوا جاتا ہے حجابات کا عالم ☆ مشہود لگا ہونے مغیبات کا عالم
ہے کیف سے لبریز سوالات کا عالم ☆ جنت کی بھی جنت ہے جوابات کا عالم

محسوس لگا ہونے کہ دل عرشِ بریں ہے
اللہ رے یہ ان کی ملاقات کا عالم

نماز کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا وآخرت کی فلاح وکامیابی کیلئے شرط قرار دیا ہے، نماز کے بغیر فلاح وکامیابی کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، لیکن شرط یہ بھی ہے کہ نماز واقعی نماز ہو، بے روح نہ ہو اللہ تعالیٰ نے فلاح پانیوالے مومنوں کی یہ صفت بھی بیان کی ہے کہ وہ نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں، خشوع کا مطلب ہے دل اللہ کے علاوہ ہر چیز سے خالی کردیا جائے، اگر نماز میں یہ تصور رہے کہ رب ذوالجلال ہمارے سامنے ہے ہم اس کو دیکھ رہیں، تو انشاء اللہ ہر طرح کے لایعنی خیال سے ہم بچ جائیں گے۔

نماز کی حفاظت اور نماز میں خشوع پیدا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ آدمی، غیر ضروری اور لایعنی باتوں سے پرہیز کرے، اسی لئے نماز کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی اس صفت کا اہمیت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ وہ ہر طرح کے لغو اور لایعنی کاموں سے کنارہ کش رہتے ہیں، اگر آدمی لغویات اور لایعنی افعال و اعمال سے دور نہیں رہتا تو نماز کی تمام برکتوں سے محروم رہے گا۔ بقول علامہ اقبال، ؎

"ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں"

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ"

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کے اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ بیکار باتوں کا مشغلہ چھوڑ دے۔ (بحوالہ، ترمذی)

حقیقت ہے کہ مومن کی یہی شان ہونی چاہئے کہ جو قول و فعل اسلام کی نظر میں بہتر نہ ہو وہ اس سے بالکل کنارہ کش ہو جائے، اور اللہ کا تصور اس پر درجہ غالب آجائے کہ ہر حال میں اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی ذاتِ پاک گویا حاضر و ناضر ہو، تو پھر بیکار باتوں کی طرف اس کا قدم خود بخود نہیں اٹھ سکتا۔

اگر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہر وقت سامنے رہے تو انسان کی زبان سے کوئی لغو بات نہیں نکل سکتی۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ" کوئی بات اپنے منہ سے نہیں نکالتا مگر ایک نگراں اس کے پاس لکھنے کو تیار رہتا ہے۔ (سورہ، ق)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ ابن آدم کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ اس کے نقصان ہی نقصان کی ہوتی ہے، بجز ان صورتوں کے، بھلی بات کا حکم دینا بری بات سے روکنا، اور اللہ کو یاد کرنا۔ (بحوالہ، ترمذی)

اس روایت سے تو دل کانپ جاتا ہے، اے اللہ تعالیٰ راقم الحروف کو تو خاموشی کا عادی بنادے اور کوئی بات اس کی زبان سے تیری مرضی کے خلاف نہ نکلے، زبان کی تباہ کاریوں ہی کی وجہ سے اللہ سے ڈرنے والے زبان کے سلسلے میں بہت محتاط رہتے ہیں۔ بقول ایک عارف باللہ، ؎

بلبل نغمہ سنج بھی ہو کے ہم خموش ہیں
کھولیں زبان کس طرح حکم ہی لَا تَقُلْ ہے آج

حضور اکرم ﷺ کے صحابہ میں ایک صحابیؓ کا انتقال ہو گیا تو کسی نے کہا کہ تجھے جنت کی بشارت ہو، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تمھیں کیا خبر ہے، شاید کبھی اس نے بے کار بات منہ سے نکالی ہو یا اپنی حاجت سے زیادہ چیز پر بخل کیا ہو۔ (بحوالہ، ترمذی)

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ، کسی آدمی سے اللہ تعالیٰ کے اعراض کرنے کی ایک علامت یہ بھی ہے

کہ وہ اس کو بیکار باتوں کے مشغلہ میں الجھادے۔

انہیں بے کار کاموں میں غیر ضروری تعمیر بھی شامل ہے۔

حضرت معروف کرخیؒ فرماتے ہیں کہ آدمی کی بے کار باتوں کا مشغلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو رسوا کرنے کی ایک علامت ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا نازک حسن بے کار باتوں کی ذرا سی ٹھیس بھی برداشت نہیں کرتا، تو کیا پھر آپ مطمئن ہیں کہ آپ کی غفلت دمن مانی، آزادی اور ہر طرح کی لایعنی باتوں، کاموں میں مشغول رہنے کے بعد بھی آپ کا اسلام محفوظ رہے گا، اس کے حسن میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

راقم الحروف کا ایک شعر ہے۔

تذکرہ غیروں کا میرے سامنے چھیڑو نہ تم
ذکر لایعنی سے تو بیمار ہو جاتا ہے دل

اے اللہ تعالیٰ اپنے اس عاجز کمزور بندے مختار احمد اصلاحی کو پکا اور سچا نمازی بنادے، اور ہر طرح کے لایعنی اقوال وافعال اور اعمال سے اس کو محفوظ رکھ۔ آمین

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ مومنون کا حاشیہ نمبر ۲؍۳ پڑھئے۔

نماز کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ اعمال میں سب سے پہلے جگہ اسی کو ملی، اور خشوع کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ نماز کے سلسلہ میں سب سے پہلے اسی کو بیان کیا گیا ہے، اور خشوع کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ نماز میں قصداً غیر متعلق باتوں کو خیال میں نہ لایا جائے، گویا پوری فلاح یابی تو گروہ مومنین کا حصہ ہے اور مومنین کی پہلی علامت یہ ہے کہ وہ نماز میں پکے اور سچے ہوتے ہیں، یہ نہیں کہ لکچر خوب دے لیتے ہیں، یا بڑے چرب زبان ہوتے ہیں یا کتابوں کے بڑے پڑھنے والے ہوتے ہیں۔

لغو کہتے ہیں ہر اس حرکت کو جو عبث، بے حاصل، لایعنی ہو آخرت یا صرف دنیا کے اعتبار سے، زندگی بڑی ہی قیمتی شی ہے اور بڑی سنجیدہ واہم حقیقت ہے، مسلمان کی شان یہ نہیں کہ ایک لمحہ بھی کسی غیر مفید بات کی طرف توجہ کرے۔

امام رازیؒ نے کہا ہے کہ ہر لغوبات سے بچنے کا ذکر جو خشوع صلوٰۃ کے معا بعد اور حکم زکوٰۃ سے قبل ہی لے آیا گیا ہے، اس کا راز یہ ہے کہ لغوبات سے اجتناب صلوٰۃ کی عین تکمیل کرنیوالا ہے۔ (کبیر)

دوسری پہچان مومنین کی اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی کہ وہ لایعنی اور بے مقصد باتوں کے تارک اور ان سے پرہیز کرنیوالے ہوتے ہیں، آج اپنے کو مسلمان کہلوانے والے اپنی حالت پر ذرا غور فرمالیں۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ مومنون، حاشیہ نمبر ۲؍۳)

اگر سچے مسلمان نہ رہیں تو دنیا ختم ہوجائے

پوری کائنات کی روح اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اللہ کی بندگی ہے، اس لئے جب تک اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے والے انسان اس زمین پر رہیں گے اس کائنات کا وجود باقی رہے گا، جس دن کائنات کی یہ روح نکل جائے گی یعنی اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے والے انسان نہیں رہیں گے قیامت اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ آدھمکے گی۔

راقم الحروف کا ایک شعر ہے۔

اللہ اللہ بندۂ مومن کا یہ اونچا مقام
اس کے وجود ہی سے ہے دنیائے فانی کا قیام

سورج اپنی سنہری کرنوں کے ساتھ روزانہ چمک رہا ہے، اگر دنیا کے سارے انسان اپنے اپنے اوپر دبیز چادر تان لیں تاکہ سورج کی روشنی ان تک نہ پہنچ سکے، تو پھر سورج کے وجود کی ضرورت باقی نہیں رہے گی، اللہ تعالیٰ سورج کی چادر ضیاء و نور لپیٹ دیں گے، لیکن جب تک ایک بھی بندۂ مومن، اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا اس روئے زمین پر رہے گا سورج اپنی سنہری کرنوں کو بکھیرتا رہے گا، چاند اپنی نور افشانیوں کے ساتھ شب تاریک کو روشن کرتا رہے گا ستارے چمکتے رہیں گے۔

یہ بھی یاد رکھئے کہ یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اور اللہ ہی کا قانون حق ہے، اللہ کے قانون کی حکمرانی کے بغیر اس زمین پر امن وامان قائم نہیں ہوسکتا، دنیا کا نظام ابھی اس لئے قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے حق کی روشنی سے کچھ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور حق کی اتباع کررہے ہیں، اگر آج دنیا کے سارے انسان اپنی نفسانی خواہشات کے تابع ہوجائیں تو دنیا کا نظام درہم برہم ہوجائے گا اور اس کائنات کا وجود ختم ہوجائے گا، اللہ تعالیٰ کا نام لینے والے کچھ سچے مسلمانوں ہی کا دنیا والوں پر احسان ہے کہ دنیا کا نظام ابھی قائم ہے۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنی قیمت کو محسوس کریں اور اپنے ایمان کی روشنی کو گل نہ ہونے دیں، آج دنیا گناہوں اور شر و فساد کی آگ میں جل رہی ہے، اس لئے باران رحمت بن کر اس کو بجھانے کی کوشش کریں۔

رحمت کا ابر بن کے جہاں بھر میں چھایئے
عالم یہ جل رہا ہے برس کر بجھایئے

اب تفسیر ماجدی جلد سوم تفسیر سورہ مومنون کا حاشیہ نمبر ۶۵ / پڑھئے۔

اگر دنیا میں نظامِ حق ناپید ہوجائے تو پہلے تشریعی حیثیت سے اور پھر اس کے نتیجہ کے طور پر تکوینی حیثیت سے نظام عالم درہم و برہم ہوجائے۔

نظامِ تکوینی بھی اسی وقت تک تھما ہوا، سنبھلا ہوا ہے جب تک نظامِ شرعی کسی حد تک بھی جاری و نافذ ہے، ورنہ اگر نظامِ شرعی یکسر باطل ہوجائے، ورنہ اگر سچ کی جگہ جھوٹ کی فرمانروائی ہوجائے نکاح و ازدواج کے بجائے حرام کاری وعصمت ریزی عام ہوجائے پانی اور شربت کے بجائے شرابیں ہی پی جانے لگیں، عدل کے بجائے ظلم وستم کا راج ہوجائے، دیانت وامانت کی جگہ رشوت وخیانت گھر گھر پھیل جائے، عزت مال اور جان سے امن اٹھ جائے تو نظامِ کائنات ہی درہم وبرہم ہوکر رہے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ مومنون، حاشیہ نمبر ۶۵)

❁❁

اقتباس

یاد رکھئے کہ یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اور اللہ ہی کا قانون حق ہے، اللہ کے قانون کی حکمرانی کے بغیر اس زمین پر امن وامان قائم نہیں ہوسکتا، دنیا کا نظام ابھی اس لئے قائم ہے کہ اللہ کے کچھ بندے حق کی روشنی سے کچھ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور حق کی اتباع کررہے ہیں، اگر آج دنیا کے سارے انسان اپنی نفسانی خواہشات کے تابع ہوجائیں تو دنیا کا نظام درہم برہم ہوجائے گا اور اس کائنات کا وجود ختم ہوجائے گا، اللہ تعالیٰ کا نام لینے والے کچھ سچے مسلمانوں ہی کا دنیا والوں پر احسان ہے کہ دنیا کا نظام ابھی قائم ہے۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنی قیمت کو محسوس کریں اور اپنے ایمان کی روشنی کو گل نہ ہونے دیں، آج دنیا گناہوں اور شروفساد کی آگ میں جل رہی ہے، اس لئے بارانِ رحمت بن کر اس کو بجھانے کی کوشش کریں۔

سچے مسلمانوں کا مذاق اڑانے والوں کی عبرتناک تصویر

دنیا کے چندروزہ عیش وآرام اور دنیا کی ترقی کو اپنی زندگی کا مقصد بنانے والوں نے ہمیشہ اہل حق کا خاص طور سے غریب سچے مسلمانوں کا مذاق اڑایا ہے، آج بھی صورت حال وہی ہے، غیر تو مذاق اڑاتے ہی ہیں، بہت سے نام نہاد روشن خیال مسلمان بھی سچے مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور عجیب عجیب دل آزار القاب سے ان کو پکارتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ کہتے ہیں کہ،

یہ مولوی حضرات قومی ترقی کے درمیان حائل ہیں، دنیا کہاں سے کہاں جارہی ہے چاند پر پہنچنے کی تیاری ہورہی ہے اور یہ ملا لوگ مسجد کے لوٹا بنے ہوئے ہیں، ان کے یہاں نماز روزہ کے علاوہ اور کسی چیز کا ذکر ہی نہیں ہے، کیا صرف دینی تعلیم اور قرآن وحدیث پڑھ کر ہم مہذب اور ترقی یافتہ قوموں کے شانہ بشانہ چل سکتے ہیں، اب ڈاڑھی اور کرتا پاجامہ کا دور گذر چکا ہے، آج اپنے گلے میں ٹائی باندھ کر انگریزی لباس پینٹ شرٹ پہن کر اور بالکل کلین شیو ہوکر رہنا چاہئے تاکہ ہم مہذب سوسائٹی میں بیٹھ سکیں، کچھ پڑھے لکھے ماڈرن جاہل تو امام اور مؤذن کا مذاق اڑاتے ہوئے علامہ اقبال کا یہ شعر بھی پڑھ دیتے ہیں۔

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے

اس کو کیا جانیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

اسی طرح معلوم نہیں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے پڑھے ہوئے کچھ جاہل، روشن خیال، کیا کیا بکواس کرتے ہیں، خود تو غیر مہذب ہیں اور سچے مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔

چاہے کفار ومشرکین ہوں، یا ایڈوانس ترقی یافتہ روشن خیال اپٹوڈیٹ نام نہاد مسلمان ہوں، جو سچے مسلمانوں کا دنیا میں مذاق اڑاتے تھے، جب دوزخ کی آگ ان کا استقبال کرے گی اور اس کے شعلے ان کے چہروں کو جھلسنے لگیں گے اور ان کے چہرے دوزخ میں بدشکل ہوجائیں گے تو بے چین ہوکر درخواست کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار واقعی دنیا میں ہم پر بدبختی سوار تھی، ہم کو ایک بار پھر چانس دیجئے، جہنم سے نکال دیجئے، اگر ہم پھر ایسا کریں گے تو یقیناً ظالم ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو جواب دیا جائے گا کہ اسی آگ میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو اور ہم سے بات مت کرو، ہمارے بندوں میں جو لوگ ہماری بندگی کرتے تھے ہمارے سچے وفادار تھے تم ان کا دنیا میں مذاق اڑاتے تھے، ان پر ہنستے تھے تو اب اپنے اس جرم اور اپنی اس گستاخی کا مزا چکھو، اس وقت ان کو کتنی حسرت ہوگی، کتنا غم ہوگا اس کا تصور بھی محال ہے، دنیا کا عیش وآرام تو چندروزہ تھا، جس کے نشے میں آخرت کو بھولے ہوئے

تھے، اب تو یہاں ہمیشہ ہمیش جہنم کے دردناک عذاب کا مزا چکھنا ہی ہے۔

جو لوگ دنیا کی ترقی ہی کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے ہوئے ہیں، اور اپنے کو بہت ہی مہذب اور متمدن سمجھتے ہیں، کاش وہ یہ سوچتے کہ دنیا کو آخرت سے اتنی بھی نسبت نہیں ہے جو قطرہ کو سمندر سے ہے، عہدہ، منصب، ڈگری، کالج، یونیورسٹی، سائنس، ٹکنالوجی کچھ بھی تو آخرت میں کام آنے والی چیز نہیں ہے، ترقی کا جو بھوت سوار ہے موت کے وقت ہی اتر جائے گا، اور یہاں کی ڈگریوں ترقیوں اور روشن خیالیوں کا سارا نشہ ہرن ہو جائے گا۔

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ مومنون کا حاشیہ نمبر ۹۵/۹۶/۹۸ پڑھئے۔

کتنی صحیح مؤثر و عبرت ناک تصویر ہے آج کتنے ہی منکر و کافر نہیں نام کے مسلمان بھی اپنی روشن خیالی کے زعم میں ٹھیک اسی طرح کا مضحکہ سیدھے سادے دیندار مسلمانوں سے نہیں کیا کرتے؟

۹۶۔ اور تم اپنی روشن خیالی" پر گھمنڈ رکھنے والے اس ناکامی کے عذاب میں گرفتار نکلے، ان غریبوں کا کیا بگڑا جو تمہارے تختۂ مشق تھے، چند روزہ کلفت کو صبر کے ساتھ برداشت کر لے گئے، مصیبت تو تمہارے حصہ میں آئی۔

۹۸۔ ارشاد ہوگا کہ یہاں کے طول ودوام کے مقابلہ میں تم دنیا میں بے شک بہت ہی قلیل مدت کیلئے رہے، لیکن کاش تم نے دنیا ہی میں دنیا کے بے ثبات اور زود فنا ہونے کا احساس کر لیا ہوتا، تم تو اسی ناسوتی زندگی پر مغرور وسرشار اسی کو تمام زندگی سمجھتے رہے، یہ حسرت و یاس تو سب سے زیادہ آج کی مہذب و متمدن قوموں کو ہوگی، جو اسی عنصری زندگی کو ساری ہی زندگی سمجھے ہوئے ہیں اور اس پر اصرار رکھتے ہیں۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ مومنون، حاشیہ نمبر ۹۵/۹۶/۹۸)

❁❁

دنیا پرستوں کی حماقت

دنیا میں ہر چیز کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے، کوئی چیز بلا مقصد پیدا نہیں کی گئی ہے، آپ خود جانتے ہیں کہ گائے اور بھینس کے وجود کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ ان کے ذریعہ دودھ حاصل کیا جائے، مختلف قسم کے جو اناج پیدا ہوتے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ ان کے ذریعہ آپ کو غذاء حاصل ہو، گھوڑے کا وجود اس لئے ہے کہ وہ آپ کیلئے سواری کا کام دے، سورج اس لئے ہے کہ اس سے آپ روشنی حاصل کریں، کپڑا اس لئے ہے کہ اس سے آپ کی ستر پوشی ہو۔

الغرض ہر چیز اپنے وجود کا ایک مقصد رکھتی ہے، تو پھر انسان کے وجود کا کوئی مقصد نہیں ہے؟ کیا انسان ہی اس با مقصد کائنات میں بے مقصد ہے، ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے، کیوں کہ خالق نے ساری کائنات کو با مقصد بنایا ہے، تو انسان جیسی مخلوق کو یونہی عبث اور بلا مقصد نہیں پیدا کیا ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل جیسی نعمت دی ہے، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے نوازا ہے، اس لئے سب سے پہلے اس کو اس بات کی تحقیق کرنا چاہئے کہ اس کے وجود کا حقیقی مقصد کیا ہے؟

علم و فن اور سائنس و ٹکنالوجی کے میدان میں تحقیق کا گھوڑا دوڑانے سے پہلے اس کو اپنے مقصد وجود کا پتہ لگانا چاہئے، اگر اس نے طرح طرح کی ایجادات و اکتشافات کا انبار لگا دیا لیکن اپنے آپ کو اور اپنے پروردگار حقیقی کو نہ پہچان سکا تو خواہ وہ بڑے بڑے کالج قائم کرے اور ہر طرح کی تعلیمی ترقی کر لے لیکن وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے، اس سے اچھا تو ایک کتا اور گدھا ہے۔ کہنے والے نے سچ کہا ہے کہ، ۔

با ہمہ علم و آگہی ہائے رے پستی بشر
سارے جہاں کا جائزہ ہستی سے اپنی بے خبر

اس لئے تمام مادی ترقیوں کو نظر انداز کر کے پہلے اپنے آپ کو پہچانئے اور یہ جاننے کی کوشش کیجئے کہ حقیقی ترقی کا تعلق جسم سے ہے یا روح سے، یہ عجیب حماقت ہے کہ جسم کو تو آپ نے فربہ بنا لیا لیکن اپنی روح کو فاقہ کی حالت میں چھوڑ دیا، اگر آپ نے پانی میں بجلی تلاش کر لی، سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر لیا، سمندر کی تہوں سے پٹرول اور ڈیزل نکال لیا، ہوائی جہاز اور راکٹ تیار کر لئے مواصلاتی نظام کیلئے موبائل فون، انٹرنٹ، ٹیلیویژن وغیرہ کو ایجاد کر لیا تو یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے، کمال تو یہ ہے کہ آپ کو خود اپنی پہچان ہو جائے اور اپنے مقصد تخلیق کو جان لیں۔ ۔

تجھے ہوا بھی جو عرفانِ کائنات تو کیا
خود اپنے نفس کا عرفاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھیؒ نے بھی خوب فرمایا ہے کہ، ۔

تسلیم کہ حاصل تجھے سب علم و ہنر ہے
لیکن یہ بتا کچھ تجھے اپنی بھی خبر ہے

آپ اس حسین کائنات کو دیکھ رہے ہیں، سورج کے طلوع وغروب اور رات دن کے آنے جانے کا مشاہدہ کررہے ہیں اور کائنات کے ذرّے ذرّے میں اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت کاملہ کے کرشموں کو دیکھ رہے ہیں تو کیا اللہ تعالیٰ کی اس صناعی وخلاقی میں اللہ تعالیٰ آپ کو دکھائی نہیں دے رہا ہے۔

اس کائنات میں سب سے زیادہ حسین وجود انسان کا ہے اور اس حسین انسانی وجود کا خالق اللہ ہی ہے، تو عقل کا بھی تقاضا یہی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کی جائے، انسان کو اللہ نے بلا مقصد نہیں پیدا کیا ہے، اس کے وجود کا مقصد یہی ہے کہ وہ اللہ کی بندگی کرے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے، اللہ کی معرفت اور اس کی سچی بندگی ہی سے آپ روحانی ترقی کرسکتے ہیں، اور روحانی ترقی ہی سے آپ کے جسم کو بھی بقاء و دوام حاصل ہوگا، اور روح کا حسن آپ کے جسم کو بھی حسین بنادے گا۔

اس بات کو ہمیشہ یاد رکھئے کہ اگر روح مردہ ہے تو یہ جسم خاکی کوئی رنگ نہیں دکھا سکتا، اس لئے روح کو حسین بنانے اور سنوارنے کی طرف زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے، کیونکہ زندگی نام ہی روح کے ارتقاء کا ہے، جو مادّی ترقی جسم کو تو فربہ کرے لیکن روح کو مردہ کردے تو اس ترقی سے لاکھ درجہ بہتر ہے کہ آدمی بیل گاڑی اور بلڈنگ سے چھپر کے دور میں آجائے، محض جسم کی ترقی کیلئے بڑے بڑے کالج، بڑی بڑی یونیورسٹیاں کھولنے کی ضرورت نہیں ہے جہاں روح مردہ ہوجاتی ہے، اگر انسان کی زندگی کا مقصد صرف روٹی اور کپڑا ہے تو بہت سے جانور ہیں جو انسانوں کی غذا سے اچھی غذا کھاتے ہیں اور انسانوں کے کپڑوں سے زیادہ خوب صورت لباس میں ملبوس رہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا تھا کہ،

It is written, Man shall not live by bread alone but by every world
that proceedth out of the mouth of god.

یعنی: یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ آدمی محض روٹی سے زندہ نہیں رہ سکتا، بلکہ اس کلمہ سے زندہ رہتا ہے جو اللہ کے منہ سے نکلتا ہے۔ (بحوالہ، St,Mattew chapter 4)

دنیا پرستوں کی سب سے بڑی حماقت یہی ہے کہ اپنے مقصد تخلیق کو نظر انداز کرکے صرف اپنے پیٹ اور چند روزہ زندگی کے عیش وآرام کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیں اور اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے میں گذاردیں، اور آخرت کی دائمی زندگی کو برباد کردیں۔

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، سورہ مومنون کا حاشیہ نمبر ۹۹ پڑھئے۔

تمہاری کیسی شدید حماقت تھی کہ تم اپنی تخلیق ہی کا مقصد نہ سمجھے اور اسی کے دلائل کو جھٹلاتے رہے، مادی دنیا کی تحقیق کے پیچھے پڑے رہے اور اپنی ذات اور نفس کے عرفان کی طرف ایک دن بھی توجہ نہ کی اور ہماری اس درجہ صناعانہ اور حکیمانہ تخلیق کائنات کو سرے سے بے مقصد ہی سمجھا کئے۔

ملحد و مومن کے درمیان یہی تو اصلی فرق ہے کہ مومن اپنی زندگی کو بامقصد سمجھے ہوئے ہیں اور ملحد بے مقصد۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ مومنون، حاشیہ نمبر ۹۹ر)

اقتباس

اس بات کو ہمیشہ یاد رکھئے کہ اگر روح مردہ ہے تو یہ جسم خاکی کوئی رنگ نہیں دکھا سکتا، اس لئے روح کو حسین بنانے اور سنوارنے کی طرف زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے، کیونکہ زندگی نام ہی روح کے ارتقاء کا ہے، جو مادی ترقی جسم کو تو فربہ کرے لیکن روح کو مردہ کردے تو اس ترقی سے لاکھ درجہ بہتر ہے کہ آدمی بیل گاڑی اور بلڈنگ سے چھپر کے دور میں آجائے۔

محض جسم کی ترقی کیلئے بڑے بڑے کالج، بڑی بڑی یونیورسٹیاں کھولنے کی ضرورت نہیں ہے، جہاں روح مردہ ہوجاتی ہے، اگر انسان کی زندگی کا مقصد صرف روٹی اور کپڑا ہے تو بہت سے جانور ہیں جو انسانوں کی غذا سے اچھی غذا کھاتے ہیں اور انسانوں کے کپڑوں سے زیادہ خوب صورت لباس میں ملبوس رہتے ہیں۔

آزادئ نسواں کا شیطانی حربہ

دجال کا ظہور کب ہوگا اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، لیکن دجالیت کے فتنوں کا آغاز ہو چکا ہے، دجالیت کے جہاں بہت سے فتنے ہیں ان میں سے ایک بہت ہی خطرناک اور انسانی معاشرہ کو تباہ و برباد کرنے والا فتنہ، آزادئ نسواں، بے پردگی، بے شرمی اور بے حجابی ہے، جو لوگ مغربی تہذیب سے متاثر ہیں اور جن کے ذہن و دماغ کو مغربی تہذیب کے جراثیم نے مفلوج کر دیا ہے، وہ عفت و عصمت سے آزاد معاشرہ کے حامی ہیں۔

آج آزادئ نسواں، بے پردگی، بے حیائی اور بے شرمی کا ایسا خطرناک سیلاب آیا ہے، جس کے تیز دھارے میں بہت سے مسلمان بھی بہے جا رہے ہیں، تعلیم کو بہانہ بنا کر مسلم لڑکیاں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے خدا فراموش ماحول میں جا رہی ہیں، اور چادر عفت و عصمت کو داغدار کر رہی ہیں، کالجوں کا آزاد، خدا فراموش ماحول اور مخلوط نظام تعلیم ان کو اسلامی تہذیب سے دور کرتا جا رہا ہے۔

اکبر الٰہ آبادی نے سچ فرمایا تھا کہ،

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی ☆ قوم نے ڈھونڈ لی فلاح کی راہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین ☆ پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

بہت سے علماء کرام اور ملت کے ہمدرد حضرات تعلیم کو بہانہ بنا کر لڑکیوں کیلئے بڑے بڑے مدرسے قائم کرتے ہیں، جہاں مستقل رات دن قیام کیلئے بورڈنگ ہاؤس کا بھی نظم ہوتا ہے، جب کہ لڑکیوں کیلئے اسلامی نقطہ نظر سے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر کسی بورڈنگ ہاؤس میں قیام کریں، اسی طرح بالغ لڑکیاں اپنے گھروں سے نکل کر جھنڈ کی جھنڈ مدرسوں میں جاتی ہیں یہ بھی ان کیلئے فتنہ ہے، عورتوں کی تعلیم گھروں میں ہونا چاہئے تا کہ ان کے اندر آزادی پیدا نہ ہو اور ان کی عفت و عصمت محفوظ رہے۔

حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ عورتوں کو علم دین بھی گھر پر ہی پڑھانا چاہئے، جس کی روح دو امر ہیں ایک یہ کہ ان کو صرف علم دین پڑھایا جائے، دوسرے یہ کہ یہ تعلیم خاص طور سے متفرق طور پر گھروں میں ہونا چاہئے، مدارس کے طور پر مجتمع طور پر نہ ہونا چاہئے، کہ شریعت نے بلا ضرورت شدیدہ ان کے اجتماع و خُرُوْج عَنِ الْبُیُوْت (گھر سے نکلنے) کو پسند نہیں کیا ہے۔

(بحوالہ، اصلاح انقلاب امت، صفحہ ۱۴۸ر ازحکیم الامت حضرت اشرف علی تھانویؒ)

حدیث میں بھی ہے کہ، اَلنِّسَاءُ حِبَالَۃُ الشَّیْطَانِ" عورتیں شیطان کا جال ہیں۔

اس کا مطلب ہے کہ عورت شیطان کا بہت خطرناک ہتھیار ہے جس کے ذریعہ وہ انسانوں کو شکار کرتا

ہے، اور اپنی وسوسہ اندازیوں سے دل اور نگاہ کی پاکیزگی کو ختم کر دیتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اس جال کو گھر سے باہر نہ جانے دیا جائے، غیر مسلموں کو تو چھوڑیئے جن کے یہاں پردہ اور شرم وحیاء کا کوئی واضح تصور نہیں ہے، افسوس تو یہ ہے کہ مسلمان عورتوں میں بے پردگی بڑھتی جارہی ہے، برقعہ پوش اور نیم برقعہ عورتوں سے کالج اسکول اور بازار بھرے رہتے ہیں، اور مسلمان مرد اتنے بے حس اور بے غیرت ہوگئے ہیں کہ اس سلسلے میں کوئی اصلاحی و انقلابی قدم اٹھانے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ اکبرالٰہ آبادی نے سچ کہا تھا کہ ؎

بے پردہ نظر آئیں جو کل چند بی بیاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ کہاں گیا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورۃ النور کا حاشیہ نمبر ۳۳ ر پڑھئے۔

چنانچہ آج بھی مشاہدہ ہے کہ شیطان جدید عورت کے کان میں کیسے کیسے افسوں ''آزادی'' و ''مساوات کامل'' کے نام سے پھونک کر اسے انتہائی اخلاقی پستیوں کی طرف لے جارہا ہے، مخلوط تعلیم، سنیما، ٹیلی ویژن کی عریانیاں و نیم عریاں تصویریں، ریڈیو اور سنیما کے فحش و نیم فحش گانے، بال روم ڈانس اور ہر شعبۂ زندگی میں مرد و زن کا آزادانہ بے تکلف اختلاط وغیرہا۔

(بحوالہ، تفسیر سورۃ النور، حاشیہ نمبر ۳۳ ر)

پاک دامن عورتوں کی اہم صفت

قرآنِ حکیم نے پاک دامن عورتوں کیلئے، غـافِلات کی جو صفت بیان کی ہے، وہ بہت ہی جامع اور اہم ہے، اس صفت میں پاک دامن عورتوں کی پوری تصویر موجود ہے، غفلٌ کے معنی عربی زبان میں چھپانے اور بے خبری کے آتے ہیں اسی سے غُـفُل کے معنی بے علامت اور بے نشان کے بھی ہوتے ہیں، جس شعر کے متعلق یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کس کا ہے؟ اس کا قائل کون ہے؟ تو اس شعر کیلئے بھی غـفـل کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جو زمین غیر آباد ہوتی ہے، جہاں کسی کا آنا جانا نہیں ہوتا اس کیلئے غُـفـل کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جس کتاب کا مصنف اور مؤلف نہ معلوم ہو اس کیلئے بھی غُـفُـل کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اسی طرح وہ چوپائے اور جانور جو بے علامت اور بے نشان ہوتے ہیں، ان کو عربی زبان میں " نَعَمٌ اَغۡفَالٌ " کہا جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ عورتوں کو بھی اپنے معاشرے میں اس طرح رہنا چاہئے کہ عام لوگوں کو ان کی خبر نہ ہو، ان کے اوپر ایسے رنگین نشان بھی نہ ہوں کہ دوسروں کیلئے جاذبِ نگاہ بن سکیں، اس شعر اور اس کتاب کی طرح رہنا چاہئے جس کے قائل اور مصنف کی کسی کو خبر نہیں ہے، یعنی صفت غافلات کا مطلب ہے کہ وہ انتہائی سادہ، بھولی بھالی ہوں، اور اس طرح اپنے گھروں میں رہیں کہ باہر کی دنیا کی ان کو خبر نہ ہو، وہ کسی راہ سے اس طرح نہ گذریں جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔ ؎

ابھی اس راہ سے گذرا ہے کوئی
بتا دیتی ہے شوخی نقش پا کی

قرآن نے غـافِلات کی جو صفت استعمال کی ہے اس کا تقاضا اسی شکل میں پورا ہو سکتا ہے کہ عورتیں اپنے گھر ہی کو اپنا دائرۂ عمل بنائیں، کالجوں یونیورسٹیوں کے خدا فراموش ماحول یہاں تک کہ بڑے بڑے اسلامی مدرسوں سے بھی دور ہیں اور گھر کی چہار دیواری میں رہ کر دین کی ضروری تعلیم حاصل کریں، ان کو اخباروں، رسالوں بڑے بڑے اجتماعات اور تقریبات میں نمایاں ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ان کو اخباروں اور رسالوں میں اپنے نام کے ساتھ کوئی مراسلہ اور مضمون بھی شائع نہیں کروانا چاہئے، نیز اخبار بینی اور فحش رسالوں سے بھی اجتناب کرنا چاہئے، ان کی اصلی زینت یہی ہے کہ باہری دنیا کی رنگینیوں، سیاسی ہنگامہ آرائیوں اور تعلیمی سرگرمیوں سے دور رہیں، ورنہ نتیجہ وہی ہوگا، جیسا کہ اکبر الہ آبادی نے کہا ہے کہ، ؎

سادہ چنگی نہ تھی انگلش سے جب بیگانہ تھی
اب ہے شمع انجمن پہلے چراغ خانہ تھی

حقیقت ہے کہ چراغِ خانہ بننے کے بجائے شمعِ محفل بننا عورتوں کیلئے انتہائی ذلت ورسوائی کی بات ہے، جو لوگ کالجوں یونیورسٹیوں اور سیاست کے جھمیلوں کی طرف مسلم لڑکیوں کو لے جاتے ہیں وہ ان کو عفت و پاکدامنی کے حصار سے نکال کر ہلاکت کے گڈھے میں لے جارہے ہیں۔

جن لوگوں نے اپنی ان تعلیم گاہوں کا تعلق جہاں لڑکیاں بھی تعلیم حاصل کرتی ہیں کالجوں اور یونیورسٹیوں سے جوڑ رکھا ہے، اوران اسلامی اداروں سے لڑکیاں پڑھ کر شبلی کالج، علی گڈھ یونیورسٹی، اور جامعہ ملیہ (دہلی) وغیرہ میں داخلہ لے لیتی ہیں اور وہاں کے غیر اسلامی ماحول کے زہریلے اثرات ان کے اندر سرایت کرجاتے ہیں، تو یہ لوگ ان مسلم لڑکیوں پر ظلم کررہے ہیں، ان کا شمار ملت کے ہمدردوں کے بجائے ملت میں بگاڑ پیدا کرنے والوں اور عفت وعصمت کی چادر کو چاک کردینے والوں میں ہوگا۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم اس دائرے سے باہر نہیں نکل سکتے جو اسلام نے ہمارے لئے مقرر کیا ہے، ہم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، ہماری منزل دنیا نہیں ہے بلکہ جنت ہے، ہمارا نصب العین اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے، اس لئے ہم کسی بھی حال میں جدید حالات اور افکار ونظریات سے سمجھوتہ نہیں کرسکتے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورۃ النور کا حاشیہ نمبر ۳۹ / پڑھئے۔

"اَلْغٰفِلٰتِ" اردو محاورہ میں ایسے موقع پر بھولی بھالی سیدھی سادی کہتے ہیں، اسلام نے شریف پاکدامن خاتونوں کا وصف یہ بیان کیا ہے، کھیلی کھائی ہوئی، چاروں کھونٹ گھومی گھامی ہوئی، اپنے "حقوق" کیلئے لڑنے والیاں، جلسے جلوسوں میں بڑھ بڑھ کر نعرے لگانے والیاں اور کہیں جو درجہ بھی رکھتی ہوں اسلام میں یقیناً کوئی بلند مقام نہیں رکھتیں۔ (بحوالہ، تفسیر سورۃ النور، حاشیہ نمبر ۳۹ /)

❁ ❁

محض محبت کا دعویٰ کرنے سے کام نہیں چلے گا

بہت سے نادان مسلمان اور ناقص صوفیہ ومشائخ شیطان کی اس وسوسہ اندازی کا شکار ہیں کہ بنیادی چیز بس اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے، اگر دل میں محبت ہے تو ظاہری اعمال کی بہت زیادہ اہمیت نہیں ہے، ذرا سوچئے ایک آدمی کے پاس بعض قسم کے اناجوں کے بیج ہیں، اس نے ان بیجوں کو زمین کے اندر بکھیر دیا ہے، لیکن وہ بیج زمین کو پھاڑ کر انکھوا نہیں نکال رہے ہیں تو کیا اس کا کھیت لہلہاتی ہوئی فصل کا منظر پیش کرسکتا ہے، کیا اس کا خرمنِ امید اناج اور پھلوں سے بھر سکتا ہے؟

ظاہر ہے جب بیجوں کا ظہور پودوں اور درختوں کی شکل میں نہیں ہوگا تو کسی طرح کے پھل اور پھول کی بھی امید نہیں کی جاسکتی، لیکن وہ نادان آدمی اپنی جگہ مطمئن ہے کہ میرے کھیت کے اندر بیج ہیں اور اسی کو وہ کافی سمجھتا ہے، تو اس کی نادانی اور حماقت پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے، بیج اگر انکھوا نہیں نکال رہا ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ وہ بیج ناقص ہے، یا اس کو ایسی زمین میں ڈال دیا گیا ہے جس کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے وہ کسی بیج کو لہلہاتی ہوئی فصل میں بدل سکے۔

آگ جل رہی ہو اور اس سے حرارت اور گرمی کا ظہور نہ ہو، برف ہو اور اس سے ٹھنڈک کا ظہور نہ ہو، سر میں درد ہو اور اس کا اثر اس کی زبان سے آہ وفغاں کی شکل میں ظاہر نہ ہو تو انتہائی حیرت کی بات ہے۔

درد سر کیسا کہ جس کا کچھ نتیجہ ہی نہیں
یا تو درد سر نہیں یا سر میں سودا ہی نہیں

اس لئے جو لوگ عمل نہیں کرتے اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہے، وہ جھوٹے ہیں ان کے دل میں محبت کا نام ونشان نہیں ہے، کیوں کہ محبت ایک ایسی چیز ہے جس کو چھپایا نہیں جاسکتا اس کا عملی ظہور ضرور ہوگا، وہ عاشق اور محبت کرنے والا ہے ہی نہیں جو محبت کا دعویٰ کرے لیکن محبوب کی اداؤں پر قربان نہ ہو اور محبوب کے نقش قدم پر نہ چلے۔

تَعْصِی الْإِلٰـهَ وَأَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّـهُ ☆ هٰذَا لَعَمْرِیْ فِی الْفَعَالِ بَدِیْعٌ
لَوْ كَـانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَهُ ☆ إِنَّ الْـمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِیْعٌ

یعنی: تم اللہ کی نافرمانی بھی کرتے ہو اور اس کی محبت کا اظہار بھی کرتے ہو، یہ تو عشق ومحبت کی دنیا میں عجیب وغریب چیز ہے، اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو تم ضرور اپنے محبوب کی اطاعت کرتے، کیوں کہ محبت کرنے والا جس سے محبت کرتا ہے اس کی خوشی خوشی اطاعت بھی کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ جس محبت کا ظہور محبوب کی اتباع اور اطاعت کی شکل میں نہ ہو وہ محبت نہیں ہے محض ایک دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے، اس طرح کے دعویٰ عشق محبت کی اللہ کے نزدیک کوئی پذیرائی نہیں ہے۔

ایک لڑکا بڑے زور و شور سے دعویٰ کرتا ہے کہ مجھ کو اپنے باپ سے بہت محبت ہے، ان کی محبت میرے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہے اور ماں باپ کی محبت کا قصیدہ بھی خوب پڑھتا ہے کہ،

"ماں باپ جیسی دولت ہے کب جہاں میں"

لیکن نہ ماں باپ کی اطاعت کرتا ہے اور نہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرتا ہے، تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ لڑکا ماں باپ سے محبت کرتا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ دعویٰ محبت میں جھوٹا ہے، اگر اس کے دل میں محبت ہوتی تو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرتا اور ان کی اطاعت کرتا۔

اسی طرح اسلام محض محبت کا نام نہیں ہے بلکہ محبت اور اطاعت دونوں کا مجموعہ ہے، کسی کی محبت کو عمل ہی کی کسوٹی پر جانچا جائے گا، اگر عمل نہیں ہے، محبوب کے ہر حکم کی اطاعت نہیں ہے اور ہر ادا پر قربان ہونے کا جذبہ نہیں ہے تو دعویٰ محبت باطل اور فرضی ہے، پیتل پر سونے کا پانی چڑھا کر دنیا میں کسی کو دھوکا دیا جا سکتا ہے، لیکن خالی خولی محبت کا دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا، رسول اللہ ﷺ کی سنت داڑھی پر استرا چلا کر کسی کا شمار اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کی فہرست میں نہیں ہوگا۔

اب تفسیر ماجدی جلد سوم سورۃ النور کا حاشیہ نمبر ۴۸ پڑھئے۔

جن ناقص قسم کے صوفیہ و مشائخ نے یہ مسئلہ گڑھ لیا ہے کہ اصل شی تو محبت ہے، اللہ تعالیٰ و رسول کے ساتھ اور اس بنا پر کوئی شی بھی اہم نہیں وہ ذرا دیکھیں قرآن مجید معاشرت و معیشت کے جزئی احکام بھی کس تاکید اور کس تصریح کے ساتھ بیان کرتا ہے اور ان کی تعمیل پر کس کس طرح زور دیتا ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سورۃ النور، حاشیہ نمبر ۴۸)

کافر اور بدکار عورت سے بھی پردہ

اپنے ایمان اور دین کی حفاظت ضروری ہے، اس لئے ایسے انسانوں کی صحبت سے بچنا بھی ضروری ہے جس سے دین کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ متعدی اور وبائی بیماریوں میں مبتلا مریضوں کے اختلاط سے لوگ بچنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ بیماری کے جراثیم ان کے اندر بھی سرایت نہ کر جائیں۔

جسمانی صحت کے مقابلے میں دینی صحت کی زیادہ اہمیت ہے، اس لئے اپنے دل اور اپنی روح کو گناہوں کے جراثیم سے بچانے کی بہت ہی زیادہ کوشش کرنا چاہئے، کیوں کہ ایسا بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بہت سے دیندار لوگ بھی غلط ماحول اور غلط صحبت سے متاثر ہو جاتے ہیں اور ان کا دل بیمار ہو جاتا ہے، اور پھر آہستہ آہستہ برے لوگوں کے ساتھ اختلاط اور میل جول کی وجہ سے وہ دنیدار لوگ بھی بے دینوں کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں، اس کا مشاہدہ دینی درسگاہوں کے بہت سے ان طالب علموں سے کیا جا سکتا ہے، جو قرآن وحدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب کالجوں اور یونیورسٹیوں کے خدا فراموش ماحول میں جاتے ہیں تو بدل جاتے ہیں، اور ان کا دینی رنگ پھیکا پڑنے لگتا ہے۔

راقم الحروف نے خود علی گڈھ یونیورسٹی میں دیکھا ہے کہ دار العلوم دیوبند ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دیگر اسلامی مدارس کے بہت سے فارغین طلبہ کا اسلامی رنگ اسی خدا فراموش ماحول میں جا کر کس طرح آہستہ آہستہ اترنے لگتا ہے، خربوزہ خربوزہ کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے، یہ ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

چوں کہ عورتوں کا مزاج ایسا ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کی رنگینیوں کو دیکھ کر بہت جلد متاثر ہوتی ہیں، اس لئے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ کافر، بدچلن، بدکار اور بے پردہ عورتوں کی صحبت اور ان سے اختلاط سے بچا جائے، جب اسلام میں کافر ومشرک اور بدکار عورتوں سے بھی پردہ ہے تو وہ مسلم لڑکیاں جو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے جاتی ہیں جہاں غیر محرم مردوں اور کافر ومشرک اور بے پردہ عورتوں سے بھی اختلاط رہتا ہے، کیا وہ اس زہر آلود اختلاط کے زہریلے اثرات سے بچ سکتی ہیں؟ یہ ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کو نظر انداز کر دیا جائے، لڑکیوں کے سرپرستوں اور ملت کے دانشوروں کو سنجیدگی سے قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلے پر غور کرنا چاہئے۔

کہنے والے نے خوب کہا ہے۔

بدریا در منافع بے شمار است
وگر خواہی سلامت برکنار است

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورۃ النور کا حاشیہ نمبر ۵۹ ر پڑھئے۔

کافر عورت شریعت اسلام میں اجنبی مرد کے حکم میں ہے پردہ اس سے بھی اسی طرح واجب ہے۔
صحابہ میں حضرت عمرؓ حضرت ابن عباسؓ اور تابعین میں مجاہدؒ وغیرہ کا یہی مذہب منقول ہے، حضرت عمرؓ کا ایک مکتوب حضرت ابوعبیدؓ کے نام کا ابن کثیرؒ وغیرہ میں نقل ہوا ہے کہ کتابیہ (یعنی مسیحی و یہودی) عورتیں مومن عورتوں کے ساتھ حمام میں نہ جانے پائیں۔
اللہ اللہ کہاں تاکید اس احتیاط کی تھی کہاں اسی امت کو فرنگیوں سے ارتباط و اختلاط پر فخر ہونے لگا۔

(بحوالہ، تفسیر سورۃ النور، حاشیہ نمبر ۵۹)

اقتباس

جسمانی صحت کے مقابلے میں دینی صحت کی زیادہ اہمیت ہے، اس لئے اپنے دل اور اپنی روح کو گناہوں کے جراثیم سے بچانے کی بہت ہی زیادہ کوشش کرنا چاہئے، کیوں کہ ایسا بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بہت سے دیندار لوگ بھی غلط ماحول اور غلط صحبت سے متاثر ہوجاتے ہیں اور ان کا دل بیمار ہوجاتا ہے، اور پھر آہستہ آہستہ برے لوگوں کے ساتھ اختلاط اور میل جول کی وجہ سے وہ دیندار لوگ بھی بے دینوں کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں، اس کا مشاہدہ دینی درسگاہوں کے بہت سے ان طالب علموں سے کیا جاسکتا ہے، جو قرآن وحدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب کالجوں اور یونیورسٹیوں کے خدا فراموش ماحول میں جاتے ہیں تو بدل جاتے ہیں، اوران کا دینی رنگ پھیکا پڑنے لگتا ہے۔

ایک حسین ربانی دعا

ذرا تصور کیجئے، اگر آپ کے سامنے آپ کے بیٹے کی پٹائی ہو، اور اس کے کسی جرم کی وجہ سے اس کے ہاتھ میں پولیس ہتھکڑی لگا رہی ہو یا اس بیٹے کی وجہ سے آپ کے ہاتھ میں ہتھکڑ لگائی جا رہی ہو تو کیا ایسی صورت میں ایسی اولاد سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوگی، اور کیا ایسی اولاد کو آنکھوں کا نور اور دل کا سرور کہا جائے گا؟ دنیا کی تکلیف اور دنیا کی ہتھکڑیوں سے زیادہ خطرناک دوزخ کا عذاب اور دوزخ کی آتشیں ہتھکڑیاں ہیں، تو اگر اولاد ایسے راستے پر چل رہی ہو جس کی وجہ سے وہ خود آخرت کے عذاب میں گرفتار ہو جائے، اور اس کی وجہ سے آخرت میں آپ کے ہاتھوں میں بھی ہتھکڑی لگائی جائے تو ایسی اولاد آپ کے آنکھوں کیلئے ٹھنڈک نہیں ہو سکتی۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص بندوں کو یہ دعاء سکھائی ہے تا کہ اولاد ان کیلئے دنیا اور آخرت دونوں میں آنکھوں کی ٹھنڈک بن سکے، ظاہر ہے کہ بندۂ مومن کا دل اسی وقت ٹھنڈک محسوس کرے گا اور اس کو خوشی ہوگی جب وہ اپنے بیوی بچوں کو اس حال میں دیکھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں زندگی گذار رہے ہیں، اور ایسا علم حاصل کرنے میں مشغول ہوں جو دنیا وآخرت دونوں میں فلاح اور کامیابی کا ذریعہ ہو۔

اللہ کی اطاعت کے مقابلے میں دنیا کی ساری نعمتیں ہیچ ہیں، اسی لئے بندۂ مومن اللہ سے دعاء کرتا ہے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے بیوی بچوں کو دیندار اور صالح بنادے کہ ان کو دیکھ کر ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہو۔

راقم الحروف کے یہ دعائیہ اشعار ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اس عاجز وضعیف بندۂ ناتواں کی اس دعا کو قبول فرمالے، اس کے اہل وعیال کے دل میں اپنی محبت کا طوفان پیدا کردے، اور ان کے دل میں دین سیکھنے اور عمل کرنے کا جذبہ ودیعت فرما کر مجھ کو ان کے سلسلے میں قیامت کے دن مواخذہ سے بچالے۔

بیوی بچوں کو مرے صالح بنادے اے خدا
علم وتقویٰ کی انہیں دولت سے کردے مالا مال
قُرَّۃُ عَیۡنِیۡ کی ہوں تفسیر وہ میرے لئے
نصرت دیں کیلئے ان کو بنادے اک مثال

اس حسین ربانی دعا کا دوسرا جزء یہ ہے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو متقیوں اور پرہیزگاروں کا امام اور پیشوا بنادے۔

اس دعا میں امام، ناظم، امیر، حاکم اور بادشاہ بننے کی دعاء نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب ہے کہ اے اللہ ہم کو ایسا متقی اور پرہیزگار بنادے کہ ہم کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی متقی ہو جائیں، اور ان کے دلوں میں تیری محبت کا

طوفان آجائے، یعنی ہم بذاتِ خود پرہیز گار اور ہدایت یافتہ ہو جائیں اور دوسروں کی ہدایت کا بھی ذریعہ ہو جائیں، اور ہمارے گھر والے بھی دین وتقویٰ اور پرہیزگاری میں ہمارے نقشِ قدم پر چلیں۔

حدیث میں بھی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ، خَيْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ مَنْ اِذَا رُؤُوْ ذُكِرَ اللّٰهُ اس امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ کی یاد آجائے، اور اللہ کی محبت کا طوفان دل میں پیدا ہونے لگے۔

تو اے اللہ ہم کو متقیوں اور پرہیزگاروں کیلئے اسی طرح کا امام اور پیشوا بنادے، رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ (سورۃ الفرقان)

اے ہمارے پروردگار ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں کو ٹھنڈک عطاء فرما، اور ہم کو پرہیز گاروں کا پیشوا بنادے۔ آمین

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، سورۃ الفرقان کا حاشیہ نمبر ۸۷ر پڑھئے۔

یعنی ہمارے گھر والے ہمارے بیوی بچے، سب ایسے دیندار اور پابند شریعت ہوں کہ ہم انہیں دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہو جایا کریں اور ہم کو تقویٰ میں کمال بھی اس درجہ کا عطا کر کہ دوسرے اہل تقویٰ ہم سے ہدایت پائیں۔

متقین کا پیشوا تو کوئی انسان جب ہی ہوسکتا ہے جب وہ تقویٰ میں درجہ کمال پر ہو۔

(بحوالہ، تفسیر سورۃ الفرقان، حاشیہ نمبر ۸۷ر)

❁ ❁

کسی بزرگ کا محض دامن پکڑنے سے کام نہیں چلے گا

آخرت کا معاملہ بہت اہم ہے وہاں جو کچھ اہمیت ہوگی عمل صالح کی ہوگی، بغیر عمل کے کسی بزرگ، کسی پیر، کسی شیخ، کسی شخصیت، کسی ولی، حتیٰ کہ کسی پیغمبر سے انتساب بھی نفع بخش نہیں ہوگا، وہاں شیخ زادگی، پیرزادگی، اور محض پیری مریدی سے کام نہیں چلے گا، اگر کوئی یہ گمان کرتا ہے کہ ہم فلاں صاحبِ نسبت بزرگ کے دامن گرفتہ ہیں، ان کے حلقہ بیعت میں شامل ہیں جس کی وجہ سے ہماری نجات ہو جائے گی تو یہ بہت بڑی بھول ہے۔

بعض مشائخ اپنا حلقہ بیعت وسیع کرنے اور اپنی پیری مریدی کی دوکان کو چمکانے کیلئے اپنے مریدوں سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم تم کو لئے بغیر جنت میں نہیں جائیں گے، تو یہ شیطان کی وسوسہ اندازی ہے جس سے ہوشیار رہنا چاہئے، شیخ کو خود نہیں معلوم کہ حشر کے میدان میں ان کا کیا حال ہوگا، دوسروں کو وہ جنت کی ضمانت کیا دے سکتے ہیں، آخرت میں جو کچھ بھی پرسش ہوگی اعمال صالحہ کی ہوگی وہاں یہ دھاندلی نہیں چلے گی کہ فلاں صاحب فلاں بزرگ کے مرید ہیں اور فلاں صاحب کا تعلق فلاں اعلیٰ خاندان سے ہے۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

حضورِ اکرم ﷺ کو اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے کس قدر محبت تھی، لیکن اس کے باوجود بھی آپ نے اپنی پیاری صاحبزادی حضرت فاطمہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ، يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِينِي مَاشِئْتِ مِنْ مَالِيْ وَلَا أُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، اے محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ تم میرے مال میں سے جو چاہو مانگ لو، مگر میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ (بحوالہ، مشکوۃ)

حضرت عثمان بن مظعونؓ جلیل القدر مہاجر صحابی تھے، حضورِ اکرم ﷺ ان سے بہت محبت کرتے تھے مہاجرین میں سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا، حضورِ اکرم ﷺ نے ان کی پیشانی کا بوسہ دیا، فرطِ غم سے حضورِ اکرم ﷺ کی آنکھوں میں آنسو جاری تھے، وہاں ایک خاتون بھی موجود تھیں حضورِ اکرم ﷺ کی اس شفقت و مرحمت کو دیکھ کر بولیں کہ اے ابن مظعون تمہاری عاقبت بخیر ہے اور تم جنتی ہو، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا (تم نے اس جزم و یقین کے ساتھ ابن مظعون کی خیر آخرت کی یہ بات کیسے کہہ دی؟

وَاللّٰهِ لَا أَدْرِيْ، وَاللّٰهِ لَا أَدْرِيْ، وَأَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ " اللہ کی قسم مجھے نہیں معلوم، اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ (آخرت میں) کیا معاملہ کیا جائے گا جب کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ (بحوالہ، بخاری شریف)

حضور اکرم ﷺ کا قیامت کے دن کتنا اونچا مقام و مرتبہ ہوگا سب کو معلوم ہے، آپ ﷺ مقام محمود کے بلند مرتبہ پر فائز ہوں گے، گنہ گاروں کی شفاعت فرمائیں گے، لیکن اس کے باوجود بھی آخرت کے معاملہ کو آپ کتنا اہم سمجھتے تھے، بیشک یہ تعلیم امت کو دی گئی ہے، تاکہ دنیا میں ہم مطمئن نہ رہیں، اطاعت وتقویٰ کی زندگی سے غافل نہ ہوں، کسی بزرگ سے انتساب پر تکیہ کر کے اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری میں کسل مندی شکار نہ ہوں، جب حضرت عثمان بن مظعونؓ جیسے جلیل القدر صحابی کے معاملہ میں صحابہ کرامؓ کو یہ تنبیہ کی گئی تو ہم اور آپ کس شمار میں ہیں ہم کو ہمیشہ اس بات کو سامنے رکھنا چاہئے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے سلسلے میں غافل نہ ہوں۔

اب تفسیر ماجدی، جلد سوم، تفسیر سورہ الفرقان کا حاشیہ نمبر ۸۹ / پڑھئے۔

اس میں رد آ گیا ان جاہل صوفیوں کا جو محض تبرکات یا کسی صالح کے ساتھ انتساب کو مقبولیت کے لئے کافی سمجھتے ہیں، حقیقتاً دربار خداوندی میں بندوں کی جو بھی قدر ہے ایمان واطاعت ہی کی بنا پر ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سورۃ الفرقان، حاشیہ نمبر ۸۹)

اقتباس

حضور اکرم ﷺ کو اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے کس قدر محبت تھی، لیکن اس کے باوجود بھی آپ نے اپنی پیاری صاحبزادی حضرت فاطمہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ،

یَا فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِیْنِیْ مَاشِئْتِ مِنْ مَالِیْ وَلَا اُغْنِیْ عَنْکِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا، اے محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ تم میرے مال میں سے جو چاہو مانگ لو، مگر میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ (بحوالہ، مشکوٰۃ)

آخرت سے غافل انسانوں کا حال زار

ایک گدھا ایک ہرے بھرے کھیت میں خوب، اٹکھیلیاں کر رہا ہے، خوب چر رہا ہے، کھا رہا ہے، اچھل رہا ہے، کود رہا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس وقت مجھ سے زیادہ خوش قسمت کوئی جانور نہیں ہے، میرے سامنے ہر طرف ہریالی ہی کا منظر ہے کہ اچانک اس کھیت کا مالک آجاتا ہے اور اس پر ڈنڈوں کی بارش کرنے لگتا ہے، اور اس سے کہتا ہے کہ کیا تم کو یہ خبر نہیں تھی کہ یہ کھیت کس کا ہے؟ اس کھیت میں اس طرح چرنے اور اچھلنے کودنے کا تم کو حق نہیں تھا، تم نے کیوں یہ گمان کرلیا کہ تم کو کوئی دیکھ نہیں رہا ہے، تو اب اپنی اس بے خبری اور نادانی کا مزہ چکھو۔

بالکل یہی حال اس دنیا میں آخرت سے غافل دنیا پرست انسانوں کا ہے، ان کی ساری سرگرمیاں دنیا ہی کیلئے ہوتی ہیں، جو بھی پروگرام بناتے ہیں دنیا کیلئے، اسکول، کالج کھولیں گے تو دنیا کیلئے، تعلیمی نصاب تیار کریں گے تو دنیا کیلئے، عربی فارسی، اردو یونیورسٹی قائم کریں گے تو دنیا کیلئے، قوم کو تعلیمی میدان میں لانے کیلئے کوشش کریں گے تو دنیا کیلئے، حیرت تو یہ ہے کہ کچھ بزرگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ اسلامی مدرسہ بھی قائم کریں گے تو دنیا کیلئے، اسلامی نسواں اسکول کا قیام عمل میں آئے گا تو دنیا کیلئے، کوئی پارٹی جماعت اور کونسل بنائیں گے تو دنیا کیلئے، الغرض ہر کوشش اور ہر پروگرام کا حاصل اور مقصد بس دنیا ہوتی ہے۔

گدھا تو ایک جانور ہے، کم عقل ہوتا ہے، لیکن انسان عقل رکھتے ہوئے آخرت کو نظر انداز کر کے گدھا ہو جائے تو اس سے بڑی حماقت کوئی نہیں ہوسکتی، ان انسانی گدھوں کو جو رات دن دنیا کے چکر میں چکر کھاتے ہیں اس وقت ہوش آئے گا جب موت کے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کیلئے آئیں گے، اور آخرت کا ہولناک منظر ان کے سامنے آجائے گا، جس سے دنیا میں اپنی آنکھیں بند کر کے زندگی گذارتے تھے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد پنجم، تفسیر سورۃ النمل کا حاشیہ نمبر ۳ / پڑھئے۔

یہ مشاہدہ ہے کہ جن قوموں کے دل سے آخرت کا خیال مٹ جاتا ہے وہ اپنا سارا وقت اسی دنیا کی دوڑ دھوپ اسی کی ترقیوں کیلئے وقف رکھتے ہیں اور اس پر فخر و ناز کرتے ہیں۔

زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ" ہم نے ان کے اعمال ان کی نظر میں خوشنما بنا رکھے ہیں سو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔

جو لوگ یاد آخرت سے منہ موڑے ہوئے ہیں، قرآنِ مجید نے کتنی صحیح تشخیص ان کے بارے میں کردی، اپنی اسی مادی، حسی، دنیا کے سامان اور یہیں کی ترقیوں پر وہ پھولے اور اتراتے ہوئے کس کس طرح ایک ایک نظریے ایک ایک فلسفے کی آڑ ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور اس در سے اس در تک ٹھوکریں کھاتے ہی پھرتے ہیں۔ (بحوالہ، تفسیر سورۃ النمل، حاشیہ نمبر ۳)

عورتوں کو امیر اور سردار نہیں بنانا چاہئے

شریعت نے عورتوں اور مردوں کیلئے الگ الگ دائرۂ عمل مقرر کیا ہے، عورت کا دائرہ عمل اس کا گھر ہے، اگر اس کے فطری دائرۂ عمل سے نکال کر باہر لایا جائے گا تو خود اس کو بھی سکون نہیں ملے گا اور انسانی معاشرہ کو بھی نقصان پہنچے گا، ہر چیز کا جو دائرۂ عمل ہے اسی میں رہ کر وہ ترقی کر سکتی ہے اور اس کا فطری حسن باقی رہ سکتا ہے۔

آپ کے منہ کا مقام چہرہ ہے اگر کوئی احمق سائنسداں، روشن خیال دانشور یا ڈاکٹر یہ خیال کرے کہ کیوں نہ ایسا کیا جائے کہ آپریشن کر کے منہ کو چہرے سے ہٹا کر پیٹ پر کر دیا جائے تو ساری دنیا اس تبدیلی کو حماقت سمجھے گی، اور اگر اس احمقانہ مشورے پر عمل کیا جائے تو کیا آپ کے جسمانی نظام کا فطری حسن باقی رہے گا، اسی طرح عورت کو اس کے دائرۂ عمل سے ہٹا کر باہر کی دنیا میں لانا، ان کو امیر اور سردار بنانا، مردوں کے دائرۂ عمل میں لا کر زندگی کے تمام شعبوں میں گھسیٹنا، ایسا ہی ہے جیسے منہ کو چہرے سے ہٹا کر پیٹ پر فٹ کر دینا۔

"وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ" کا حسین منظر اسی وقت ہوگا جب عورت کو اس کے فطری دائرۂ عمل میں رکھا جائے۔

یاد رکھئے اللہ نے کسی چیز کو جہاں رکھا ہے، وہیں اس کا اصلی مقام ہے، اگر اس کو اسکے اصلی مقام سے ہٹایا جائیگا تو اس کا نتیجہ فساد اور بگاڑ ہی ہوگا، گھر سے باہر کی دنیا میں عورت کا ہیرو بننا، شہرت حاصل کرنا، اس کی فطرت کے سراسر خلاف ہے، عورت فطری طور پر خانہ پسند اور گوشہ نشین مزاج کی حامل ہے اگر عورت کو اس کے دائرہ عمل سے باہر گھسیٹ کر، وزارت وصدارت کی کرسیوں پر بیٹھا دیا جائے، پائلٹ، ڈرائیور، کنڈیکر، انجینئر، لکچرر، پروفیسر پولیس آفیسر، بینک منیجر، فوجی کمانڈر، شیخ الجامعہ، پردھان اور پردھان منتری وغیرہ، بنا دیا تو یہ عورت پر ظلم ہے اور ایسے انسانی معاشرہ کو کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی جہاں عورتوں کو ان کے دائرۂ عمل سے باہر کر دیا گیا ہو۔

بہر حال اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام کی پابندی کرنے ہی سے انسانی معاشرہ کی اصلاح ہو سکتی ہے، جب اللہ کے رسول ﷺ نے فرمادیا کہ وہ قوم فلاح نہیں پا سکتی جو اپنا معاملہ عورتوں کے حوالے کر دے، ان کو امیر حاکم اور سردار وغیرہ بنائے، تو اس ارشاد رسول ﷺ کے خلاف جب بھی قدم اٹھایا جائے گا فساد ہی برپا ہوگا۔

افسوس ہے کہ آج کا انسان پرندوں سے بھی گیا گذرا ہو گیا ہے وہ ہد ہد پرندہ جس نے حضرت سلیمانؑ کو ملک سبا کی حکمراں ملکہ بلقیس کے بارے میں خبر دی تھی اور وہاں کے سیاسی ومعاشی اور دینی حالات پر تبصرہ کیا تھا تو اس نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا تھا کہ وہاں میں نے ایک عورت کو پورے ملک پر حکومت کرتے ہوئے دیکھا اس کا مطلب ہے کہ اس ہد ہد پرندے نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ کوئی عورت کسی ملک کی حکمراں ہو۔

اب تفسیر ماجدی، جلد پنجم، تفسیر سورہ النمل کا حاشیہ نمبر ۳۰ پڑھئے۔

اِمْرَءَ ۃً تَمْلِکُھُمْ " عورتوں کے ہاتھ میں عہدہ اور منصب دے دینا یہاں تک کہ انھیں پورے ملک کی ملکہ یا فرمانروا بنادینا، یورپ کی ایجاد نہیں، مشرک قوموں کے ہاں یہ دستور ہر زمانے میں رہا ہے اور مصر، کلدانیہ وایران کی جاہلی حکومتوں کے یہاں عورت کو اتنی آزادی ہمیشہ حاصل رہی ہے، یہ تو اسلام تھا جس نے آکر "بریک" لگادیا اور اس دستور کو ناپسند قرار دیا۔

صحیح بخاری کِتَابُ الْفِتَنْ رقم ۴۴۲۵ر میں صاف حدیث آئی ہے کہ وہ قوم فلاح یاب نہ ہوگی جو اپنی حکومت عورت کے سپرد کئے ہوئے ہے۔ (بحوالہ، تفسیر سُوْرَۃُ النَّمَلُ، حاشیہ نمبر ۳۰)

اللہ سے اپنا معاملہ درست رکھنا ہی مسائل کا حل ہے

سو بات کی ایک بات یہی ہے کہ اللہ سے اپنا معاملہ درست رکھنا ہی ہمارے تمام مسائل کا حل ہے، یہ ایک ایسی بنیادی بات ہے جس کے سلسلے میں نہ کسی لمبے چوڑے بحث ومباحثہ کی ضرورت ہے نہ غیر ضروری اسباب کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہے جو مسلم دانشور اس بنیادی بات کو نظر انداز کر کے کچھ اور مشورہ دیتے ہیں وہ مسائل کو مزید الجھا رہے ہیں، بس تمام مسلمان اپنے گناہوں سے توبہ کر کے قرآن وسنت کے پابند ہو جائیں اور جو بھی کام کریں قرآن وحدیث کی روشنی میں کریں، ان کا کالج بھی اسلامی ہو، ان کی یونیورسٹی بھی اسلامی ہو، ان کی تجارت بھی اسلامی ہو ان کی ملازمت بھی اسلامی ہو، یعنی زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی رنگ میں رنگ جائیں تو اللہ کی نصرت ان کے ساتھ ہوگی اور ان کے تمام مسائل آن کی آن میں حل ہو جائیں گے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد پنجم، تفسیر سُوْرَۃُ الْقَصَصْ کا حاشیہ نمبر ۳ر پڑھئے،

وَنُرِیْدُاَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ " آیت سے استنباط ہو سکتا ہے کہ عادت الٰہی یہ ہے کہ جو قومیں دنیا میں مظلوم ہوتی ہیں اور کوئی ظالم وحاکم گروہ انھیں اپنے ظلم وستم کا تختۂ مشق بنالیتا ہے، اللہ خود ان کی نصرت وتائید پر کھڑا ہو جاتا ہے اور ان نیچی اور پست قوموں کو اونچا کر دیتا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ مظلوم قوم خود اپنا معاملہ اللہ سے سیدھا رکھے اور یہ نہ ہونے پائے کہ مزید بد پرہیزیوں سے اپنے مرض کو بڑھائے۔ (بحوالہ، تفسیر سُوْرَۃُ الْقَصَصْ، حاشیہ نمبر ۳ر)

ہدایت کا تعلق اللہ کی مشیئت سے ہے

داعی حق جو دنیا کے سارے انسانوں کیلئے مخلص اور ان کا ہمدرد ہوتا ہے اور دن رات سب کی ہدایت کیلئے پریشان رہتا ہے اور اسی غم میں گھلا جاتا ہے، تو اگر اس کے اہل وعیال اس کے متعلقین اور اعزاء واقرباء اس کی آواز حق کو سننے کیلئے تیار نہ ہوں، بے رخی اختیار کریں، تو داعی حق کو کتنا صدمہ ہوگا اور غموں کا کتنا بڑا پہاڑ اپنے اوپر گرتا ہوا محسوس کرے گا اس کا تصور بھی محال ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ غم محبوب ہے، اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ داعی حق لوگوں کی ہدایت کیلئے تڑپتا رہے، اور اسی راہ میں اپنی ساری کوشش لگادے۔

جب لوگوں کی بے رخی سے داعی حق غمگین اور بہت افسردہ رہنے لگتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو تسلی دیتے ہیں کہ تمہارا کام صرف حق کا پیغام پہنچادینا ہے اور حق کا راستہ بتادینا ہے، اس لئے بہت زیادہ غم سے نڈھال ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ ہدایت دینا ہمارا کام ہے اس بات کا علم ہم کو ہے کہ کس کو ہدایت دی جائے اور کس سے ہدایت کی توفیق سلب کرلی جائے، یہ ہم کو معلوم ہے کہ کس کے اندر ہدایت کی طلب ہے، کس کو راہ حق کی جستجو ہے، کس نے قبول حق کیلئے اپنے دل کی کھڑکی کھول رکھا ہے اور کس نے بند کر رکھا ہے، اگر کسی کے اندر حق کی طلب ہوتی ہے تو ہم اس کو ہدایت دیتے ہیں۔ مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھیؒ نے خوب کہا ہے کہ،

اگر صادق ہیں آپ اے دوست اقرار محبت میں
طلب خود کرلئے جائیں گے دربار محبت میں

جس کے دل میں حق کی طلب ہوتی ہے وہ آواز حق سنتے ہی اس کی طرف بڑھتا ہے اور تمام خارجی زنجیروں کو توڑ کر حلقہ اسلام میں داخل ہوجاتا ہے۔

اے اللہ تو جانتا ہے کہ تیرا یہ بندہ مختار احمد اصلاحی کس قدر عاجز اور کمزور ہے، اور اس کی قوت ارادی میں کتنا ضعف ہے، معمولی آزمائش میں بھی اس کا قدم پھسل جاتا ہے، وہ اس لائق نہیں ہے کہ اس میدان دعوت میں اپنے بل پر ایک قدم بھی چل سکے، اے اللہ میری تحریروں کو میری کتابوں کو اور میری تفسیر مواعظ القرآن کو اس اہم فرضی منصبی کا بدل بنادے اور اپنے مخلص داعیانِ حق کی فہرست میں اپنے لطف وکرم سے اس کا نام بھی شامل کردے۔

اے اللہ اپنے اہل وعیال کی دینی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں مجھ کو اپنی کوتاہیوں کا احساس ہے، مجھ کو اس بات کا بہت غم رہتا ہے، اے اللہ میرے اہل وعیال اور متعلقین کے دل میں دین سیکھنے کا جذبہ پیدا فرمادے، ان کو راہ حق پر گامزن کردے، ان کے دل میں اپنی محبت پیدا کرکے ان کے سلسلے میں مواخذۂ آخرت سے مجھ کو بچالے، تو ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ جس طرح تو میدان دعوت کے طاقتور شہواروں کا پروردگار ہے اسی طرح مجھ جیسے

بلبلیاں چلنے والے بندۂ عاجز و نالائق کا بھی پروردگار ہے۔

اے میرے پروردگار، میرے گناہوں کو معاف فرمادے، رحم فرما، میرے بیوی بچوں، میرے متعلقین اور جو لوگ تیرے لئے مجھ سے محبت کرتے ہیں سب کو راہ حق پر گامزن کردے، اے اللہ میرے گھر والوں کے دلوں کا تالا اپنے ذکر و فکر کی کنجی سے کھول دے اوران کے دلوں کو اپنی محبت سے بھردے، ان کو ایسا بنادے کہ ان کو دیکھ کر میرے دل کو خوشی حاصل ہو کہ وہ تیری خوشنودی کے راستے پر چل رہے ہیں۔ آمین

اب تفسیر ماجدی، جلد پنجم، تفسیر سُوْرَۃُ الْقَصَصْ کا حاشیہ نمبر ۷۳ ر پڑھئے۔

رسول ﷺ کو اپنے عزیزں قریبوں کے ایمان نہ لانے پر رنج قدرتاً اور زیادہ تھا اور شوق واہتمام بھی انھی کے ایمان لانے کا طبعاً زیادہ تھا، یہ حسرت وتمنا آپ ﷺ کیلئے بالکل طبعی تھی کہ دور دور کے لوگ آکر اس نعمت سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں اور اپنے خاص الخاص عزیز یہاں تک کہ ابو طالب جیسے شفیق چچا اور بزرگ خاندان محروم رہے جاتے ہیں۔

یہ آیت آپ کی تسلی کیلئے ہے کہ ہدایت کا تعلق مشیئتِ تکوینی سے ہے اس میں آپ کی مرضی اور پسند کو دخل نہیں ہے، لَا تَهْدِیْ، ہدایت کے ایک معنی تو راہ دکھانے (اِرَاءَۃُ الطَّرِیْقِ) کے ہوتے ہیں یہاں اس کی نفی پیغمبر کی ذات سے نہیں ہو رہی ہے وہ تو پیغمبر کے عین فرائض میں داخل ہے، دوسرے معنی ہدایت کے منزلِ مقصود تک پہنچا دینا اور اِیْصَالُ اِلَى الْمَقْصُوْدِ ہے، یہاں نفی اسی کی کی جارہی ہے کہ یہ رسول کے بس کی چیز نہیں، تمام تر مشیئت تکوینی کے تابع ہے اور مشیئت الٰہی بھی اسی شخص کیلئے ہوتی ہے جو خود اپنی ہدایت چاہتا ہے اپنی قوت ارادی وانتخاب سے صحیح کام لے کر خواہ مخواہ معاند نہیں بن بیٹھا ہے۔

طلب اگر موجود ہے تو راہ حق خود اس طالب پر واضح ہو کر رہے گی۔

(بحوالہ، تفسیر سُوْرَۃُ الْقَصَصْ، حاشیہ نمبر ۷۳)

عذابِ الٰہی کا ایک قانون

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت رحیم وکریم ہیں کہ اللہ کا پیغام اتمام حجت تک تمام بندوں تک پہنچا دیا جائے، اللہ تعالیٰ بلا وجہ کسی قوم کو عذاب میں گرفتار کرنا نہیں چاہتے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو مبعوث کیا ہے، چوں کہ اکثر دیہات شہر ہی کے تابع ہوتے ہیں اس لئے عموماً بڑے بڑے شہروں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو بھیجا تاکہ وہ اس مرکزی مقام سے دعوت وتبلیغ کا کام شروع کریں، پھر شہر سے تمام دیہاتوں تک اللہ کا پیغام پہنچ جائے، اور اللہ کا پیغام اتنے زور وشور سے پہنچایا جائے کہ تمام لوگوں پر حجت تمام ہوجائے، کوئی یہ عذر نہ پیش کرسکے کہ ہم تک پیغام نہیں پہنچا ہے، اللہ کا پیغام پہنچنے کے بعد جب مرکزی مقام کے لوگ کفر وشرک اور اللہ کی نافرمانی پر جمے رہتے ہیں اور اپنی سرکشی سے باز نہیں آتے تو اللہ کا تازیانہ عذاب ان پر برسنے لگتا ہے۔

ہاں، باوجود نافرمانی کے اللہ تعالیٰ ان کو موقع بھی دیتا ہے شاید کہ سنبھل جائیں، لیکن بار بار تنبیہ کے باوجود جب وہ سرکشی سے باز نہیں آتے تو بالآخر عذاب میں گرفتار کرلئے جاتے ہیں، دنیا کی پوری تاریخ بتاتی ہے کہ جب بھی کسی قوم پر عذاب آیا ہے اتمام حجت کے بعد ہی آیا ہے، آج ہندوستان کے مسلمان حکومت وقت اور غیر مسلموں کی طرف سے ہونے والی زیادتیوں پر شکوہ سنج رہتے ہیں کہ ہم پر ظلم ہورہا ہے، ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا جارہا ہے، اور ہمارے اکابر واصاغر دشمنوں کے خلاف بددعا بھی کرتے ہیں کہ اے اللہ ان ظالموں کو ہلاک کردے لیکن ان کی دعائیں قبول نہیں ہورہی ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ مسلمان قبل از وقت بددعاء کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے قانون عذاب کی ان کو خبر نہیں ہے۔

ظالم اور نافرمان بستیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا جو قانونِ عذاب پہلے تھا وہی آج بھی ہے، ہندوستان کے جتنے مرکزی مقامات اور چھوٹے بڑے شہر ہیں وہاں اگر مسلمان تمام غیر مسلموں کے درمیان پورے زور وشور سے دعوت وتبلیغ کا کام شروع کردیں اور کوئی کان ایسا نہ بچے جس تک حق کی آواز نہ پہنچی ہو، اتمامِ حجت کی حد تک اگر ہندوستان کے قصبوں، شہروں میں اللہ کا پیغام پہنچا دیں، اس کے بعد بھی اگر وہ اللہ کی نافرمانی، اور ظلم وسرکشی پر جٹے رہیں اور آوازِ حق کا مذاق اڑانے لگیں، تو جس طرح پچھلی نافرمان قوموں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تھا اسی طرح ہندوستان کے ظالموں، نافرمانوں اور سرکشوں پر بھی آجائے گا، پھر سارے ہندوستان میں اللہ کے فرماں برداری نظر آئیں گے اور انہیں کو اقتدار حاصل ہوجائے گا۔

کیا آپ سوچتے ہیں کہ جس پروردگار نے فرعون جیسے ظالم اور اس کے نقش قدم پر چلنے والے فرعونیوں کو دریا میں غرق کردیا کیا آج کے فرعونیوں کو غرق نہیں کرے گا، جس پروردگار نے مکہ کے کفار ومشرکین اور ظالموں کو

جنگ بدر میں مسلمانوں کی تلواروں کے ذریعہ عذاب دیا گیا آج کے ظالموں کو مسلمانوں نے ہاتھ نہ انہیں دے گا، آج بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب کا قانون وہی ہے لیکن صرف مسلمانوں کی غفلت، دعوت توحید سے بے اعتنائی اور اتمامِ حجت کی حد تک اللہ تعالیٰ کا پیغام نہ پہنچانے کی وجہ سے ہندوستان کے کفار و مشرکین اور ظالموں پہ ابھی عذاب الٰہی کا تازیانہ نہیں برس رہا ہے۔

افسوس ہے کہ ہندوستان کے علماء اور مسلم دانشوروں کو جو کام کرنا چاہئے تھا وہی نہیں کر رہے ہیں، دوسرے دوسرے غیر ضروری کاموں میں مشغول ہیں، کاش مسلمانوں کو ہوش آجائے۔

اب تفسیر ماجدی جلد پنجم تفسیر سُوْرَۃُ الْقَصَصْ کا حاشیہ نمبر ۷۷/ پڑھئے۔

یہ قہر الٰہی کا ایک عام قانون بیان ہو رہا ہے، یعنی کسی آبادی پر عذاب آتا ہی نہیں جب تک پہلے اس کے صدر مقام میں خوب تبلیغ نہ ہولے اور پھر وہاں کے باشندے ایک مدت مدید تک مسلسل نافرمانیاں نہ کرلیں۔ (بحوالہ، تفسیر سُوْرَۃُ الْقَصَصْ، حاشیہ نمبر ۷۷)

اقتباس

ہندوستان کے جتنے چھوٹے بڑے شہر ہیں وہاں اگر مسلمان تمام غیر مسلموں کے درمیان پورے زور و شور سے دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر دیں اور کوئی کان ایسا نہ بچے جس تک حق کی آواز نہ پہنچی ہو، اتمامِ حجت کی حد تک اگر ہندوستان کے قصبوں، شہروں میں اللہ کا پیغام پہنچا دیں، اس کے بعد بھی اگر وہ اللہ کی نافرمانی، اور ظلم و سرکشی پر جمے رہیں اور آوازِ حق کا مذاق اڑانے لگیں، تو جس طرح پچھلی نافرمان قوموں پر اللہ کا عذاب آیا تھا اسی طرح ہندوستان کے ظالموں، نافرمانوں اور سرکشوں پر بھی آجائے گا، پھر سارے ہندوستان میں اللہ کے فرماں بردار ہی نظر آئیں گے اور انہیں کو اقتدار حاصل ہو جائے گا۔

دنیا کی لذتوں اور آخرت کی راحتوں میں کوئی مقابلہ نہیں

حکومت کی طرف سے کسی کے سامنے دو مکان پیش کئے جائیں ایک مکان تو بہت شان دار ایر کنڈیشن اور ہر طرح کے اسباب عیش ونشاط سے بھرا ہو لیکن اس کے بارے میں حکومت کی طرف سے یہ اعلان ہو کہ اس میں قیام عارضی ہوگا، چند مہینوں یا چند سالوں بعد یہ مکان خالی کروالیا جائے گا، اس سے نکال دیا جائے گا اور پھر اس میں قیام کی اجازت نہیں ملے گی، دوسرا مکان ہے جو نہ بہت زیادہ خوبصورت ہے نہ اس میں عیش ونشاط کے سامان زیادہ ہیں، معمولی چھپر کا بنا ہوا ہے، لیکن اس کا الاٹمنٹ مستقل ہوگا اس سے نکالا نہیں جائے گا۔

تو ایسی صورت میں کوئی آدمی چند روزہ شان دار ایر کنڈیشن مکان کو پسند کرے کہ میں اس میں قیام کروں گا تو کیا اس آدمی کو عقلمند کہا جائے گا؟ کیا دنیا کے لوگ اس کو احمق، ناعاقبت اندیش اور بیوقوف نہیں کہیں گے، یقیناً اس آدمی کی حماقت، جہالت، نادانی اور ناعاقبت اندیشی میں کوئی شک نہیں ہے۔

لیکن اس آدمی سے بھی زیادہ جاہل، احمق اور نادان وہ آدمی ہے جو آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دے اور دنیا ہی کو اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز بنالے، کیونکہ دنیا چند روزہ، زوال پذیر، فانی اور ناپائیدار ہے، اور بہت ہی جلد دنیا کے سارے اسباب عیش ونشاط کو چھوڑنا پڑجاتا ہے، دنیا کی بے ثباتی اور اس کے چند روزہ ہونے کے ثبوت کیلئے دلائل کی ضرورت نہیں ہے موت روزانہ آکر بتادیتی ہے کہ اس دنیا کی کیا حقیقت ہے اور کس قدر بے ثبات، ناپائیدار اور ڈانواڈول ہے، بڑے بڑے سیٹھ، سرمایہ دار، وزیر، بادشاہ اپنے شاندار محل اور عیش و راحت کے سارے اسباب کو چھوڑ کر انتہائی حسرت، مایوسی، بیچارگی، بیکسی اور بے بسی کے ساتھ مرجاتے ہیں۔

اس دنیا کے مقابلے میں آخرت ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، وہاں کا عیش وآرام بھی مستقل اور دائمی ہے اور وہاں کی تکلیف بھی دائمی ہے، اور دوزخ کا عذاب اتنا دردناک اور ہولناک ہے کہ اس کے تصور ہی سے دل کانپ جاتے ہیں، تو اب خود فیصلہ کیجئے کہ عقلمند اور ہوشیار کون انسان ہے، ظاہر ہے کہ عقلمند وہی ہے جو دنیا کے مقابلے میں آخرت کی کامیابی کو ترجیح دے اور اس کو آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے اور بڑا احمق جاہل اور بے عقل وہ ہے جو دنیا ہی کو اپنی زندگی کا مقصد بنالے اور دنیا ہی کو سنوارنے، سجانے میں مشغول رہے۔

بہر حال عقلمند وہی ہے جو آخرت کی کامیابی کو اپنی ساری سرگرمیوں کا مقصد بنالے اور اس چند روزہ فانی دنیا پر آخرت کی ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی کو ترجیح دے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی اپنے مال وجائداد کے متعلق یہ وصیت کرکے مرجائے کہ میرا مال اس شخص کو دیا جائے جو سب سے زیادہ عقلمند ہو تو اس مال کے مصرف شرعی وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت و

اطاعت میں مشغول ہوں، کیونکہ عقل کا تقاضا یہی ہے اور دنیا والوں میں سب سے زیادہ عقل والا وہی ہے۔

(یہ مسئلہ فقہ حنیفہ کی مشہور کتاب ''دُرمختار'' کتاب الوصیت میں بھی مذکور ہے)

اب تفسیر ماجدی، جلد پنجم، تفسیر سُوْرَۃُ الْقَصَص کا حاشیہ نمبر ۷۸/ پڑھئے۔

یعنی اس دنیا کی لذتوں اور آخرت کی راحتوں کا مقابلہ ہی کیا؟ اس دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت بھی محض عارضی و چندروزہ بخلاف عیش آخرت کے کہ وہ بلحاظ نوعیت و کیفیت بھی کہیں اعلیٰ اور بلحاظ بقا دائم قائم ہے۔

اتنی موٹی سے بات نہ جاہلین قدیم کی سمجھ میں آئی نہ جاہلین جدید کی سمجھ میں آرہی ہے، اور قدیم آخرت فراموش قوموں کی طرح آج بھی یورپ اور امریکہ اور ان کی تقلید میں ایشیا اور افریقہ پوری طرح دنیا پرستی میں مبتلا نظر آرہا ہے۔

خوب خیال کر کے دیکھ لیا جائے کہ قرآنِ مجید تعلیم مطلق ترکِ دنیا کی کسی موقع پر بھی نہیں دیتا، بلکہ صرف یہ کہتا ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دو، دونوں کی اصل قدر و قیمت سمجھے رہو اور جب مقابلہ آکر باقی و فانی میں پڑ جائے تو اختیار ہمیشہ باقی ہی کو کرو۔

(بحوالہ، تفسیر سُوْرَۃُ الْقَصَص، حاشیہ نمبر ۷۸)

اقتباس

امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی اپنے مال و جائداد کے متعلق یہ وصیت کر کے مرجائے کہ میرا مال اس شخص کو دیا جائے جو سب سے زیادہ عقلمند ہو تو اس مال کے مصرفِ شرعی وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں مشغول ہوں، کیونکہ عقل کا تقاضا یہی ہے اور دنیا والوں میں سب سے زیادہ عقل والا وہی ہے۔

قارونی ذہن وفکر آج بھی موجود ہے

قارون، حضرت موسیٰؑ کے زمانے کا بہت ہی بڑا سرمایہ دار تھا، فرعون کی قوم قبطی سے نہیں تھا بلکہ اسرائیلی تھا، حضرت موسیٰؑ کا چچازاد بھائی تھا اور لطف کی بات یہ ہے کہ توریت کا عالم بھی تھا، فرعونی حکومت میں شامل ہوکر اس نے خوب دولت سمیٹی، جب اس سے کہا گیا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے سب اللہ کا عطیہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح تم پر دولت کی بارش کر کے احسان کیا ہے اس طرح دوسرے بندوں کے ساتھ تم بھی اچھا سلوک کرو، ان پر خرچ کرو، تو اس نے کہا کہ جو بھی مال ودولت میرے پاس ہے یہ کوئی خدائی احسان نہیں ہے، یہ سب میرے علم وہنر کا کمال ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ سرکشی میں حد سے تجاوز کر گیا اور دولت کے نشہ میں کبرو گھمنڈ کا مظاہرہ کرنے لگا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے خزانوں کے ساتھ اس کو زمین میں دھنسا دیا۔

اُس زمانے میں قارون شاید کم رہے ہوں لیکن آج قارونوں اور قارونی ذہنیت رکھنے والوں کی تعداد پہلے سے زیادہ ہے، بیشمار لوگ ہیں جن کے دل ودماغ میں قارونیت کے جراثیم گھسے ہوئے ہیں، وہ اپنی دولت، اپنی خوشحالی مادی ترقی، اپنی ڈگریوں اور اپنی علمی صلاحیتوں کو اپنی قابلیت اور اپنی ذہانت کا نتیجہ سمجھتے ہیں، وہ ان نعمتوں کو اللہ کی امانت نہیں سمجھتے، ظاہر ہے جب آدمی کسی نعمت کو اللہ کا عطیہ نہیں سمجھے گا تو اس کا غلط استعمال کرے گا اور اس کے مال ودولت، اس کے علم وہنر، اس کی سائنس وٹکنالوجی سے زمین پر فساد پھیلے گا۔

قارونی ذہن کے جاہلوں کو سوچنا چاہئے کہ اگر ان کا مال، ان کی دولت، ان کا بینک بیلنس، ان کا علم وہنر، سب ان کی قابلیت وذہانت کا نتیجہ ہے تو کیوں ان تمام چیزوں کو چھوڑ کر دوسری دنیا میں چلے جاتے ہیں، اور زندگی میں بھی اس طرح کے بیشمار واقعات پیش آتے ہیں کہ ذہانت وعلم وہنر کا سارا نشہ ہرن ہوجاتا ہے، دماغ کی ریل اس طرح صاف ہوجاتی ہے کہ ایک بات بھی یاد نہیں رہتی، دستخط کرنا بھی آدمی بھول جاتا ہے۔

پروفیسر مجیب (۱۹۸۵-۱۹۰۲) کا شمار ہندوستان کے بڑے بڑے دانشوروں میں ہوتا ہے، شیکسپیر کے ڈراموں کے بڑے بڑے حصے ان کو زبانی یاد تھے، اردو، انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور روسی زبانوں کے ماہر تھے، دسمبر ۱۹۷۸ء میں پروفیسر مجیب بیمار ہوئے، ان کے دماغ کا آپریشن ہوا لیکن ان کا حافظہ بالکل ختم ہوگیا، جامعہ ملیہ یونیورسٹی (دہلی) کے وائس چانسلر پروفیسر مجیب پانچ زبانوں کے ماہر تھے مگر آپریشن کے بعد وہ ان تمام زبانوں کو بھول گئے، یہاں تک کہ اردو سمیت زبانوں کے حروف تہجی (ا،ب،ت،ث) (A.B.C.D.) تک انھیں یاد نہ رہے۔ (بحوالہ، رسالہ جامعہ دسمبر ۱۹۸۳ء)

پانچ زبانوں کے ماہر چوٹی کے اس دانشور کو اب اتنا بھی یاد نہیں رہا جتنا ایک سات سال کے بچے کو یاد

رہتا ہے، جس نے معلوم نہیں کتنی فائلوں اور کتنے کاغذوں پر دستخط کیا تھا، مختلف علمی مجلسوں میں اسٹیجوں پر خطاب کا دریا بہایا تھا، علمی وفنی وادبی مقالے لکھے تھے لیکن اب وہ اس لائق بھی نہیں رہا کہ خود اپنا دستخط کر سکے اور اخبار کا کوئی کالم پڑھ سکے، بالآخر اسی حالت میں ۲۰/جنوری ۱۹۸۵ء اس دنیائے فانی سے عالم برزخ کی طرف روانہ ہوگیا، جہاں ان دنیاوی علوم وفنون اور علمی وادبی مہارتوں کی کوئی پوچھ نہیں ہے، وہاں بس یہ دیکھا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت واطاعت، تقویٰ وپرہیزگاری کا کتنا سرمایا لے کر آیا ہے۔

اس طرح کے واقعات خود ہی اس بات کی دلیل ہیں کہ انسان کے پاس جو بھی دولت ہے جو بھی نعمت ہے وہ اس کی ذاتی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے، جب چاہے وہ کسی کو دے اور جب چاہے چھین لے، اگر انسان کی کوئی بھی چیز ذاتی ہوتی تو وہ کبھی اس سے چھینی نہ جاتی، اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کی معرفت ومحبت کی نعمت حاصل ہے اور وہ دینی کاموں میں مشغول رہتا ہے تو اس کو اپنی کسی صلاحیت کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے، بلکہ یہ دین کی نعمت بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ملی ہے، جب چاہے اس نعمت کو چھین سکتا ہے، الغرض کسی بھی چیز کو اپنی کسی ذاتی قابلیت اور اپنے علم وہنر اور اپنی محنت کا نتیجہ نہیں سمجھنا چاہئے۔

راقم الحروف کا ایک شعر ہے۔

ہے محبت ان کی دل میں تیرے اصلاحی اگر
ہے انھیں کا فضل یہ تیرا نہیں کوئی کمال

اب تفسیر ماجدی، جلد پنجم، تفسیر سُوْرَۃُ الْقَصَصْ کا حاشیہ نمبر ۱۰۱/ پڑھئے۔

(قارون نے کہا) یہ حسن سلوک کی کیا بات اور اپنے پیسے میں کسی کا استحقاق کیا "روشن خیال" قارون نے جواب دیا کہ یہ کیا دقیانوسیوں کی سی باتیں ہیں، میں مالیات ومعاشیات کا ماہر ہوں مجھے جو کچھ بھی ملا ہے یہ میں نے اپنی قوت بازو سے اپنے علم وہنر کے زور سے کمایا ہے، نہ میرے اوپر کوئی احسان غیبی نہ میری کمائی میں دوسروں کا حق۔

عارفین نے کہا ہے کہ علم وفضل، فن وہنر کو اپنی جانب منسوب کرنا اپنا ذاتی کمال سمجھنا اور اسے اللہ کا عطیہ نہ جاننا یہی اصل جڑ ہے مغضوبیت اور مخذولیت کی، مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اسی طرح طریقت میں بھی ثمرات کو بجائے فضل وانعام خداوندی کے اپنی سعی ومجاہدے کی جانب منسوب کرنا مذموم ہے۔

(تھانوی جلد ۲/صفحہ ۲۲۹) (بحوالہ، تفسیر سُوْرَۃُ الْقَصَصْ، حاشیہ نمبر ۱۰۱/)

جس علم سے دنیا مقصود ہو وہ علم نہیں ہے

طالبِ دنیا یعنی جن لوگوں نے دنیا ہی کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا ہے، یا دنیا کی محبت کے کچھ بھی جراثیم ان کے دل کے کسی گوشے میں ہوتے ہیں، ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب وہ کسی کی شان وشوکت، کسی کا ٹھاٹھ باٹ، کسی کی مادی خوشحالی کو دیکھتے ہیں تو ان کی طرف للچائی ہوئی نظر ڈالتے ہیں اور ان پر رشک کرتے ہیں، ان کے دل میں دنیا کی جو حریصانہ طلب ہوتی ہے اس کا ظہور ان کی زبان سے بھی ہونے لگتا ہے کہ اے کاش ہمارے پاس ایسا ہی ساز وسامان ہوتا، ہمارے پاس بھی ویسا ہی شاندار مکان ہوتا، ہمارے پاس ویسی ہی شاندار گاڑی ہوتی، وغیرہ وغیرہ لیکن اہل علم کی شان اس کے برعکس ہوتی ہے کیونکہ علم حقیقی اللہ کی معرفت ومحبت کا نام ہے، اللہ کی معرفت جس کو حاصل ہوجاتی ہے اور آخرت پر نظر ہوتی ہے، وہ دنیا کی طرف للچائی ہوئی نظر نہیں ڈالتا، وہ دنیا سے بے رغبت ہوجاتا ہے، دنیا کے تذکرہ سے بھی اس کو الرجی ہوتی ہے۔ راقم الحروف کا ایک شعر ہے ؎

بڑے احمق ہیں جو دنیا پہ فخر و ناز کرتے ہیں
مجھے تو مچھروں کے پر پہ اترانا نہیں آتا

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ، لَیْسَ الْعِلْمُ بِكَثْرَةِ الرِّوَایَةِ وَلٰكِنَّهٗ نُوْرٌ یَجْعَلُهُ اللّٰهُ فِی الْقُلُوْبِ" یعنی: علم کثرت روایت کا نام نہیں ہے بلکہ ایک نور ہے، جس کو اللہ تعالیٰ دلوں میں ڈال دیتا ہے۔

پھر امام مالکؒ اس علم کی علامت بتاتے ہیں کہ، وَلٰكِنَّ عَلَیْهِ عَلَامَةً ظَاهِرَةً وَ هُوَ التَّجَافِی عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَةُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ" یعنی: اس کی ایک کھلی علامت دنیا سے نفرت اور آخرت کی طرف توجہ ہے۔ (بحوالہ، تَرْجُمَانُ السُّنَّة، جلد اول، از مولانا بدر عالم میرٹھیؒ)

معلوم ہوا کہ علم کی شان یہی ہے کہ اس کے ذریعہ دنیا کو طلب نہ کیا جائے اگر کوئی طالب علم یا عالم، علم کے ذریعہ دنیا کا طالب ہو اور حصول علم کے بعد اس کی دنیا طلبی اور اس کے ٹھاٹ باٹ میں اضافہ ہوتا جائے تو وہ علم کی توہین کررہا ہے اور حقیقی علم سے محروم ہے۔ حقیقت ہے کہ جس علم کے ذریعہ دنیا مقصود ہو وہ علم ہے ہی نہیں۔ علامہ اقبالؒ نے خوب کہا ہے کہ ؎

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں
جس علم کا حاصل ہو جہاں میں دوکف جو

اب تفسیر ماجدی، جلد پنجم، تفسیر سُوْرَةُ الْقَصَص کا حاشیہ نمبر ۱۰۵ پڑھئے۔

دوسروں کے ظاہری ساز وسامان، ٹیپ ٹاپ پر پھسل پڑنا فطرتِ بشری کی کمزوریوں میں ہمیشہ

داخل رہا ہے، یہاں اہل ایمان بنی اسرائیل کی زبان پر اس کلمۂ رشک کا آنا اسی فطرت بشری کا ظہور تھا، آیت میں بڑا درسِ عبرت ہے ان مسلمان کے لئے جو آج امریکا، یا روس یا دوسری فرنگی قوموں کے ٹھاٹھ باٹھ پر ریجھے ہوئے ہیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ، وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ کے مقابلے میں یہ وَقَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا" اس پر دلیل ہے کہ علم معتبر وہ ہے جس سے دنیا مقصود نہ ہو۔ (تھانویؒ جلد ۲ رصفحہ ۲۳۰)

(بحوالہ، تفسیر سُوْرَۃُ الْقَصَصِ، حاشیہ نمبر ۱۰۵ ر)

اقتباس

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ، لَيْسَ الْعِلْمُ بِكَثْرَةِ الرِّوَايَةِ وَلٰكِنَّهٗ نُوْرٌ يَجْعَلُهُ اللّٰهُ فِي الْقُلُوْبِ" یعنی: علم کثرت روایت کا نام نہیں ہے بلکہ ایک نور ہے، جس کو اللہ تعالیٰ دلوں میں ڈال دیتا ہے۔

پھر امام مالکؒ اس علم کی علامت بتاتے ہیں کہ، وَلٰكِنَّ عَلَيْهِ عَلَامَةً ظَاهِرَةً وَهُوَ التَّجَافِي عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَةُ اِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ" یعنی: اس کی ایک کھلی علامت دنیا سے نفرت اور آخرت کی طرف توجہ ہے۔ (بحوالہ، تَرْجُمَانُ السُّنَّةِ، جلد اول، از مولانا بدر عالم میرٹھیؒ)

معلوم ہوا کہ علم کی شان یہی ہے کہ اس کے ذریعہ دنیا کو طلب نہ کیا جائے اگر کوئی طالب علم یا عالم، علم کے ذریعہ دنیا کا طالب ہو اور حصولِ علم کے بعد اس کی دنیا طلبی اور اس کے ٹھاٹ باٹ میں اضافہ ہوتا جائے تو وہ علم کی توہین کر رہا ہے اور حقیقی علم سے محروم ہے۔

حقیقت ہے کہ جس علم کے ذریعہ دنیا مقصود ہو وہ علم ہے ہی نہیں۔

اس آیت کا کتبہ اپنے کمرے میں لگا دینا چاہئے

قارون کا واقعہ اور اس کے پس منظر میں اور بہت سی عبرت وموعظت کی باتوں کو ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ،

تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۸۳﴾ یہ آخرت کا گھر انھیں کو دیں گے جو زمین پر اپنی بڑائی اور بگاڑ نہیں چاہتے، اور اچھا انجام تو پرہیزگاروں کا ہے۔ (سُوْرَةُ الْقَصَصْ)

قارون کی دولت اور اس کے ٹھاٹھ باٹھ کو دیکھ کر کچھ دنیاداروں کے منہ میں پانی آنے لگا تھا اور کہنے لگے کہ قارون تو بڑی قسمت والا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ، مال و دولت کی فراوانی اور دنیا کی خوشحالی خوش قسمتی کی دلیل نہیں ہے، خوش قسمتی و خوش نصیبی تو آخرت کی کامیابی ہے، لیکن آخرت کی کامیابی انھیں کو ملتی ہے جو اپنی ذات کو اونچا کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور اپنی بڑائی کا اظہار نہیں کرتے اور اللہ کی نعمتوں کا غلط استعمال کر کے زمین پر فساد اور بگاڑ پیدا کرنے کی سعی نہیں کرتے، وہ جو بھی قدم اٹھاتے ہیں اللہ سے ڈرتے ہوئے اٹھاتے ہیں اور ان تمام چیزوں سے بچتے ہیں جن سے اللہ نے روکا ہے، وہ آخرت کے طالب ہوتے ہیں، ان کا تقویٰ ان کو دنیا طلبی اور دنیا پرستوں کی طرف للچائی ہوئی نگاہ ڈالنے سے روک دیتا ہے، یہی وہ لوگ ہیں جن کا انجام دنیا و آخرت میں بہتر ہوگا۔

کسی بھی حیثیت سے جس کو اپنی بڑائی کا احساس ہوگا اور دوسروں کے مقابلے میں اپنے کو اونچا سمجھے گا، مال و دولت اور کسی بھی علم و ہنر پر فخر کرے گا، تو اس سے اس زمین پر کسی بھی طرح کی بھلائی کی امید نہیں کی جا سکتی، اس کے ذریعہ فساد اور بگاڑ ہی برپا ہوگا، جس کی نظر اللہ پر اور آخرت کی کامیابی کی طرف ہوتی ہے اس کی خاکساری اور تواضع کا تو یہ حال ہوتا ہے جیسا کہ مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھیؒ نے فرمایا ہے کہ،

کچھ ہونا مرا ذلت و خواری کا سبب ہے
یہ ہے مرا اعزاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

اب تفسیر ماجدی، جلد پنجم، تفسیر سُوْرَةُ الْقَصَصْ کا حاشیہ نمبر ۱۰۹ / پڑھئے۔

(تو کیا خوش نصیب ہے وہ جس کے نصیب میں تقویٰ کی دولت آگئی) عُـلُو، سے مراد معصیت نفسانی لی گئی ہے اور فساد سے گناہ متعدی، دوسرے معانی بھی منقول ہیں۔

عُـلُو اور فساد فِی الْاَرْضِ بہرحال دونوں اس درجہ اللہ کے ہاں مبغوض ہیں کہ ان کے پیچھے پڑا رہنے والا آخرت کی نعمتوں سے محروم ہی رہ جاتا ہے، ترقی کی حریص اور اسی میں پڑی رہنے والی قومیں اور ان

کے پرستار کاش قرآن سے ہدایت حاصل کرتے۔

آیت، قرآن کی ان آیتوں میں سے ہے جن میں چند مختصر الفاظ کے اندر گہرے اصول اور پورے پورے قانون بیان کردیئے گئے ہیں اور اس قابل ہے کہ پڑھا لکھا شخص اپنے اپنے کمرے میں اسکا کتبہ لگا کر ٹانگ دے کہ ہر وقت پیشِ نظر رہے، خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ اموی جنھیں پانچواں خلیفۂ راشد سمجھا گیا ہے ان کی بابت تاریخوں میں درج ہے کہ (نزع) جانکنی کے وقت یہی آیت زباں پر تھی۔

(بحوالہ، تفسیر سُوْرَةُ الْقَصَص، حاشیہ نمبر ۱۰۹)

۞ ۞

اقتباس

قارون کی دولت اور اس کے ٹھاٹھ باٹھ کو دیکھ کر کچھ دنیا داروں کے منہ میں پانی آنے لگا تھا اور کہنے لگے کہ قارون تو بڑی قسمت والا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ، مال و دولت کی فراوانی اور دنیا کی خوشحالی خوش قسمتی کی دلیل نہیں ہے، خوش قسمتی و خوش نصیبی تو آخرت کی کامیابی ہے، لیکن آخرت کی کامیابی انھیں کو ملتی ہے جو اپنی ذات کو اونچا کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور اپنی بڑائی کا اظہار نہیں کرتے اور اللہ کی نعمتوں کا غلط استعمال کرکے زمین پر فساد اور بگاڑ پیدا کرنے کی سعی نہیں کرتے، وہ جو بھی قدم اٹھاتے ہیں اللہ سے ڈرتے ہوئے اٹھاتے ہیں اور ان تمام چیزوں سے بچتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے، وہ آخرت کے طالب ہوتے ہیں، ان کا تقویٰ ان کو دنیا طلبی اور دنیا پرستوں کی طرف للچائی ہوئی نگاہ ڈالنے سے روک دیتا ہے، یہی وہ لوگ ہیں جن کا انجام دنیا و آخرت میں بہتر ہوگا۔

دورانِ ہجرت مقامِ جحفہ میں آیت تسلی کا نزول

إِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ إِلٰى مَعَادٍ ﴿۸۵﴾ بیشک جس نے آپ پر قرآن کو فرض کیا (یعنی اس پر عمل کرنا اور اس کی تبلیغ کرنا واجب کیا) آپ کو پھر لوٹنے کی جگہ (مکہ مکرمہ) واپس لائے گا۔ (سُوْرَةُ الْقَصَصِ)

اس آیت میں تسلی اور سکونِ قلب کا ایسا مرہم ہے کہ اگر بندۂ مومن اس کا لذت آشنا ہو جائے تو راہِ حق میں پہنچنے والے تمام زخم لذیذ ہو جائیں اور اس راہ کی ساری دشواریاں آسان معلوم ہونے لگیں، اور اس راہ کے کانٹے بھی لطف دینے لگیں اور غم کی بدلیوں میں مسرت و شادمانی کا جو حسین چاند چھپا ہوا ہے اس کے تصور سے دل منارۂ نور ہو جائیں، آیت کے اس مختصر سے جملے میں اللہ تعالیٰ نے تسلی کا جو سامان بھر دیا ہے اس کی تصویر کشی محال ہے، اس آیت میں دنیا سے لے کر آخرت تک کی تمام کامیابیوں اور فتح مندیوں کی جو بشارت ہے اس کے تصور ہی سے دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔

آج بھی مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل اس آیت میں موجود ہے، یعنی اگر مسلمان اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآنِ مجید پر عمل کرنے لگیں اور قرآنِ مجید کا پیغام عام کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ کی نصرت کا نزول شروع ہو جائے گا، اگر دعوت و تبلیغ کی وجہ سے کسی شہر اور کسی ملک کے لوگ ان پر ظلم و ستم ڈھانے لگیں اور ملک سے نکلنے پر مجبور کر دیں تو فوراً یہ آیت تسلی کا سامان لے کر آپ کے سامنے موجود ہو جائے گی، اور آپ کو محسوس ہوگا کہ اس آیت کا نزول ابھی ابھی ہو رہا ہے، اور آپ کو تسلی دے رہی ہے کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ پھر تم کو فاتحانہ اسی ملک میں واپس لوٹائے گا۔

اگر ہندوستان میں مسلمان اخلاص کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیں اور یہاں کے غیر مسلم ان کی مخالفت پر کمربستہ ہو جائیں، ان کو اس ملک سے نکالنے کی کوشش کریں اور بالفرض نکلنا پڑ جائے تو یہ اس بات کی پیشگی بشارت ہوگی کہ دوبارہ پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس ملک میں لائے گا اور جہاں آج باطل کا غلبہ ہے وہاں حق کا غلبہ ہو جائے گا، لیکن یہ فتح و نصرت اور غلبہ کا وعدہ اسی صورت میں ہے کہ مسلمان قرآنِ حکیم کو مضبوطی سے پکڑ لیں، اس کی عملی تصویر ہو جائیں اور پورے زور و شور سے قرآن کا پیغام پورے ملک میں پہنچانے کی کوشش کریں، اگر ایسا نہیں کریں گے تو ہندوستان میں احتجاج کرتے رہیں، ریلی نکالتے رہیں، چیخ و پکار کرتے رہیں، ان کا مسئلہ کبھی حل نہیں ہوگا۔

ذرا تصور کیجئے حضور اکرم ﷺ اور مکہ کے حالات کتنے سخت تھے، کفار و مشرکین جب ظلم و ستم کے تمام

حربوں کو اختیار کر کے ناکام ہوگئے تو آپ کو قتل کرنے کی زبردست پلاننگ کی، جس کو اللہ تعالیٰ نے ناکام کر دیا۔
جب ہجرت کے نازک موقع پر حضورﷺ مکہ سے غار ثور کی طرف روانہ ہوئے تو مکہ کی طرف نگاہ اٹھا کر بہت ہی حسرت کے ساتھ فرمایا کہ، اَللّٰهُمَّ اَنْتِ اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ وَ اَنْتِ اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَيَّ وَلَوْ لَا الْمُشْرِكُوْنَ اَهْلُكِ اَخْرَجُوْنِيْ لَمَا خَرَجْتُ مِنْكِ" اے مکہ تو اللہ کے نزدیک تمام شہروں سے زیادہ محبوب ہے اور میرے نزدیک بھی تو تمام شہروں سے زیادہ محبوب ہے، اگر یہاں کے مشرکین باشندوں نے مجھ کو نکلنے پر مجبور نہ کیا ہوتا تو میں ہرگز نہیں نکلتا۔ (ذَكَرَهُ الثَّعْلَبِيُّ وَهُوَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ)
اس سے اندازہ لگایئے کہ حضورﷺ کو اپنا وطن عزیز مکہ اور حرم کعبہ چھوڑنے کا کتنا غم تھا، یہاں تک کہ ہجرت کے سفر میں جب آپ غار ثور سے نکل کر مقامِ جَحْفَة پہنچے جو مدینہ کے راستے کی مشہور منزل رابغ کے قریب ہے وہاں سے مکہ سے مدینہ کا معروف راستہ مل جاتا ہے اس موقع پر مکہ مکرمہ کی یاد آپ کو تڑپانے لگی تو حضرت جبرئیلؑ آپ کی تسلی کیلئے اس مذکورہ آیت کو لے کر نازل ہوئے جس نے آپ کے غموں کو ہلکا کر دیا اس آیت میں آپ کو تسلی دی گئی کہ آپ غمگین اور افسردہ خاطر نہ ہوں آپ کے وطن محبوب مکہ مکرمہ سے یہ جدائی چند روزہ ہے بہت ہی جلد ہم آپ کو دوبارہ پھر مکہ پہنچا دیں گے۔
اس کا مطلب ہے کہ آپ کو اس آیت میں فتح مکہ کی بشارت دی گئی ہے کہ آج مظلومانہ حالت میں آپ ہجرت کر رہے ہیں اور آپ کے ساتھ کوئی مددگار بڑا قافلہ بھی نہیں ہے، لیکن کچھ ہی دنوں میں آپ فاتحانہ مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے، اور یہی کفار و مشرکین جنہوں نے آپؐ کو مکہ سے نکالا ہے آپ کا تعاقب کر رہے ہیں، وہ آپ کے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے۔
حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ یہ آیت جَحْفَة میں نازل ہوئی، نہ مکی ہے نہ مدنی۔ (قرطبی)
اس آیت میں ایک اہم بات کی طرف اشارہ کر دیا گیا کہ قرآن حکیم کی تلاوت اس پر عمل اس کی دعوت و تبلیغ ہی اس نصرتِ خداوندی اور فتح و غلبہ کا سبب ہوگی، اس آیت میں لفظ مَعَاد بھی اپنے اندر لذت و سکون کا ایک بڑا خزانہ رکھتا ہے، وطن عزیز مکہ کا نام لینے کے بجائے مَعَاد کا ذکر اس لئے ہوا ہے کہ چاہے مکہ ہو یا اور کوئی جگہ ہو یا دنیا سے آخرت کا سفر ہو، ہر لوٹنے کی جگہ آپ کیلئے بہتر سے بہتر اور حسین سے حسین تر ہوتی جائے گی۔
راقم الحروف کے دل میں یہ بات آرہی ہے کہ جو مسلمان بے قصور دشمنوں کے جیلوں میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں ان کیلئے بھی یہ آیت تسلی اور سکون قلب کا بہترین ربانی نسخہ ہے، وہ جیلوں کے اندر توبہ و استغفار کرتے رہیں اور موقع ملے تو دعوت توحید کے سلسلے میں سنت یوسفی بھی حکمت کے ساتھ ادا کریں، اور پورے اخلاص کے ساتھ یہ عزم کر لیں کہ جیسے بھی حالات ہوں خواہ جیل کے اندر یا جیل کے باہر بالکل اسلام کے رنگ

میں رنگے رہیں گے، اور اس آیت کا ورد جاری رکھیں اور اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے رہیں کہ اے اللہ تعالیٰ پھر ہم کو بخیر و عافیت ہمارے گھر لوٹا دے، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اس کیلئے رہائی کے اسباب پیدا کرنا مشکل نہیں ہے اسی کی نصرت و مدد سے ہمارے تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

اب تفسیر ماجدی، جلد پنجم، تفسیر سُوْرَۃُ الْقَصَصْ کا حاشیہ نمبر ۱۱۱ پڑھیے۔

''اور اس وقت آپ آزاد اور غالب اور صاحب حکومت ہوں گے''

یہ آپ کی تسلی میں اس وقت ارشاد ہوا جب عین آغاز ہجرت میں مفارقت وطن سے آپ کو طبعی صدمہ ہو رہا تھا اور زخم بالکل تازہ تھا، اس لئے کہ ابھی آپ مدینہ پہنچنے بھی نہ پائے تھے بلکہ راہ ہی کی ایک منزل جحفہ میں تھے، اس قطعیت و تحدی کے ساتھ پیش خبری کر دینا جب کہ سارے آثار ظاہر اس کے مخالف تھے، بجز کلام الٰہی کے اور کس کا کام ہو سکتا ہے۔

مَعَاد لفظی معنی واپسی کی جگہ، مراد شہر مکہ سے لی گئی ہے، ایک تفسیر مَعَاد حقیقی جنت سے بھی آئی ہے۔

فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ'' یعنی قرآن کو بطور حکم کے آپ پر اتارا ہے اس پر عمل آپ پر واجب کیا ہے۔ (بحوالہ، تفسیر سُوْرَۃُ الْقَصَصْ، حاشیہ نمبر ۱۱۱)

❁ ❁

اقتباس

اگر ہندوستان میں مسلمان اخلاص کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیں اور یہاں کے غیر مسلم ان کی مخالفت پر کمربستہ ہو جائیں، ان کو اس ملک سے نکالنے کی کوشش کریں اور بالفرض نکلنا پڑ جائے تو یہ اس بات کی پیشگی بشارت ہوگی کہ دوبارہ پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس ملک میں لائے گا اور جہاں آج باطل کا غلبہ ہے وہاں حق کا غلبہ ہو جائے گا، لیکن یہ فتح و نصرت اور غلبہ کا وعدہ اسی صورت میں ہے کہ مسلمان قرآنِ حکیم کو مضبوطی سے پکڑ لیں، اس کی عملی تصویر ہو جائیں۔

ابتلاء وآزمائش کی حکمت

سونا، چاندی، پیتل، تانبہ، مٹی، ڈھیلا، کنکر پتھر سب ایک ساتھ ہوں، اور مٹی کا ڈھیلا یہ دعویٰ کرکے کہ میں بھی سونا ہوں، تو اس وقت تک صحیح نہیں ہوگا جب تک کسوٹی پر اس کو نہ جانچا جائے اور اس کے بعد پتہ چلے گا کہ کون اصلی اور خالص سونا ہے اور کون نقلی اور غیر خالص ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات بہت غیور ہے، اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے کہ مخلص مسلمانوں کی جماعت میں منافق نام نہاد مسلمان جیسے ڈھیلے اور پتھر شامل رہیں، اس لئے دعویٰ ایمان کے بعد اللہ تعالیٰ امتحان اور آزمائش کے دور سے گذارتے ہیں اور سخت امتحان لیتے ہیں، تاکہ کھرے اور کھوٹوں کے درمیان امتیاز ہوجائے اور کھوٹے قسم کے لوگ مخلصوں کی جماعت سے علاحدہ ہوجائیں۔

اقبال سہیل اعظمی نے خوب کہا ہے کہ؎

مصیبت پر مسلمان شکوہ سنج آسمان کیوں ہوں
نہ ہو یہ آنچ تو کھوٹے کھرے کا امتحان کیوں ہو

راقم الحروف کا بھی ایک شعر ہے،؎

محبت کا اگر دعویٰ ہے تو پھر امتحان ہوگا
تھپیڑوں سے گذر ہی کر ترا جوہر عیاں ہوگا

ہر دور میں اہل حق ابتلاء وآزمائش کے دور سے گذرے ہیں اور سخت سے سخت حالات کی بھٹی میں ان کو تپایا گیا ہے اور بقدر قوتِ ایمان امتحان لیا گیا، چنانچہ انبیاءؑ کو سب سے زیادہ سخت حالات سے گذرنا پڑا، اسی طرح بقدر ایمان ہر ایک مومن کی آزمائش ہوتی ہے، یہ آزمائش اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہے، کیونکہ جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں انہی کا امتحان ہوتا ہے، جو اللہ سے دور ہیں اور اللہ کی محبت کے مدرسہ میں داخلہ ہی نہیں لیا ہے ان کا امتحان لینے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ صالحین کی آزمائش کا ذکر کرتے ہوئے، حضورﷺ نے فرمایا کہ، وَاِنْ کَانَ اَحَدُھُمْ لَیَفْرَحُ بِالْبَلَاءِ کَمَا یَفْرَحُ اَحَدُکُمْ بِالرَّخَاءِ" یعنی ان میں سے آدمی ابتلاء وآزمائش سے اس طرح خوش ہوتا تھا جس طرح تم خوش حالی وغیرہ سے خوش ہوتے ہو۔ (ابن ماجہ، بحوالہ قرطبی)

کیونکہ ابتلاء وآزمائش نہ ہونے کی وجہ سے ان کو اپنے بارے میں نفاق کا شبہ ہونے لگتا تھا کہ معلوم ہوتا ہے، ہمارے اندر ایمان نہیں ہے۔ اس لئے کہ،؎ "امتحاں عاشق کا ہوتا ہے منافق کا نہیں"

حضرت وہبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں میں سے ایک حواری کے نوشتہ میں دیکھا ہے کہ اگر اس راہ میں تمہاری آزمائش ہو رہی ہے، سخت حالات سے گذرنا پڑ رہا ہے، تو اس سے خوش ہو جاؤ اور اس سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرو، یہ تمہارے لئے خوشی کی بات ہے کہ اللہ تم سے محبت کرتا ہے، کیونکہ پیغمبروں اور صالحین کے ساتھ اللہ کا یہی معاملہ رہا ہے، اور اگر خوشحالی کا معاملہ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے، کسی بھی طرح کی آزمائش نہیں ہو رہی ہے تو ایسی حالت میں اپنے اوپر آنسو بہاؤ۔ (بحوالہ، قرطبی)

جب اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے امتحان و آزمائش کے دور سے گذرتے ہیں تو اس میں لذت محسوس کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے محبت کرتے ہیں اور ہمارے دل اور ہماری روح کا تزکیہ کرنا چاہتے ہیں، اسی لئے تو ہمارا امتحان لے رہے ہیں۔ سچ ہے کہ،

بلائے دوست کی لذت کو غیر کیا جانے
کرم ہے اس کا چنا مجھ کو امتحان کے لئے

مکہ مکرمہ میں صحابہ کرامؓ جب سخت حالات سے گذر رہے تھے اور کفار و مشرکین ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھا رہے تھے، ایسی ایسی تکلیف پہنچا رہے تھے کہ اس کے تصور سے دل کانپ جاتا ہے، یہ صحابہ کرامؓ ہی کا ایمان تھا کہ خندہ پیشانی کے ساتھ اللہ کی رضاء کیلئے ان ناقابل برداشت تکلیفوں کو برداشت کرتے رہے، امتحان و ابتلاء کی اس نازک گھڑی کے موقع پر صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے نصرت کی درخواست کیجئے اور ہمارے لئے دعاء کیجئے، تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، جس کا ذکر مندرجہ ذیل روایت میں ہے۔

عَنْ خَبَّابِ بْنِ الْاَرَتِّؓ، قَالُوْا شَكَوْنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً لَهٗ فِيْ ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَقُلْنَا لَهٗ اَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا؟ اَلَا تَدْعُوْ لَنَا، فَقَالَ قَدْ كَانَ مِنْ قَبْلِكُمْ يُؤْخَذُ الرَّجُلُ فَيُحْفَرُ لَهٗ فِي الْاَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيْهَا فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوْضَعُ عَلٰى رَأْسِهٖ فَيُجْعَلُ بِنِصْفَيْنِ وَيُمْشَطُ بِاَمْشَاطِ الْحَدِيْدِ لَحْمُهٗ وَعَظْمُهٗ فَمَا يَصْرِفُهٗ ذٰلِكَ عَنْ دِيْنِهٖ وَاللّٰهِ لَيَتِمَّنَّ هٰذَا الْاَمْرُ حَتّٰى يَسِيْرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ اِلٰى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ اِلَّا اللّٰهَ وَالذِّئْبَ عَلٰى غَنَمِهٖ وَلٰكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُوْنَ" (رواہ، بخاری)

حضرت خباب بن الارتؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی تکلیفوں کا شکوہ کیا اور آپ چادر لپیٹے خانہ کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے، ہم نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ ہمارے لئے اللہ سے مدد کی درخواست فرمائیں اور ہمارے لئے دعاء کریں، تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں سے پہلے یہ حال تھا کہ آدمی کو لایا جاتا تھا اس کیلئے زمین کھودی جاتی تھی پھر اس میں اس کو کھڑا کر دیا جاتا تھا،

پھر آرا لایا جاتا تھا اور اس کے سر پر رکھ دیا جاتا تھا اور اس کو دو ٹکڑے کر دیا جاتا تھا اور لوہے کی کنگھیوں سے اس کے گوشت اور ہڈی کو نوچا جاتا تھا، لیکن یہ چیز بھی اس کو اس کے دین سے نہیں پھیر سکی، اللہ کی قسم یہ دین مکمل ہو کر رہے گا یہاں تک سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اور سوائے اللہ کے کسی کا ڈر اس کو نہیں ہوگا، یا اپنی بھیڑوں کیلئے بھڑیا کا ڈر ہوگا، لیکن تم جلدی کر رہے ہو۔ (بحوالہ، بخاری)

معلوم ہوا کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں تو ہمارا امتحان ضرور لیا جائے گا اور ابتلاء و آزمائش کے بعد ہی پتہ چلے گا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے۔

ابتلاء و آزمائش کی لمبی تاریخ کی روشنی میں ایک سوالیہ نشان یہ ہے کہ پچھلے زمانے میں جو لوگ علم و عمل اور زہد و تقویٰ کے اونچے مقام پر تھے ان کو سخت سے سخت حالات سے گذرنا پڑا، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو سنتِ امتحان ہے اس میں کوئی تبدیلی بھی نہیں ہوگی۔

حق پرستی کی سزا جور عیاں
ہے یقیناً سنتِ پیغمبراں

لیکن آج معاملہ کیوں برعکس ہے، عام طور سے مشاہدہ یہی ہے کہ جو علماء اور مشائخ زیادہ مشہور ہو جاتے ہیں ان کے یہاں اور زیادہ مادی خوشحالی آجاتی ہے، فتوحات کا دروازہ کھل جاتا ہے اور دنیا کے لحاظ سے شاندار زندگی گذارتے ہیں، وہ جانتے ہی نہیں کہ فقر و فاقہ کس چیز کا نام ہے، ان کے علمی و دینی کارناموں پر شاہی ایوارڈ ملتا ہے، گرم جوشی کے ساتھ ان کا استقبال ہوتا ہے، ان کے دسترخوان پر انواع و اقسام کے ماکولات و مشروبات ہوتے ہیں، شاید غریب لوگ خواب میں بھی اس کو نہ دیکھ سکیں، نذرانہ و ہدیہ کی بارش ہوتی ہے، مریدوں و معتقدوں کا [illegible] ہوتا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی سنت امتحان جو پہلے تھی وہ اب بھی ہے تو پھر ایسا کیوں ہے؟

بات صرف یہ ہے کہ آج کے علماء و مشائخ امتحان کے اس میدان میں قدم رکھتے ہی نہیں جہاں اہل حق کا استقبال پتھروں سے ہوتا ہے، جہاں آندھیوں کے بگولے اٹھتے ہیں، جہاں اہل حق کیلئے تختۂ دار انتظار کرتا ہے، اگر [illegible] میدان امتحان میں قدم رکھیں تو آج بھی ان کو اسی طرح کے سخت حالات سے گذرنا پڑے گا جس سے ہمارے [illegible] ہیں۔ اسی لئے تو علامہ اقبال نے کہا تھا کہ،

چو من گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

یعنی: جب میں کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو کانپ جاتا ہوں، کیوں کہ کلمۂ توحید لا الٰہ کی مشکلات کو میں جانتا ہوں۔

آزمائش تو اسی وقت ہوتی ہے جب آدمی آزمائش کے میدان میں ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر کچھ بزرگ اپنے مریدوں کے ساتھ ساحل پر بیٹھے ہوئے ہیں، سبزہ وگل سے لطف و اندوز ہو رہے ہیں، کھانے پینے کا دور چل رہا ہے، شاندار قالین بچھے ہوئے ہیں، مسندوں پر ٹیک لگا کر بیٹھے ہیں اور دریا کی طوفانی موجوں اور تھپیڑوں کا نظارا کر رہے ہیں اور اپنی خوش قسمتی پر نازاں بھی ہیں کہ ہم پر فتوحات ہو رہی ہیں، یقیناً ان کی بات صحیح ہے، کیوں کہ انھوں نے اپنے لئے امتحان اور آزمائش کے میدان کا انتخاب ہی نہیں کیا ہے، اگر ساحل پر بیٹھے اپنی خوشحالی اور عیش وعشرت کی زندگی کو فتوحات اور برکات سے تعبیر کریں تو ان کی غلط فہمی ہے، امتحان کا میدان تو سمندر ہے نہ کہ ساحل۔

جو لوگ قیمتی موتیوں کو حاصل کرنے کیلئے سمندر کے اندر غوطہ زنی کر رہے ہیں سمندر کی طوفانی موجوں اور تھپیڑوں کا مقابلہ کر رہے ہیں اور صرف موجوں سے ٹکرانے ہی کی بات نہیں ہے سمندر میں خطرناک مگرمچھ، گھڑیال اور دوسرے جانور بھی ہیں جو ہر وقت ان کو نگلنے کیلئے اپنا منہ کھولے رہتے ہیں، اگر آپ نے سمندر کی موجوں کا انتخاب کرنے کے بجائے ساحل کا انتخاب کیا ہے تو ظاہر ہے پھر ابتلاء وآزمائش اور مصیبتوں اور تکلیفوں سے آپ کا کہاں گذر ہوگا، سمندر کی طوفانی موجوں سے ٹکرانے، مگرمچھوں اور گھڑیالوں کا مقابلہ کرنے والوں سے پوچھئے کہ امتحان اور آزمائش کس چیز کا نام ہے۔

امتحان کے سمندر میں کودنے والوں ہی کی زبان پر یہ شعر رہتا ہے کہ۔

کچھ سمجھ ہی کر ہوا ہوں موجِ دریا کا حریف
ورنہ میں بھی جانتا ہوں عافیت ساحل پہ ہے۔

اسی طرح میدان جنگ میں کچھ لوگ تلواروں کے سایہ میں دشمنوں سے نبرد آزما ہیں اور کچھ لوگ آرام کے ساتھ فائیو اسٹار ہوٹل کے شاندار ہال میں سیمینار کر رہے ہیں، چائے اور قہوہ کا دور چل رہا ہے، خوش ذائقہ کھانوں کی خوشبو ان کو دعوت تناول دے رہی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم پر فتوحات کے دروازے کھل رہے ہیں، تو انصاف سے بتایئے ابتلاء وآزمائش کے دور سے کون گذرے گا؟ میدان جنگ میں جان کا نذرانہ پیش کرنے والے یا عشرت کدوں میں محفل سجانے والے۔

یاد رکھئے، توحید کی دعوت، اللہ کی بندگی کا اعلان آپ کے امتحان کا میدان ہے، اس میدانِ دعوت میں جب بھی کسی نے قدم رکھا، سخت سے سخت حالات سے گذرنا پڑا، اسی میدانِ دعوت میں آنے کی وجہ سے حضرت ابراہیم کو آتش نمرود میں کودنا پڑا، اسی میدانِ دعوت میں آنے کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کو جلتے ہوئے کوئلوں اور عرب کی آگ اگلتی ہوئی ریت پر لٹا دیا گیا، اسی میدانِ دعوت میں آنے کی وجہ سے طائف کا واقعہ پیش آیا، دعوت توحید اور بت پرستی کے خلاف آواز اٹھانے ہی کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو مکہ سے ہجرت کرنی پڑی۔

جو علماء و مشائخ شاندار خانقاہوں میں رہتے ہیں اور سجے سجائے اسٹیجوں پر گل افشانی گفتار کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ہر جگہ ان کا استقبال ہوتا ہے، وہ اپنی ان خانقاہوں اور مدرسوں کی شاندار بلڈنگوں سے نکل کر دعوت و تبلیغ کے میدان میں آجائیں، بت پرستی کے خلاف آواز بلند کرنے لگیں، طائف والی سنت اور سنت ابراہیمی ادا کرنے لگیں تو اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ فتوحات کے دروازے کھلنے اور نذرانوں اور ہدیوں کی بارش ہونے کے بجائے سروں پر پتھر برسیں گے، اور فقر و فاقہ کی بھی نوبت آسکتی ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے عملی محبت کرنے والوں کو فقر و فاقہ کی منزلوں سے گذرنا ہی پڑتا ہے۔

طبرانی نے کعبؓ بن عجرہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں رسول ﷺ کے پاس آیا تو میں نے دیکھا کہ آپ کا چہرہ بدلا ہوا ہے، میں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیوں میں آپ کو اس حال میں دیکھ رہا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، میرے پیٹ میں تین دن سے وہ چیز داخل نہیں ہوئی جو کسی جگر والے کے پیٹ میں داخل ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نکلا تو میں نے دیکھا کہ ایک یہودی اپنے اونٹ کو پانی پلا رہا ہے میں نے اس کی مزدوری کی اور ایک ڈول کے بدلے ایک کھجور کی اجرت پر اس کے لئے پانی کھینچا ان کھجوروں کو لے کر میں رسول ﷺ کے پاس آیا۔

آپ ﷺ نے پوچھا، مِنْ اَیْنَ لَکَ یَا کَعْبُ" اے کعبؓ یہ کھجوریں تم کو کہاں ملیں؟ میں نے پورا قصہ بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا، اے کعبؓ کیا تم مجھ سے محبت رکھتے ہو؟ میں نے کہا، میرے ماں باپ آپ پر قربان، ہاں، آپ نے فرمایا، مَامِنْ عَبْدٍ یُحِبُّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِلَّا الْفَقْرُ اَسْرَعُ اِلَیْهِ مِنْ جَرْیَةِ السَّیْلِ عَلٰی وَجْهِهٖ" کوئی بندہ جب اللہ اور رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے تو محتاجی اس کی طرف اس سے بھی زیادہ تیزی سے آتی ہے جیسے سیلاب اپنے بہاؤ کی طرف۔ (بحوالہ، طبرانی)

اے اللہ، راقم الحروف تو بہت کمزور ہے، امتحان دینے کے قابل نہیں ہے، اے اللہ اس تحریر کو قبول فرما لے کہ اس کو پڑھ کر دعوتِ توحید کے میدان میں نکلنے کیلئے مسلمانوں کے دلوں میں جذبہ پیدا ہو، اے اللہ دعوتِ توحید کے میدان میں نکلنے والے اپنے مخلص بندوں کی فہرست میں راقم الحروف کو بھی شامل کر دے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد پنجم، تفسیر سورہ عنکبوت کا حاشیہ نمبر ۲ ر پڑھئے۔

یعنی جس طرح سابق امتوں کے مومنوں کی آزمائشیں ہو چکی ہیں، ان لوگوں کے ساتھ بھی یہ منازلت پیش آکر رہیں گے جو اپنے دعوے میں سچے ہوتے ہیں، وہ امتحان سے اور پختہ ہو جاتے ہیں اور جن کے دعوے محض زبانی ہوتے ہیں وہ نکل بھاگتے ہیں۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ عنکبوت، حاشیہ نمبر ۲ ر)

اللہ کے حکم کے مقابلے میں کسی کا حکم نہیں مانا جائے گا

حقیقی اطاعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے، تمام طاعتیں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے تابع ہیں، جہاں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت اور دوسری طاعتوں میں ٹکراؤ ہو جائے گا وہاں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے علاوہ دوسری تمام اطاعتوں کو ٹھکرا دیا جائے گا۔ کیونکہ ۔

مقصود صرف وہ ہیں کوئی دوسرا نہیں
ان کے سوا کسی کو نہ خاطر میں لایئے

شاگرد کا اپنے استاد کی بات ماننا، غلام کا اپنے آقا کی اطاعت، مرید کا اپنے پیر اور شیخ کی اطاعت، بیٹے کی اپنے والدین کی اطاعت، رعیت کی اپنے بادشاہ کی اطاعت، الغرض جس کی بھی اطاعت ہو اللہ کی اطاعت کے ماتحت ہوگی، اللہ تعالیٰ نے جس معاملے میں جس کی بات ماننے کا حکم دیا ہے اس کو مانا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ مطلق اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کی بھی اطاعت کا حکم دیا ہے اس میں سب سے زیادہ اہم اطاعت ماں باپ کی اطاعت ہے، لیکن ماں باپ کی اطاعت اسی حد تک کی جائے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، ماں باپ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کسی کام کرنے پر مجبور کریں تو ان کی اطاعت کو ٹھکرا دیا جائے گا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے سلسلے میں کسی کی بھی پرواہ نہیں کی جائے گی، یہی اسلام کی روح ہے اور اسی کا نام اسلام ہے، اسی کا نام اللہ کی محبت ہے۔

اللہ کو ناراض کر کے کسی کو راضی کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی، ساری دنیا مخالف ہو جائے، دشمن ہو جائے، لیکن اللہ کے حکم کے سامنے کسی کو بھی خاطر میں نہیں لایا جائے گا۔

وہ رہیں راضی یہی مطلوب ہے مقصود ہے
بو الہوس اس کے سوا کچھ عشق کا حاصل نہیں

افسوس ہے کہ آج شیطان نے اچھے خاصے لوگوں کو یہ پٹی پڑھا دی ہے کہ اللہ تو اپنے حق کو معاف کر دے گا لیکن جو حق بندوں کے متعلق ہے اس کو معاف نہیں کرے گا، یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے، لیکن اس کی آڑ میں شیطان اللہ تعالیٰ کے حق کی اہمیت کو گھٹا دیتا ہے اور لوگوں کو اللہ کی نافرمانی کی طرف لے کر چلا جاتا ہے جس کا نتیجہ ہے کہ بہت سے لوگ اللہ کے حق پر بندوں کے حق کو ترجیح دینے لگتے ہیں، صلہ رحمی اور حقوق العباد کے پردے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو ٹھکرا دیتے ہیں، ان کو نہیں معلوم کہ حقوق العباد اور حقوق اللہ کے درمیان امتیاز نہیں کرنا چاہئے، بندوں کے حق کی ادائیگی کا تعلق بھی اللہ ہی کے حق سے ہے، بندوں کے حق کا اسی حد تک خیال کیا جائے گا جہاں

تک اللہ نے حکم دیا ہے، مثال کے طور پر آپ کا کوئی بہت ہی قریبی عزیز اور رشتہ دار ہے وہ شادی کی تقریب میں فضول خرچی کا مظاہرہ کر رہا ہے، اور سنت رسول ﷺ کے خلاف عمل کر رہا ہے اور آپ کو دعوت دیتا ہے کہ اس تقریب میں آپ کی شرکت ہمارے لئے خوشی کا باعث ہوگی، آپ ضرور تشریف لائیں، تو کیا ایسے موقع پر بندے کے حق کا خیال کیا جائے گا، بہت سے جاہل اور نادان اس موقع پر کہتے ہیں کہ ارے بھائی صلہ رحمی کا تقاضا تو یہی ہے کہ اس میں شرکت کی جائے، اس کے دل کو ٹھیس نہ پہنچائی جائے، اللہ اپنے حق کو تو معاف کر دے گا لیکن اپنے رشتہ داروں کی جو دل شکنی ہوگی وہ مناسب نہیں ہے، یہ عجیب صلہ رحمی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ٹھیس لگنے کی پرواہ نہ کی جائے اور رشتہ داروں کی دل شکنی کا خیال کیا جائے، ایسی صلہ رحمی کا حکم اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا ہے۔

اس طرح آج شیطان بے شمار مسلمان کو گمراہ کر رہا ہے، حقوق العباد (بندوں کے حقوق) کی آڑ میں اللہ کی نافرمانی کروا رہا ہے، یہاں اللہ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جو اللہ کے حکم کا خیال نہیں کرتا ہم اس کا بھی خیال نہیں کریں گے، آج مسلمانوں کا عجیب حال ہو گیا ہے کہ اپنے رشتہ داروں، عزیزوں اور متعلقین کو خوش کرنے کیلئے اللہ کو ناراض کر دیتے ہیں، مجھ کو فانی بدایونی، کے اس واقعہ پر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ بیوی کی ناراضگی پر جو اس کو غم ہوا اس کی تصویر کشی اس نے اس شعر میں کی ہے۔

ہم نے فانی ڈوبتے دیکھی ہے نبضِ کائنات
جب مزاجِ یار کچھ برہم نظر آیا ہمیں

وہ کہتا ہے کہ جب بیوی ناراض ہو جاتی ہے تو خود اپنی ہی نبض نہیں بلکہ پوری کائنات کی نبض ڈوبنے لگتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ پورا عالم جانکنی کے عالم میں پہنچ گیا۔

افسوس ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اللہ کی نافرمانی کرنے پر نہ کسی کی خود اپنی نبض ڈوبتی ہے اور نہ کائنات کی نبض ڈوبتی ہوئی نظر آتی ہے، حالانکہ ہونا چاہئے کہ دنیا کے سارے انسان ناراض ہو جائیں تو بھی اس کا کوئی غم نہ ہونا چاہئے، بس غم اس کا ہو کہ کہیں میرا پروردگار تو مجھ سے ناراض نہیں ہے۔

گو ہوا دشمن زمانہ ہو مگر اے دل ہمیں
دیکھنا یہ ہے مزاجِ یار تو برہم نہیں

اب تفسیر ماجدی جلد پنجم تفسیر سورۃ عنکبوت کا حاشیہ نمبر ۹ پڑھئے

والدین کی اطاعت کا حکم تو قرآن میں عام ہے، بار بار آیا ہے اس خاص آیت سے متعلق واقعہ نزول صحیح مسلم و جامع ترمذی دونوں میں یہ منقول ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جب ایمان لائے تو ان کی مشرک والدہ بہت ہی ناخوش ہوئیں اور قسم کھا کر کہا کہ میں کھانا پانی چھوڑتی ہوں اور چھوڑے رہوں

گی، جب تک کہ تو اسلام ترک نہ کرے گا، یہ گویا تاریخ میں پہلی مثال بھوک ہڑتال (بلکہ بھوک پیاس ہڑتال) کی تھی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ارشاد ہوا کہ ایسی باتوں میں والدین کی اطاعت جائز نہیں۔ (مسلم رقم ۴۸/۷ار ترمذی رقم ۳۱۸۹ر)

لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ" علم یہاں دلیل یا تحقیق یا ثبوت کے مفہوم میں ہے، قرآنِ مجید نے بار بار اس حقیقت کا اثبات کیا ہے کہ شرک کے حق میں نہ کوئی ثبوت ہے اور نہ اس پر کوئی دلیل عقلی یا نقلی کسی قسم کی قائم ہے۔ کتنی صحیح، متوازن حکیمانہ تعلیم بندوں کو مل رہی ہے کہ دنیوی امور میں تو حسن سلوک والدین کے ساتھ جاری رکھو، لیکن دینی معاملات (اطاعت خالق) میں ان کی بات نہ مانی جائے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ عنکبوت، حاشیہ نمبر۱۹ر)

۞۞

اقتباس

افسوس ہے کہ آج شیطان نے اچھے خاصے لوگوں کو یہ پٹی پڑھادی ہے کہ اللہ تو اپنے حق کو معاف کردے گا لیکن جو حق بندوں کے متعلق ہے اس کو معاف نہیں کرے گا، یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے، لیکن اس کی آڑ میں شیطان اللہ تعالیٰ کے حق کی اہمیت کو گھٹا دیتا ہے اور لوگوں کو اللہ کی نافرمانی کی طرف لے کر چلا جاتا ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ بہت سے لوگ اللہ کے حق پر بندوں کے حق کو ترجیح دینے لگتے ہیں، صلہ رحمی اور حقوق العباد کے پردے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو ٹھکرا دیتے ہیں، ان کو نہیں معلوم کہ حقوق العباد اور حقوق اللہ کے درمیان امتیاز نہیں کرنا چاہئے، بندوں کے حق کی ادائیگی کا تعلق بھی اللہ ہی کے حق سے ہے، بندوں کے حق کا اسی حد تک خیال کیا جائے گا جہاں تک اللہ نے حکم دیا ہے۔

نماز بے اثر کیوں ہو جاتی ہے

اگر کسی دوا سے مریض کو شفا حاصل نہیں ہوتی تو اس کا مطلب ہے کہ یا تو دوا اصلی نہیں ہے، یا دوا اصلی ہے مگر مریض بد پرہیزی کرتا ہے، اصلی دوا میں دفع امراض کی خاصیت ہوتی ہے، اگر دوا کی شکل تو اصلی جیسی ہو لیکن وہ ڈبلیکیٹ اور نقلی ہے، کیپسول میں اصلی دوا کے بجائے کسی اور چیز کا سفوف بھر دیا گیا ہو تو وہ دوا نفع بخش نہیں ہوگی، دوا استعمال کرنے کے باوجود اس کی بیماری بڑھتی جائے گی۔

دنیا میں جسمانی بیماریوں کیلئے جو دوائیں ہیں وہ ناکام بھی ہوسکتی ہیں اور ہو بھی جاتی ہیں، لیکن روحانی و اخلاقی بیماریوں کے ازالہ کیلئے اللہ تعالیٰ نے نماز جیسا جو نسخہ مقرر کیا ہے اس کی تاثیر کبھی ختم نہیں ہوسکتی، اس کی نفع بخشی یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ، اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ " بلاشبہ نماز روک دیتی ہے، فحشاء اور منکر (ہر طرح کی برائیوں) سے۔ (سورہ عنکبوت)

معلوم ہوا کہ فواحش و منکرات سے روکنے کیلئے نماز کے اندر زبردست خاصیت موجود ہے، اگر نماز پڑھنے کے باوجود کوئی آدمی گناہوں اور برائیوں سے باز نہیں آتا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ حقیقی نماز سے محروم ہے، رکوع وسجود، قیام و قعود کی صرف ظاہری شکل کو اس نے اختیار کر رکھا ہے، اس کی نماز روح سے خالی ہے، نماز ہو اور برائیوں سے انسان باز نہ آئے ناممکن ہے۔

اصلی نماز وہی ہے جس میں خشوع و خضوع ہو، اور آدمی اس یقین کے ساتھ نماز پڑھے کہ وہ پروردگار عالم کے سامنے کھڑا ہے، ہمارے بعض صالحین کا حال یہ تھا کہ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو کانپ جاتے تھے، ان کا چہرہ زرد ہو جاتا تھا، اس تصور سے کہ ہم خالق کائنات، رب ذوالجلال والاکرام کے سامنے کھڑے ہیں اور رب العلمین اپنے جمال و جلال اور کمال کے ساتھ ہم سے ہم کلام ہے، اس کیفیت کے ساتھ جو نماز پڑھی جاتی ہے، وہ گناہوں اور برائیوں سے روک دیتی ہے، جس کی نماز اس طرح کی کیفیات سے خالی ہو، وہ گناہوں اور برائیوں سے نہیں روک سکتی۔ علامہ اقبال نے سچ کہا ہے کہ،

تیرا امام بے شعور تیری نماز بے حضور
ایسے امام سے گذر ایسی نماز سے گذر

محض نماز کی صورت سے کوئی حقیقی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا، مٹی اور پلاسٹک کا شیر بنا دیا جاتا ہے تو بچے اس شیر سے کھیلتے ہیں اس کی پشت پر بیٹھ جاتے ہیں، کیونکہ وہ شیر نہیں ہے، محض شیر کی شکل ہے، اگر اصلی شیر سامنے آجائے تو اس کو دیکھتے ہی لوگ کانپ جائیں گے۔

آج ہماری نمازوں کا یہی حال ہے کہ بس اس کی ایک ظاہری شکل وصورت رہ گئی ہے، وہ روح اور حقیقت سے خالی ہے، جس کی وجہ سے بے اثر ہو کے رہ گئی ہے، نماز کے بے اثر ہونے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ نماز کے آداب وشرائط اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی، نماز جن چیزوں سے روکتی ہے ان سے پرہیز نہیں کیا جاتا۔ کسی نے خوب کہاہے کہ،

اثر کہاں سے ہو اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی کا
ابھی تو آبِ نجس سے کیا ہے تو نے وضو

نماز تو انسان کو تمام اخلاقی وروحانی اور ظاہری وباطنی بیماریوں سے پاک وصاف کردیتی ہے، نماز کے بارے میں حضورﷺ نے فرمایا ہے کہ،

اَرَاَیْتُمْ لَوْ اَنَّ نَھْرًا بِبَابِ اَحَدِکُمْ یَغْتَسِلُ فِیْهِ کُلَّ یَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ ھَلْ یَبْقٰی مِنْ دَرَنِهٖ شَیْءٌ قَالُوْا لَایَبْقٰی مِنْ دَرَنِهٖ شَیْءٌ قَالَ فَذَالِکَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ یَمْحُو اللّٰهُ بِھِنَّ الْخَطَایَا" تمہارا کیا خیال ہے، کسی کے دروازے پر کوئی نہر ہو جس میں وہ روزآنہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کوئی میل کچیل باقی رہ سکتا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے کہا کہ، اس کے جسم پر کوئی میل کچیل باقی نہیں رہ سکتا، تو آپﷺ نے فرمایا کہ یہی مثال پنج وقتہ نمازوں کی ہے، ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔ (بخاری، مسلم، ترمذی)

لیکن اب سوال یہ ہے کہ پانچ مرتبہ غسل کرنے کے بعد بھی اگر جسم پر میل کچیل رہے تو یہی کہا جائے گا کہ غسل کرنے والے نے پانی میں صرف ڈبکی لگائی ہے، غسل کے جو شرائط ہیں اس کو اس نے پورا کرنے کی کوشش نہیں کی ہے، محض پانی میں ڈبکی لگانے سے میل کچیل دور نہیں ہوگا، کیوں کہ آدمی جب غسل کرتا ہے تو اپنے ہاتھوں سے میل کچیل بھی دور کرتا ہے اور کوئی صابن بھی استعمال کرتا ہے، اسی طرح اگر نماز کے دریائے ربانی میں آدمی پانچ مرتبہ غسل کرے، یعنی پانچ مرتبہ نماز پڑھے لیکن گناہوں کے داغ دھبوں کو دور کرنے کی کوشش نہ کرے، گناہوں کا ارتکاب کرتا رہے، تو نماز پڑھنے کے بعد بھی وہ گناہوں سے پاک وصاف نہیں ہوسکتا۔

جن برائیوں اور گناہوں سے روکنے کی خاصیت نماز میں ہے اس کیلئے آیت میں فَحْشَاء اور مُنْکَر دو لفظ استعمال ہوئے ہیں، فَحْشَاء ہر ایسے برے فعل اور قول کو کہا جاتا ہے جس کی برائی کھلی ہوئی ہو اور ہر شخص اس کے گھناؤنے پن کو جانتا ہو، کافر بھی اس کو برا سمجھتے ہیں، جیسے زنا، قتل، چوری، ڈاکہ زنی وغیرہ، مُنْکَر وہ قول وفعل ہے، جس کے حرام اور ناجائز ہونے پر اہل شریعت کا اتفاق ہو، فَحْشَاء اور مُنْکَر کے دو لفظوں میں تمام جرائم، ظاہری وباطنی گناہ آگئے، یہ تو فَحْشَاء اور مُنْکَر میں اصطلاحی فرق ہے، ورنہ حقیقت ہے کہ ہر فَحْشَاء مُنْکَر

ہے اور ہر مُنکَر فَحْشَاء ہے۔

گناہ کس چیز کو کہتے ہیں؟ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا نام گناہ ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے اگر داڑھی رکھنے کا حکم دیا ہے تو داڑھی منڈانا اور خلاف سنت داڑھی رکھنا بھی فَحْشَاء اور مُنکَر میں شامل ہے، وہ نماز کتنی کمزور نماز ہے جو آدمی سے سنت کے مطابق داڑھی بھی نہ رکھوا سکے، اور غیر اسلامی شکل وصورت سے بھی روک نہ سکے، اس کا کھلا ہوا مطلب ہے کہ ایک آدمی اگر نماز پڑھتا ہے اور سنت کے مطابق داڑھی نہیں رکھتا تو اس کی نماز روح سے خالی ہے، وہ صورتاً نماز ہے لیکن حقیقی نماز نہیں ہے۔

بعض دوائیں اور غذائیں ایسی ہوتی ہیں جن کو مرغی کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو کھلایا جاتا ہے تو چالیس دن میں وہ ایک ایک کیلو اور دو دو کیلو کے ہوجاتے ہیں، بعض ٹانک ایسے ہوتے ہیں کہ چند دنوں استعمال کرنے کے بعد آدمی کا وزن بڑھ جاتا ہے، وہ طاقتور ہوجاتا ہے، لیکن نماز تو ایک ربانی اور روحانی ٹانک ہے، اس کو استعمال کرنے کے بعد اگر وزن نہ بڑھے اور اتنی بھی طاقت پیدا نہ ہو کہ چہرے پر سنت کے مطابق داڑھی نکل آئے، تو اس کا مطلب ہے کہ آدمی نماز کو اس طرح نہیں پڑھتا جو اللہ کو مطلوب ہے۔

بہرحال نماز کے اندر بہت زبردست طاقت ہے، نماز ایک انقلاب آفریں عبادت ہے، اس کی ربانی تاثیر انسان کو تمام گناہوں اور برائیوں سے پاک وصاف کردیتی ہے، اگر نماز پڑھنے کے بعد بھی ہمارے اندر کوئی دینی انقلاب نہیں آتا تو اس میں شبہہ نہیں کہ نماز پڑھنے کے بعد بھی ہم بے نمازی ہی رہے۔

اے اللہ تو جانتا ہے کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے میں خود اس کا مصداق نہیں ہوں، اپنے لطف وکرم سے مجھ کو سچا اور پکا نمازی بنادے اور میری پوری زندگی نماز کی آئینہ دار ہوجائے۔ (آمین)

اب تفسیر ماجدی، جلد پنجم، تفسیر سورہ عنکبوت کا حاشیہ نمبر ۵۲ / پڑھئے۔

یعنی نماز میں خاصۂ طبعی یہی ہے کہ وہ عظمت الٰہی کا استحضار بار بار کراکے ہر گناہ اور معصیت سے روک دیتی ہے، اب اگر نماز کی شرائط ہی پورے طور پر ادا نہ کئے جائیں تو اسی نسبت سے ادائے نماز ناقص رہے گی اور پھر اسی مناسبت سے اس کی یہ طبعی خاصیت بھی ضعیف مضمحل رہے گی، یہاں تک کہ جو نماز بالکل سطحی اور اوپری ہوگی اور روح نماز سے خالی ہوگی، اس میں وہ برائیوں کے روک تھام والی قوت بھی گویا معدوم ہوگی، جس نماز میں یہ وعدے کئے گئے ہیں وہ (الصّلوٰۃ) واقعی ہو بھی، محض صورت نماز کی خالی نقل نہ ہو، ہیبت تو شیر میں ہوتی ہے نہ کہ شیر کی کھال اوڑھ لینے والے انسان میں۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ عنکبوت، حاشیہ نمبر ۵۲ /)

❁❁

کفر و معصیت ہی تو اصل جہنم ہے

اگر کوئی انسان کسی خطرناک گھیرے میں ہو جاتا ہے تو اس سے نکلنے کیلئے پوری طاقت لگا دیتا ہے، کوئی چڑیا کسی پنجرے میں بند ہوتی ہے تو اس کی تیلیوں کو توڑ کر نکل بھاگنے کیلئے پوری قوت لگا دیتی ہے، لیکن افسوس ہے کہ دنیا کے بہت سے انسان کفر و معصیت اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے دوزخ کے گھیرے کو توڑ کر اس سے نکلنے کی کوشش نہیں کرتے، اللہ کی نافرمانی اور اللہ کے ساتھ کفر و شرک ہی کا نام تو دوزخ ہے، اگر اس زمین پر لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہے ہیں، کفر و شرک میں مبتلا ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ جہنم نے ان کو گھیر لیا ہے، اس زمین پر جہنم کا گھراؤ کسی کو نظر نہ آئے تو اس کی غلط فہمی اور ناعاقبت اندیشی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور کفر و شرک کے ظہور کا نام ہی دوزخ ہے، گناہوں کا ایندھن آدمی اکٹھا کرتا ہے اور اپنے کندھوں پر لادتا ہے اور اسی کے ساتھ جہنم میں چلا جاتا ہے، انسان اگر جہنم کے گھیرے سے باہر نکلنا چاہتا ہے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہوں سے باز آجائے۔

آج کافروں مشرکوں اور اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کو دوزخ کی یہ آگ دکھائی نہیں دے رہی ہے، لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو جہنم کے اس گھراؤ کو دیکھ رہے ہیں، اس لئے اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ دنیا کے انسانوں کو جہنم کے اس گھراؤ سے نکالنے کی کوشش کریں، دنیائے انسانیت کیلئے سب سے بڑا خطرہ جہنم کا ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلوں کو دہلا دینے والا اور آنکھوں سے نیند کو اڑا دینے والا ہے۔

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ یقیناً دوزخ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ (سورہ عنکبوت)

جہنم کا یہ گھراؤ کس قدر خطرناک ہے، لیکن افسوس ہے کہ جہنم کے اس گھراؤ سے دنیا کے انسان غافل ہیں اور جہنم کے گھیرے میں رہتے ہوئے معلوم نہیں کیسے مطمئن ہیں۔ مولانا اسعد اللہ صاحبؒ نے خوب فرمایا ہے کہ۔

عشق بتاں میں اسعد کرتے ہو فکر راحت
دوزخ میں ڈھونڈتے ہو جنت کی خوابگاہیں

اب تفسیر ماجدی جلد پنجم سورہ عنکبوت کا حاشیہ نمبر ۷۰ / پڑھئے۔

(جس کا پورا ظہور قیامت میں ہو کر رہے گا)۔

مُحِيْطَةٌ" صیغہ اسم فاعل ہے، فعل مضارع کا نہیں، یعنی یہ نہیں کہ جہنم کبھی آگے چل کر گھیرے گا بلکہ اس وقت بھی انھیں گھیرے ہوئے ہے، اسی سے بعض عارفین نے یہ نکالا ہے کہ اصل جہنم تو کفر و معصیت ہی ہیں جو آج بھی تمام تر موجود ہیں، آخرت میں صرف اتنا ہوگا کہ ان کا ظہور و بروز کامل ہو کر رہے گا۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ عنکبوت، حاشیہ نمبر ۷۰ /)

جہاں دین پر قائم رہنا مشکل ہو وہاں سے آج بھی ہجرت واجب ہے

سورہ عنکبوت کی اس آیت کو بار بار پڑھئے، اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ
یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ اے میرے ایمان والے بندو، میری زمین بہت وسیع ہے، پس تم میری ہی بندگی کرو۔ (سورہ عنکبوت)

یہ بڑا ہی لذت آفریں خطاب ہے، اس لذیذ خطاب میں اپنے مومن بندوں پر اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کا جو بیکراں سمندر موجود ہے اس کے تصور ہی سے لذت محسوس ہوتی ہے، بندۂ مومن اس خطاب کا لذت آشنا ہو جائے تو اللہ کی محبت میں جان ومال، وطن وملک، خویش واقارب، بیوی بچے ہر چیز کو قربان کرنے کیلئے قربان ہو جائے اور اللہ کے اس لطف وکرم کے سامنے اس کی تمام خواہشیں اور آرزوئیں دم توڑ دیں۔

جب اللہ کیلئے، وطن، ملک، مال وجائداد عزیز اقرباء کو چھوڑنے کا مسئلہ سامنے آتا ہے تو بشری کمزوریوں کی وجہ سے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اپنے گھر اور اپنے وطن میں تو ہر طرح کی آسانیاں ہیں، کھانے پینے، رہنے سہنے کا کوئی مسئلہ نہیں ہے، اگر ہم اس سے ہجرت کر جائیں تو معلوم نہیں کیسی کیسی صورتِ حال پیش آجائے، تو اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو تسلی دی کہ تم یہ کیوں سوچ رہے ہو؟ اللہ کی زمین بہت وسیع اور کشادہ ہے زمین کا کوئی بھی حصہ ہو، جنگل ہو، پہاڑ ہو، صحراء ہو، سمندر ہو، اور فضاءِ آسمانی ہو، ہر جگہ اللہ کی حکمرانی ہے، وطن میں بھی اللہ ہی روزی دیتا ہے، سارے اسباب معیشت اسی کے ہاتھ میں ہیں، جو وطن میں کھلاتا ہے وہ وطن سے باہر بھی کھلائے گا اس لئے کسی بھی حال میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، بس ہر حال میں اللہ کی بندگی کرنا ہے، مقصود اللہ کی بندگی ہے، وطن، کاروبار، مال وجائداد، بیوی بچے مقصود نہیں ہیں۔

اگر کسی جگہ رہ کر اللہ کی بندگی میں کوئی رکاوٹ ہو، اللہ کی بندگی پر قائم رہنا مشکل ہو تو اس جگہ سے ہجرت کر جاؤ، اللہ کی بندگی کے درمیان حائل ہونے والی عزیز تر تمام چیزوں میں آگ لگادو۔ ؎

اک ان کا غم ملا ہے مبارک ہو آپ کو
اپنی خوشی سے آگ خوشی میں لگائے

تسلی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جن چیزوں کی جدائی کا غم انسان کو ہوتا ہے اس کو تو بہر حال کسی نہ کسی دن چھوڑنا ہے، موت آتی ہے اور دنیا کی ساری چیزوں سے جدا کر دیتی ہے، زمین، جائداد، فلیٹ، مکان، بیوی بچے سب چھوٹ جاتے ہیں، تو اللہ کی بندگی کا تقاضا ہے کہ ان تمام مرغوبات ومالوفات کو اللہ کیلئے اپنی مرضی اور اپنی خوشی سے چھوڑ دیا جائے، جس دوکان پر موت کے آتے ہی تالا لگ جاتا ہے، تو کتنا اچھا ہے کہ اللہ کیلئے ضرورت پڑے

تو پہلے ہی اپنے اختیار سے اس پر تالا لگا دیا جائے۔

حقیقی بندگی اسی کا نام ہے کہ اپنی خوشی اور اپنے اختیار سے ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیا جائے جو پروردگار حقیقی کی بندگی میں رکاوٹ بنیں اور خلل انداز ہوں، ایمان کا مطلب ہی ہے کہ اللہ کیلئے تعلقات کی ساری زنجیروں کو توڑ دیا جائے اور خواہشات کی تمام بیڑیوں کو کاٹ دیا جائے۔

مثال کے طور پر ایک مسلمان کسی اعلیٰ سرکاری منصب پر فائز ہے، دنیا کے لحاظ سے اس کو عزت بھی حاصل ہے، تنخواہ بھی اچھی ہے، لیکن اس ملازمت پر رہتے ہوئے اگر دین پر چلنا مشکل ہو، اور خلاف شریعت کوئی بھی کام کرنے پر مجبور ہو، تو اس منصب کو چھوڑ دینا چاہئے، اگر کوئی آدمی یہ سوچے کہ ملازمت بھی برقرار رہے اور مسلمان بھی بنا رہے تو یہ ناممکن ہے، ایسی صورت میں ایمان رخصت ہو جائے گا، بہر حال ایمان یہی ہے کہ اللہ کیلئے ہر چیز کو خوشی خوشی چھوڑ دیا جائے، لیکن کسی چیز کیلئے اللہ کو نہ چھوڑا جائے۔

مجھے دوست چھوڑ دیں سب کوئی مہرباں نہ پوچھے
مجھے میرا رب ہے کافی مجھے کل جہاں نہ پوچھے

اب تفسیر ماجدی، جلد پنجم، تفسیر سورہ عنکبوت کا حاشیہ نمبر ۷۱، ۷۲ رپڑھئے۔

یہ ترغیب ہے ہجرت یعنی اقامت دین کی خاطر ترک وطن کی، علماء نے اس سے یہ نکالا ہے کہ جہاں کفر وفسق کی شدت ہو اور خدا پرستی کا موقع نہ مل سکے، وہاں سے بندۂ مومن چلا جائے، وطن کی محبت طبعی سہی، اقامت دین کے مقابلے میں اس کی پرواہ نہ کی جائے۔

إِنَّ أَرْضِيْ وَاسِعَةٌ " میں اشارہ ہے کہ اللہ کی نعمتیں، کھانے پینے، رہنے سہنے سے متعلق کسی ایک خطے یا علاقے تک محدود نہیں، یہ تو وطن کے باہر بھی سب کہیں مل سکتی ہیں ان کی طرف سے اتنا فکرمند کیوں ہوتے ہو؟

۷۲ اور دنیا کے مرغوبات و مالوفات کو ایک دن تو بہر حال چھوڑنا ہی ہے، پھر آج اقامت دین ہی کی خاطر ترک وطن و اقارب کیوں نہ اختیار کیا جائے، ہجرت کے جو مانع نفس میں موجود ہیں ان میں ایک تو إِنَّ أَرْضِيْ وَاسِعَةٌ سے رفع کیا جا چکا ہے۔

دوسرا جواب اب مل رہا ہے کہ جن چیزوں کا ترک و مفارقت آج شاق گذر رہی ہے ان سے محرومی اور مہجوری ایک دن تو بہر حال ناگزیر ہی ہے، تو آج ہی اپنے قصد و اختیار سے کیوں نہ حاصل کرلی جائے کہ آئندہ ہر طرح کی نعمتوں کا استحقاق ہو جائے۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ عنکبوت حاشیہ، نمبر ۷۱، ۷۲)

❀ ❀

قیامت کے دن بڑے بڑے فلسفی بدحواس ہوجائیں گے

آخرت کونظرانداز کرکے جولوگ دنیا کی ترقی کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور بہت منطق وفلسفہ بگھارتے ہیں، قیامت کا ہولناک منظر سامنے آتے ہی ان کے دماغ سے دنیا کی ساری ترقیوں کا نشہ اتر جائے گا، تمام ادبی وعلمی وفنی سرگرمیوں اور سائنس وٹکنالوجی کی باتوں کو بھول جائیں گے۔

اس دن یہ سارے دنیا پرست دانشور دنیا کی ترقی کا خواب دیکھنے اور دکھانیوالے لاجواب اور بدحواس جائیں گے، ایسی ناامیدی اور مایوسی ان پر چھاجائے گی جس کا تصور بھی اس دنیا میں نہیں کیا جاسکتا۔

دنیا کی یہ زندگی صبح وشام کی چند ساعتوں کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی قیامت کے دن یہی معلوم ہوگا کہ ایک صبح وشام یا اس سے بھی کم ہم دنیا میں رہے، تو کتنی بڑی حماقت، نادانی، جہالت اور ناعاقبت اندیشی ہے کہ چند لمحے کی زندگی کیلئے آخرت کی دائمی اور باقی رہنے والی زندگی کو برباد کردیا جائے، اور چند دن کے عیش وآرام کیلئے آخرت کونظرانداز کرکے بڑے بڑے کالج کھولے جائیں اور بڑی بڑی یونیورسٹیاں قائم کی جائیں، البتہ ہر یونیورسٹی، اسلام کیلئے آخرت کی کامیابی کیلئے ہونا چاہئے، دانشمندی کا یہی تقاضا ہے، لیکن افسوس ہے کہ یہ دنیا احمقوں اور جاہلوں سے بھرگئی ہے، جولوگ آخرت پر نظر رکھتے ہیں ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ،

یہی دنیا کہ جس دنیا پہ دنیا ناز کرتی ہے
ترے رندوں کے دل سے نشہ چڑھتے ہی اترتی ہے

اب تفسیر ماجدی، جلد پنجم، تفسیر سُوْرَۃُ الرُّوْم کا حاشیہ نمبر ۱۲ ر پڑھئے۔

(اوران سے کچھ کہتے سنتے نہ بنے گی)

اِبْلَاس، شدتِ خوف وغم سے یاس چھاجانے اور لاجواب ہوجانے کا نام ہے، قیامِ قیامت عین انکشافِ حقائق کا وقت ہوگا، اب منکروں کو آنکھوں دیکھا یقین ہوجائے گا کہ ساری تدبیریں الٹ گئیں سارے مادی سہارے ٹوٹ گئے، بڑے بڑے فلسفی اور سائنٹسٹ لاجواب اور بدحواس ہوکررہ گئے اوراب کوئی مداوا ممکن نہیں۔ (بحوالہ، تفسیر سُوْرَۃُ الرُّوْم، حاشیہ نمبر ۱۲ ر)

۞ ۞

سکون اسی کو ملتا ہے جو اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لے

جس ہوائی جہاز کا تعلق کنٹرول روم سے رہتا ہے وہ اپنے مسافروں کے ساتھ اپنی منزل تک پہنچ جاتا ہے جب اس کا تعلق کنٹرول روم سے ختم ہو جاتا ہے، اِدھر اُدھر بھٹک جاتا ہے، کسی پہاڑ سے ٹکرا جاتا ہے یا کسی سمندر میں یا جنگل میں گر کر تباہ و برباد ہو جاتا ہے، کنٹرول روم سے کنکشن ختم ہوتے ہی اس کا سکون ختم ہو جاتا ہے۔

کوئی تلاطم خیز دریا ہو اور ساحل کے کسی مرکز سے اس میں کوئی مضبوط رسی پھینک دی جائے اور کہہ دیا جائے کہ جو بھی اس دریا میں داخل ہو وہ اس رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہے تاکہ موجوں کے ساتھ ادھر ادھر بہہ جانے سے محفوظ رہے، ایسی صورت میں اگر کوئی آدمی دریا میں داخل ہو اور اس رسی کو مضبوطی سے نہ پکڑے رہے تو موجیں اس کو دریا کی گہرائیوں میں کہاں لے جائیں گی اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، اس شخص کو کبھی ساحل نصیب نہیں ہوگا، اسی اضطراب اور پریشانی کے عالم میں ہلاک ہو جائے گا۔

یہ دنیا بھی ایک وسیع و عریض سمندر ہے، جس کی طوفانی موجیں دریا اور سمندر کی موجوں سے بھی زیادہ خطرناک ہیں، نفسانی خواہشات کی موجیں، رسم و رواج کی موجیں، معاشی اور سیاسی موجیں، اور مختلف قسم کے تعلقات کی موجیں ہیں، ان موجوں کے تھپیڑوں اور ان کی ہلاکت آفرینیوں سے وہی بچ سکتا ہے جو اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لے اور اس کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے مضبوط ہو، جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتا، اللہ کی رسی کو نہیں پکڑتا یا پکڑ کر چھوڑ دیتا ہے تو اس کو دنیا میں کبھی سکون نہیں مل سکتا، وہ مختلف قسم کی خطرناک موجوں میں ڈبکی لگاتا رہے گا۔

اللہ اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے کیسے صبح و شام کرتے ہیں اور کیسے خوش رہتے ہیں بہت حیرت ہوتی ہے، حقیقت ہے کہ ان کا ظاہر اگرچہ خوشنما معلوم ہوتا ہو لیکن ان کے سینے میں عدم اطمینان اور مختلف قسم کے غموں اور اندیشوں کی انگیٹھی سلگتی رہتی ہے، جوں جوں ان کی زندگی کے آخری ایام قریب ہوتے جاتے ہیں ان کی پریشانی بڑھتی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ غیر مسلموں کے یہاں خودکشی کے واقعات زیادہ ہوتے ہیں۔

اسی تناظر میں آج مسلمان بھی اپنی زندگی کا احتساب کریں، ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد بھی اگر ان کے دل کو سکون نہیں مل رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کا رشتہ کمزور ہے، اس لئے اس کا علاج یہی ہے کہ ہر وقت اپنے ایمان کا جائزہ لیتے رہیں اور اپنے دل کی نگرانی کرتے رہیں، اور ان تمام عوامل سے بچنے کی کوشش کریں جن کی وجہ سے ایمان میں کسی قسم کی کمزوری آ سکتی ہو۔

اب تفسیر ماجدی، جلد پنجم، تفسیر سورہ لقمان کا حاشیہ نمبر ۲۳ / پڑھئے۔

جس نے توحید کی مضبوط رسی تھام لی وہ اب ہر طرح محفوظ ہو گیا، اسے اب صدمہ و ہلاکت کا ڈر نہ

رہا، اور اس کا ظہور تو آخرت میں ہوگا باقی دنیا میں یکسوئی کی نعمت اسی کو حاصل رہے گی، اور جس کا ایمان خدا پر نہ ہوگا اس کی کشتی ہمیشہ ڈانواڈول رہے گی، کوئی مرکز اس کے سکون خاطر کا نہ ہوگا، اور وہ آج اس لایعنی مشغلہ کے پیچھے دوڑ رہا ہوگا اور کل اس سے بھی بڑھ کر کسی اور لایعنی مشغلہ کے پیچھے۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ لقمان، حاشیہ نمبر ٢٣)

اقتباس

اللہ اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے کیسے صبح وشام کرتے ہیں اور کیسے خوش رہتے ہیں بہت حیرت ہوتی ہے، حقیقت ہے کہ ان کا ظاہر اگرچہ خوشنما معلوم ہوتا ہو لیکن ان کے سینے میں عدم اطمینان اور مختلف قسم کے غموں اور اندیشوں کی انگیٹھی سلگتی رہتی ہے، جوں جوں ان کی زندگی کے آخری ایام قریب ہوتے جاتے ہیں ان کی پریشانی بڑھتی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ غیر مسلموں کے یہاں خودکشی کے واقعات زیادہ ہوتے ہیں۔

اسی تناظر میں آج مسلمان بھی اپنی زندگی کا احتساب کریں، ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد بھی اگر ان کے دل کو سکون نہیں مل رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کا رشتہ کمزور ہے، اس لئے اس کا علاج یہی ہے کہ ہر وقت اپنے ایمان کا جائزہ لیتے رہیں اور اپنے دل کی نگرانی کرتے رہیں، اور ان تمام عوامل سے بچنے کی کوشش کریں جن کی وجہ سے ایمان میں کسی قسم کی کمزوری آسکتی ہو۔

اللہ کی شانِ بے مثال

ساری دنیا کے انسان اور جنات مل کر اگر اللہ تعالیٰ کی صرف ایک صفت کی تفسیر بیان کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کر دیں پھر بھی اللہ کی حمد وثناء کا حق ادا نہیں کر سکتے، دریا اور سمندر میں ریت کے جتنے ذرات ہیں اور ان ذروں کی تعداد میں تسبیح کے دانے بنالئے جائیں اور ایک ایک دانے پر اللہ کا نام لیا جائے تو سارے ذرے ختم ہو جائیں گے لیکن اللہ کی تعریف کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔ ؎

دفتر تمام گشت و بیاباں رسید عمر
ما ہم چناں در اول وصف تو ماندہ ایم

بس اللہ ویسا ہی ہے جیسا کہ اس نے اپنی حمد وثنا بیان کی ہے، اس جیسے بے مثال پروردگارِ عالم سے تعلق قائم کرنے کے بعد تو ہر مسلمان کے دل میں خوشیوں کا طوفان موجزن ہونا چاہئے، اس شانِ بے مثال والے اللہ پر ایمان لانے کے بعد مسلمان کسی پریشانی کا شکوہ کریں اور اپنے مسائل کے حل کیلئے دوسروں کے دروازوں پر دستک دیں تو حیرت کی بات ہے، اللہ کی حمد وثنا کا حق ادا کرنا ہی ناممکن ہے، ہمارے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں کہ اللہ کے جمال وجلال کو اس طرح بیان کر سکیں جو واقعی بیان کرنے کا حق ہے، اپنے اعتراف قصور کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ راقم الحروف کے جسم کا بال بال اللہ کی حمد وتسبیح میں زمزمہ سنج رہے۔

راقم الحروف کا شعر ہے۔ ؎

ہر مسامِ جلد میں بس ٹیپ ہو نغمہ ترا
معرفت کے نور سے تو بھر دے میرا بال بال

دل چاہتا ہے کہ سورہ کہف کی آیت نمبر ۱۰۹ اور سورہ لقمان کی آیت نمبر ۲۷ ہر وقت وردِ زباں رہے۔

ان آیتوں کا لذت آشنا اگر کوئی مسلمان ہو جائے تو ہر لحہ اس کے دل میں اللہ کی محبت کا طوفان اٹھا رہے گا، اللہ کی محبت کے اس طوفان کے سامنے دریا اور سمندر کے طوفان ہیچ ہیں۔

سورہ کہف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ، قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۱۰۹ آپ کہہ دیجئے کہ سمندر (سارے کے سارے) روشنائی ہو جائیں، میرے پروردگار کی باتیں لکھنے کیلئے، تو سمندر ختم ہو جائے اور میرے پروردگار کی باتیں ختم نہ ہوسکیں گی اور اگرچہ ہم ایسا ہی جیسا (اور سمندر) ان کی مدد کیلئے لے آئیں۔

سورہ لقمان میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ

یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔ اور جتنے درخت زمین بھر میں ہیں اگر یہ سب قلم ہی قلم بن جائیں اور اس سمندر کے علاوہ سات سمندر اور بہ جائیں تو بھی اللہ کے کلمات (کا بیان) ختم نہ ہو بیشک اللہ بڑا زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ (سورۂ لقمان)

یہ دونوں آیتیں بھی قرآن حکیم کے اعجاز اور کلام ربانی ہونے کی دلیل ہیں، اللہ کی حمد وثنا میں اس طرح کا کلام پیش کرنا کسی انسان، جنات اور فرشتوں کیلئے بھی ممکن نہیں ہے۔

سورہ کہف اور سورہ لقمان کی ان آیتوں کو لکھتے ہوئے بھی لذت محسوس ہوتی ہے اور پڑھتے ہوئے بھی لذت معلوم ہوتی ہے، اگر واقعی محبت ہو تو ان وجد آفریں آیتوں کے تکرار میں جو لذت محسوس ہوگی اس کے سامنے دنیا و آخرت کی ساری لذتیں ہیچ ہیں، بار بار کے تکرار سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے جمال وجلال اور کمال ونوال کے ساتھ نگاہوں کے سامنے ہے۔

یہی تو بات ہے کہ اللہ کی محبت اور اس کی حمد وتسبیح کے جو لذت آشنا ہیں ان کی زبان پر یہ کلمہ جاری ہو جاتا ہے کہ۔

چھایا جو ترے نام کی تکرار کا عالم
محسوس لگا ہونے ترے پیار کا عالم

رَبِّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْهِکَ وَعَظِیْمِ سُلْطَانِکَ
اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا تَقُوْلُ وَخَیْرًا مِّمَّا نَقُوْلُ

اب تفسیر ماجدی، جلد پنجم، تفسیر سورہ لقمان کا حاشیہ نمبر ۲۸، ۲۹ ر پڑھئے

چنانچہ ایک ایک درخت سے ہزارہا ہزار قلم تیار ہونے لگیں۔

۲۹ :۔ وہ قدرت میں بھی کامل ہے اور علم وحکمت میں بھی، اس کی قدرت اور حکمت کی شانیں لاانتہاء ہیں، انسان اپنی سمجھ کے لائق بس یہ فرض کرلے کہ روئے زمین کے جنگلوں میں، باغوں میں، کھیتوں میں، مکانوں میں راہوں اور سڑکوں پر جو بے شمار درخت ہیں یہ سب بھی اگر بے گنتی قلموں میں تبدیل ہو جائیں اور دنیا کے سمندری پانی کا موجودہ ذخیرہ کئی گنا بڑھ کر روشنائی کے سمندر تیار ہو جائیں تو وہ سارے قلموں کے جنگل اور یہ ساری روشنائی کے سمندر مل کر بھی اللہ کی قدرت وحکمت کو احاطے میں لانے میں کافی نہیں ہو سکتے۔

بَحْر، سے مراد جنس بحر ہے کوئی متعین سمندر مراد نہیں۔

سَبْعَةُ اَبْحُرٍ، سے بھی مراد سات کا مخصوص ومتعین عدد نہیں، بلکہ محاورۂ عربی کے مطابق محض کثرت۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ لقمان، حاشیہ نمبر ۲۸، ۲۹ر)

قدیم جاہلیت کا ترقی یافتہ دور

حضورﷺ کی بعثت سے پہلے عرب وعجم میں کفروشرک ،شروفساد، بے پردگی اور عریانیت کا جو دورتھا اس کو دورجاہلیت کہا جاتا ہے، اس قدیم جاہلیتِ اُولیٰ کے زمانے میں عورتیں بناؤ سنگار کر کے باہر نکلتی تھیں اور لوگوں کیلئے فتنہ کا سبب بنتی تھیں، پردہ اور حجاب نام کی کوئی چیز ان کے یہاں نہیں تھی، اسلام نے اپنی تعلیم وتبلیغ کے ذریعہ، بے پردگی، جنسی بے راہ روی، کے تمام راستوں کو بند کر کے عورتوں کو اس دائرے میں لاکر دکھادیا جہاں عورتیں اپنی عفت وعصمت اور عزت کی حفاظت کے ساتھ پرسکون زندگی گذاریں، قدیم دورِ جاہلیت جس کو اسلام نے کچل دیا تھا لیکن وہی دورِ جاہلیت اب ایک نئے قالب میں پھر واپس آرہا ہے۔

پہلے دورِ جاہلیت میں بے پردگی، بے حجابی اور آزادیٔ نسواں کے پیچھے کوئی بہت بڑی تحریک نہیں تھی، بے پردگی، جنسی بے راہ روی اور آزادیٔ نسواں کے خطرناک جراثیم کی پرورش کیلئے بڑے بڑے کالج، بڑی بڑی یونیورسٹیاں، بڑے بڑے ادارے، نیز موبائل فون، ٹیلی ویژن، انٹرنٹ وغیرہ جیسے جدید وآلات نہیں تھے، لیکن آج بے پردگی اور آزادیٔ نسواں کے یہ سارے محرکات اور عوامل موجود ہیں، اور شیطان نے پڑھے لکھے جاہل دانشوروں کی مدد سے اپنے شیطانی نیٹ ورک کو بہت مضبوط بنالیا ہے۔

جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ اگر بے پردگی کے دھارے میں بہہ رہے ہوں اور آزادیٔ نسواں کا پرفریب نعرہ لگائیں تو حیرت کی بات نہیں ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ شیطان نے اپنی وسوسہ اندازیوں سے تعلیمِ نسواں کے پردے میں بہت سے مسلم قائدوں اور عالموں پر بھی اپنا جادو چلادیا ہے، دینی تعلیم کے بڑے بڑے مدرسے کھول کر مسلم بچیوں کو بھی گھر کی محفوظ چہاردیواری سے باہر نکال دیا ہے، اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ دینی مدرسوں میں دارالاقامہ بھی قائم کروادیا، جس کا نتیجہ ہے مسلم بچیاں اپنے گھروں کے محفوظ قلعہ سے نکل کر غیر محفوظ بورڈنگ ہاؤس میں رہنے لگیں، عورتوں کا اجتماع بذاتِ خود ایک فتنہ ہے، جس کا احساس ان نادان مسلم دانشوروں کو نہیں ہے، جب کوئی لڑکی گھر سے نکل کر باہری رنگین ماحول کا مشاہدہ کرے گی تو اسلامی پردہ کا اہتمام اس کیلئے مشکل ہوجائے گا۔ راقم الحروف کا ایک شعر ہے۔

عجب ہے عصرِ نو کا فتنۂ نو اس کو کیا کہئے
جہاں در پردۂ پردہ بھی عریانی نہیں جاتی

کیا یہ ممکن ہے کہ جو لڑکیاں، مدرسوں، کالجوں میں پڑھتی ہیں اور بورڈنگ ہاؤس میں رہتی ہیں وہ غیر محرموں سے اختلاط اور نسوانی لہجہ میں ان سے بات چیت کرنے کے فتنہ سے بچ سکیں۔

بہر حال اسلام میں عورتوں کیلئے حجاب اور پردہ کی اہمیت ہے، اس کا تقاضا یہی ہے کہ عورتوں کی تعلیم کیلئے مقامی طور پر ان کے گھروں میں انتظام کیا جائے، اور تمام بڑے بڑے نسواں اسلامی مدرسوں اور کالجوں کو بند کر دیا جائے، حضورﷺ کی ازواج مطہراتؓ اور صحابہ کرامؓ کی نیک بیویوں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی جائے۔

اسلام میں پردے کی جو اہمیت ہے اس کا اندازہ اسی ایک روایت سے کر سکتے ہیں، حضورِ اکرمﷺ کی خدمت میں ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ نے حاضری کی اجازت چاہی، حضرت عائشہؓ وغیرہ وہاں موجود تھیں، آپ نے ان کو پردہ کا حکم دیا، انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولﷺ وہ تو اندھے ہیں ان سے پردہ کی کیا ضرورت ہے؟ آپﷺ نے فرمایا،

اَفَعَمیَا وَاِنْ اَنْتُمَا ؟ کیا تم دونوں بھی اندھی ہو؟ یعنی اگر وہ تمہیں نہیں دیکھ سکتے تو تم ان کو دیکھ رہی ہو۔ (بحوالہ، مشکوٰۃ شریف)

بے پردگی، بے حجابی، اور عریانیت کے جو خطرناک نتائج سامنے آرہے ہیں اس کو جاننے کیلئے صرف یہ مثال کافی ہے کہ، ایک روشن خیال نوجوان پردہ کے بہت مخالف تھے، ان کی بیوی بے پردہ اِدھر اُدھر آتی جاتی تھیں کسی سے اس کو محبت ہوگئی، چنانچہ ایک دن گھر کا سامان وغیرہ لے کر اپنے عاشق کے ساتھ نکل گئی، پردہ کی مخالفت کا انجام سامنے آگیا، وہ اپنی بیوی کے بھاگ جانے کی رپورٹ لکھوانے پولیس میں پہنچے۔

اکبرالٰہ بادی نے اس بیچارے نوجوان کی اس صورتِ حال کی خوب تصویر کشی کی ہے، کہتے ہیں کہ، ؎

کیا گذری جو اک پردہ کے عدو رو رو کے پولیس سے کہتے تھے
بیوی بھی گئی، زیور بھی گیا، دولت بھی گئی، عزت بھی گئی

قدیم دورِ جاہلیت کا شجر خبیث اسلام کی سرزمین پر مردہ ہو چکا تھا، لیکن افسوس ہے کہ پھر اس کی جڑوں میں پانی دیا جارہا ہے اور آہستہ آہستہ اس میں جان آرہی ہے اور وہ تناور درخت کی شکل اختیار کرتا جارہا ہے، اگر مسلمان بھی جاہلیت قدیم کے اس درخت کو پانی دینے لگیں، تو اس زمین پر اس سے بڑا حادثہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد پنجم، تفسیر سورۃ الاحزاب کا حاشیہ نمبر ۶۳، ۶۴ / پڑھیے۔

اس میں قانون ستر وحجاب کو توڑ کر باہر آزادانہ گھومنے پھرنے کی قطعی ممانعت ہے، ستر وحجاب کی اتنی تاکید و پابندی کے بعد بھی عورت کی ''آزادی'' کے دلائل قرآن مجید سے ڈھونڈے جانا جسارت اور ڈھٹائی کی انتہا ہے۔ اَلْجَاهِلِيَّةُ الْاُوْلٰى، نظام جاہلی، ہر نظام غیر اسلامی ہے، جاہلیت اولیٰ سے مراد وہ مشرکانہ تہذیب وتمدن ہے جو اسلام سے قبل دنیا خصوصاً عرب میں یونانی و رومی تمدن کے اثر سے رائج تھی، مکہ ومدینہ میں عورتیں بن ٹھن کر اس طرح باہر آزادانہ گھوما پھرا کرتی تھیں، جس طرح آج فرنگی

قوموں میں دستور ہے، اور یہ لفظ اولیٰ کا اضافہ خود اس کی دلیل ہے کہ ایک دوسری جاہلی تہذیب (اَلْجَاهِلِيَّةُ الْاُخْرٰى) کا نقشہ شروع ہی سے اسلام کے پیش نظر رہا ہے۔

تَبَرُّجُ الْجَاهِلِيَّة، کی شرح سب نے یہی لکھی ہے کہ اس تہذیب کی عورتیں آزادی سے مردوں کے ساتھ چلتی پھرتی بیٹھتی بولتی رہتی تھیں اور یہاں ممانعت اسی سے آئی ہے۔

۶۴۔ ترتیب کلام پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ عورت پر حیاداری، حفظ وناموس کی تاکید نماز و زکوٰۃ کے حکم سے بھی مقدم رکھی گئی ہے، محققین نے لکھا ہے کہ آیت میں خطاب ازواجِ نبی سے ہے، لیکن جو تعلیم دی گئی ہے وہ ساری امت کی عورتوں کیلئے ہے۔

فقیہ مالکی قاضی ابوبکر عبداللہ بن العربی اندلسی (متوفی ۵۴۳ھ) کہتے ہیں کہ میں نے اپنی سیاحی میں کوئی ایک ہزار مقامات دیکھ ڈالے، نابلوس کی عورتوں سے بڑھ کر پاک دامن کہیں اور کی نہیں پائیں، ان کے درمیان میں مہینوں ٹھہرا رہا، شہر میں یہ کبھی چلتی پھرتی نظر نہ آئیں، بس صرف جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لئے نکلتی تھیں اور بعد نماز اپنے گھروں میں پھر داخل ہو جاتی تھیں اور پردہ داری اور باعصمتی کی یہی کیفیت میں نے مسجد اقصیٰ کی معتکف عورتوں میں بھی پائی، ورنہ اور جگہ میں نے جہاں جہاں عورتوں کو بے پردہ چلتے پھرتے پایا طرح طرح کی برائیوں اور فتنوں ہی میں مبتلا دیکھا، یہ حال ۵۴۳ھ سے قبل کا ہے تو ظاہر ہے کہ آج ۱۳۶۹ھ میں کوئی غیرت مند مومن قاہرہ اور اسکندریہ، طہران وانقرہ، بغداد و دمشق کراچی ولاہور، دہلی ولکھنؤ کی کھلم کھلا بے حیائیاں دیکھنے کی تاب کہاں سے لاسکتا ہے، نابلوس آج جس قدیم شہر کا نام ہے وہ فلسطین میں بیت المقدس کے شمال میں واقع ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سورۃ الاحزاب، حاشیہ نمبر ۶۳/۶۴)

مرتے ہی اپنی بڑائی کا سب کا نشہ اتر جاتا ہے

کسی میدان میں یا دریا کے کنارے کسی بڑے سے بڑے سیٹھ، وزیر، صدر، بادشاہ کی کھوپڑی کو دیکھئے یقیناً وہ زبان حال سے یہ کہہ رہی ہوگی کہ ۔

"میں بھی کبھو کسی کا سر پر غرور تھی"

کسی چور اور بدمعاش کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ، کتنی ڈینگیں مارتا ہے کہ میں یہ ہوں وہ ہوں، پولیس اور کپتان کو میں کچھ نہیں سمجھتا، لیکن جب پولیس کی گرفت میں آجاتا ہے تو اس کی زبان بند ہو جاتی ہے کبر و غرور کا سارا نشہ اتر جاتا ہے، یہی حال موت کے وقت انسان کا ہوتا ہے، بڑے بڑے گھمنڈی، وزیر، صدر، بادشاہ، منصب وعہدہ والے سب کا نشہ ہرن ہو جاتا ہے۔

۳۰ رمارچ ۱۹۸۱ء کی بات ہے جب امریکہ کے صدر رونالڈ ریگن پر ایک نوجوان نے دو سکنڈ کے اندر چھ فائر کئے، ایک گولی مسٹر ریگن کے سینہ پر لگی اور اچانک گولی لگنے کے بعد صدر امریکہ کا جو حال ہوا اس کو ایک رپورٹر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے،

Mr,Reagan appeared stunned The smile faded from his lips.

مسٹر ریگن جیسے سن ہو گئے، مسکراہٹ ان کے ہونٹوں سے غائب ہو گئی۔

(بحوالہ، ٹائمس آف انڈیا، ۳۱ رمارچ ۱۹۸۱ء)

یہ اس صورت حال کی صحیح تصویر ہے جو موت کے وقت آدمی پر طاری ہوتی ہے ہر انسان کیلئے موت لازم ہے اس لئے عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ موت سے پہلے جو بھی وقت ملا ہے اس کو موت کی تیاری اور موت کے بعد آنے والی زندگی کو کامیاب بنانے میں لگایا جائے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد پنجم، تفسیر سورہ سبا کا حاشیہ نمبر ۲۷ ر پڑھئے

مطلب یہ ہوا کہ منکروں اور کافروں کی ساری اکڑ مرتے ہی ختم ہو جائے گی اب گڑگڑائیں گے کہ توبہ قبول ہو، دنیا میں جانے کی اجازت ملے، عذاب سے نجات دی جائے لیکن کوئی بھی آرزو قبول نہ ہوگی ہر درخواست رد کر دی جائے گی۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ سبا، حاشیہ نمبر ۲۷ ر)

❁❁

اللہ کے مخلص بندوں کے مقابلے میں شیطان کا اعترافِ شکست

شیطان کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کا سب سے بڑا دشمن کہا ہے، اور شیطان کے تمام مکر وفریب سے انسانوں کو ہوشیار بھی کر دیا ہے، شیطان کی وسوسہ اندازیوں اور اس کے تمام داؤ گھات، اور اس کے خفیہ وعلانیہ حملوں سے بچنے کیلئے سب سے آسان اور کامیاب صورت یہی ہے کہ انسان، پوری طرح اللہ کی پناہ میں آ جائے، اللہ کی پناہ میں آنے کا مطلب ہے کہ اس میدان میں قدم نہ رکھے جس میں داخل ہونے سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔

شیطان بہت بڑا کبڈی باز ہے، کبڈی کے میدان کا بہت ہی ماہر کھلاڑی ہے کبڈی میں ایسا ہوتا ہے کہ کبڈی کھیلنے والا اپنے فریق مخالف کو اس کے محفوظ مقام سے اپنے میدان میں کھینچ لاتا ہے اور اس پر غالب آ جاتا ہے، یہی کام شیطان بھی کرتا ہے، انسانوں کو سب سے پہلے اللہ کی نافرمانی کے میدان میں لاتا ہے پھر شکار کرتا ہے مثال کے طور پر اگر ایک عورت شریعت کے مطابق اپنے گھر کی چہار دیواری کے اندر ہے تو شیطان کا حملہ اس پر کامیاب نہیں ہوتا، لیکن جب وہ اپنی محفوظ چہار دیواری سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی گھات میں لگ جاتا ہے اور اس کو شکار کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب عورت گھر سے باہر نکلتی ہے تو، اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ" یعنی شیطان اس کی تاک جھانک میں لگ جاتا ہے۔

چونکہ اللہ کے مخلص بندے اس میدان میں قدم نہیں رکھتے جو شیطان کی شکارگاہ ہے اس لئے شیطان کو بھی اعتراف ہے کہ اللہ کے ان مخلص بندوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔

اب تفسیر ماجدی، جلد ششم تفسیر سورہ ص کا حاشیہ نمبر ۷۰ ر پڑھئے۔

ابلیس اپنے سارے دم خم اور اتنے بلند وبانگ دعوے کے باوجود حق تعالیٰ کے ان بندوں کے سامنے شروع ہی سے ہار مانے ہوئے ہے جو اپنے کو اس کے اثرات سے بچانے کی فکر واہتمام میں لگے رہتے ہیں۔ امام رازیؒ نے یہاں یہ نکتہ لکھا ہے کہ ابلیس نے یہ استثناء کر کے اپنی سچائی کو قائم رکھا، یعنی اندھا دھند یہ دعویٰ نہیں کر بیٹھا کہ میں سارے ہی انسانوں کو گمراہ کر ڈالوں گا، بلکہ اللہ کے نیک وپارسا بندوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا۔

جھوٹ ایسی گندی چیز ہے جس سے ابلیس تک کو حیاء آئی، تو اس مسلمان کی حالت پر حیف ہے جو مومن ہو کر جھوٹ سے پرہیز نہ کرے۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ ص، حاشیہ نمبر ۷۰ ر)

❁❁

بے عمل جاہل ہے خواہ علم کا کتنا بھی ذخیرہ اس کے پاس ہو

علم کے معنی جاننے کے ہیں جس کا تقاضا ہے کہ جاننے کے بعد اس کے مطابق عمل کیا جائے، مثال کے طور پر ایک آدمی کو اس بات کا علم ہے کہ اس کے سامنے ایک کنواں ہے جو بہت ہی خطرناک ہے اس میں گرنے والا ہلاک ہو جاتا ہے، اور جو اس میں گرا ہے وہ ابتک اس سے نکل نہیں سکا، اگر اس علم کے باوجود وہ اس میں کود کر ہلاک ہو جاتا ہے، تو اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ وہ جاہل ہے، بلکہ جاہلوں سے بھی بدتر ہے، کیونکہ جاننے کے بعد بھی اس نے علم کے مطابق عمل نہیں کیا۔

یہ تو ایک مثال ہے، ورنہ دنیا کے معاملے میں آدمی عام طور پر اپنے علم کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے، جن نقصان دہ چیزوں سے ڈاکٹر منع کر دیتا ہے اس سے پرہیز کرتا ہے، سانپ بچھو کو جانتا ہے تو اس کے قریب جانے سے ڈرتا ہے، آگ کے جلانے کے بارے میں جانتا ہے تو آگ میں کودنے سے بچتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ دنیا کے تمام مسائل سے اہم آخرت کا مسئلہ ہے، دنیا کے کنوے، دنیا کے سانپوں اور بچھوؤں سے زیادہ خطرناک ہے، لیکن آخرت کے سلسلے میں اپنے علم کے مطابق بہت سے مسلمان عمل نہیں کرتے، ہر مسلمان جانتا ہے کہ نماز پڑھنا فرض ہے قصداً نماز ترک کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے رشتہ ختم ہو جاتا ہے، پھر بھی نماز کا تارک ہے اور نماز سے غافل ہے۔

ہر مسلمان جانتا ہے کہ موذن کی اس آواز اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم (نماز نیند سے بہتر ہے) کے سننے کے بعد بلا عذر بستر خواب پر آرام کرنا حرام ہے، لیکن زیادہ تر مسلمان ایسے ہیں جو اللہ کے منادی کی اس صدائے ربانی کو سننے کے بعد بھی بستر پر انگڑائی لیتے رہتے ہیں اور نماز کیلئے مسجد کی طرف ان کا قدم نہیں اٹھتا۔

کس قدر تم پر گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے ہاں نیند تمہیں پیاری ہے

مدرسوں کے نظماء اور علماء اچھی طرح جانتے ہیں کہ چندہ کر کے شاندار فلک بوس بلڈنگوں کی تعمیر مناسب نہیں ہے، کیونکہ عام مسلمانوں پر اس کا خراب اثر پڑے گا، علماء ومشائخ کے اس شاہجہانی ذوق کو دیکھ کر عوام کے اندر بھی دنیا کی تزئین وآرائش کا جذبہ پیدا ہوگا، لیکن وہ اینٹ پتھر کی شاندار دیواروں ہی کو مدرسے کی ترقی سمجھتے ہیں، علماء خوب جانتے ہیں کہ چندہ کرنے میں حرام وحلال، جائز وناجائز کی تحقیق ضرور کرنا چاہئے، لیکن جان بوجھ کر اس سلسلے میں احتیاط نہیں کرتے، بس مدرسہ میں روپیہ آنا چاہئے اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ کہاں سے آیا ہے اور جس نے دیا ہے اس کا ذریعۂ معاش جائز ہے یا ناجائز۔

میں صرف ایک چھوٹی سی مثال دیتا ہوں کیا مدرسے کا کوئی سفیر یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت داڑھی پر استرا چلانے والے حجاموں کا چندہ نہیں لیتا، کیونکہ داڑھی تراشنے والے حجام کا چندہ حرام اور ناجائز ہے۔

علماء جانتے ہیں کہ مدرسہ قومی امامت ہے اپنی مرضی سے کسی طرح کا تصرف کرنا جائز نہیں، لیکن بہت سے بزرگ مدرسوں کی نظامت سے چپکے رہتے ہیں اور مدرسہ کے مال سے خوب ٹھاٹ باٹ کرتے ہیں، اور بعض ایسے بزرگ ہیں جو اپنے بچوں کے نکاح کی تقریب کے موقع پر مدرسہ ہی کو شادی ہال بنا لیتے ہیں۔

علماء اچھی طرح جانتے ہیں کہ چندہ کر کے جلسہ کرنا، شاندار دسترخوان سجانا اور لاکھوں روپیہ کا شامیانہ لگانا وغیرہ فضول خرچی ہے، لیکن آج اسلامی مدرسوں میں جلسے اور سیمینار کے نام پر فضول خرچی کا خوب مظاہرہ ہوتا ہے، علماء اچھی طرح جانتے ہیں کہ بلاضرورتِ شدیدہ فوٹو کھنچوانا اسلام میں ناجائز ہے، لیکن دینی جلسوں اور سیمناروں میں فوٹوگرافی عام ہو چکی ہے، یہ عجیب انقلاب ہے کہ، ۔

"تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم"

بہر حال کسی مدرسے سے عالمیت وفضیلت کی ڈگری حاصل کر لینے اور سر پر سات گز لمبی دستارِ فضیلت باندھ لینے کا نام علم نہیں ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں عالم وہی ہے جو علم کے مطابق عمل کرے اگر کوئی عمل نہیں کرتا تو خواہ وہ علم وفن کا سمندر اپنے اندر انڈیل لے اور معلومات کے ذخیرہ سے اپنے دماغ کے کمپوٹر کو بھر لے لیکن بایں ہمہ علم وہنر اس کا شمار جاہلوں میں ہوگا، اس کو عالم سمجھنا ہی علم کی توہین ہے۔ ۔

قابلیت تو بہت بڑھ گئی ماشاء اللہ
افسوس یہی ہے کہ مسلمان نہ رہے

یہ بھی یاد رہے کہ علم حقیقی تو وہی ہے جس کا تعلق اللہ کی معرفت اور آخرت کی کامیابی سے ہو، کالجوں اور یونیورسٹی کی وہ تعلیم جس کا محرک محض پیٹ اور دنیا کی عزت وشہرت ہو، اس کو جو علماء اور دانشور علم سمجھتے ہیں اور اس کو اعلیٰ تعلیم کہتے ہیں ان کو علم کی ہوا بھی نہیں لگی ہے، خواہ شاندار اسٹیجوں پر جتنا بھی گل افشانی گفتار کا مظاہرہ کریں اور علمی وادبی وتحقیقی مقالہ لکھ کر کانفرنسوں اور سیمناروں میں داد حاصل کریں۔

مولانا محمد احمد صاحب نے سچ کہا ہے کہ، ۔

کہاں پائیں گے وہ اہل جنوں کی شانِ یکتائی
کریں اہل خرد تا عمر چاہے خامہ فرسائی

علماء کرام اور مشائخ عظام، امام مالکؒ کے اس قول کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں،

لَيْسَ الْعِلْمُ بِكَثْرَةِ الرِّوَايَةِ وَلٰكِنَّهُ نُوْرٌ يَجْعَلُهُ اللّٰهُ فِي الْقُلُوْبِ" علم کثرت روایات

کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ دلوں میں ڈال دیتا ہے۔

علم کے بارے میں کتنی اہم اور قیمتی بات ہے، حقیقت ہے کہ جہاں روشنی ہوتی ہے وہاں راستے کے تمام نشیب و فراز دکھائی دیتے ہیں کہ کہاں خندق ہے کہاں ہلاکت کا کنواں ہے اور کہاں کوئی خطرناک جانور بیٹھا ہے، سب کو آدمی دیکھ لیتا ہے، تو یہ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ کسی کے پاس علم کی روشنی ہو اور وہ گناہوں کی تاریکیوں میں بھٹکے اور ہلاکت کے گڈھوں میں گرے، اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ جاہل ہے اور علم کی روشنی سے محروم ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اے گروہِ علماء اپنے علم پر عمل بھی کیا کرو، کیونکہ عالم وہی ہے جو پہلے علم حاصل کرے پھر اس پر عمل بھی کرے، اس کا علم اور عمل یکساں نظر آئے، آئندہ کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو علم حاصل کریں گے مگر وہ ان کے گلے کے نیچے نہ اترے گا، ان کا باطن ان کے ظاہر کے مخالف، اور ان کا علم ان کے عمل کے برخلاف ہوگا، حلقے بنا بنا کر بیٹھیں گے اور ایک دوسرے کے مقابلہ میں فخر کریں گے یہاں تک کہ اپنے شاگرد پر کوئی تو اس لئے ناراض ہوگا کہ وہ اسے چھوڑ کر دوسرے کے حلقۂ درس میں کیوں بیٹھ گیا، یہی لوگ ہیں جن کے اعمال قبول نہ ہوں گے۔

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ، عالم تو وہ ہے جو اپنے علم کے موافق عمل بھی کرے، لیکن جس کا علم و عمل مخالف ہو وہ کیا عالم ہے؟

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ علماء وہ لوگ ہیں کہ جب علم حاصل کر لیتے ہیں تو اس پر عمل کرتے ہیں، اور جب عمل کرتے ہیں تو اسی میں مشغول ہو جاتے ہیں، اور جب مشغول ہو جاتے ہیں تو عوام میں نظر نہیں آتے، جب نظر نہیں آتے تو ان کی تلاش پڑتی ہے، جب تلاش ہوتی ہے تو مخلوق سے بھاگتے ہیں۔

(بحوالہ، تَرْجُمَانُ السُّنَّة، جلد اول از مولانا بدر عالم میرٹھی)

دل میں علم کا نور داخل ہونے کی تین علامتیں ہیں۔

پہلی علامت یہ ہے کہ اسکو دنیا سے وحشت ہو جاتی ہے، دنیا سے اس کی طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے، دوسری علامت یہ ہے کہ وہ آخرت کا مشتاق ہو جاتا ہے، وہ دنیا میں رہ کر آخرت ہی میں جیتا ہے اور آخرت ہی کا فکر اس کے دل و دماغ پر چھایا رہتا ہے، تیسری علامت یہ ہے کہ موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری میں لگا رہتا ہے۔

ان علامتوں کی روشنی میں ہر عالم اپنا احتساب کرے کہ کیا وہ واقعی عالم ہے یا محض ڈگری ہولڈر اصطلاحی عالم ہے۔ اللہ تعالیٰ راقم الحروف کو بھی علم کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد ششم، تفسیر سُوْرَةُ الزُّمُر کا حاشیہ نمبر ۱۹ پڑھئے۔

محاورۂ قرآنی میں علم سے مراد علمِ حقائق سے ہوتی ہے اور بے علمی سے مراد اسی علم سے محرومی ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ" کالفظ قَانِتٌ، سَاجِدٌ اور قَائِمٌ کیلئے آیا ہے، یعنی ان لوگوں کیلئے جو صاحب عمل ہوتے ہیں، اوراس کے مقابلے میں جو لوگ بے عمل ہوتے ہیں انھیں اَلَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ" سے تعبیر کیا گیا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ عمل کی کتنی فضیلت اسلام میں ہے، اور جو لوگ صرف علم پر بلا عمل قانع رہتے ہیں انھیں قرآن بے علم یا جاہل ہی قرار دیتا ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سُوْرَةُ الزُّمَر، حاشیہ نمبر ۱۹/ر)

اقتباس

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اے گروہِ علماء اپنے علم پر عمل بھی کیا کرو، کیونکہ عالم وہی ہے جو پہلے علم حاصل کرے پھر اس پر عمل بھی کرے، اس کا علم اور عمل یکساں نظر آئے، آئندہ کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو علم حاصل کریں گے مگر وہ ان کے گلے کے نیچے نہ اترے گا، ان کا باطن ان کے ظاہر کے مخالف، اور ان کا علم ان کے عمل کے برخلاف ہوگا، حلقے بنا بنا کر بیٹھیں گے اور ایک دوسرے کے مقابلہ میں فخر کریں گے یہاں تک کہ اپنے شاگرد پر کوئی تو اس لئے ناراض ہوگا کہ وہ اسے چھوڑ کر دوسرے کے حلقۂ درس میں کیوں بیٹھ گیا، یہی لوگ ہیں جن کے اعمال قبول نہ ہوں گے۔

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ، عالم تو وہ ہے جو اپنے علم کے موافق عمل بھی کرے، لیکن جس کا علم و عمل مخالف ہو وہ کیا عالم ہے؟

(بحوالہ، تَرْجُمَانُ السُّنَّة، جلد اول از مولانا بدر عالم میرٹھی)

کئی خداؤں کے غلام کا حالِ زار

آپ نے سنا ہوگا اور دیکھا ہوگا کہ بعض آدمی گھر کھاتے کی ملازمت سے پریشان ہوکر بھاگ آتے ہیں، اگر ان سے پوچھئے کہ ارے بھائی اپنی ملازمت کو چھوڑ کر کیوں بھاگ آئے تو وہ جواب دے گا کہ کیا کروں؟ یہ ملازمت تو میرے لئے ایک عذاب تھی، کیونکہ میں صرف ایک ہی کا ملازم نہیں تھا، میرا ایک ہی مالک نہیں تھا، وہاں تو اس گھر کا ہر آدمی میرا آقا اور مالک تھا، میرے کفیل کی بیوی، اس کے لڑکے، اس کی لڑکیاں، اس کے بھائی بہن، اس کے پوتے پوتیاں، سب میرے آقا اور مالک تھے، سب مجھ پر اپنی حکومت چلاتے تھے، کوئی کہتا کہ یہ کرو، کوئی کہتا ہے وہ کرو، اس کھینچا تانی کا منظر میرے لئے بہت ہی تکلیف دہ تھا، میں گیند کی طرح لڑھکتا رہتا، ہر آدمی اس گیند کو ٹھوکر مارتا تھا، اس لئے ایسی جگہ رہنا جہاں ایک ملازم کے بہت سے آقا اور مالک ہوں عذاب جہنم سے کم نہیں ہے، سکون واطمینان اسی شکل میں مل سکتا ہے کہ آدمی ایک کفیل اور ایک آقا کی سرپرستی میں ہو۔

بالکل یہی فرق ایک مومن، ایک مشرک اور دنیا پرست کی زندگی میں ہوتا ہے، مومن کی زندگی اس لئے پرکیف، پرسکون اور دنیا میں رہ کر رشکِ بہشت اور غیرتِ گلزار ہوتی ہے کہ وہ صرف ایک اللہ کا بندہ ہوکے رہتا ہے، اور مشرک بیچارے کو یہ سکون کبھی مل ہی نہیں سکتا، کیونکہ اس کی گردن میں بہت سے خداؤں اور آقاؤں کا پھندا لگا رہتا ہے۔

یہی حال ہر دنیا پرست انسان کا ہوتا ہے، بیوی کا غلام، بچوں کا غلام، دولت کا غلام، رسم رواج کا غلام، خاندان اور قبیلے کا غلام، ملازمت کا غلام، کاروبار کا غلام اور معلوم نہیں کتنے بے شمار آقاؤں اور فرضی معبودوں کی غلامی کے بندھن میں جکڑا رہتا ہے، اور سب کو خوش کرنے کے چکر میں اس کے دل کا سکون غارت ہوجاتا ہے، اس لئے یہ بات سو فیصد سے بھی زیادہ صحیح ہے کہ اس دنیا میں مشرکوں اور دنیا پرستوں سے زیادہ کوئی پریشان نہیں رہتا، کسی کے چہرے پر ظاہری مسکراہٹ کو دیکھ کر یہ مت اندازہ لگائیے کہ واقعتاً اس کے دل کو بھی راحت حاصل ہے۔

سطحِ سمندر کے سکون کو دیکھ کر یہ مت سمجھئے کہ اس کے اندر بھی سکون ہے، اس کی سطح کے نیچے طوفانی موجوں کا جو اضطراب ہے اس کا مشاہدہ کرلیں تو اندازہ ہوجائے گا کہ اس کا کیا حال ہے، بالکل یہی صورتِ حال مشرکوں اور دنیا پرستوں کی ہے، ان کا ظاہر اگرچہ خوش نما معلوم ہوتا ہے لیکن ان کے دلوں میں مختلف قسم کے غموں کی آگ جلتی رہتی ہے اور سکون وراحت سے محروم رہتے ہیں۔ راقم الحروف کا ایک شعر ہے، ؎

اب تک بتا سکے نہ ہم ان کے غم کو غم اپنا
راحتوں کے سامان ہیں گھٹ رہا ہے دم اپنا

ان کا حال بالکل اس بیوہ عورت جیسا ہوتا ہے جس کے چہرے پر بظاہر کبھی مسکراہٹ آجاتی ہے لیکن اس

کے دل میں غموں کا طوفان ہوتا ہے، ایک بزرگ نے بیوہ کی ہنسی اور اس کے اندرونی غم کی خوب تصویر کشی کی ہے۔ یہی حال مشرکوں اور دنیا پرستوں کا بھی ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ؎

لب تبسم ریز ہیں اور قلب ہے آتش فشاں
جیسے بیوہ کی ہنسی اندر سے کچھ باہر سے کچھ
تن ہے اجلا من ہے کالا اس پہ یہ شان وغرور
جیسے بھرسائیں پتی اندر سے کچھ باہر سے کچھ

▫ بہر حال سکونِ دل اور ہر طرح کے غموں سے آزادی کا نسخہ یہی ہے کہ بس آدمی ایک اللہ کا بندہ ہو کر رہے اللہ کی بندگی کے علاوہ غلامی کی ساری زنجیروں کو توڑ دے۔؎

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی خوب فرمایا ہے کہ؎

اک غم نے بنایا ہے ہر غم سے مجھے فارغ
اندوہِ محبت بھی گنجینۂ عشرت ہے

اب تفسیر ماجدی، جلد ششم، تفسیر سُوْرَۃُ الزُّمُرِ کا نمبر ۴۱ پڑھئے۔

رَجُلًا..... مُتَشٰكِسُوْنَ" ایسا شخص ایک تو غلام ومحکوم، اپنے ہر ذاتی ارادے سے محروم اور پھر مالک ایک نہیں متعدد، غلام حیران متردد کہ کس کا کہا مانوں کس کا نہ مانوں، یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ اللہ سے غافل ملحد ومشرک، دنیا میں سخت ترین کشاکش میں گرفتار رہا کرتا ہے۔

رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ" مومن مخلص ساری فکروں کو چھوڑ چھاڑ صرف ایک سے لو لگائے رہتا ہے۔؎

جو غم ملا اسے غم جاناں بنا لیا

(بحوالہ، تفسیر سُوْرَۃُ الزُّمُرِ، حاشیہ نمبر ۴۱)

❁❁

توحید کا مذاق اڑانے والے نام نہاد مسلمان

اسلام کی نشر و اشاعت اور دعوت توحید کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ نام نہاد مسلمان ہیں جو اسلام اور عشق رسول کا دعویٰ کرنے کے باوجود توحید و سنت میں شرک کی ملاوٹ کرتے ہوئے نہیں شرماتے نعرہ غوثیہ لگاتے ہیں اللہ کے علاوہ زندہ و مردہ بزرگوں اور ولیوں سے بھی مدد مانگتے ہیں، ان کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں، یعنی جو صفت اللہ کے ساتھ مخصوص ہے اس کی نسبت غیروں کی طرف کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے اس نام نہاد گروہ کے مشرکانہ و مبتدعانہ اقوال و افعال کی وجہ سے اسلام کی سچی تصویر غیر مسلموں کے سامنے نہیں آپاتی، ان شرک و بدعت پسندوں نے آئینۂ توحید کو بالکل غبار آلود بنا رکھا ہے، ان کے ملاوٹی دین کے آئینے میں جب غیر مسلم دیکھتے ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ بس یہی دین ہے اور ہمارے مذہب بت پرستی اور ان کے دین قبر پرستی میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے، یہاں گنجائش نہیں ہے کہ ان صفحات کو رنگین کیا جائے، مثال کے طور پر ان کے چند اشعار نقل کر رہا ہوں جو ان کے یہاں زبان زد عام ہیں۔

احمد رضا خان معروف بہ اعلیٰ حضرت کا ایک معتقد کہتا ہے کہ:۔

وارث مصطفیٰ ، نائب مصطفیٰ ، عاشق مصطفیٰ ، شاہ احمد رضا
وقت مشکل کہو اَلْمَدَدْ یَارِضَا وقتِ مشکل اسی وقت ٹل جائے گا

ایک دوسرا معتقد کہتا ہے کہ:۔

کون دیتا ہے مجھے کس نے دیا ☆ جو دیا تم نے دیا احمد رضا
دین و دنیا میں مرے بس آپ ہیں ☆ میں ہوں کس کا آپ کا احمد رضا

دیکھئے ان مشرکانہ اشعار میں (نَعُوْذُ بِاللّٰہ) اللہ تعالیٰ سے کس قدر بیزاری اور بے نیازی کا اظہار کیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگنے کی ضرورت نہیں ہے، جو کچھ دیا ہے یا دیتے ہیں یا دیں گے وہ بس اعلیٰ حضرت احمد رضا خان ہیں، ذرا سوچئے کیا اس سے بھی زیادہ اللہ کی شان میں کوئی گستاخی ہوسکتی ہے، اسی طرح ان گستاخوں نے حضور اکرم ﷺ کو بھی اللہ کے برابر کر دیا ہے اور حضور ﷺ کے بلند مقامِ عبدیت کو مجروح کرنے کی کوشش کی ہے۔

چنانچہ ایک شرک پسند آدمی کہتا ہے:۔

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد (ﷺ) سے

خود احمد رضا خان کا بھی ایک شعر ہے:۔

وہی نورِ رب وہی ظل رب
ہے انھیں سے سب ، ہے انھیں کا سب

اس شعر میں اللہ کی شان عالی بے نیاز میں جو گستاخی کی گئی ہے اس کے گھناؤنے پن کے تصور سے دل کانپ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس طرح کے ناسمجھوں کو ہدایت دے۔

توحید کی غیرت کا تقاضا ہے کہ ان مشرک پسندوں کو مسلم جماعت سے علیحدہ کردیا جائے، جب تک یہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل رہیں گے اسلام کی اور توحید کی سچی تصویر غیر مسلموں کے سامنے نہیں آئے گی۔

اب تفسیر ماجدی، جلد ششم، تفسیر سُوْرَۃُ الزُّمَر کا حاشیہ نمبر ۵۹/ پڑھئے۔

توحید کامل کے ماننے والوں اور شرک آمیز عقیدۂ خدائی کے تسلیم کرنے والوں کے درمیان جو فرقِ عظیم ہوتا ہے اسے یہاں خوب واضح کردیا گیا ہے، خیر جو کھلے ہوئے مشرک ہیں ان کا حال تو ظاہر ہی ہے، لیکن خود ہماری قوم میں جو جھوٹے پیروں، فقیروں، جن، پری، شہید مرد اور شیخ سدو، وغیرہ کے قائل ہیں ان کا کیا حال ہے؟ ''یَاشَیْخُ شَیْئًا لِلّٰہِ'' کا وظیفہ پڑھنے والے مصیبت کے وقت یَاغَوْث اور یَـاعَلِیُ پکارنے والے، اجمیر کی درگاہ کے اردگرد یَـاخَـوَاجَـہْ توہی دیتا ہے، توہی دلواتا ہے، کی صدائیں لگانے والے ہمارے درمیان بھی کس کثرت سے موجود ہیں، یہ سب توحید کا منہ چڑھانا نہیں تو اور کیا ہے؟ (بحوالہ، تفسیر سُوْرَۃُ الزُّمَر، حاشیہ نمبر ۵۹/)

۞ ۞

اقتباس

اسلام کی نشر واشاعت اور دعوت توحید کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ نام نہاد مسلمان ہیں جو اسلام اور عشق رسول کا دعویٰ کرنے کے باوجود توحید وسنت میں شرک کی ملاوٹ کرتے ہوئے نہیں شرماتے ھ اگاتے ہیں اللہ کے علاوہ زندہ ومردہ بزرگوں اور ولیوں سے بھی مدد ما... شکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں، یعنی جو صفت اللہ کے ساتھ مخصوص ہے ... غیروں کی طرف کرتے ہیں۔

مصیبت کے وقت بس اللہ ہی کی طرف متوجہ ہوں

اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ساری کائنات ہے، ہر جاندار کی پیشانی اللہ ہی کی مٹھی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ بلاواسطہ بھی مدد کر سکتے ہیں اور بالواسطہ بھی، جیسی اللہ کی حکمت ومشیئت ہو، اللہ کبھی کبھی اپنے بندوں کی مدد کے لئے ایسے لوگوں کو کھڑا کر دیتے ہیں جن کے بارے میں کبھی دل میں وہم وگمان بھی نہیں ہوسکتا تھا۔

حقیقت ہے کہ اللہ ہی کے ہاتھ میں سارے اسباب ہیں اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو کوئی بڑے سے بڑا سبب بھی کام نہیں آسکتا۔

یہ اسباب ہیں دستِ قدرت میں ویسے
قلم دستِ کاتب میں جیسے رہے

اس لئے ہر مصیبت اور پریشانی کے وقت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور اللہ کے علاوہ کسی کی طرف بھی نظر نہ جائے۔

مولانا محمد احمد صاحب پڑتا بگڈھیؒ نے خوب کہا ہے کہ،

غلط ہے غیر پر کچھ بھی بھروسہ ہو اگر مجھ کو
بجزُ اللہ میرا کوئی مونس ہے نہ ہمدم ہے

اب تفسیر ماجدی، جلد ششم، تفسیر سُوْرَةُ الْمُؤمِن حاشیہ نمبر ۲۹/ کا کچھ حصہ پڑھئے۔

امام رازیؒ نے آیت (۲۸/سورہ مومن) کے تحت میں اپنا ذاتی تجربہ بھی بیان کیا ہے کہ،

وَلَقَدْ جَرَّبْتُ فِي أَحْوَالِ نَفْسِيْ أَنَّهُ كُلَّمَا قَصَدَنِيْ شَرِيْرٌ بِشَرٍّ لَمْ أَتَعَرَّضْ لَهُ وَ اكْتَفِيْ بِتَفْوِيْضِ ذٰلِكَ الْأَمْرِ إِلَى اللّٰهِ فَإِنَّهُ سُبْحَانَهُ يُقَيِّضُ أَقْوَامًا لَا أَعْرِفُهُمْ أَلْبَتَّةَ يُبَالِغُوْنَ فِيْ دَفْعِ ذٰلِكَ الشَّرِّ" جب بھی مجھے کسی شریر نے خواہ مخواہ نقصان پہنچانا چاہا اور میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی بلکہ معاملہ حق تعالیٰ ہی پر چھوڑ دیا، تو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کچھ نہ کچھ لوگ ایسے لا کھڑا کئے (میرے لئے اجنبی لیکن) جو پوری طرح اس شر کے دفعیہ پر لگ گئے۔ (کبیر، جلد ۲۷/ صفحہ ۵۰/)

(بحوالہ، تفسیر سُوْرَةُ الْمُؤمِن، حاشیہ نمبر ۲۹/)

۞۞

غافل نے اِدھر دیکھا اور عاقل نے اُدھر دیکھا

اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں سے زیادہ دنیا میں عقلمند کوئی نہیں ہوتا، آخرت سے غافل اور دنیا کو مقصد زندگی بنانیوالوں اور دنیا کی چندہ روزہ ترقی کی ترغیب دینے والوں کو عقلمند اور دانشور کہنا عقل و دانش کی توہین ہے۔

دو آدمی ایک ساتھ اپنے وطن سے باہر چند سال کے ویزا پر کسی دوسرے ملک میں رہتے ہیں اور ان دونوں کو معلوم ہے کہ ویزا کی مدت ختم ہوتے ہی ان کو ان کے اصلی وطن روانہ کردیا جائے گا، ان دونوں میں ایک آدمی تو اپنی محنت کا سارا سرمایا اسی دوسرے ملک کی عارضی قیامگاہ کے عیش و آرام میں خرچ کرتا رہا اور اپنے اصلی وطن کی جہاں اس کو مستقل قیام کرنا ہے کوئی فکر نہیں تھی، اور دوسرا آدمی اس چندروزہ قیام سے فائدہ اٹھا کر اپنی کمائی کا زیادہ حصہ اپنے اصلی وطن روانہ کرتا رہا، تو اب بتایئے ان دونوں میں کون عقلمند ہے؟ ظاہر ہے کہ عقلمند اور عاقبت اندیش وہی ہے جو عارضی قیامگاہ میں رہ کر اپنے اصلی وطن کی تعمیر میں لگا رہتا تھا جہاں اس کو مستقل قیام کرنا تھا۔

یہی معاملہ دنیا اور آخرت کا ہے، احمق اور نادان لوگ تو اپنی پوری زندگی دنیا کی ترقی ہی کے چکر میں برباد کردیتے ہیں، لیکن جو عقلمند ہوتے ہیں ان کی نظر بہت دور بین ہوتی ہے، دنیا کی اس عارضی مدت کو آخرت کی تیاری میں لگا دیتے ہیں، یہ عقل اور سوجھ بوجھ اسی کے اندر ہوتی ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، معلوم ہوا کہ جو احمق ہوتا ہے وہ دنیا کی طرف دیکھتا ہے اور جو عاقل ہوتا ہے اس کی نظر آخرت کی طرف ہوتی ہے۔

دیکھئے آل فرعون کا مرد مومن کتنا عقلمند تھا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں کیا ہے، اس مرد مومن نے اپنی قوم کے سامنے کوئی مادی پروگرام اور دنیا کی ترقی کا کوئی منصوبہ اور فارمولہ نہیں پیش کیا، بلکہ اس نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ،

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۫ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ اے میرے بھائیو یہ دنیوی زندگی محض چندروزہ ہے اور ٹھہرنے کا ٹھکانا تو آخرت ہی ہے۔ (سورہ مومن)

اسلئے دنیا کے چندروزہ عیش و آرام کیلئے آخرت کو ویران اور برباد نہ کیا جائے جہاں کا قیام مستقل اور دائمی ہوگا۔

اب تفسیر ماجدی، جلد ششم، تفسیر سُوْرَةُ الْمُؤْمِنْ، کا حاشیہ نمبر ۳۹ پڑھئے۔

مرد مومن کا کہنا یہ ہے کہ حقیقی فوز و فلاح کا راستہ تو وہ ہے جسے میں بتا رہا ہوں، نہ کہ وہ جس کی جانب رہبری فرعون کر رہا ہے، عاجل اور آجل کے راستوں کا فرق جو آج نظر آرہا ہے یہی ہمیشہ رہا ہے۔

غافل نے اِدھر دیکھا عاقل نے اُدھر دیکھا

ہر نبی کا پیام اور اسلام کا سارا خلاصہ انھیں دو فقروں میں آگیا اور مادی سطح میں دنیا کو جو بیزاری ہے وہ اسی عقیدے سے ہے۔ (بحوالہ تفسیر سُوْرَةُ الْمُؤْمِنْ حاشیہ نمبر ۳۹)

موت کے وقت مومن کو بشارت

مسلمان ہونے کیلئے یہ تو ضروری ہے کہ آدمی زبان سے بھی اللہ کی وحدانیت و ربوبیت کا اقرار کرے لیکن اس اقرار کے ثبوت کیلئے اللہ اور اس کے رسول کے تمام احکام پر استقامت بھی ضروری ہے، اسی استقامت کا نام عمل صالح ہے، بغیر استقامت کے ایمان بے روح ہے۔

جانکنی قبر اور قبر سے اٹھتے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت انہی ایمان والوں کو سنائی گئی ہے جو ایمان لانے کے بعد اللہ کے احکام پر استقامت کا بھی ثبوت دیتے ہیں، حضرت عمر فاروقؓ نے استقامت کی خوب تشریح فرمائی ہے، اَلْاِسْتِقَامَةُ اَنْ تَسْتَقِيْمَ عَلَى الْاَمْرِ وَالنَّهْيِ وَلَا تَرُوْغَ رَوْغَانَ الثَّعَالِبِ "استقامت یہ ہے کہ تم اللہ کے تمام احکام، اوامر ونواہی پر سیدھے جمے رہو، اس سے اِدھر اُدھر راہِ فرار لومڑیوں کی طرح نہ نکالو۔ (بحوالہ تفسیر مظہری)

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے اسلام کی ایک جامع بات بتلا دیجئے جس کے بعد مجھے کسی اور سے کچھ نہ پوچھنا پڑے، تو آپ نے فرمایا کہ، قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ" یعنی تم یہ کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اسی پر جم جاؤ۔ (رواہ مسلم)

آخرت کے تین مرحلے اہم ہیں جن سے ہر انسان کو گذرنا ہے، جانکنی کا مرحلہ، قبر کا مرحلہ اور قبر سے اٹھنے کے بعد والا مرحلہ، آخرت کے ان تینوں ہولناک مرحلوں کے سامنے دنیا کے کسی بھی سخت مرحلے کی کوئی اہمیت نہیں ہے، جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان کے سامنے ہر وقت یہی مرحلے رہتے ہیں، اور ان ہولناک مرحلوں کے تصور سے ان کے ہونٹوں سے ہنسی غائب ہو جاتی ہے اور ان کے دل پر گھبراہٹ طاری ہو جاتی ہے۔

راقم الحروف کا ایک شعر ہے۔

جانکنی کا قبر کا محشر کا منظر پل صراط
اتنے سارے مرحلے ہیں کتنا گھبراتا ہے دل

یہ اللہ کا لطف وکرم ہے اور ایمان واستقامت کی برکت ہے کہ آخرت کے ان تینوں مراحل کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندۂ مومن کو جو بشارت سنائی جائے گی اس کی وجہ سے یہ سارے مراحل آسان ہو جائیں گے اور کسی قسم کی گھبراہٹ نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ کے اس بے پایاں لطف وکرم اور اس کی بے مثال عطاء ونوازش کے تصور سے بندۂ مومن کے دل میں ہر مرحلہ اللہ کی محبت کا طوفان موجزن رہنا چاہئے، دل چاہتا ہے کہ یہ وجد آفریں اور لذت بخش آیتیں ہر وقت ورد زبان رہیں۔

اے اللہ، تو جانتا ہے کہ راقم الحروف کتنا کمزور ہے اور اس کی قوت ارادی میں کتنا ضعف ہے۔
اے اللہ، اپنے تمام احکام پر استقامت کی توفیق عطا فرما۔
اے اللہ، جانکنی کے وقت، قبر میں اور قبر سے اٹھتے وقت اس نامہ سیاہ مختار احمد اصلاحی کو بھی اس بشارت عظمیٰ کی نعمت سے سرفراز فرما۔ آمین

اب تفسیر ماجدی، جلد ششم، تفسیر سُوْرَۃ حٰم سَجْدَہ کا حاشیہ نمبر ۲۷ پڑھئے

مومن ناظر کو چاہئے کہ جب اس آیت پُر بشارت پر پہنچے تو آگے بڑھنے سے قبل ذرا اپنی موت کے وقت کا اس وعدۂ الٰہی کے ساتھ مراقبہ کرلے، نَزْع میں کہ انتہائی بے بسی کا وقت ہوتا ہے، یہ مژدۂ رحمت کس درجہ باعثِ بشاشت وشادمانی ہوگا، زبان کا کوئی لفظ مسرت وانبساط کی اس انتہائی کیفیت کو ادا کر ہی نہیں سکتا۔

جلال الدین سیوطیؒ نے شَرْحُ الصُّدُوْر میں تمیم داری صحابیؓ کے حوالے سے ایک بڑی طویل حدیث اس مضمون کی نقل کی ہے کہ مومن صالح کی روح کے قبض کے وقت فرشتۂ موت اس کے پاس اس کی دلچسپیوں کا بہتر سامان لے کر آتا ہے اور جس طرح بچہ کے نشتر لگتے وقت اسے بہلا پھسلا لیا جاتا ہے اس احتضار (جانکنی) والے مومن کو انہی دلچسپیوں میں بہلا کر چپکے سے بلاشائبہ تکلیف اس کی روح کو جسم سے باہر لے آتا ہے، اس گھڑی جسم روح کو مبارک باد دیتا ہے اور روح جسم کو، فرشتے اس کے حق میں دعائیں اور طلب مغفرت کرتے ہیں اور شیطان پچھاڑیں کھاتا ہے کہ شکار ہاتھ سے نکل گیا۔

(بحوالہ شَرْحُ الصُّدُوْر صفحہ ۲۷)

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ " یہ فرشتے رحمت اور بشارت کے ہوں گے، اور ان کا نزول پہلے موت کے وقت ہوگا، پھر قبر میں اور پھر بعثت کے وقت، بلکہ محققین عارفین نے تو ترقی کر کے یہاں تک کہا ہے کہ ملائکہ رحمت کا نزول تو مومنین صادقین پر ہر وقت اور ہر آن ہوتا رہتا ہے۔

اَلَّا تَخَافُوْا " کسی عذاب کا اندیشہ نہ کرو، نہ برزخ میں، نہ آخرت میں، یہ تسلی ہے مستقبل کیلئے۔

وَلَا تَحْزَنُوْا " یعنی دنیا اور یہاں کے مانوسات ومالوفات کی مفارقت (جدائی) پر ذرا غم نہ کرو، اطمینان دلایا ہے، ماضی سے متعلق اب خوف وحزن کا کیا موقع ہے، مومن کیلئے اب تو ہر طرح فرح و بشاشت کا وقت شروع ہو رہا ہے، ساری بشارتیں اسی وقت کیلئے تو ہیں۔

امام رازیؒ نے کہا ہے کہ یہ آیت مومن کے حق میں بہت بڑی بشارت ہے اور ایک وعدہ اس امر کا ہے کہ اسے کوئی غم وحزن نہ موت کے وقت ہوگا، نہ قبر میں، نہ حشر میں، بلکہ ان سارے موقعوں پر وہ مطمئن و پرسکون رہے گا۔ (کبیر، جلد ۲۷، صفحہ ۱۰۶)

(بحوالہ۔ تفسیر سورہ حٰم السجدۃ، حاشیہ نمبر ۲۷)

موت کے وقت مومن کو بشاشت

اگر ایک گھوڑا سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس کو نصف میل کے دائرے میں دوڑنے کیلئے محدود کر دیا جائے تو وہ گھوڑا کس طرح کی بے چینی محسوس کرے گا اس کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے، لیکن اس دنیا میں انسان کی آرزوؤں، تمناؤں اور خواہشوں کے گھوڑے کی رفتار ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں، کروڑوں میل فی گھنٹہ سے بھی زیادہ ہے، تو ظاہر ہے کہ دنیا کا یہ محدود میدان اس کیلئے ناکافی ہے، اس لئے انسان کے راہوارِ آرزو کیلئے ایسا لامحدود میدان چاہئے جہاں وہ اپنی خواہش کے مطابق پوری طرح دوڑ سکے، اور اپنی فطری رفتار کو تسلی دے سکے، اس طرح انسان اپنے دل میں آرزوؤں اور خواہشوں کا ایک بیکراں سمندر رکھتا ہے، لیکن اس محدود دنیا میں وہ اپنی کسی آرزو کو پورا نہیں کر پاتا۔

وہ بچپن میں جوانی کا خواب دیکھتا ہے لیکن جوانی آتی ہے تو بہت ہی جلد بڑھاپے کی چوکھٹ پر سر ٹیک دیتی ہے، وہ اپنی محنت کا پورا سرمایہ لگا کر عیش و راحت کا قصرِ حسین تعمیر کرتا ہے لیکن بہت جلد منہدم ہو جاتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ ہمیشہ تندرست رہے لیکن بہت ہی جلد اس کی بہارِ صحت خزاں کا شکار ہو جاتی ہے، وہ ہمیشہ جینا چاہتا ہے لیکن موت آکر اس کے اس خواب کو چکنا چور کر دیتی ہے۔

الغرض اس دنیا میں اس کی کوئی آرزو صحیح معنی میں پوری نہیں ہوتی، پوری بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ آرزوؤں اور خواہشوں کی تکمیل کیلئے اللہ تعالیٰ نے جنت بنائی ہے، اس لئے اس دنیا میں خواہشوں کی تکمیل کا خواب دیکھنا حماقت ہے، ہم کہ ایک ایسی دنیا چاہئے ہیں جہاں ہر طرح کا ہم کو اختیار حاصل ہو، جہاں بڑھاپے، بیماری اور حادثے کا گذر نہ ہو، جہاں ہر کام اپنی مرضی کے مطابق ہو، جہاں ہماری مرضی سے ہوا چلے، ہماری مرضی سے بارش ہو، ہماری مرضی سے ہمارے محل کا رنگ بدلا کرے، جہاں شاندار اپنا ہوائی جہاز ہو، جس پر بیٹھ کر جہاں چاہیں پرواز کریں، جہاں بہار کا ایسا موسم ہو جو خزاں کا کبھی شکار نہ ہو۔

تو جب اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل کو آرزوؤں کا سمندر بنایا ہے اور اس کے راہوارِ آرزو کو تیز رفتار بنایا ہے، تو اس کی تکمیل کا بھی سامان کیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کیلئے ان کی تمام آرزوؤں کی تکمیل کیلئے ایک دنیا بنائی ہے جس کا نام جنت ہے، یہ دنیا دائمی خوشیوں اور راحتوں کی دنیا ہے، وہاں نہ دکھ ہے، نہ شور و غل ہے، نہ رنج و غم ہے، نہ حادثہ ہے، نہ بیماری ہے، نہ بڑھاپا ہے، نہ موت ہے، وہ ہر طرح کی کلفتوں اور پریشانیوں سے آزاد دنیا ہے، وہاں ایسی ایسی بے شمار نعمتیں ہیں جن کا تصور بھی اس دنیا میں انسان نہیں کر سکتا، جنت کا صحیح تصور ہو جائے تو یقیناً اس دنیا کو آدمی لات مار دے گا اس دنیا سے اس کو بے رغبتی ہو جائے گی۔

جنت اور اللہ سے ملاقات کے شوق فراواں ہی کی وجہ سے موت کے وقت بندۂ مومن کو بہت زیادہ گھبراہٹ نہیں ہوتی، بہت سے اللہ کے بندے تو ایسے ہوتے ہیں کہ موت کے وقت ان کے چہرے پر مسکراہٹ آجاتی ہے، جو لوگ دنیا میں رہ کر اپنی پوری زندگی جنت کی تعمیر میں لگا دیتے ہیں اور اللہ کو راضی کرنے کیلئے اس امتحان حال کے تمام صعوبتوں کو برداشت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے اس دنیا سے رخصتی کے وقت ان کو ہر طرح غم اور اندیشے سے محفوظ رکھے گا، چنانچہ موت کے وقت ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو جنت کی بشارت سنادی جاتی ہے، اس بشارت کو سن کر بندۂ مومن کو کتنی بشاشت اور خوشی ہوگی اس کو بیان کرنے کیلئے اس دنیا کی ڈکشنریوں اور لغات میں الفاظ نہیں مل سکتے۔

آیتِ بشارت کے اس جملے میں جنت اور جنت کی نعمتوں کی پوری تصویر آگئی ہے، وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾ اور تمہارے واسطے اس (جنت) میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کا تمہارا جی چاہے اور تمہارے واسطے حاضر ہے جو کچھ بھی تم مانگو یہ (سب) بطورِ مہمانی کے (خدائے) غفور ورحیم کی طرف سے ہوگا۔ (سورہ، حم سجدہ)

بندۂ مومن اس آیتِ بشارت کا لذت آشنا ہو جائے تو یقیناً اس پر وجد وحال طاری ہو جائے گا، اور اس کو محسوس ہوگا کہ اس دنیا میں بھی وہ جنت کی نعمتوں کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، اور جنت کے خوشنما اور دلکش مناظر اس کے سامنے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت میں مومنوں کی جو ضیافت ہوگی اور ان کا جو اکرام وعزاز ہوگا اس کا تصور یہاں کون کر سکتا ہے، ایسی جنت کے بارے میں علم ہونے کے بعد اگر کسی کے دل میں جنت کا شوق نہ پیدا ہو، تو اس کی بے عقلی اور نادانی پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے، ایسی جنت جہاں ہر خواہش پوری ہو، ہر مطالبہ کی تکمیل ہو اس کیلئے تو واقعی اس دنیا کو لات مار دینا چاہئے، لات مارنے کا مطلب ہے کہ اس کو حصولِ جنت کی راہ میں رکاوٹ بننے نہ دیا جائے، اور زندگی کا ہر لمحہ جنت کی تیاری میں صرف کیا جائے۔

اے اللہ، راقم الحروف کا کوئی حال تجھ سے مخفی نہیں ہے، اے اللہ، موت کے وقت اپنے لطف وکرم سے جنت کی اس بشارت سے سرفراز فرما، اے اللہ، اپنے اس وجد آفریں کلام بے مثال، تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ کا مصداق اپنے بندۂ عاجز راقم نامہ سیاہ مختار احمد اصلاحی کو بھی بنادے۔ (آمین)

اب تفسیر ماجدی، جلد ششم تفسیر سُوْرَةُ حٰمٓ سَجْدَة کا حاشیہ نمبر ۲۹/۳۰ پڑھیے۔

جنت اور آخرت کی نعمتوں کی کوئی حد اور کوئی شمار ہے؟ الفاظ کی تعمیم وجامعیت ملاحظہ ہو، ارشاد

ہورہا ہے کہ جو کچھ بھی تم طلب کرو گے ہر چیز تمہارے لئے حاضر و مہیا ہوگی اور اس میں ساری ہی مادّی وروحانی لذتیں اور حسی ومعنوی راحتیں آ گئیں، اور پھر اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر" جو کچھ تمہارا جی چاہے گا وہ بھی" خواہ زبان سے مانگو یا نہ مانگو، حق ہے کہ مومن ناظران بشارتوں کو پڑھ کر وجد میں آ جائے مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ" اس کے اندر وہ ساری حسی لذتیں اور مادّی راحتیں آ گئیں جن کی طلب انسان کیلئے طبعی واضطراری ہے، مَا تَدَّعُوْنَ اس کے تحت میں وہ ساری معنوی نعمتیں شامل ہیں جن کی طلب انسان کیلئے عقلی واختیاری ہے۔

مومن جنتیوں سے متعلق یہ جو بار بار مشاہدے میں آیا ہے کہ عین احتضار (جانکنی) کے وقت ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی ہے، عجب نہیں کہ عین وہی وقت اس بشارت ملائکہ کا ہوتا ہو۔

اکبرالٰہ بادی نے اسے اپنی شاعرانہ زبان میں یوں کہا ہے۔

احساس ہی ایذا کا نہ رہا فریاد و فغاں میں کیا کرتا
آنکھ اپنی لڑی بھی قاتل سے جس وقت تہہ خنجر تھا گلا

ایک معاصر اہل تحقیق فاضل نے الفاظ مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ سے یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ نفس کے تقاضوں، مطالبوں، خواہشوں، شہوتوں کی کوئی حد ونہایت ہی نہیں، ناسوت کے تنگ ومحدود دائرے میں ان سب کے پورے ہوجانے کا کوئی امکان ہی نہیں یہ سب جنت کی لامحدود فضا میں پورے ہوسکیں گے۔

۳۰ یعنی یہ بے انداز و بے حساب نعمتیں ملیں گی بھی تو اس طرح نہیں جیسے سائل یا گداگر کو کوئی ٹکڑا مل جائے بلکہ بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ ملیں گی، جیسے کسی معزز مہمان کو میزبان کی طرف سے پیش ہوتی ہیں، اور میزبان کون ہوگا؟ خود حق تعالیٰ غفور رحیم، صفات مغفرت ورحمت سے بھرپور، اللہ اللہ کوئی حد ونہایت ہے، بندہ پروری، بندہ نوازی اور حد بھی عزت افزائی کی۔

(بحوالہ تفسیر سُوْرَةُ حٰمٓ سَجْدَة، حاشیہ نمبر ۲۹، ۳۰)

❁ ❁

حسن عمل کی قرآنی تصویر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ، وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۞ اور اس سے بہتر بات کس کی ہے جو (دوسروں کو) اللہ کی طرف بلائے اور خود نیک عمل کرے اور کہے کہ میں تو فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ (سورہ حم سجدہ)

اس آیت میں ایک مسلمان کی عملی زندگی کی پوری تصویر واضح کر دی گئی ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ دنیا کے تمام انسانوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے، اور اللہ کی طرف بلانے سے بہتر کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی، اس لئے بندۂ مومن کا مشغلہ بھی دعوت الی اللہ ہوتا ہے، اس کا نعرہ صرف نعرۂ توحید ہوتا ہے، وہ دنیا کے مختلف افکار و نظریات اور دوسرے مذاہب کے نعروں سے متاثر نہیں ہوتا، بلا خوف و خطر سب کو اللہ کا پیغام پہنچاتا ہے اور اسلام کی دعوت دیتا ہے، وہ نہ غیر اسلامی معاشی و سیاسی نظام کی دعوت دیتا ہے، اور نہ سیاسی قائدوں اور لیڈروں کے ساتھ ہو کر ان کے سیاسی افکار و نظریات کا پرچار کرتا ہے، بس جہاں تک اس کیلئے ممکن ہوتا ہے وہ سب کو اللہ کی بندگی کی طرف بلاتا ہے۔

ان کا جو کام ہے وہ اہل سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

معلوم ہوا کہ اس زمین پر داعی حق سے اونچا کسی کا مقام نہیں اور اللہ کی طرف دعوت دینے سے بہتر کوئی دعوت اور پکار نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کی طرف دعوت دینے والا بذات خود بھی نیک عمل کرتا ہے، جو کچھ کہتا ہے اس کے مطابق عمل بھی کرتا ہے، اس کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں ہوتا، وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے تمام احکام کا پابند ہوتا ہے، وہ عالم بے عمل نہیں ہوتا اس کی عملی زندگی آئینے کی طرح لوگوں کے سامنے ہوتی ہے اور اس کی عملی زندگی خود ایک تبلیغ ہوتی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس کو اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہوتا ہے، کیونکہ دنیا میں کسی انسان کیلئے سب سے بڑے فخر و ناز کی بات اس کا مسلمان ہونا ہے وہ اسلام کے علاوہ کسی خاندان، وطن اور ملک کی طرف نسبت کو اپنے لئے باعث فخر نہیں سمجھتا، وطن پرستوں کی طرح یہ نہیں کہتا کہ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں ہندوستانی ہوں یا پاکستانی عربی یا فارسی، بلکہ وہ ہر مجلس میں فخر کے ساتھ کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں، اور مجھے اس بات پر فخر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی نعمت سے نوازا، اسلام کے علاوہ دنیا میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں ہے جس پر فخر کیا جائے، اگر مسلمان اس نعمت بے مثال کو پانے کے بعد بھی کسی کے مقابلے میں اپنے آپ کو کمتر سمجھیں تو انتہائی بے غیرتی کی

بات ہے، مسلمان ہونے کے بعد اگر کوئی مسلمان اپنے کو پسماندہ اور پچھڑی ہوئی قوم سمجھتا ہے اور حکومت وقت کے سامنے اپنی پسماندگی کا اظہار کرتا ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔

کوئی شیر اگر گیدڑوں، بلیوں، بھینسوں کے سامنے اپنی پسماندگی کا اظہار کرے تو اس سے بڑی حیرت کی بات کوئی نہیں ہوسکتی، اس کا مطلب ہے کہ یا تو شیر نے اپنا شیر پنا کھودیا ہے یا اس کو بے حسی کا انجکشن لگادیا گیا ہے، وہ مسلمان جو غیر مسلم سیاسی قائدوں اور لیڈروں کو خوش کرنے کیلئے کسی سادھی پر پھول چڑھاتے ہیں اور ان کی غیر اسلامی تقریبات میں شریک ہوتے ہیں تو یہ اسلامی غیرت کے خلاف ہے، ان کو اسلام کے بلند مقام و مرتبہ کی خبر نہیں ہے، اگر ان کو اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہوتا تو وہ صاف کہہ دیتے کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمان ہونے پر مجھے فخر ہے، اس لئے اسلام کے خلاف میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا، میرے لئے وزارت وصدارت اور اسمبلی و پارلیمنٹ کی ممبر شپ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اس سلسلے میں ایک خبر بہت سبق آموز ہے اس کو نقل کررہا ہوں۔

دہلی کے رہنے والے حکیم جمشید محمد خاں لکھتے ہیں کہ، ایک بار میں اپنے ایک ہندو بھائی کے یہاں بیٹھا ہوا تھا وہاں پر ایک صاحب جو کہ وشو ہندو پریشد اور آر، ایس، ایس کے سرگرم ممبر ہیں وہ اور وہاں اور بھی کئی ہندو بھائی بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے مجھ سے سوال کیا، میاں جی آپ پہلے مسلمان ہو یا پہلے ہندوستانی؟ اچانک غیر متوقع سوال سے سوچ میں پڑ گیا، ان کا جواب اپنے مذہب کے دائرے میں سوچنے لگا، تب مجھے خیال آیا کہ یہ منہ زور قسم کے آدمی ہیں مذہبی دلائل کو تسلیم ہی نہیں کریں گے، میں جواب در جواب دیتا رہوں گا یہ رد کرتے رہیں گے۔

میں نے دل میں اپنے خدا سے دعا مانگی، اے میرے مالک جواب ایسا ہو جو یہ رد ہی نہ کرسکیں، بس اچانک مجھے رام لیلا میدان دہلی میں ایک آر، ایس، ایس کے جلسے میں اٹل بہاری صاحب کی کہی ہوئی تقریر یاد آگئی، اتفاق سے میں اس جلسے میں موجود تھا انہوں نے کہا تھا کہ: "میں بھارتی ہوتا ہوں تو کیول (صرف) بھارت سے جڑتا ہوں اور میں ہندو ہوتا ہوں تو پورے برہمانڈ (کائنات) سے جڑتا ہوں" میں نے جواب میں اٹل جی کے الفاظ دوہرا دیئے کہ: "میں ہندوستانی ہوتا ہوں تو صرف ہندوستان سے جڑتا ہوں اور مسلمان ہوتا ہوں تو پوری کائنات سے جڑتا ہوں" ساتھ میں اٹل جی کی تقریر کا حوالہ بھی دیا کہ اگر وہ چھوٹا نہیں ہونا چاہتے تو میں کیوں چھوٹا ہوں، اور وہ صاحب آر، ایس، ایس، کے سرگرم کارکن ہیں، وہ آر، ایس، ایس، کا بڑا تاریخی جلسہ تھا وہ صاحب جنہوں نے مجھ سے سوال کیا تھا لازمی طور پر اس جلسے میں شریک رہے ہوں گے اور اٹل جی کے خیالات ضرور سنے ہوں گے، میرے کہنے پر یاد بھی آگیا ہوگا، وہ بالکل خاموش ہوگئے، کسی طرح کا بھی ردعمل ان کی زبان پر نہیں تھا، خدا کے فضل سے زبان بالکل خاموش ہوگئی۔

(حکیم جمشید محمد خاں۔ ۲۲۸، شوا کھنڈ وشوکر ماگر جھلمل دہلی ۹۵ ہمارا اخبار، ۱۸؍دسمبر ۲۰۱۱ء بروز اتوار)

اب تفسیر ماجدی، جلد ششم، تفسیر سُوْرَة حٰم سَجْدَة کا حاشیہ نمبر ۳۱ پڑھئے،

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا'' دعوت الی اللہ کے ساتھ ضرورت خود بھی حسن عمل کی ہے، بلکہ اس قید نے یہ اشارہ کردیا کہ عالم بے عمل اور واعظ غیر متقی اس بشارت سے خارج ہے۔

قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ '' مؤمن کو چاہئے کہ اپنے مسلم ہونے پر فخر کرے، اس میں کسی قسم کا عار نہ سمجھے، اور اس فقرے کے یہ معنی نہیں کہ صرف زباں سے ان کلمات کا تلفظ کردے، بلکہ مراد یہ ہے کہ یہی اعتقاد رکھے۔ دَعَـا اِلَی اللّٰہ ''فقہاء نے اس کے تحت میں لکھا ہے کہ، خلوت و اعتزال و سکوتِ زاہدانہ سے امر بالمعروف اولیٰ و اشرف ہے۔

وَمَنْ'' اللہ، فقہاء نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بہترین قولی عبادت دعوت الی اللہ ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سُوْرَة حٰم سَجْدَة، حاشیہ نمبر ۳۱)

اقتباس

کوئی شیر اگر گیدڑوں، بلیوں، بھینسوں کے سامنے اپنی پسماندگی کا اظہار کرے تو اس سے بڑی حیرت کی بات کوئی نہیں ہو سکتی، اسکا مطلب ہے کہ یا تو شیر نے اپنا شیر پنا کھو دیا ہے یا اس کو بے حسی کا انجکشن لگا دیا گیا ہے، وہ مسلمان جو غیر مسلم سیاسی قائدوں اور لیڈروں کو خوش کرنے کیلئے کسی سادھی پر پھول چڑھاتے ہیں اور انکی غیر اسلامی تقریبات میں شریک ہوتے ہیں، تو یہ اسلامی غیرت کے خلاف ہے، ان کو اسلام کے بلند مقام و مرتبہ کی خبر نہیں ہے، اگر ان کو اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہوتا تو وہ صاف کہہ دیتے کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمان ہونے پر مجھے فخر ہے، اسلئے اسلام کے خلاف میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا، میرے لئے وزارت و صدارت اور اسمبلی و پارلیمنٹ کی ممبر شپ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اللہ کے نزدیک دنیا کتنی حقیر ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ، وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے تو جو لوگ (خدائے) رحمٰن سے کفر کرتے ہیں ان کے گھروں کی چھتیں ہم چاندی کی کر دیتے اور زینے بھی (چاندی کے کر دیتے) جن پر یہ چڑھا کرتے اور ان کے مکانوں کے دروازے (تک بھی) اور وہ تخت بھی جس پر یہ تکیہ لگا کر بیٹھے ہیں، اور سونے کی بھی (یہ چیزیں کر دیتے) لیکن یہ سب سامان صرف دنیاوی زندگی کی چند روزہ کامرانی ہے اور آخرت تو آپ کے پروردگار کے یہاں متقیوں (خدا ترسوں) ہی کیلئے ہے۔ (سورہ زخرف)

دنیا کی حقارت، اس کی بے ثباتی کے سلسلے میں یوں تو قرآن حکیم میں بہت سی آیات ہیں اور حدیث میں بھی کافی ذخیرہ موجود ہے، لیکن سورہ زخرف کی یہی آیت نمبر ۳۴/۳۵/ دنیا کی حقارت اور اس کی بے ثباتی اور بے قیمتی کے ثبوت کے لئے کافی ہے، اگر کوئی مسلمان ان آیتوں کو ذہن نشین کر لے اور بار بار پڑھے تو دنیا کی محبت اس کے دل سے نکل جائے گی حرص و طمع اور حسد کے جراثیم کا قلع قمع ہو جائے گا اور دنیا کی ترقی اور مادی خوش حالی کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھ سکتی۔

اللہ کے دشمنوں، اسلام کے باغیوں، آخرت کے منکروں کی مادی خوشحالی، دنیاوی ترقی، اور ان کے ٹھاٹھ باٹھ، ان کے شاندار مکانات ان کی شاندار گاڑیوں کو دیکھ کر بشری کمزوریوں کی وجہ سے مسلمان کچھ ملول اور رنجیدہ ہو سکتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلی دی کہ مال و دولت کی فراوانی اور دنیا کا ٹھاٹھ باٹھ اللہ کے نزدیک مقبولیت کی دلیل نہیں ہے، اس چند روزہ حقیر متاع دنیا کی اللہ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہے، آخرت کی دائمی کامیابی کے مقابلے میں ایک صبح و شام اور چند لمحوں کے عیش کی کیا حیثیت ہے، ہم تو مسلمانوں کا خیال کر کے کافروں کو پھر بھی کم دیتے ہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ کہیں دنیا کی ترقی ہی کو مقبولیت کی دلیل نہ سمجھ لیں اور سب کے سب کفر و شرک اور معصیت کے ایک ہی طریقے پر نہ ہو جائیں، تو کافروں، مشرکوں، نافرمانوں اور ملحدوں کے مکانات ان کے دروازوں ان کے مسہریوں اور تختوں کو چاندی اور سونے کا بنا دیتے۔

معلوم ہوا کہ اگر دنیا میں کافروں اور مشرکوں کے مکانات سونے اور چاندی کے بھی ہو جائیں تو وہ اس لائق نہیں ہیں کہ ان پر رشک کیا جائے اور للچائی ہوئی نظر ان کی طرف ڈالی جائے۔

اگر دنیا کی کچھ بھی حیثیت ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافروں کو اس دنیا میں کچھ بھی نہ دیتا ان کو اگر زیادہ دیا جا رہا ہے تو یہی اس بات کی علامت ہے کہ اللہ کے نزدیک دنیا کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

حضورﷺ نے فرمایا ہے کہ، لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَاسَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ" اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی حیثیت رکھتی تو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔ (بحوالہ، ترمذی)

راقم الحروف کا ایک شعر ہے ؎

بڑے احمق ہیں جو دنیا پہ فخر و ناز کرتے ہیں ☆ مجھے تو مچھروں کے پر پہ اترانا نہیں آتا

خواہش اور تمنا کرنے کی چیز تو صرف آخرت کی کامیابی اور جنت ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پرہیزگار بندوں کیلئے جنت کی تعمیر کی ہے، جس کے اسباب راحت، جس کی لذتوں اور جس کے پر کیف نظاروں کا اس دنیا میں تصور بھی محال ہے، تو اللہ تعالیٰ جس سے محبت کرتا ہے اس کے دل میں آخرت کا شوق پیدا کر دیتا ہے اور اس حقیر چندروزہ دنیا سے اس کو بے رغبت کر دیتا ہے۔ کہنے والے نے خوب کہا ہے کہ ؎

محبت اس کو دیتے ہیں جسے کچھ بھی نہیں دیتے
انھیں سب کچھ دیا ہے جن کو اس قابل نہیں سمجھا

معلوم ہوا کہ دنیا کی خوشحالی اور مال و دولت کی فراوانی کو کبھی بھی مقبولیت عنداللہ کی علامت نہیں سمجھنا چاہئے۔

ایک سبق آموز حکایت پڑھئے، ایک مرتبہ دو ماہی گیر ایک کافر، ایک مومن دجلہ کے کنارے مچھلی کے شکار کیلئے گئے، مومن ہر مرتبہ اللہ کا نام لے کر اپنا جال دریا میں ڈالتا تھا اور ہر مرتبہ اس کا جال خالی واپس آتا تھا، اور کافر ہر بار اپنے دیوی دیوتاؤں کا نام لے کر جال ڈالتا تھا اور جب اس کو نکالتا تھا تو اس میں مچھلیاں ضرور ہوتی تھیں، شام کے وقت صرف ایک مچھلی مومن کے جال میں آئی اور وہ بھی جال سے نکل گئی، کافر کے پاس مچھلیوں کا ڈھیر ہو گیا تھا اور مسلمان ماہی گیر اس حال پر بہت شرمندہ ہوا اور حیرت زدہ تھا، اس کافر نے اس کا حال دیکھ کر کہا کہ خالی ہاتھ واپس نہ جاؤ، یہ مچھلیاں ہمارے گھر تک پہنچا دو اس کی مزدوری تم کو مل جائے گی۔

فرشتوں کو اس کے حال پر بہت رحم آیا اور انہوں نے اللہ کے حضور عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار اس میں کیا حکمت ہے کہ آپ کے نام پر جو جال ڈالا جاتا تھا وہ خالی نکلتا تھا، اور باطل معبودوں اور خداؤں کے نام پر جو جال کافر ڈالتا تھا اس میں خوب مچھلیاں آجاتی تھیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ مسلمان جتنی بار جال پانی میں ڈالتا تھا اور اس کے خالی آنے پر غمگین اور شکستہ خاطر ہوتا تھا تو اتنی ہی بار میں اس کے صدمہ اور اس کی شکستہ دلی کی وجہ سے جنت میں اس کو ایک نیا درجہ عطاء کرتا تھا اور جب وہ کافر اپنے بتوں کے نام پر جال ڈالتا تھا اور مچھلیاں آنے پر خوش

ہوتا تھا تو میں اس کی خوشی کے بقدر جہنم میں ایک اور درجہ دینے کا حکم دیتا تھا۔

ما پروریم دشمن و ما کشیم دوست

کس را رسد نہ چوں و چرا در حضورِ ما

حضور ﷺ اس حقیر دنیا سے کتنا تعلق رکھتے تھے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل روایت سے کر سکتے ہیں۔

حضرت عمرؓ فاروق ایک مرتبہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے دیکھا کہ کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی ایک چٹائی پر لیٹے ہیں آپ کے جسم مبارک پر چٹائی کے گہرے نشانات پڑ گئے ہیں، سرہانے چمڑے کا ایک تکیہ ہے جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی ہے، یہ حالت دیکھ کر عمرؓ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں، حضور ﷺ نے رونے کا سبب پوچھا تو عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ،

يَانَبِيَّ اللّٰهِ وَمَالِيَ لَا اَبْكِيْ وَهٰذَا الْحَصِيْرُ قَدْ اَثَّرَفِيْ جَنْبِكَ وَذٰلِكَ قَيْصَرُ وَكِسْرٰى فِي الثِّمَارِ وَالْاَنْهَارِ وَاَنْتَ نَبِيُّ اللّٰهِ وَصَفْوَتُهٗ "اے اللہ کے رسول ﷺ میری آنکھوں سے کیوں نہ آنسو بہے جب کہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی پشت مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے ہیں اور یہ قیصر و کسریٰ (جو اللہ کے دشمن ہیں) باغوں میں عیش و آرام کر رہے ہیں اور شاندار چشموں سے سیراب ہو رہے ہیں اور آپ اللہ کے محبوب اور منتخب پیغمبر ہیں اور آپ کا یہ حال ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے جواب دیا کہ، اُولٰٓئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْاٰخِرَةُ "یہ وہ لوگ ہیں جن کے عیش و آرام کی چیزیں اسی دنیا ہی میں مل گئی ہیں (آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں) اے ابن خطاب کیا تم کو یہ پسند نہیں ہے کہ ان کیلئے تو دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت۔ (بحوالہ۔ بخاری و مسلم)

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پینے کیلئے پانی مانگا لوگوں نے پانی میں شہد ملا کر پیش کیا آپ جیسے ہی اسے منہ کے پاس لے گئے آنکھوں سے آنسو امنڈ پڑے اور اس قدر روئے کہ ریش مبارک تر ہوگئی، جب سکون ہوا تو آپ سے رونے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ، میں ایک روز حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کسی چیز کو دُور دُور فرما رہے تھے میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ کیا چیز ہے جس کو دور دور فرما رہے ہیں، مجھے تو کوئی چیز نظر نہیں آتی؟ آپ ﷺ نے فرمایا، دنیا مجسم ہو کر میرے سامنے آئی تھی میں نے اس کو دور کر دیا، اس وقت مجھے وہی بات یاد آگئی اور میں ڈرا کہ شاید میں دنیا کے جال میں نہ پھنس جاؤں (بحوالہ۔ اسد الغابۃ)

حضرت فضیل بن عیاضؒ نے دنیا کے بارے میں فرمایا ہے کہ اگر اپنی تمام تر آرائش اور آسائشوں کے

ساتھ مجھے دنیا مل جائے اور کہہ دیا جائے کہ اس کے استعمال کے بارے میں کوئی حساب وکتاب نہیں ہوگا، جب بھی میں اس سے اس طرح بچوں گا جس طرح تم لوگ مردار کھانے سے بچتے ہو۔

(اب تفسیر ماجدی، جلد ششم، تفسیر سُوْرَۃ زُخْرُف کا حاشیہ نمبر ۲۶/۲۵ پڑھیے)

مطلب یہ ہوا کہ دنیا اور اس کا سارا ساز وسامان اللہ کے ہاں اس قدر حقیر و بے وقعت ہے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ خلقت کا رجحان تمام تر کفر کی طرف ہو جاتا اور قریب قریب سبھی ملت کفر اختیار کرنے لگتے تو اللہ صرف کافروں ہی کو دولت دنیوی وسامان مادّی سے نوازتا، یہاں تک کہ ان کے گھر، در، فرنیچر، سب کو چاندی سونے سے منڈھ دیتا، سب کو چاندی سونے کا بنا دیتا، ایسا ہوتا تو لوگ یہی سمجھنے لگتے کہ مقبولیت طریق کفر کو حاصل ہے اور اسی طرف جھک پڑتے۔

آیت سے نکل آیا کہ مال وجاہ کی افراط نقصان وحرمان ہی کا باعث ہوتی ہے۔

۲۶ یعنی دنیا تو پوری کی پوری ہاتھ آجانے کے بعد بھی بہر حال فانی ہی ہے، سرتاسر ناقابل قدر و ناقابل طلب، قابل قدر اور قابل طلب تو آخرت ہے، اور وہ تقویٰ یعنی ایمان وطاعت ہی سے حاصل ہوتی ہے، علماءِ حق نے کہا ہے کہ آیت سے چار مضمون پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ مومنین کے حق میں رعایت کہ کہیں پھسل نہ جائیں اور دولت کو رضائے الٰہی سمجھنے لگیں۔

۲۔ آخرت کی تخصیص مومنین ومتقین کے لئے۔

۳۔ دنیا کی تحقیر اور اس کی اصلاً تخصیص کافروں کے ساتھ۔

۴۔ چاندی اور سونے کی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ کہ جو چیز کافروں کے سزاوار ہے مومن کے پسند کی نہ ہونا چاہئے۔

بالفرض یہ سب کچھ ہو جائے اوڑھنا بچھونا سونے چاندی کا ہو جائے جب بھی کیا اور کے دن کا؟

مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا" دنیوی زندگی کی عارضی فانی، چند روزہ چمک دمک۔

وَالْاٰخِرَۃُ عِنْدَ رَبِّکَ لِلْمُتَّقِیْنَ" آخرت کی دولت سرمدی جو اہل ایمان وتقویٰ کا حصہ ہے اس کا اور اس دنیا کا مقابلہ ہی کیا۔ (بحوالہ، تفسیر سُوْرَۃ زُخْرُف، حاشیہ نمبر ۲۶/۲۵)

قرآن، ذکرِ الٰہی اور صحبت کی اہمیت

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿٣٦﴾ اور جو کوئی آنکھ چرائے (خدائے) رحمٰن کی یاد سے ہم اس پر مسلط کر دیتے ہیں ایک شیطان، پس وہ اسکا ساتھی ہو جاتا ہے۔ (الزُخرُف)

انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے، اس لئے کسی انسان پر مسلط ہو جانا اور اس کا ساتھی ہو جانا انتہائی خطرناک بات ہے، جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اللہ کی کتاب اور اللہ کی یاد سے اعراض کرتے ہیں، ان پر تو شیطان مسلط ہو ہی جاتا ہے اور شیطان ان کا رفیق اور ہم سفر بن جاتا ہے، لیکن ایمان والوں کیلئے بہت ڈرنے کی بات ہے، اگر ان پر شیطان مسلط ہو جائے اور شیطان ان کو اپنا ساتھی بنا لے۔

شیطان کے اندر اتنی طاقت نہیں ہے کہ کسی بندۂ مومن کو اپنا ساتھی بنا سکے، بس وہ گھات میں لگا رہتا ہے، جب کہیں کوئی کمزوری پاتا ہے تو حملہ کر دیتا ہے، اگر کوئی مسلمان اللہ کے ذکر اور اللہ کے احکام سے آنکھ چراتا ہے اور اللہ کی نافرمانی کرنے لگتا ہے اور برے لوگوں کی صحبت میں رہنے لگتا ہے، تو شیطان کیلئے اس کو ساتھی بنانا آسان ہو جاتا ہے، اللہ کے احکام سے اعراض اور اللہ کے ذکر سے آنکھ چرانے کی وجہ سے جب شیطان کسی کا ساتھی ہو جاتا ہے تو دوزخ تک اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا، کیونکہ شیطان کا مشن ہی یہ ہے کہ جیسے بھی ممکن ہو اللہ کے بندوں کو دوزخ کے پلیٹ فارم پر اتار دیا جائے۔

شیطان جب کسی کا ساتھی ہو جاتا ہے تو عقل مسخ ہو جاتی ہے اور راہِ حق سجھائی نہیں دیتی، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس غلط راستے پر وہ چلتا ہے اسی کو صحیح سمجھتا ہے اور اسکے سامنے جو ہلاکت کا گڈھا ہے وہ نظر نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو عَشْو کا لفظ استعمال کیا ہے اس میں بہت جامعیت ہے، اس کے معنی ہی ہوتے ہیں سامنے نہ دکھائی دینا، اسی لئے عربی زبان میں اس اونٹنی کیلئے لفظ عَشْوَاء استعمال ہوتا ہے جس کو سامنے دکھائی نہ دے، ظاہر ہے ایسی اونٹنی جس کو سامنے نظر نہ آئے وہ کسی گڈھے میں گر سکتی ہے اور کہیں بھی ایکسیڈینٹ کا شکار ہو سکتی ہے، اسی طرح اللہ کی یاد سے وہی اعراض کرے گا جس کو یہ نہ دکھائی دے کہ حق سے اعراض کرنے کے نتیجے میں سامنے اس کا کیا انجام ہونے والا ہے۔

اگر آدمی کو یہ دکھائی دینے لگے کہ نماز نہ پڑھنے اذان کی آواز سننے کے بعد مسجد کی طرف قدم نہ بڑھانے اور سنت رسول ﷺ کے مطابق داڑھی نہ رکھنے کا کیا انجام سامنے آنے والا ہے، تو وہ اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے ڈرے گا، لیکن جب وہ اللہ کے احکام سے اعراض کرنے لگتا ہے، مسلسل اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کئے جاتا ہے اور اللہ کی باتوں سے اندھا بنا رہتا ہے تو شیطان اس کا ساتھی ہو جاتا ہے، شیطان کے حملے سے بچنے کیلئے بس یہی نسخہ ہے کہ

آدمی اللہ کی کتاب قرآنِ مجید کو مضبوطی سے پکڑے رہے، اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہو اور نیک لوگوں کی صحبت میں رہے، پھر انشاء اللہ شیطان کی ہمت نہیں ہوگی کہ اس کو اپنا ساتھی بنا سکے اور اپنے دام فریب میں پھنسا سکے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد ششم، تفسیر سُوۡرَۃ زُخۡرُف کا حاشیہ نمبر ۲۷ پڑھئے۔

آیت سے جب یہ معلوم ہوا کہ قرآن وذکر الٰہی کی طرف سے ارادی غفلت ہی تسلطِ شیطان کا باعث ہوتی ہے تو اس مصیبت سے بچنے کا یہ کھلا ہوا علاج بھی نکل آیا کہ قرآن وذکر کی طرف مشغولی دوام رہے۔

صحبتِ صالح کی بھی کتنی اہمیت آیت سے نکل آئی، آج اپنے اپنے جلیسوں ہم صحبتوں کا جائزہ ذرا ایمان وعرفان کی عینک سے لیا جائے تو خدا معلوم کتنے شیاطینِ وقت اپنے اردگرد، اپنی مجلسوں اور اپنے معاشرہ میں گھسے ہوئے نظر آئیں گے۔ (بحوالہ، تفسیر سُوۡرَۃ زُخۡرُف، حاشیہ نمبر ۲۷)

اقتباس

شیطان کے اندر اتنی طاقت نہیں ہے کہ کسی بندۂ مومن کو اپنا ساتھی بنا سکے، بس وہ گھات میں لگا رہتا ہے، جب کہیں کوئی کمزروی پاتا ہے تو حملہ کر دیتا ہے، اگر کوئی مسلمان اللہ کے ذکر اور اللہ کے احکام سے آنکھ چراتا ہے اور اللہ کی نافرمانی کرنے لگتا ہے اور برے لوگوں کی صحبت میں رہنے لگتا ہے، تو شیطان کیلئے اس کو ساتھی بنانا آسان ہو جاتا ہے، اللہ کے احکام سے اعراض اور اللہ کے ذکر سے آنکھ چرانے کی وجہ سے جب شیطان کسی کا ساتھی ہو جاتا ہے تو دوزخ تک اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا، کیونکہ شیطان کا مشن ہی یہ ہے کہ جیسے بھی ممکن ہو اللہ کے بندوں کو دوزخ کے پلیٹ فارم پر اتار دیا جائے۔

اللہ اکبر، بندۂ مومن کا کتنا اونچا مقام ہے

ساری کائنات اللہ کی مطیع وفرمانبردار ہے اور اس کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی حمد وتسبیح میں نغمہ سنج رہتا ہے، اللہ کی حمد وتسبیح میں سب کے لہجے مختلف ہوتے ہیں یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی پرندہ جس لہجے میں اللہ کی حمد بیان کر رہا ہے اور کوئی درخت جس انداز سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہا ہے ہر انسان اس کو سمجھ سکے، کوئی آدمی یہ نہ سوچے کہ احساس وادراک اور اللہ کی آواز کو سننے کی صلاحیت صرف انسان کے اندر پائی جاتی ہے، بلکہ کائنات کے ذرے ذرے میں ادراک اور اللہ کی آواز کو سننے کی صلاحیت موجود ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ یہ کیوں فرماتے کہ اگر ہم قرآن مجید کو پہاڑ پر نازل کردیتے تو وہ بھی اللہ کے خوف اور اس کی خشیت سے پھٹ جاتا۔

نمرود کی بھڑکائی ہوئی آگ جس میں حضرت ابراھیمؑ کو ڈالا گیا تھا جب اللہ نے اس کو حکم دیا،

قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ " اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی ہو جا۔

تو اللہ کے اس حکم کو سن کر اعتدال کے ساتھ آگ ٹھنڈی ہوگئی، اگر آگ میں ادراک کی صلاحیت نہ ہوتی تو وہ کیسے اللہ کی آواز کو سنتی اور حکم الٰہی کی تعمیل میں فوراً ٹھنڈی ہو جاتی، حضرت ابراھیمؑ اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کے گلے پر پوری طاقت سے چھری چلا رہے ہیں، لیکن وہ اپنا کام کیوں نہیں کر رہی ہے؟ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دے دیا کہ اسمٰعیلؑ کے گلے کو ذرا سا بھی خراش نہ پہنچاؤ، اگر چھری کے اندر ادراک کی صلاحیت نہ ہوتی تو کیسے اپنے طبعی عمل سے باز آتی۔

جب ساری کائنات اللہ کی مطیع وفرمانبردار ہے تو اس کو مناسبت بھی انہیں انسانوں سے ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے فرماں بردار ہیں، اللہ کے نافرمانوں، باغیوں، کافروں، مشرکوں اور ملحدوں سے زمین وآسمان خوش نہیں رہتے، بلکہ نفرت کرتے ہیں اور ان کے وجود کو ایک بوجھ سمجھتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ زمین وآسمان اور پہاڑوں کو نہ روکتے تو کافروں اور مشرکوں کے اوپر گر کر ان کو ہلاک کردیتے، سمندر کی طوفانی لہریں ساحل پر اچھل کر سارے نافرمانوں کو ڈبو دیتیں، یہی وجہ ہے کہ جب کافر ومشرک اور اللہ کا کوئی نافرمان مرتا ہے تو زمین وآسمان خوش ہوتے ہیں اور اس پر روتے نہیں، لیکن جب بندۂ مومن کا انتقال ہوتا ہے تو زمین وآسمان سب روتے ہیں، اللہ اکبر، اللہ کے نزدیک بندۂ مومن کا کتنا اونچا مقام ہے کہ ساری کائنات اس سے محبت رکھتی ہے۔

حقیقت ہے کہ اس کائنات میں جو بھی بہار ہے وہ ایمان والوں کی وجہ سے ہے، کائنات کے ذرے ذرے کو یہ احساس ہے کہ اس کا وجود اہل ایمان ہی کے وجود کی برکت سے ہے، اس لئے پوری کائنات اہل ایمان کیلئے دعاء کرتی ہے، کیونکہ اگر ایمان والے اس دنیا میں نہیں رہیں گے تو پورے عالم پر خزاں کا موسم چھا جائے

گا، اہل ایمان کو کبھی بھی اپنی قلت تعداد کا شکوہ نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ ساری کائنات مسلم ہے اور مسلمانوں کے ساتھ ہے اگر کسی مسلمان پر دنیا کا کوئی آدمی آنسو بہانے والا نہ ہو تو بھی غم کی بات نہیں ہے، کیونکہ ساری کائنات اس کے غم میں آنسو بہانے کیلئے تیار ہے۔

فرعون اور فرعونی ظالم تھے، اللہ کے باغی اور نافرمان تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ،

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ۝ تو ان پر نہ آسمان وزمین روئے اور نہ انھیں مہلت ملی۔ (سورہ، دخان)

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ یہ زمین وآسمان، کافروں، مشرکوں اور نافرمانوں کی ہلاکت پر افسوس نہیں کرتے، اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل ایمان کے انتقال پر زمین وآسمان آنسو بہاتے ہیں۔

بندۂ مومن کے انتقال پر زمین وآسمان کے رونے کا تذکرہ حدیث میں بھی ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آسمان میں ہر بندے کیلئے دو دروازے مقرر ہیں، ایک سے اس کا رزق نازل ہوتا ہے دوسرے سے اس کا عمل اور اس کی گفتگو اوپر پہنچتی ہے، چنانچہ جب اس بندے کا انتقال ہوتا ہے تو یہ دروازے اس کو یاد کرکے روتے ہیں، اسکے بعد آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی، فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ ''نہ ان پر آسمان رویا نہ زمین۔ (بحوالہ، ابن کثیر)

حضرت شریح بن عبید حضرمیؒ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو مومن بھی ایسی غریب الوطنی کی حالت میں مرتا ہے کہ اس پر کوئی رونیوالا نہ ہو، تو اس پر آسمان وزمین روتے ہیں، پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ یہ زمین وآسمان کسی کافر پر نہیں روتے۔ (بحوالہ، ابن جریر)

اب تفسیر ماجدی، جلد ششم، تفسیر سُوْرَةُ الدُّخَانُ کا حاشیہ نمبر ۱۹ اپڑھئے،

پہلے یہ حقیقت ذہن نشین کرلی جائے کہ کائنات کی کوئی سی بھی شئی ہو بڑی سے بڑی یا چھوٹی سے چھوٹی، احساس وشعور کسی نہ کسی درجہ میں ضرور رکھتی ہے، اسکے بعد یہ سمجھئے کہ آسمان اور زمین میں بھی ان کے مرتبہ کے لائق شعور موجود ہے، اسی سے وہ مومن کے مرتبہ کا ادراک کرکے اس کی وفات پر غمگین ہوتے ہیں۔

حکیم کائنات ودانائے فطرت، محمد رسول ﷺ نے فرمایا ہے ''مَامِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَلَهُ بَابَانِ بَابٌ يَصْعَدُمِنْهُ عَمَلُهُ وَبَابٌ يَنْزِلُ مِنْهُ رِزْقُهُ فَاِذَامَاتَ بَكَيَاعَلَيْهِ'' مومن جب مرجاتا ہے تو آسمان کا وہ دروازہ جس سے اس کے عمل کا صعود ہوتا تھا اور وہ دروازہ جس سے اس کے رزق کا نزول ہوتا تھا اس پر روتے ہیں۔ (بحوالہ، ترمذی)

آپ ﷺ کے رفیق وتلمیذ خاص حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ، وَاَخْرَجَ اِبْنُ الْمُنْذِرِ وَغَيْرُهُ عَنْ عَلِيٍّؓ اَنَّهُ قَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَامَاتَ بَكٰى عَلَيْهِ مُصَلَّاهُ مِنَ الْاَرْضِ وَمَصْعَدُ عَمَلِهٖ مِنَ السَّمَاءِ" جب مومن مرتا ہے تو زمین میں اس کے نماز پڑھنے کی جگہ اور آسمان میں اس کے عمل کے صعود کرنے کی جگہ یہ دونوں اس پر روتی ہیں۔ (بحوالہ، روح المعانی، جلد ۲۵ر)

آسمان وزمین کا رونا ظاہر ہے کہ انسان کی طرح آنسوؤں سے رونا نہیں ہوتا، یہ رونا انھیں کے مرتبہ وجود کے لائق ہوتا ہوگا اور یہ اثر فرعونیوں کے کمال مبغوضیت کا تھا کہ آسمان وزمین کسی کو ان پر رونا نہ آیا۔ (بحوالہ، تفسیر سُوْرَةُ الدُّخَانِ، حاشیہ نمبر ۱۹ر)

❁❁

اقتباس

جب ساری کائنات اللہ کی مطیع وفرمانبردار ہے تو اس کو مناسبت بھی انہی انسانوں سے ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے فرمانبردار ہیں، اللہ کے نافرمانوں، باغیوں، کافروں، مشرکوں اور ملحدوں سے زمین وآسمان خوش نہیں رہتے، بلکہ نفرت کرتے ہیں اور ان کے وجود کو ایک بوجھ سمجھتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ زمین وآسمان اور پہاڑوں کو نہ روکتے تو کافروں اور مشرکوں کے اوپر گر کر ان کو ہلاک کر دیتے، سمندر کی طوفانی لہریں ساحل پر اچھل کر سارے نافرمانوں کو ڈبو دیتیں، یہی وجہ ہے کہ جب کافر ومشرک اور اللہ کا کوئی نافرمان مرتا ہے تو زمین وآسمان خوش ہوتے ہیں اور اس پر روتے نہیں، لیکن جب بندۂ مومن کا انتقال ہوتا ہے تو زمین وآسمان سب روتے ہیں۔

زندگی کا مقصد محض کھانا پینا نہیں ہے

اس زمین پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار مخلوق ہے، زمین پر چلنے والے چوپائے ہیں، گائے ہیں، بھینس، بیل، بکریاں، گدھے، خچر اور گھوڑے ہیں، فضا میں اڑنے والے بے شمار پرندے ہیں، لیکن ان تمام مخلوقات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو سب سے زیادہ اشرف وافضل بنایا، تو ظاہر ہے اس کی تخلیق کا کوئی عظیم مقصد ہے۔

ایک بکری کھاتی ہے پیتی ہے، اچھلتی ہے کودتی ہے، لیکن اس کو یہ نہیں معلوم کہ میں اس لئے کھا رہی ہوں کہ میرے تھنوں میں دودھ زیادہ آجائے، اسی طرح جتنے بھی جانور ہیں سب کھاتے پیتے ہیں اور روزی کی تلاش میں رہتے ہیں اور بسا اوقات انسان سے اچھا کھاتے ہیں، ان کی جلد انسان کے لباس سے زیادہ خوبصورت ہوتی ہے لیکن ان کو یہ نہیں معلوم کہ ہماری جلد کیوں اتنی خوبصورت ہے؟ کسی جانور، بیل، بھینس، بھیڑ و بکری کے سامنے آپ شاندار تقریر کریں خوب گل افشانی گفتار کا مظاہرہ کریں، لیکن ان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا کہ آپ کی تقریر کا کیا مقصد ہے؟ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ وہ کون سی منطق اور کون سا فلسفہ ہے جس کو آپ بیان کر رہے ہیں۔

اگر انسان بھی انھیں جانوروں کی طرح کھا پی رہا ہے، لباس پہن رہا ہے کانوں سے سن رہا ہے، آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، زبان سے بول رہا ہے، لیکن اس کو نہیں معلوم کہ میں کیوں کھا رہا ہوں؟ میرے کھانے پینے کا مقصد کیا ہے؟ میں کپڑا کیوں پہن رہا ہوں؟ مجھ کو کون کھلا رہا ہے، پلا رہا ہے؟ سننے، دیکھنے، بولنے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مجھ کو کیوں دی گئی ہے، تو اس کی زندگی اور جانور کی زندگی میں کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ جانور اس سے بہتر ہیں، کیونکہ جانور تو بہرحال کسی نہ کسی طرح انسان کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔

بے مقصد زندگی گذارنے والوں اور با مقصد زندگی گذارنے والوں کی پوری تصویر قرآن میں واضح کر دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾ اور جو کافر ہیں وہ خوش وقتی کر رہے ہیں اور کھا (پی) رہے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے (پیتے) ہیں اور آگ ہی ان کا ٹھکانا ہے۔ (سورہ، محمد)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کو استعمال کریں تو اللہ کو پہچانیں اور اللہ کی بندگی کریں، اسی لئے ان کو اللہ کی نعمتوں کو استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں تو ان کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کو استعمال کریں، اس کی ہواؤں میں سانس لیں اور اس کے نازل کئے ہوئے پانی سے سیراب ہوں، اسی لئے ان کا ٹھکانا دوزخ ہے کہ وہ بلا مقصد زندگی گذار رہے ہیں اور بلا استحقاق اللہ کی نعمتوں کو استعمال کر رہے ہیں، آج انسانیت اس دور میں حیوانیت کی اس سطح تک پہنچ گئی ہے

جہاں اس نے معاشیات اور مادّی ترقیات ہی کو قبلہ وکعبہ بنالیا ہے جس کے گرد طواف کرتا ہے اور مادّی ترقی کیلئے علیحدہ صفا ومروہ بنالیا ہے، جس کے درمیان دن رات سعی کرتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے مادہ پرستی کے اس خطرناک دور کی طرف اشارہ بھی فرمایا دیا تھا کہ، یَاتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ هِمَّتُهُمْ بُطُوْنَهُمْ وَشَرَفُهُمْ مَتَاعُهُمْ وَقِبْلَتُهُمْ نِسَاءُ هُمْ وَدِیْنُهُمْ دَرَاهِمُهُمْ اُوْلٰٓئِکَ شَرُّ الْخَلْقِ لَاخَلَاقَ لَهُمْ" یعنی: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ان کا سب سے بڑا مقصد پیٹ ہوجائے گا اور اسی پیٹ کے موضوع پر ان کے بڑے بڑے مقالے ہوں گے اور بڑے بڑے لکچر دیئے جائیں گے، دنیا کے چندروزہ سازوسامان اور دنیا کی ترقی کو اپنے لئے شرف وفضیلت کی چیز سمجھیں گے، ان کی عورتیں ہی ان کا مرکز وقبلہ ہوں گی، درہم ودینار اور روپیہ پیسہ ہی ان کا دین ومذہب ہوجائے گا، یہ لوگ بدترین مخلوق ہیں، ان کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ (بحوالہ، مسند احمد)

خانۂ کعبہ کے طواف اور صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے کے بعد تو لوگ آرام بھی کرتے ہیں لیکن پیٹ اور معاشی ترقی کو قبلہ وکعبہ بنانے والے رات دن اس کے اردگرد چکر لگا رہے ہیں، دن کو بھی دوڑ رہے ہیں اور رات کو بھی دوڑ رہے ہیں، اور نیند کی حالت میں بھی اس دنیاوی ترقی کا خواب دیکھ رہے ہیں، پھر بھی ان کی ہوس پوری نہیں ہورہی ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت دنیا میں دنیا والوں کا سب سے بڑا کوئی شیخ اور پیر ہے تو بس پیٹ اور مادّی ترقی ہے، تو شاید اس حقیقت سے کوئی انکار نہ کرسکے۔

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ نے ایک مرتبہ ایک دلچسپ حکایت بیان فرمائی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چند آدمی ریل سے سفر کررہے تھے، وقت گذاری کیلئے انہوں نے ایک دوسرے کے حالات دریافت کرنے شروع کئے، موضوع یہ تھا کہ کون کس سے بیعت ہے، سب نے کسی نہ کسی کا نام لیا، قریب ہی ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے جو گفتگو میں حصہ نہیں لے رہے تھے اور بالکل خاموش تھے، جب سب اپنے اپنے پیروں کا ذکر کرچکے تو ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ صاحب آپ اتنی دیر سے خاموش بیٹھے ہوئے ہیں آپ بھی تو بتایئے کہ آپ کا پیر کون ہے؟ ان صاحب نے بڑے اطمینان سے اپنے پیٹ سے کرتا ہٹایا اور اس پر ہاتھ پھیر کر جواب دیا کہ میرے پیر صاحب یہ ہیں۔

ہماری موجودہ دنیا سے متعلق آج جو بھی کہا جائے اور لکھا جائے اس میں شبہ نہیں کہ اس کا سب سے بڑا مذہب "نفس پرستی" اور اس کا سب سے بڑا پیر "شکم" ہے اور یہ ایسا بین الاقوامی پیر ہے کہ اس کا حلقۂ ارادت مشرق ومغرب اور عرب وعجم ہر جگہ پھیلا ہوا ہے اس کا سکہ ہر ملک میں رواں ہے۔

(بحوالہ، تذکرہ سید شاہ علم اللہ حسنیؒ رائے بریلوی)

آج معاشی ترقی کا بھوت اس قدر لوگوں پر سوار ہوگیا ہے کہ جو بھی کام کیا جارہا ہے اس کا محرک بس پیٹ ہی ہوتا ہے، نرسری اسکول ہے تو پیٹ کیلئے، کالج اور یونیورسٹی ہے تو پیٹ کیلئے، تعلیمی ترقی ہے تو پیٹ کیلئے، یہاں تک کہ بہت سے اسلامی مدرسے بھی قائم کئے جارہے ہیں تو پیٹ کیلئے، جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ بہت سے اسلامی مدارس بھی تجارت ہوگئے، بہت سے بزرگ مدرسہ قائم کرکے خود ساختہ شیخ اور ناظم بن جاتے ہیں خوب چندہ کرتے ہیں اور قوم کے سرمایہ سے ٹھاٹھ باٹھ کرتے ہیں، پھر وراثت بھی چلنے لگتی ہے، اپنی زندگی ہی میں اپنے بچوں کو اس کا وارث بنادیتے ہیں تاکہ ان کا معاشی مسئلہ بھی حل ہوجائے۔

معلوم ہوتا ہے کہ پیٹ کا دائرہ اتنا وسیع ہوگیا ہے اور ہوتا جارہا ہے کہ اس نے دنیا کی اکثر آبادی کو گھیر لیا ہے، بہر حال جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ معاشی ترقی اور مادّی خوشحالی کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دیتے، ان کے نزدیک زندگی کھانے پینے کیلئے نہیں ہے بلکہ کھانا زندگی کیلئے ہے، وہ کھانے پینے کو زندگی کا مقصد نہیں بناتے، ان کی نگاہ ہر وقت آخرت کی کامیابی کی طرف ہوتی ہے، وہ جانتے ہیں کہ اس دنیا کا وجود آخرت کی تیاری کے لئے ہوا ہے، اس لئے دنیا سے بقدر ضرورت تعلق رکھتے ہوئے اپنا وقت اللہ کی بندگی میں گذارتے ہیں، یہ چندروزہ زندگی تو روکھی سوکھی روٹی اور چند کپڑوں میں بھی گذر جائے گی، اس مختصر زندگی کیلئے بہت زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں ہے۔ راقم الحروف کا ایک شعر ہے،

آخرت کا ہے مسافر کون اس کو دیکھئے
سامان اس دنیا میں اس کا مختصر ہوجاتا ہے

دنیا میں دو قسم کے عاشق ہیں، جن کی صورت حال بہت خطرناک ہوتی ہے ایک تو وہ ہے جو کسی لڑکی کے عشق میں گرفتار ہوجاتا ہے اور دوسرا وہ ہے جس کو دنیا سے عشق ہوتا ہے، لڑکی سے عشق کرنے والوں کا مختلف قسم کی دواؤں اور تدبیروں سے علاج بھی ہوجاتا ہے لیکن دنیا ئے عاشق کا پاگل پن عاشق مجازی سے کئی درجہ بڑھا ہوا ہوتا ہے، اس کا مرض عشق عمر کے ساتھ بڑھتا چلا جاتا ہے، وہ پاگلوں کی طرح دن رات دنیا کے ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہے۔

دنیا کے عاشقوں کے بارے میں رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ، "لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَتَمَنّٰى وَادِيًا ثَالِثًا" یعنی: اگر آدم کے بیٹے کے پاس مال و دولت کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کی تمنا کرتا ہے۔ (اس کی حرص بڑھتی ہی جاتی ہے)

دنیا ایک ایسی خطرناک معشوقہ ہے جس کی زلف دراز میں پھنسنے کے بعد نکلنا مشکل ہوجاتا ہے، یہ دنیا اس کو زندگی کی آخری سانس تک پھنسائے رہتی ہے، یہاں تک کہ انتہائی بیکسی اور بے چارگی کے ساتھ قبر میں چلا جاتا ہے، دنیا کے مجازی عاشقوں کے پاگل پن کے سلسلے میں جو جدید تحقیق ہوئی ہے اس کو یہاں نقل کر رہا ہوں،

یہی صورت حال ہو بہو دنیا کے عاشقوں کی بھی ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر ہے۔

لندن (پی، ٹی، آئی) سائنسدانوں نے یہ پتہ لگالیا ہے کہ پیار و محبت اور کسی کے عشق میں گرفتار ہونے سے کیوں مت ماری جاتی ہے، اہل تحقیق نے عشق میں گرفتار شخص کے دماغ میں ہونے والی کیمیائی تبدیلی کی پیائش کرلی ہے اور یہ پتہ لگایا ہے کہ عشق میں پاگل ہوتے وقت دماغ کے کون سے حصے کام کرنا شروع کردیتے ہیں اور کون سے ٹھپ پڑ جاتے ہیں، اسکیننگ تکنیک سے سائنسدانوں نے اس راز کا پردہ فاش کیا ہے کہ عشق میں پڑنے پر کوئی شخص کیوں چنچل، دیوانہ اور مضحکہ خیز تک ہوجاتا ہے اور یہ بھی کہ پیار ہمیں کیوں نروس اور غیر متوازن بنادیتا ہے۔

سائنسدانوں نے پایا کہ کسی شخص کے عشق میں گرفتار ہونے پر اس کے دماغ میں فیصلہ لینے میں اہم رول ادا کرنے والا کورٹیکس بند ہوجاتا ہے ایم، آر، آئی اسکین سے پتہ چلتا ہے کہ کورٹیکس تبھی ٹھپ پڑتا ہے جب متعلقہ شخص کو اس کے سب سے زیادہ محبوب شخص کی تصویر دکھائی جاتی ہے۔

یونیورسٹی کالج لندن کے نیورو اسٹھی ٹیکس کے پروفیسر ''سیمرذکی'' نے کہا کہ جب آپ اس شخص کی طرف دیکھتے ہیں جسے آپ بے انتہا چاہتے ہیں تو آپ کے دماغ کے کچھ حصے سرگرم ہوجاتے ہیں، لیکن ایک بڑا حصہ ناکارہ ہوجاتا ہے اس میں وہ حصہ بھی شامل ہوتا ہے جو فیصلہ لینے کا کام کرتا ہے۔

ریسرچ میں یہ بھی پتہ چلا ہے کہ عشق میں گرفتار لوگوں کے دماغ میں ''ڈوپامائین'' نامی کیمیکل کی اعلیٰ مقدار بڑھ جاتی ہے، عشق میں گرفتار ہونے کے وقت دماغ میں ''ڈوپامائین'' ہماری خوشی، دکھ درد خواہش، عادت وغیرہ جیسے تجربات سے جڑا ہوتا ہے اور اس کی مقدار میں اضافہ ہونے پر عشق میں گرفتار شخص کی حالت نشہ آور جیسی ہوجاتی ہے، جسے کسی بھی دلیل کے سہارے اس سے باہر نہیں نکالا جاسکتا۔

تجربات سے پتہ چلتا ہے کہ کوکین جیسی نشیلی اشیاء کے استعمال سے وہی مسرت ہوتی ہے جو عشق میں گرفتار پر ڈوپامائین کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (بحوالہ۔ روزنامہ راشٹریہ سہارا لکھنؤ، ۱۲ر نومبر ۲۰۱۲ء)

مجازی عاشقوں کی طرح دنیا پرست بھی دنیا کے عشق میں پاگل ہوجاتا ہے، دونوں قسم کے دنیاوی عاشقوں کا کیا انجام ہوتا ہے اس کے بارے میں غالب نے خوب کہا ہے کہ،

عشق نے غالب نکما کردیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

حقیقت ہے کہ دنیا کا عشق آدمی کو پاگل مخبوط الحواس اور دیوانہ بنا ہی دیتا ہے، اس ناکارہ عشق کے مقابلے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جو سچا عشق ہوتا ہے وہ انسان کو بلند مقام تک پہنچا دیتا ہے، حقیقت ہے کہ اللہ اور

اس کے رسول ﷺ سے عشق اور دنیا سے بے رغبتی اور آخرت سے محبت ہی انسانیت کی معراج ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جو عشق ہوتا ہے اس سے عقل وفہم، حکمت ومعرفت اور عزیمت وبصیرت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

مجازی عاشق اور دنیا سے محبت کرنیوالے اور کھانے پینے ہی کو مقصد زندگی بنانے والے دن بدن بوڑھے ہونے لگتے ہیں، ان کی قوت ارادی کمزور ہونے لگتی ہے، اور دنیا سے انتہائی حد تک پیار کرنے کی وجہ سے ان کے دماغ میں ڈوپامائین کیمیکل اتنا بڑھ جاتا ہے کہ وہ خودکشی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے عشق کرنے والا، اور آخرت پر نظر رکھنے والا دن بدن جوان ہوتا جاتا ہے، اس کے خیالات وجذبات میں روحانی کرنٹ دوڑتا رہتا ہے، جس کی وجہ سے دن بدن اس کی قوت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

مولانا محمد احمد پرتا بگڈھیؒ نے غالب کے شعر میں ترمیم کرتے ہوئے خوب کہا ہے کہ۔

عشق نے احمد مجلّیٰ کردیا

ورنہ ہم بھی آدمی تھے نام کے

حقیقت ہے کہ دماغ میں ڈوپامائین کیمیکل کی مقدار بڑھ جانے کی وجہ سے جو پاگل ہو گیا ہو وہی اس دنیائے فانی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا سکتا ہے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد ششم، تفسیر سورہ محمد کا حاشیہ نمبر ۱۴ پڑھئے۔

(اس لئے کہ انہوں نے ساری زندگی سوالِ آخرت اور اپنی ذمہ داری سے بالکل بےفکر ہو کر گذاری)

تَمَتُّعْ یہاں مطلق عیش کے مرادف نہیں بلکہ اس میں وقتی لذت اور لطف عاجل کا مفہوم شامل ہے اس لئے ترجمہ بجائے عیش کے خوش وقتی سے کیا گیا ہے، كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ (جس طرح چوپائے کھاتے پیتے ہیں) کھاتا پیتا تو مومن بھی ہے، اس تشبیہ نے کافر کے کھانے کو مسلم کے کھانے سے بالکل الگ کر دیا اور یہ وہی فرق ہے جسے شیخ سعدیؒ نے بھی اپنے ایک مشہور شعر میں واضح کر دیا ہے۔

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است

تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

منکر وخدا فراموش کے آگے ذمہ داری کوئی نہیں ہوتی اسے ہر طرح بس اپنی ہوس بجھانا ہوتی ہے، پیٹ ہی کا سوال اس کیلئے پہلا اور آخری سوال رہتا ہے، بہ خلاف اس کے مومن اپنی ذمہ داریوں سے کسی حال میں غافل نہیں ہوتا، آمدنی کے ذرائع جائز ہیں یا ناجائز، خرچ کن چیزوں میں ہو رہا ہے، کھانے پینے کی غایت ومآل کیا ہے؟ غرض حلال وحرام کے حدود وقیود اس کیلئے قدم قدم پر ہیں۔

چوپایوں کا مقصد زندگی میں بجز کھانے پینے اور افزائش نسل کے کچھ نہیں ہوتا، انہیں اور کسی غرض

وغایت سے کوئی بحث نہیں ہوتی، انسان صاحب عقل وفہم ہے اس کیلئے کھانا پینا حاصل زندگی نہیں، بلکہ زندگی کے پروگرام کا صرف ایک محدود جزء ہوتا ہے، فکرِ آخرت مومن کی زندگی کے اور سارے شعبوں کی طرح کھانے پینے کے باب میں چوکنا اور بیدار رکھتی ہے، آخرت فراموشی میں پڑ کر جو اہل حکومت واہل سیاست روٹی ہی کے مسئلے کے حل میں لگے رہتے ہیں اور پیٹ کے سوال کو سب سے بڑا سوال سمجھتے ہیں وہ الفاظ اور اصطلاحات کیسے ہی شاندار بولیں، بہر حال اَنعام یا چوپایوں ہی کی سطح شعور پر۔

(بحوالہ، تفسیر سورہ محمد، حاشیہ نمبر ۱۴)

اقتباس

دنیا میں دو قسم کے عاشق ہیں، جن کی صورت حال بہت خطرناک ہوتی ہے ایک تو وہ ہے جو کسی لڑکی کے عشق میں گرفتار ہو جاتا ہے اور دوسرا وہ ہے جس کو دنیا سے عشق ہوتا ہے، لڑکی سے عشق کرنے والوں کا مختلف قسم کی دواؤں اور تدبیروں سے علاج بھی ہو جاتا ہے لیکن دنیا کے عاشق کا پاگل پن عاشق مجازی سے کئی درجہ بڑھا ہوا ہوتا ہے، اس کا مرض عشق عمر کے ساتھ بڑھتا چلا جاتا ہے، وہ پاگلوں کی طرح دن رات دنیا کے ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہے۔

دنیا کے عاشقوں کے بارے میں رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ،
لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَتَمَنّٰى وَادِيًا ثَالِثًا" یعنی: اگر آدم کے بیٹے کے پاس مال ودولت کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کی تمنا کرتا ہے۔ (اس کی حرص بڑھتی ہی جاتی ہے)

اگر حق کی طلب نہ ہو تو صحبت کا بھی اثر نہیں ہوتا

اگر کسی مریض کے دل میں اپنی بیماری کے علاج کے سلسلے میں سچی طلب نہیں ہے تو بڑے سے بڑے ڈاکٹر اور حکیم کی صحبت میں جا کر بیٹھے اور علاج کے سلسلے میں ڈاکٹر کی قیمتی باتوں کو سنے، لیکن اس سے اس کو فائدہ نہیں ہوگا، بالکل یہی حال دینی مجلسوں میں علماءِ کرام کی صحبتوں میں بیٹھنے والوں کا بھی ہے، اگر کوئی آدمی اخلاص نیت اور صدقِ طلب کے ساتھ مجلس میں نہیں آیا ہے، اپنے دل میں کچھ کھوٹ چھپائے ہوئے ہے، تو اسکو کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔

راقم الحروف کا ایک شعر ہے، ؎

صدقِ طلب سے آئیں تو کچھ آ کے پائیے
صدقِ طلب نہیں ہے تو کیا آئیے کیا جائیے

ابلیس کو کتنا اچھا ماحول ملا تھا اور کتنی اچھی صحبت ملی تھی، آسمان میں فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا، آسمان سے زیادہ نورانی اور روحانی مجلس کہاں ہو سکتی ہے، لیکن وہ مخلص نہیں تھا، اس کے اندر قبول حق کیلئے سچی طلب نہیں تھی، اس لئے اس پاکیزہ اور نورانی ماحول میں بھی رہ کر ہدایت سے محروم رہا، اور اتنا بڑا محروم کہ حرماں نصیبی میں اس سے بڑھ کر کوئی نہیں، بالکل یہی حال عہدِ رسالت میں منافقوں کا تھا، حضور اکرم ﷺ کی بابرکت مجلس میں بیٹھتے تھے، لیکن ان کے دلوں میں نہ اخلاص تھا، نہ حق کی سچی طلب تھی، اس لئے اس بابرکت مجلس میں بیٹھ کر بھی محروم رہے۔

کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

کعبہ بھی گئے پر نہ گیا عشق بتوں کا
زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

یہ منافق جان بوجھ کر اتنے بے خیال رہتے تھے کہ جب حضور اکرم ﷺ کی مجلس سے اٹھ کر باہر آتے تھے تو صحابہ کرامؓ سے پوچھتے کہ ابھی انہوں نے کیا ارشاد فرمایا تھا، یہ نالائق خوب جانتے تھے کہ کیا ارشاد فرمایا ہے، ان کے پوچھنے کا مطلب درپردہ صرف یہ ہوتا تھا کہ ان کی بات (نعوذ باللہ) اس لائق نہیں ہے کہ اس پر توجہ دی جائے، اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کیلئے "اُوْتُوا الْعِلْمَ" کا جملہ استعمال کیا ہے، یعنی وہ صاحب علم ہیں، علم والے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ علم اللہ کی معرفت کا نام ہے، جس علم کا تعلق اللہ کی معرفت اور آخرت سے نہ ہو اس کو علم نہیں کہا جا سکتا جو لوگ مادی علوم و فنون، سائنس و ٹکنالوجی اور علوم عصریہ کو اعلیٰ تعلیم کہتے ہیں وہ علم کی توہین کرتے ہیں۔

بہر حال آج جو بڑی تعداد میں جلسے، جلوس ہو رہے ہیں اور ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں لوگ اکٹھا ہو جاتے ہیں لیکن سننے والوں کی زندگی میں کوئی دینی انقلاب نہیں آتا، یہاں تک کہ بعض لوگ بڑے بڑے

بزرگوں اور مشائخ طریقت کی صحبت میں عمر گذار دیتے ہیں لیکن دنیا کی محبت دل سے نہیں نکلتی، تو اس کا واحد سبب اخلاص نیت اور صدقِ طلب کا فقدان ہے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد ششم تفسیر سورہ محمد کا حاشیہ نمبر ۱۸ر پڑھئے۔

ان کے چہرے بشرے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی گفتگو کو غور و توجہ سے سن رہے ہیں حالانکہ واقعہ یہ نہیں، بیان منافقین کا ہے "اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ" یعنی: صاحب علم و معرفت صحابیان کرامؓ "عِلْم" محل مدح میں قرآن میں جہاں کہیں بھی آیا ہے، کہیں بھی "عُلُوم" ظاہری وفنون مادّی مراد نہیں، ہر جگہ علمِ حقیقت و معرفت مراد ہے۔

(یہ منافقین) مجلس رسول میں بیٹھنے کے بعد بھی ایسے کورے رہتے ہیں کہ جب باہر نکلتے ہیں تو اہل علم ایمان سے پوچھتے ہیں کہ یہ ابھی کیا ارشاد ہوا تھا؟

محض صحبت و ہم نشینی بڑے سے بڑے مرشد کے پاس بھی بے اثر رہتی ہے جب تک بیٹھنے والے کے دل میں قصد استفادہ نہ ہو۔ (تفسیر سورہ محمد حاشیہ نمبر ۱۸ر)

اقتباس

اگر کسی مریض کے دل میں اپنی بیماری کے علاج کے سلسلے میں سچی طلب نہیں ہے تو بڑے سے بڑے ڈاکٹر اور حکیم کی صحبت میں جاکر بیٹھے اور علاج کے سلسلے میں ڈاکٹر کی قیمتی باتوں کو سنے، لیکن اس سے اس کو فائدہ نہیں ہوگا، بالکل یہی حال دینی مجلسوں میں علماءِ کرام کی صحبتوں میں بیٹھنے والوں کا بھی ہے، اگر کوئی آدمی اخلاصِ نیت اور صدقِ طلب کے ساتھ مجلس میں نہیں آیا ہے، اپنے دل میں کچھ کھوٹ چھپائے ہوئے ہے، تو اس کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔

ایمان کے بعد گناہ کا نام ہی برا ہے

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ تاکیدی حکم دیا ہے کہ وہ کسی مسلمان کو برے لقب سے نہ پکاریں، ایک مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی نگاہ میں قابل احترام ہوتا ہے، اس لئے اس کی طرف کسی برے لقب کو منسوب کر کے اس کے دل کو ٹھیس پہنچانا گناہ ہے، کسی مسلمان سے خطاب کرتے وقت یہ نہیں کہنا چاہئے کہ اے اندھے، اے لنگڑے، اگرچہ وہ اندھا اور لنگڑا ہو، اسی طرح کوئی انصاری ہے یا دُھنیا ہے تو یہ نہیں کہنا چاہئے کہ اے جولا ہے اے دُھنیا، البتہ اگر لفظ انصاری کو اپنے لئے وہ ناگوار نہیں سمجھتا تو انصاری صاحب کہا جا سکتا ہے، اسی طرح کوئی اندھا آدمی حکیم نابینا کے لقب سے مشہور ہو گیا ہو اور اس لقب کو ناپسند نہیں کرتا تو اس کو "حکیم نابینا" کہا جا سکتا ہے لیکن یہ یاد رہے کہ حکیم نابینا صاحب سے گفتگو کے وقت یہ نہیں کہنا چاہئے کہ اے نابینا صاحب ذرا ادھر بھی متوجہ ہوں۔ وغیرہ

اسی طرح کسی کا تعلق پہلے چمار کی برادری سے تھا اور اس نے اسلام قبول کر لیا تو اس کو اے چمار، چمار کی اولاد جیسے القاب سے پکارنا جائز نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی مسلمان کسی گناہ سے تائب ہو چکا ہو تو سابقہ گناہوں کو اس کی طرف منسوب کر کے نہیں پکارنا چاہئے کہ اے چور، اے زانی، اے ڈاکو، اے شرابی۔ وغیرہ

سورہ حجرات کی یہ آیت، بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَان" (ایمان کے بعد گناہ کا نام ہی برا ہے) کے حسین مفہوم اور اس کے تقاضوں کو مسلمان اپنے سامنے رکھیں تو ان کی زندگی میں دینی انقلاب آ جائے۔

مثال کے طور پر ہر آدمی جانتا ہے کہ شیر فطری طور پر ایک بہادر جانور ہے اگر شیر کے اندر ہوش و حواس ہے تو وہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کے نام کے ساتھ لفظ بزدل کو چسپاں کیا جائے۔

اسی طرح لفظ "مسلم" بہت ہی پاکیزہ، نازک اور باغیرت نام ہے، وہ اپنے آگے پیچھے کسی بھی مذموم صفت کے انتساب کو برداشت نہیں کرتا، اس لئے مسلمانوں کو اس طرح زندگی گذارنی چاہئے کہ کسی کو بھی یہ جرأت نہ ہو کہ اس کے نام کے ساتھ کوئی مذموم اور غیر سنجیدہ صفت منسوب کر سکے۔

مثال کے طور پر چور مسلمان، بے ایمان مسلمان، ڈاکو مسلمان، ظالم مسلمان، رشوت خور مسلمان، سود خور مسلمان، خائن مسلمان، غاصب مسلمان، عیاش مسلمان، فلمی ہیرو مسلمان، ڈرامہ نویس مسلمان، شرابی مسلمان، جواری مسلمان، بے نمازی مسلمان، بے پردہ مسلم خاتون، بے شرم مسلمان عورت، داڑھی منڈا مسلمان، فلمساز مسلمان، ہیروئن مسلم خاتون، شمع محفل مسلم خاتون، اسی طرح کسی ایسے مدرسے اور ادارے کے ساتھ بھی لفظ مسلم کو نہیں چسپاں کرنا چاہئے جہاں کا ماحول اسلامی نہ ہو، جیسے کہا جاتا ہے کہ مسلم انٹر کالج، مسلم گرلس کالج، مسلم یونیورسٹی۔ وغیرہ

بہر حال لفظ مسلم کی طرف کسی مذموم صفت کا انتساب ہو یا کسی غیر اسلامی ادارے کی طرف مسلم کا

انتساب ہو دونوں اسلامی غیرت کے خلاف ہے، جیسا کہ اس آیت میں کہا گیا ہے کہ، بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ" یعنی ایمان کے بعد گناہ کا نام ہی برا ہے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد ششم، تفسیر سُوْرَةُ الْحُجُرَات کا حاشیہ نمبر ۴۱ ارپڑھئے۔

مطلب یہ ہے کہ گناہ کا نام لگنا ہی برا اور قابل نفرت ہے، اور ان حرکتوں کے بعد یہی کہا جائے گا کہ فلاں مسلمان، مسلمان ہو کر اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔ (بحوالہ، تفسیر سُوْرَةُ الْحُجُرَات، حاشیہ نمبر ۱۶)

اقتباس

کسی مسلمان سے خطاب کرتے وقت یہ نہیں کہنا چاہئے کہ اے اندھے، اے لنگڑے، اگرچہ وہ اندھا اور لنگڑا ہو، اسی طرح کوئی انصاری ہے یا دُھنیا ہے تو یہ نہیں کہنا چاھئے کہ اے جولاہے، اے دُھنیا، البتہ اگر لفظ انصاری کو اپنے لئے وہ ناگوار نہیں سمجھتا تو انصاری صاحب کہا جا سکتا ہے، اسی طرح کوئی اندھا آدمی حکیم نابینا کے لقب سے مشہور ہو گیا ہو اور اس لقب کو ناپسند نہیں کرتا تو اس کو "حکیم نابینا" کہا جا سکتا ہے لیکن یہ یاد رہے کہ حکیم نابینا صاحب سے گفتگو کے وقت یہ نہیں کہنا چاہئے کہ اے نابینا صاحب ذرا ادھر بھی متوجہ ہوں۔ وغیرہ

اسی طرح کسی کا تعلق پہلے چمار کی برادری سے تھا اور اس نے اسلام قبول کر لیا تو اس کو اے چمار، چمار کی اولاد جیسے القاب سے پکارنا جائز نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی مسلمان کسی گناہ سے تائب ہو چکا ہو تو سابقہ گناہوں کو اس کی طرف منسوب کر کے نہیں پکارنا چاہئے کہ اے چور، اے زانی، اے ڈاکو، اے شرابی۔ وغیرہ

ہر لفظ نوٹ ہو رہا ہے، کس قدر ڈرنے کی بات ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿۱۸﴾ وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالتا مگر یہ کہ اس کے پاس ہی ایک تاک میں لگا رہنے والا (فرشتہ) تیار رہتا ہے۔ (سورہ، ق)

اگر حکومت کی طرف سے ہر مکان کی دیوار پر اور راستے کے مختلف مقامات پر لوگوں کی گفتگو کو ٹیپ کرنے کیلئے کوئی مشین فٹ کر دی جائے اور یہ اعلان کر دیا جائے کہ جن لوگوں کی بات حکومت کے خلاف ہوگی ان کو گرفتار کر لیا جائے گا اور سخت سے سخت سزا دی جائے گی، تو کیا ایسی صورت میں کوئی آدمی یہ جرأت کرے گا کہ بلا سوچے سمجھے جو چاہئے بکتا رہے اور قینچی کی طرح اپنی زبان چلاتا ہے، ظاہر ہے ہر آدمی پر خوف طاری رہے گا اور خاموشی چھا جائے گی اور جو بات بھی آدمی اپنے منہ سے نکالے گا سوچ سمجھ کر نکالے گا۔

اب ذرا سوچئے اگر کسی مسلمان کو اس بات کا استحضار رہے کہ اللہ کے فرشتے ہر آدمی کے ساتھ رہتے ہیں اور زبان سے کوئی بات نکلتے ہی اس کو نوٹ کر لیتے ہیں، تو کیا بلا سوچے سمجھے اور انجام پر غور کئے بغیر کوئی مسلمان اپنی زبان سے کچھ بولنے کی جرأت کرے گا، حقیقت ہے کہ اس پر سکون اور خاموشی کا عالم طاری ہو جائے گا۔

جو لوگ اللہ کے سامنے حاضری پر یقین رکھتے ہیں وہ زبان کے سلسلے میں کس قدر محتاط رہتے ہیں اور کتنا ڈرتے ہیں اس کا اندازہ یہاں صرف دو مثالوں سے لگا سکتے ہیں۔

ایک بار حضرت عمرؓ حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس آئے دیکھا تو وہ اپنی زبان پکڑ کر کھینچ رہے ہیں حضرت عمرؓ نے کہا کہ اللہ آپ کو معاف فرمائے ایسا نہ کیجئے حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا، اسی زبان نے تو مجھے برباد کیا ہے۔ (بحوالہ، موطا امام مالک)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں کیا کوئی سوچ سکتا ہے کہ ان کی زبان مبارک سے ہماری جیسی کوئی بات نکلی ہوگی، لیکن اسکے بعد بھی وہ اپنی زبان کے ساتھ کیا معاملہ کر رہے ہیں گویا اس کو سزا دے رہے ہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ نمونہ ہم کو ہر وقت اپنے سامنے رکھنا چاہئے اور اپنا احتساب کرنا چاہئے کہ ہم اپنی زبان کی طرف سے کتنے غافل ہیں اور کتنے بے پرواہ ہیں، جو بھی منہ میں آتا ہے زبان سے نکال دیتے ہیں۔

ایک اور بزرگ کا واقعہ پڑھئے، حضرت حسان بن سنانؒ ایک جگہ جا رہے تھے، راستہ میں ایک مکان نظر پڑ گیا جو پہلے سے وہاں نہ تھا، کہنے لگے کہ یہ مکان کب بنا ہے؟ پھر اپنے نفس کو خطاب کر کے کہا تو نے فضول بات کیوں پوچھی، تجھے اس سے کیا غرض تھی کہ یہ کب بنا، تجھے ایک سال روزہ رکھنے کی سزا دوں گا۔ (بحوالہ، فضائل صدقات، حصہ دوم، از حضرت شیخ زکریاؒ)

لایعنی اور غیر ضروری باتوں سے بچنے کو حضورِ اکرم ﷺ نے اسلام کا حسن کہا ہے جیسا کہ روایت ہے، مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهُ مَالَا یَعْنِیْهِ" آدمی کے اسلام کے حسن وکمال میں سے یہ بھی ہے کہ جو بات اس کیلئے ضروری اور مفید نہ ہواس کو چھوڑ دے۔ (بحوالہ، ترمذی)

زبان کی حفاظت کے سلسلے میں یہاں کچھ احادیث نقل کر رہا ہوں ان کو بار بار پڑھئے اور اللہ تعالیٰ سے دعاء کیجئے کہ ہم سب کو زبان کی حفاظت کی توفیق دے اور زبان کے فتنہ اور اس کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

ایک مرتبہ حضرت معاذؓ کے پوچھنے پر حضورِ اکرم ﷺ نے جنت میں لے جانے والے اعمال کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ،" اَلَا اُخْبِرُکَ بِمِلَاکِ ذٰلِکَ کُلِّهٖ قُلْتُ بَلٰی یَانَبِیَّ اللّٰهِ ﷺ فَاَخَذَ بِلِسَانِهٖ فَقَالَ کُفَّ عَلَیْکَ هٰذَا فَقُلْتُ یَانَبِیَّ اللّٰهِ ﷺ وَاِنَّا لَمُؤَاخَذُوْنَ بِمَانَتَکَلَّمُ بِهٖ قَالَ ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ یَامُعَاذُ وَهَلْ یَکُبُّ النَّاسَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ اَوْ عَلٰی مَنَاخِرِهِمْ اَلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ"

حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو وہ چیز بھی بتادوں جس پر ان سب کا دارومدار ہے، حضرت معاذؓ کہتے ہیں میں نے عرض کیا، ہاں اے اللہ کے رسول ﷺ وہ چیز بھی ضرور بتلا دیجئے، پس آپ ﷺ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا اس کو روکو (قابو میں رکھو) حضرت معاذؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ ہم جو باتیں کرتے ہیں کیا ان پر بھی ہم سے مواخذہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، اے معاذ تجھے تیری ماں روئے (عربی محاورہ میں یہ پیار کا کلمہ ہے) آدمی کو دوزخ میں ان کے منہ کے بل یا ان کی ناکوں کے بل (زیادہ تر) ان کی زبانوں کی بیبا کانہ باتیں ہی گرائیں گی۔ (بحوالہ، احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَفَعَهٗ قَالَ اِذَااَصْبَحَ اِبْنُ آدَمَ فَاِنَّ الْاَعْضَاءَ کُلَّهَا تُکَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُوْلُ اِتَّقِ اللّٰهَ فِیْنَا فَاِنَّا نَحْنُ بِکَ فَاِنِ اسْتَقَمْتَ اِسْتَقَمْنَاوَاِنْ اِعْوَجَجْتَ اِعْوَجَجْنَا"

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب آدمی صبح کرتا ہے تو اس کے تمام اعضاء عاجزی اور لجاحت کے ساتھ زبان سے کہتے ہیں کہ ہمارے بارے میں اللہ سے ڈر، کیونکہ ہم تیرے ہی ساتھ بندھے ہوئے ہیں تو ٹھیک رہی تو ہم بھی ٹھیک رہیں گے اور اگر تو نے غلط روی اختیار کی تو ہم بھی غلط روی کریں گے، (پھر اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا) (بحوالہ، ترمذی)

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَمَتَ نَجَا" حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔ (رواہ احمد، ترمذی، بیہقی)

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَقِیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ مَاالنَّجَاةُ؟ فَقَالَ اَمْلِکْ عَلَیْکَ لِسَانَکَ وَلْیَسَعْکَ بَیْتُکَ وَابْکِ عَلٰی خَطِیْئَتِکَ" حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ نجات حاصل کرنے کا کیا

طریقہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ زبان پر قابو رکھو (وہ بے محل نہ چلے) اور تمہارا گھر تمہارے لئے وسیع ہو (یعنی بلاضرورت گھر سے باہر نہ جاؤ) اور اپنے گناہوں پر آنسو بہاؤ۔ (بحوالہ، احمد، ترمذی)

عَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حِطَّانَ قَالَ اَتَیْتُ اَبَاذَرٍّ فَوَجَدْتُهٗ فِی الْمَسْجِدِ مُحْتَبِیًا بِکِسَاءٍ اَسْوَدَ فَقُلْتُ یَااَبَاذَرٍّ مَاهٰذِهِ الْوَحْدَةُ ؟ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ الْوَحْدَةُ خَیْرٌ مِّنْ جَلِیْسِ السُّوْءِ وَ الْجَلِیْسُ الصَّالِحُ خَیْرٌ مِّنَ الْوَحْدَةِ وَاِمْلَاءُ الْخَیْرِ خَیْرٌ مِّنَ السُّکُوْتِ وَالسُّکُوْتُ خَیْرٌ مِنْ اِمْلَاءِ الشَّرِ"

حضرت عمران بن حطان تابعیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت ابوذر غفاریؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے ان کو مسجد میں اس حالت میں دیکھا کہ ایک کالی کملی لپیٹے ہوئے بالکل اکیلے بیٹھے ہیں، میں نے عرض کیا اے ابوذرؓ یہ تنہائی اور یکسوئی کیسی ہے؟ یعنی آپ نے اس طرح بالکل اکیلے اور سب سے الگ تھلگ رہنا کیوں اختیار فرمایا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ برے ساتھیوں کی ہم نشینی سے اکیلے رہنا اچھا ہے، اور اچھے ساتھی کے ساتھ بیٹھنا تنہائی سے بہتر ہے، اور کسی کو اچھی باتیں بتانا خاموش رہنے سے بہتر ہے، اور بری باتیں بتانے سے بہتر خاموش رہنا ہے۔ (بحوالہ، شعب الایمان، بیہقی)

صحابہ کرام نے حضور ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ، کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَوِیْلَ الصَّمْتِ" رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ خاموش رہتے تھے۔ (رَوَاہ البغوی فِی شَرحِ السُّنَّةِ)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ، وَلَایَتَکَلَّمُ اِلَّا فِیْمَا یَرْجُوْ ثَوَابَهٗ" آپ صرف وہی بات کرتے تھے جس پر آپ کو ثواب کی امید ہوتی تھی۔ (رَوَاہ الطبرانی فِی الْکَبِیْرَۃ)

اب تفسیر ماجدی، جلد ہفتم، تفسیر سورہ ق کا حاشیہ نمبر ۱۳ پڑھئے۔

اعمال کے بعد اب ذکر اقوال کا ہو رہا ہے، منہ سے ادھر بات نکلی نہیں کہ ادھر کاتب فرشتوں نے اسے نوٹ کرلیا، بات اگر اچھی ہے تو اسے بھی اور بری ہے تو اسے بھی، اللہ اکبر، کیا ٹھکانہ ہے انسان کی ذمہ داریوں کا وہ اللہ کا نائب بنا کر دنیا میں بھیجا گیا ہے، وہ دن رات کے چوبیس گھنٹوں کیلئے گھنٹے کے ہر منٹ کے ہر پل کیلئے ذمہ دار ہے، غفلت کی مہلت اسے ایک پل کیلئے بھی نہیں، آیت کا استحضار رہے تو مسلمان سے کبھی بھی گناہ صادر نہ ہو سکے؟ اللہ نے اپنے یہاں کا یہ ضابطہ بتا کر مسلمان کیلئے راہ عمل کتنی آسان کردی ہے۔ (بحوالہ، تفسیر سورہ، ق، حاشیہ نمبر ۱۳/ر)

دنیا ہی کو علم و تحقیق کا موضوع بنانے والے اندھے ہیں

دریا کے اندر مچھلیوں کی کانفرنس منعقد ہے، پانی کے اندر مختلف قسم کی غذاؤں نیز اس خوبصورت چارے پر بحث ہو رہی ہے جس کو کسی شکاری نے دریا میں پھینکا ہے، بعض پڑھی لکھی مچھلیاں اس چارے کی خوبصورتی کو اپنا موضوع بحث بنائے ہوئے ہیں اور بعض پروفیسر قسم کی مچھلیاں اس خوبصورت چارے کے وٹامنز پر بحث کر رہی ہیں کہ یہ ہمارے لئے بہت ہی قوت بخش غذاء ہے۔

لیکن انہی مچھلیوں میں ایک ہوشیار مچھلی بھی ہے جس کی نگاہ بہت تیز ہے، دریا کے باہر مچھلیوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے اس کا اس نے مشاہدہ کیا ہے، اس لئے وہ سمجھا رہی ہے کہ ان خوبصورت چاروں اور خوبصورت شوگر کوٹیڈ کیپسولوں سے دلچسپی نہ لو، اس میں تمہاری موت چھپی ہوئی ہے، باہر کے حالات کو نظر انداز کر کے یہاں ترقی اور لذت کام و دہن کا خواب نہ دیکھو، ورنہ اس کا بہت ہی ہولناک منظر تمہارے سامنے آئے گا، لیکن اس مخلص اور خیر خواہ مچھلی کی بات کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کیونکہ ہر مچھلی دریا میں پھینکے ہوئے ان شوگر کوٹیڈ خوبصورت کیپسولوں ہی کی طرف اپنی نگاہ حرص جمائے ہوئے ہے۔

بالکل یہی حال دنیا پرستوں کا بھی ہے، ان سے جب کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا چند روزہ ہے، یہ خزاں ہے جس کو تم بشکل بہار دیکھ رہے ہو، اس سے دھوکا مت کھاؤ، اس دنیا کے بعد جو آنے والی زندگی ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، وہاں کا آرام بھی دائمی ہے، وہاں کی تکلیف بھی دائمی ہے، اگر آخرت کو نظر انداز کر کے اسی دنیا کے سنوارنے اور سجانے میں لگے رہے تو ہمیشہ دوزخ کی آگ میں جلنا ہوگا، تو یہ بات ان دنیا پرستوں کی سمجھ میں نہیں آتی وہ نصیحت کرنیوالے کی باتوں سے رخ پھیر لیتے ہیں، کیونکہ نادان مچھلیوں کی طرح ان کو صرف دنیا ہی کے چند روزہ اسباب عیش و راحت نظر آتے ہیں اس دنیا کے بعد جو سخت سے سخت مراحل آنیوالے ہیں ان کو دکھائی نہیں دیتے۔

ان دنیا پرست دانشوروں کا حال یہ ہے کہ سمندر کو نظر انداز کر کے انگلی پر لگے ہوئے پانی پر ریسرچ کر رہے ہیں اور اسی کو اپنا مسئلہ بنا رکھا ہے، بڑے بڑے سیمینار انگلی پر لگے ہوئے پانی کی تحقیق پر منعقد کرتے ہیں، اور دنیا کی ترقی کیلئے بڑے بڑے منصوبے بناتے ہیں، کالج و یونیورسٹی، بڑے بڑے کارخانے، سائنٹفک ریسرچ سنٹر قائم کرتے ہیں، الغرض جو کام بھی کرتے ہیں صرف دنیا کیلئے، جبکہ آخرت کے مقابلے میں اس دنیا کی اتنی بھی حیثیت نہیں ہے جتنی کہ سمندر کے مقابلے میں انگلی پر لگے ہوئے پانی کی ہے، تو یہ کتنی بڑی حماقت ہے کہ سمندر کو یعنی آخرت کو چھوڑ کر انگلی پر لگے ہوئے پانی یعنی دنیا کو اپنی زندگی کا مقصد اور اپنی ساری سرگرمیوں کا محور بنایا جائے۔

ان دنیا پرستوں کی تصویر ایک اور مثال کے آئینے میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ایک چھوٹی بچی کپڑے یا پلاسٹک کی بنی ہوئی گڑیا کو اپنے سینے سے لگائے رکھتی ہے اور اس سے کس قدر محبت کرتی ہے اس کا اندازہ کسی دوسرے کو نہیں ہوسکتا، اس گڑیا کو اپنے ساتھ لے کر سوتی ہے، اس کو بوسہ دیتی ہے، اس کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرتی ہے، اگر سونے اور ہیرے جواہرات کا قیمتی سے قیمتی ہار اس کو دکھائیے اور کہئے کہ اے بچی اس ہار کو لے لو اور اس گڑیا کو دے دو، اور پھر لاکھ اس ہار کی اہمیت اور قیمت اس کے سامنے بیان کریں، لیکن وہ بچی اس کے بدلے اپنی محبوب بے قیمت گڑیا کو دینے کیلئے تیار نہیں ہوگی اور آپ کی کوئی نصیحت اس پر اثر انداز نہیں ہوگی، اگر اس کے ہاتھ سے اس گڑیا کو چھیننے کی کوشش کریں گے تو وہ روتے روتے بے حال ہو جائے گی اور بس چلے تو اس کیلئے جان بھی دینے کیلئے تیار ہو جائے گی۔

حقیقت ہے کہ اس نادان بچی سے بھی زیادہ احمق اور نادان وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس حقیر دنیا کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہے، اور اس میں اس طرح گم ہیں کہ آخرت کی وسیع اور ہمیشہ رہنے والی دنیا ان کو نظر نہیں آرہی ہے بہرحال جو لوگ اللہ کی باتوں سے اعراض کرتے ہیں انہوں نے دنیا ہی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہے، ان کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، ان کے علم کی پہنچ بس اسی دنیا تک ہے۔

یہ حال تو کافروں کا ہے، اگر مسلمان بھی اللہ کی اطاعت سے غافل ہو جائیں اور دنیا ہی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیں تو بہت خطرے کی علامت ہے، اور آج کچھ صورت حال ایسی ہی ہوگئی ہے کہ دنیا پرستوں اور آخرت پرستوں میں کوئی فرق ہی نہیں دکھائی دے رہا ہے، جدھر دیکھئے بس یہی آواز سنائی دے رہی ہے کہ، ۔

اب تو آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

بہرحال دنیا پرستی کے جراثیم نے جن کی آنکھوں کی روشنی چھین لی ہے ان اندھوں کو اصلاح کا آئینہ دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ راقم الحروف کا ایک شعر ہے ۔

زنگ خوردہ دل ہے جن کا حب مال و جاہ سے
آئینہ اصلاح کا ان کو دکھا کر کیا کروں

اب تفسیر ماجدی، جلد ہفتم، تفسیر سُوْرَۃُ النَّجم کا حاشیہ نمبر ۲۲/۲۳ پڑھئے۔

اور یہی دلیل ہے ان کی کج فہمی اور بے غوری دونوں کی، مبلغ اعظم کو ہدایت ہو رہی ہے کہ ان دنیا پرستوں سے جب قبول حق کی کوئی توقع ہی نہیں تو آپ بھی ان کی پروا نہ کیجئے اور ان کی فکر میں زیادہ نہ پڑے رہیئے۔ انسان کی حماقت وسفاہت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ وہ ہاتھی کے جسم کی ساری بڑائی کو چھوڑ چھاڑ کر اسکی دم کے صرف آخری سرے کو یا پیر کے ناخنوں کو پکڑ لے اور اسی سے ہاتھی کی جسامت

ساخت، ترکیب سے متعلق رائے قائم کرنے لگے، اس سے بیزار اور لاکھ درجہ بڑھ کر اور قابل رحم ان روشن خیالوں یا بے فکروں کا حال ہے جو مابعد الموت جیسے بیحد وسیع عالم سے بالکل قطع نظر کئے ہوئے ساری توجہ اور علم و تحقیق کا موضوع اسی چند سالہ زندگی کو بنائے ہوئے ہیں، ان سے بڑھ کر اندھا اور کون ہوسکتا ہے؟

۲۳ یعنی یہی مادی، عنصری، زودفنا، سریع الزوال، چندروزہ دنیوی زندگی، کتنے افسوس اور حسرت کا مقام ہے کہ آج مہذب اور ترقی یافتہ قوموں کا سارا مبلغ علم اور منتہائے پرواز خیال اسی محدود مختصر عنصری زندگی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، اور اپنی اس تنگ نظری پر انتہائی فخر و ناز ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سُوْرَۃُ النَّجم، حاشیہ نمبر ۲۲، ۲۳)

اقتباس

حضرت عمران بن حطان تابعیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت ابوذر غفاریؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے ان کو مسجد میں اس حالت میں دیکھا کہ ایک کالی کملی لپیٹے ہوئے بالکل اکیلے بیٹھے ہیں میں نے عرض کیا اے ابوذرؓ یہ تنہائی اور یکسوئی کیسی ہے؟ یعنی آپ نے اس طرح بالکل اکیلے اور سب سے الگ تھلگ رہنا کیوں اختیار فرمایا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ برے ساتھیوں کی ہم نشینی سے اکیلے رہنا اچھا ہے، اور اچھے ساتھی کے ساتھ بیٹھنا تنہائی سے بہتر ہے، اور کسی کو اچھی باتیں بتانا خاموش رہنے سے بہتر ہے، اور بری باتیں بتانے سے بہتر خاموش رہنا ہے۔ (بحوالہ، شعب الایمان، بیہقی)

گناہوں سے جلد توبہ نہ کرنے سے توفیق چھن جاتی ہے

اللہ تعالیٰ کو اپنے مومن بندوں سے جو محبت ہے اگر اس کا استحضار رہے تو اللہ کی نافرمانی کے تصور ہی سے دل کانپ جائے گا اور اگر کبھی کسی غفلت سے بھول چوک کر کوئی گناہ ہو جائے گا تو توبہ واستغفار کرنے میں ٹال مٹول نہیں کرے گا، بلکہ کوشش کرے گا کہ جیسے بھی ممکن ہو اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیا جائے۔

یہ آیت اہل ایمان کیلئے بہت ہی وجد آفریں ہے، کیونکہ جس پیارے انداز میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو خطاب کیا ہے اس کے تصور ہی سے لذت محسوس ہوتی ہے، اگر کوئی باپ اپنے کسی بیٹے سے کہے کہ اے میرے پیارے بیٹے کیا ابھی وقت نہیں آیا ہے کہ تم اپنی غیر سنجیدہ حرکتوں سے باز آ کر اپنے ماں باپ کی آغوش شفقت میں آ جاؤ اس مشفقانہ انداز خطاب کو سن کر یقیناً بیٹے کے دل کو پگھل جانا چاہئے، ماں اور باپ اپنے بیٹوں پر جتنا مہربان ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہیں، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ان کے مومن بندوں میں عملی حیثیت سے کوئی کمزوری نہ آنے پائے۔

اس میں شبہ نہیں کہ صحابہ کرامؓ سراپا طاعت تھے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں ہر وقت جان و دل قربان کرنے کیلئے تیار رہتے تھے، لیکن مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جانے کے کچھ دنوں بعد کچھ خوشحالی آئی تو پچھلی عملی زندگی کے مقابلے میں بعض لوگوں میں کچھ معمولی سی سستی کا ظہور ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ فرمائی کہ حالات سے متاثر ہو کر عملی زندگی میں کسی طرح کی کمزوری نہیں آنا چاہئے۔

اسی سلسلے میں لذیذ عتاب کی شکل میں اس آیت کا نزول ہوا، اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۱۶ کیا ابھی وقت نہیں آیا ایمان والوں کیلئے کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کیلئے جھک جائیں نرم ہو جائیں اور اس قرآن کیلئے جو نازل ہوا ہے۔ (سورہ، حدید)

دل کے خشوع کا مطلب ہے کہ اللہ کی یاد سے دل لبریز رہے اور اللہ کی اطاعت وفرماں برداری سے کبھی غفلت نہ ہو، قرآنِ حکیم کیلئے دل کے خشوع کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو بھی حکم دیا ہے اس کی اطاعت کیلئے ہر وقت کمر بستہ رہے اور اللہ کے احکام کی تعمیل میں کسی طرح کی سستی کا مظاہرہ نہ کرے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہو رہا کہ اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی باتوں کو سن کر کسی کے دل میں خشیت نہ پیدا ہو اور اللہ کے احکام کی تعمیل میں ٹال مٹول کرے، تو اس کا مطلب ہے کہ اس کے دل میں سختی آرہی ہے اور اسی طرح اگر عمل کرنے میں سستی بڑھتی گئی اور گناہوں پر اصرار ہوتا رہا تو اس کا نتیجہ ہوگا کہ آہستہ آہستہ دل سے قبولِ حق کی صلاحیت ختم ہو جائے گی، جیسا کہ اہل کتاب کا حال ہوا، جب اللہ تعالیٰ کے احکام کو نظر انداز کر کے اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کی اور مسلسل اللہ کی نافرمانی کرتے رہے تو ان کے دل سخت ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے

ہدایت کی توفیق ان سے چھین لی۔

صحابہ کرامؓ تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں بہت تیز گام تھے اگر اتفاق سے کبھی کوئی لغزش ہو بھی جاتی تو فوراً اس سے سنبھل جاتے تھے، تو ان کے واسطہ سے قیامت تک کے مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اپنے دلوں پر گناہوں کا زنگ نہ چڑھنے دیں اور گناہوں پر اصرار نہ کریں، اگر کوئی لغزش ہو جائے تو بہت جلد توبہ واستغفار کر کے گناہوں کی سیاہی مٹانے کی کوشش کریں آج مسلمانوں کی زندگی میں دن بدن جو بگاڑ بڑھتا جا رہا ہے تو اس کا ایک اہم سبب یہی ہے کہ وہ گناہوں سے توبہ کرنے میں جلدی نہیں کرتے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں بہت سست اور کاہل ہو گئے ہیں، اور زیادہ تر مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ مسلسل گناہوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں اور گناہوں پر جمے رہتے ہیں۔

مثال کے طور پر سنتِ رسول ﷺ کے مطابق داڑھی رکھنا واجب ہے، لیکن ننانوے فیصد مسلمان سنتِ رسول ﷺ پر استرا چلا رہے ہیں اور ان کو یہ بھی احساس نہیں کہ وہ کتنا بڑا جرم کر رہے ہیں، اس گناہِ کبیرہ پر اصرار کا نتیجہ سامنے ہے کہ ہدایت کی توفیق چھن رہی ہے اور بے شمار مسلمان غیر اسلامی چہرے کے ساتھ قبر میں جا رہے ہیں، اس آیت کا تقاضا ہے کہ اگر کوئی مسلمان سنتِ رسول ﷺ پر استرا چلاتا ہے تو اللہ کا یہ خطاب سنتے ہی پکار اٹھے کہ اے اللہ اب وقت آگیا ہے اب میں تیرے رسول ﷺ کی سنت پر استرا نہیں چلاؤں گا آج سے میرا چہرا غیر اسلامی نہیں رہے گا، اسی طرح ہر گناہ سے توبہ کرے اور اس سے باز آجائے اور اللہ کے حکم کی تکمیل میں تال مٹول نہ کرے۔

مولانا محمد احمد صاحب نے خواب فرمایا ہے کہ،

مرضی تری ہر وقت جسے پیش نظر ہے
بس اس کی زباں پر نہ اگر ہے نہ مگر ہے

اب تفسیر ماجدی جلد ہشتم تفسیر سُورَۃُ الْحَدِیْد کا حاشیہ نمبر ۲۳ پڑھئے،

ذکر ان مومنین کا ہے جو صاحب ایمان تو ہیں لیکن ان کے عمل میں کثرت سے کوتاہیاں ہیں، انہی کو ترغیب دی جا رہی ہے کہ ترکِ معاصی اور طاعت ضروری کی پابندی کا عزم دل سے کر لیں اور اس سے توبہ ورجوع میں جلدی کریں، اَلَمْ یَاْنِ" مراد یہ ہے کہ رجوع وتوبہ میں تاخیر وتساہل ہی کیوں ہو؟

قدیم اہل کتاب نے جب اپنی اپنی کتاب کے ہدایت کے برخلاف شہوات ومعاصی میں انہماک پیدا کیا تو رفتہ رفتہ ان کی قساوت قلب کی اب یہ نوبت پہنچ گئی کہ ندامت وملامت اضطراری کی بھی اہلیت باقی نہ رہ گئی۔ آیت سے ایک عملی سبق یہ ملا کہ خود مسلمانوں کو معاصی سے توبہ ورجوع میں عجلت کرنا چاہئے، ورنہ بعض اوقات رفتہ رفتہ توبہ کی توفیق ہی جاتی رہتی ہے، اور پھر عیاذاً باللّٰہ، نوبت کفر تک پہنچ جاتی ہے۔ (بحوالہ، تفسیر سُورَۃُ الْحَدِیْد حاشیہ نمبر ۲۳)

لوہا نازل کرنے میں اللہ کی حکمت

بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ "یُوشکُ اَنْ یَّحسر الفرات عَنْ کَنْزٍ مِنْ ذَھَبٍ فَمَنْ حَضَرَہٗ فَلَا یَاخُذْ مِنْہُ شَیْئًا" قریب ہے کہ (دریائے) فرات سے سونے کا خزانہ نکلے، پس اس زمانے میں جو موجود ہوں اس میں سے کچھ نہ لیں۔ (بحوالہ۔ بخاری و مسلم)

اس روایت میں اشارہ اس آبی خزانے کی طرف بھی ہے جس کو ڈیزل اور پٹرول کہتے ہیں یہ ایک سیال سونا ہے جس سے مسلم حکومتیں مالامال ہیں اس خزانے میں سے کچھ نہ لینے کا مطلب ہے کہ اس قدرتی دولت کا ظہور دنیا کے عیش و آرام سپر مارکیٹ، فائیو اسٹار ہوٹل اور غیر ضروری شاندار محلوں کی تعمیر کیلئے نہیں ہوگا، بلکہ تیل، سونا، لوہا اور کوئی بھی قیمتی دھات ہو ان کے ذریعہ دین کو طاقت پہنچائی جائے، اور حالات کے تناظر میں وہ سارے ہتھیار بنائے جائیں جن کے ذریعہ اسلام دشمن طاقتوں پر مسلمان کی ہیبت طاری ہو، اور ان کے دل مسلمانوں کی اس لوہے والی طاقت سے بھی مرعوب ہوں۔

یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اس پر کسی کو سرکشی کرنے کا حق نہیں ہے، اس زمین پر اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ ہونا چاہئے، پہلے تو نصیحت و موعظت کے ذریعہ ان کو حق کی طرف لانے کی کوشش کی جائے گی، لیکن اس کے بعد کچھ ڈھیٹ اور سرکش لوگ اپنی اسلام دشمنی سے باز نہ آئیں اور دعوتِ اسلامی کی راہ میں حائل ہوں، تو ہتھیاروں کے ذریعہ ان کی گوشمالی کی جائے، اور اللہ کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرنے والوں کو مرعوب کرنے کے لئے تلوار کے قبضہ کو اپنے ہاتھ میں لینا ضروری ہے۔

یہ عام مشاہدہ ہے کہ اگر آپ خالی ہاتھ کہیں جارہے ہیں تو کتے آپ کو دیکھ کر بھونکتے ہیں اور حملہ کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں، بندر دیکھ کر غراتے ہیں لیکن اگر آپ کے ہاتھ میں ڈنڈا ہے تیر کمان ہے اور بندوق ہے تو اس کو دیکھ کر کتے اور بندر ڈر جائیں گے اور قریب آنے کی ہمت نہیں کریں گے، اسی طرح سرکش انسانی درندوں اور ڈھٹائی کرنے والوں کو صرف نصیحت اور وعظ و تقریر سے باز نہیں رکھا جاسکتا، اس لئے ان کی گوشمالی کیلئے ہاتھ میں قوتِ مرہبہ یعنی ڈرانے والے ہتھیا کا ہونا ضروری ہے۔

اکبر الہ آبادی نے خوب کہا ہے کہ ؎

طاقت ہی نہیں تو کیا اسپیچ
ہاتھ بھی دے خدا تقریر کے ساتھ

اس زمین پر عدل و انصاف قائم کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل فرمائی اور جو لوگ عدل و انصاف کے راستے میں رکاوٹ بننے کی کوشش کریں ان کی سرکوبی کیلئے لوہا نازل کیا، لیکن افسوس ہے کہ آج مسلمان نے

دونوں ہی چیزوں کو چھوڑ دیا ہے، اللہ کی کتاب سے بھی ان کا تعلق کمزور ہوتا جارہا ہے اور لوہے کی وہ طاقت بھی ان کے پاس نہیں ہے جس سے دشمنوں کو ڈرا سکیں۔

اس آیت کی روشنی میں تمام مسلم ممالک کو لوہے کے نازل کرنے کی حکمت پر غور کرنا چاہئے، دفاعی حیثیت سے لوہے جیسی اہم چیز کو محض غیر ضروری اونچی اونچی فلک بوس عمارتوں کی تعمیر میں نہیں لگانا چاہئے، بلکہ اس سے وہ تمام ہتھیار تیار کریں جس سے اسلام دشمن طاقتوں کو مرعوب کرسکیں۔

اب تفسیر ماجدی، جلد ہفتم، تفسیر سُوْرَةُ الْحَدِیْد کا حاشیہ نمبر ۳۹، ۴۰ پڑھئے۔

اَلْحَدِیْد، یہی لوہا ہے جسے ہم آپ سب جانتے پہچانتے ہیں، فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ" معمولی اور گھریلو چاقو، چھری، استرہ، قرولی سے لے کر تلوار، نیزہ، سنگین، خنجر، پستول، رائفل، مشین گن، توپ وغیرہ سے ہوتے ہوئے جدید ترین قسم کے آلات مہلک، ایٹم بم وغیرہ، پر نظر کر جائیے، ہر ایک میں کارفرمائی، اسی مہلک اور پر ہیبت دھات لوہے ہی کی نظر آئے گی، اور پھر ہتھیاروں یا اسلحہ کے علاوہ دوسرے قسم کے مہلک آلاتِ حرب، ٹینک، جیپ، آرمرڈ کار، ڈریڈ ناٹ جہاز، آبدوز کشتیاں، تباہ کن کشتیاں، بمبار طیارے، شکاری طیارے وغیرہا۔

ان سب کو بھی نظر میں رکھئے، جب جا کر لفظ قرآنی کی حیرت انگیز و معجزانہ جامعیت کی قدر ہوگی، وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ" آج دنیا کارخانۂ عالم کو کارگاہِ تہذیب و تمدن کے نام سے یاد کرتی ہے، اس سے لوہے کے چھوٹے بڑے سارے مصنوعات گھریلو مل، سوئی، ربڑ، پن، سیفٹی پن، قینچی، ہولڈر، پھاوڑا، بیلچہ، کدال، استرے، ناخن گیر، کرچھے دست پناہ، کھرپے، بسولے، ہنسیا، گنڈاسے، کلہاڑی، چلنی، ہاون دستہ، کرنی، ہتھوڑے، انگیٹھی، ترازو کے پلڑے، ترازو کے باٹ، کیل، برنجی کیل، موٹے چولھے، کنجی اور قفل، پتر، آرے، قبضے، پیچکش، ہنسلی، زنجیر اور کنڈی، چھتری کی تیلیاں اور سائیکل کی تیلیاں، پانسرے، تانگوں، گاڑیوں اور یکوں کی کمانیاں، دھونکنی، سلاخیں، توے، پہیوں کے آہنی خول، موٹر اور موٹر سائیکلیں، ریلوے انجن اور فائر انجن، ٹیلیفون، ٹیلگراف اور ریڈیو کے تار، ریل کی پٹریاں، خود، ٹراموے اور ان سب کے اندر کے بے شمار پرزوں اور جنگی و غیر جنگی، رزمی بزمی الگنت بڑی اور چھوٹی مشینوں کو ذرا معدوم کر کے دیکھئے کہ اعلیٰ شہری تمدن تو خیر بڑی چیز ہے ادنیٰ دیہاتی تمدن بھی باقی رہ جاتا ہے؟

یہ سارے جائزے لے ڈالنے کے بعد الفاظ قرآنی کی معجزانہ جامعیت پر بے اختیار قربان ہوجانے کو جی چاہے گا۔

ہے یعنی: تاکہ یہ نمایاں اور ظاہر ہوجائے کہ کون کون ان نعمتوں سے دین کی اقامت و نصرت اور جِهَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰه میں کام لیتا ہے (بحوالہ، تفسیر سُوْرَةُ الْحَدِیْد، حاشیہ نمبر ۳۹، ۴۰)

اِدھر اُدھر اپنے خیالات کو ڈانواڈول ہونے سے بچائیے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ، وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑩ اور ایمان والوں کو تو بس اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ (سُوْرَةُ الْمُجَادِلَة)

تَوَكُّل، اس کا نام ہے کہ بندے کو اس بات کا یقین ہو جائے اور اس کا دل اس پر مضبوطی سے جم جائے کہ میری تمام ضرورتوں کو پورا کرنا اور ہر مصیبت اور پریشانی سے نجات دینا صرف اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے، نہ تو کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہے، نہ اسباب اور وسائل سے اس کا تعلق ہے، اللہ تعالیٰ چاہے تو میری ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے کسی مخلوق کو وسیلہ بنادے یا دنیا کی کسی اور چیز کو ذریعہ بنادے، اور اگر چاہے تو بغیر ظاہری اسباب کے میری ضرورتوں کو پورا کردے، اللہ تعالیٰ اسباب اور وسائل کا محتاج نہیں ہے۔

اس طرح اگر آپ کا دل اس عقیدے پر مضبوطی سے قائم ہو جائے اور آپ کا دل مخلوق اور اسباب دنیا سے بے نیاز ہو جائے تو سمجھ لیجئے کہ، تَوَكُّل کی نعمت آپ کو مل گئی ہے، اللہ تعالیٰ پر تَوَكُّل اور اعتماد کا تقاضا ہے کہ آپ کے خیالات ادھر ادھر ڈانواڈول نہ ہوں، اللہ کے علاوہ کسی دوسری طرف آپ کی نظر نہ جائے، اللہ پر تَوَكُّل اور بھروسہ نہ ہونے ہی کی وجہ سے آدمی ذہنی انتشار اور اضطراب کا شکار ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر، ہندوستان میں مختلف سیاسی پارٹیاں ہیں تو یہاں کے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ کبھی کانگریس پارٹی کی طرف دیکھتے ہیں، تو کبھی سماج وادی پارٹی کا دامن پکڑ لیتے ہیں، تو کبھی بہوجن سماج پارٹی کی دم پکڑ لیتے ہیں کہ ان کے ذریعہ ہمارا مسئلہ حل ہو جائے گا، اور مدت ہائے دراز سے مسلمان اسی طرح کی مختلف پارٹیوں اور سیاسی لیڈروں پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں، لیکن آج تک ان کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوسکا، اگر اللہ پر بھروسہ کیا ہوتا اور اللہ کی اطاعت پر جم گئے ہوتے تو اب تک ان کے تمام مسائل حل ہو چکے ہوتے۔

دَعِ التَّدْبِيْرَ اِلٰى مَنْ خَلَقَكَ تَسْتَرِحْ " اپنی تدبیر اس ذات کے سپرد کردے جس نے تجھے پیدا فرمایا ہے تو راحت میں ہو جاؤ گے۔ (بحوالہ، منہاج العابدین، امام غزالیؒ)

امام غزالیؒ کے شیخ کی یہ بات اس لائق ہے کہ اس کو لوحِ دل پر نقش کرلیا جائے اور سنہری حرفوں میں لکھ کر گلے میں لٹکالیا جائے، اہل دل کے خیالات وجذبات میں کس قدر موافقت ومطابقت ہوتی ہے کہ جو بات امام غزالیؒ کے شیخ نے فرمائی ہے وہی بات راقم الحروف کے شیخ مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھیؒ نے فرمائی ہے کہ، ۔

تفویض ہی سے چین ہے دونوں جہاں میں
تجویز کا خیال بھی دل میں نہ لائیے

اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر کے اللہ کی مرضی میں اپنی مرضی گم کر دینے کے سلسلے میں یہ حکایت بہت ہی ایمان افروز ہے، منقول ہے کہ کسی بزرگ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ ہوا کہ آپ جو چاہیں مجھ سے مانگیں، آپ کو عطاء کیا جائے گا، وہ بزرگ مستجاب الدعوات تھے، تو انہوں نے جواباً عرض کیا کہ سبحان اللہ، وہ ذات جو جمیع علوم پر حاوی ہے ایک ایسے جاہل سے یہ فرماتی ہے مانگ جو مانگنا چاہتا ہے، تو مجھے کیا معلوم کہ میرے لئے فلاں شئی بہتر ہے اور فلاں بہتر نہیں، بلکہ جو تجھے پسند ہے وہی مجھے پسند ہے۔ (بحوالہ، منہاج العابدین، امام غزالی)

یہاں بھی دیکھئے امام غزالیؒ کے شیخ اور راقم الحروف کے شیخ کے خیالات میں کس قدر اتحاد ہے۔

مولانا محمد احمد صاحبؒ فرماتے ہیں، ؎

نظر ان کی نظر اپنی پسند ان کی پسند اپنی
نظر اپنی پسند اپنی محبت میں نہیں ہوتی

اللہ پر توکل اور بھروسہ کا مطلب ہے کہ ہم بقدر ضرورت سنت سمجھ کر جائز ظاہری اسباب کو تو اختیار کریں لیکن بھروسہ صرف اللہ کی ذات پر ہو کہ اللہ کے علاوہ کسی کے اندر کوئی طاقت نہیں ہے کہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکے۔ ؎

غیروں پہ تیری جاتی ہے کس واسطے نظر
واللہ ان کے ہاتھ میں نفع و ضرر نہیں

اللہ کی قدرت کاملہ پر جب یقین ہو جاتا ہے تو ہر طرح کا خوف دل سے نکل جاتا ہے، اللہ کے علاوہ نہ کسی کا ڈر دل میں باقی رہتا ہے اور نہ اللہ کے علاوہ کسی سے امید رہتی ہے۔

خواجہ عزیز الحسن مجذوب نے خواب فرمایا ہے کہ، ؎

اک بے تعلقی سی بس اب ہر کسی سے ہے ☆ اک ربط مستقل جو میسر کسی سے ہے
اے وہ کہ جس نے خلق سے بیزار کر دیا ☆ امید ہے کسی سے نہ اب ڈر کسی سے ہے

اللہ تعالیٰ پر توکل کی عجیب شان ہوتی ہے، اللہ پر تَوَکُّل کرنے کے بعد دنیا کی ساری طاقتوں کو بندۂ مومن مچھر کے ایک پر کے برابر بھی حیثیت نہیں دیتا، اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ بندۂ مومن کے اندر کتنی طاقت پیدا کر دیتا ہے اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے، حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد، جب جزیرۂ عرب میں فتنہ ارتداد کی تیز آندھی چلی جس سے بہت سے صحابہ کرامؓ بھی گھبرائے اور جن لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا ان کے متعلق نرمی کا معاملہ کرنے کا مشورہ دیا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ اونٹ کی ایک نکیل جس کو رسول ﷺ کے زمانے میں بطور زکوٰۃ دیتے تھے اگر اس کو بھی دینے سے انکار کیا، اور دنیا کے شجر، حجر اور سارے انسان اور جنات

میرے مقابلے میں آجائیں تو میں تنہا ان سے جنگ کروں گا۔
توکّل علی اللہ کی ایسی مثال دنیا قیامت تک پیش نہیں کرسکتی، اگر اس کا کچھ حصہ بھی مسلمانوں کو مل جائے تو ان کے سارے مسائل آن کی آن میں حل ہوجائیں، اگر آج دنیا میں مسلمان پریشان ہیں، ذہنی انتشار کا شکار ہیں اور اسلام دشمن طاقتوں کے غلام ہیں تو اس کی صرف وجہ یہی ہے کہ اگرچہ وہ اللہ پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اللہ سے زیادہ ان کی نظر اسباب پر ہے، اللہ تعالیٰ پر ان کو اتنا بھروسہ نہیں ہے جتنا کہ ہونا چاہئے ورنہ پریشان ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایک بزرگ نے سچ فرمایا ہے کہ،

ہے اللہ موجود تو پھر ہے کیا غم
موافق جو تیرے زمانے نہیں ہے

اب تفسیر ماجدی، جلد ہفتم، تفسیر سورہ مجادلہ کا حاشیہ نمبر ۲۱ر پڑھئے۔
اِدھر اُدھر اپنے خیالات کو ڈانوڈول ہونے ہی نہ دینا چاہئے، مومن اگر اللہ پر پورا پورا توکل اور اعتماد کرے تو پھر ہمیشہ کیلئے شیطان اور ہر مخلوق کی طرف سے خطرہ سے نجات ہوجاتی ہے۔
(بحوالہ، تفسیر سورہ مجادلہ، حاشیہ نمبر ۲۱ر)

اقتباس

مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ کبھی کانگریس پارٹی کی طرف دیکھتے ہیں، تو کبھی سماج وادی پارٹی کا دامن پکڑ لیتے ہیں، تو کبھی بہوجن سماج پارٹی کی دم پکڑ لیتے ہیں کہ ان کے ذریعہ ہمارا مسئلہ حل ہوجائے گا اور مدت ہائے دراز سے مسلمان اسی طرح کی مختلف پارٹیوں اور سیاسی لیڈروں پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں، لیکن آج تک ان کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوسکا، اگر اللہ پر بھروسہ کیا ہوتا اور اللہ کی اطاعت پر جم گئے ہوتے تو اب تک ان کے تمام مسائل حل ہوچکے ہوتے۔

مومن کامل اللہ کے دوستوں ہی سے دوستی رکھتا ہے

ہم مسلمان ہیں ہمارے یہاں دوستی اور دشمنی کا معیار صرف اللہ کی محبت ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے، اللہ سے محبت کرتا ہے اور اللہ کی اطاعت کرتا ہے وہ ہمارا دوست ہے، اور جو اللہ کا باغی اور نافرمان ہے وہ ہمارا دشمن ہے کوئی سچا مسلمان، اللہ کے باغیوں، کافروں، مشرکوں اور نافرمانوں سے دلی دوستی کر ہی نہیں سکتا۔

صحابہ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ اللہ کی محبت میں تعلقات کی ساری زنجیروں کو توڑ دیا اور قریب سے قریب عزیز اور رشتہ دار کی پرواہ نہیں کی، انہوں نے اللہ کے دشمنوں سے کوئی تعلق نہیں رکھا، خواہ وہ ان کے باپ بیٹے اور بھائی ہی کیوں نہ ہوں، اسلام میں نماز اور جہاد کی کتنی اہمیت ہے لیکن اس کے مقابلے میں اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کیلئے دوستی اور دشمنی کو ایمان واسلام کا سب سے زیادہ مضبوط عمل قرار دیا ہے۔

عَنِ الْبَراءِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَدْرُوْنَ اَىُّ عُرَى الْاِيْمَانِ اَوْثَقُ قُلْنَا الصَّلٰوةُ، قَالَ الصَّلٰوةُ حَسَنَةٌ وَلَيْسَتْ بِذَاكَ قُلْنَا الصِّيَامُ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ حَتّٰى ذَكَرْنَا الْجِهَادَ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ اَوْثَقُ عُرَى الْاِيْمَانِ الْمُوَالَاةُ فِى اللّٰهِ وَالْمُعَادَاةُ فِى اللّٰهِ وَالْحُبُّ فِى اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ"

حضرت براءؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جانتے ہو؟ ایمان میں سب سے مضبوط عمل کون سا ہے؟ ہم نے عرض کیا نماز، فرمایا بیشک نماز کا تو کیا کہنا (نماز کیا خوب ہے) لیکن اس کا دائرہ دوہرا ہے، ہم نے عرض کیا تو پھر روزہ ہے، آپ نے اس پر بھی یہی فرمایا، یہاں تک کہ ہم نے جہاد کا نام لیا تو اس پر بھی آپ نے وہی ارشاد فرمایا، اس کے بعد کہا کہ سب سے مضبوط عمل یہ ہے کہ اللہ ہی کیلئے دوستی اللہ ہی کیلئے دشمنی ہو، اللہ ہی کیلئے محبت اور اللہ ہی کیلئے بغض ہو۔ (بحوالہ، طبرانی، مسند ابوداؤد)

آج نماز پڑھنے والے، روزہ رکھنے والے، اور حج وعمرہ کرنے والے بہت ملیں گے، لیکن اللہ کیلئے دوستی اور دشمنی کرنے والے بہت کم ہیں، اللہ کیلئے دوستی اور دشمنی کمالِ ایمان کی دلیل ہے، آج اس طرح کے بہت سے لوگ ملیں گے جو نمازی ہیں حاجی ہیں لیکن اللہ کے دشمنوں سے بھی دوستی رکھتے ہیں، اس سلسلے میں حضرت عمر فاروقؓ کس قدر محتاط تھے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے لگا سکتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق سرکاری عہدوں پر تقرری کے بارے میں اہل کتاب یہود ونصاریٰ سے بہت ہشیار رہتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کہا کہ یہاں عراق کا ایک شخص ہے اس کو سرکاری اور دفتری معاملات میں بہت اچھا تجربہ ہے اگر آپ اس کو اپنا کاتب سکریٹری مقرر کرلیں بہتر رہے گا، آپ نے جواب دیا کہ، لَقَدْ اِتَّخَذْتُ اِذًا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ" پھر تو میں مسلمانوں کو چھوڑ کر غیروں

کو معتمد بناؤں گا۔ (بحوالہ، الکامل، جلد۳)

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ حاضر خدمت ہوئے، ان کے ہمراہ ان کا عیسائی سکریٹری بھی تھا، حضرت ابوموسیٰؓ نے جب کچھ کاغذات پیش کیے تو حضرت عمر فاروقؓ اندازِ تحریر، حسن خط اور حسابی مہارت دیکھ کر کافی متاثر ہوئے اور فرمایا کہ اپنے کاتب کو بلاؤ تاکہ وہ پڑھ کر سنائے، حضرت ابوموسیٰؓ نے جواب دیا کہ امیر المومنین وہ نصرانی ہے اور مسجد میں نہیں آئے گا، اس پر حضرت عمرؓ نے سختی سے ساتھ ڈانٹا اور پھر یہ آیت پڑھی۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰی اَوْلِیَآءَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ "اے مسلمانو، یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (سورہ مائدہ)

اس پر ابوموسیٰؓ نے جواب میں فرمایا کہ اے امیر المومنین مجھے تو اس کے کام سے واسطہ ہے، اس کا مذہب اس کا اپنا معاملہ ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا، میں ان کو کوئی عزت نہیں دوں گا جن کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا ہے جب اللہ نے ان کو دور کر دیا تو میں ان کو قریب نہیں کروں گا۔ (صبح الاعشیٰ، جلدا)

اب تفسیر ماجدی، جلد ہفتم تفسیر سورۃ المجادلہ کا حاشیہ نمبر ۳۶ پڑھیے۔

مومن کامل ومخلص کی ایک خاص علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ دوست بھی اپنے محبوب حقیقی کے دوستوں اور مخلصوں ہی کو رکھتا ہے اور اس کے باغیوں، منکروں کو اپنا بھی دشمن سمجھتا ہے، یہاں تک کہ اس کی طبعی محبتوں پر بھی حق تعالیٰ کی عقلی محبت غالب آجاتی ہے۔ (تفسیر سورۃ المجادلہ حاشیہ نمبر ۳۶ر)

❁ ❁

دیکھتے رہنا چاہئے کہ کل کیلئے کیا بھیجا ہے

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ اے ایمان والو، اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھتا رہے کہ اس نے کل کے واسطے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ کو اس کی پوری خبر ہے جو تم کرتے ہو۔ (سورۃ الحشر)

انسان کو جو زندگی دی گئی ہے وہ صرف ایک دن ہے اسی ایک دن کی کسی ساعت میں اس دنیا سے رخصتی ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں موت کے بعد آنیوالی زندگی کیلئے غـد (کل) کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ آج سے کل کچھ دور نہیں ہے جس طرح آج کے بعد کل کا آنا یقینی ہے اسی طرح قیامت کا آنا بھی یقینی ہے۔

آج سے کل دور کچھ اتنا نہیں
بس ابھی سے فکر فردا چاہئے

اگر کسی ملک میں رہنے والے سے حکومت کی طرف سے کہہ دیا جائے کہ آج دسمبر کی پہلی تاریخ ہے جو چاہو تم کر لو کل دو دسمبر صبح ہوتے ہی یہاں سے تم کو دوسرے ملک روانہ کر دیا جائے گا، تو کیا اس یقینی خبر کے بعد وہ کسی شاندار محل کی بنیاد رکھے گا کیا کسی قسم کی ترقی کا منصوبہ بنائے گا؟ ظاہر ہے وہ ایسا نہیں کرے گا، اگر ایک دن کی اس مدت میں وہ شاندار محل کی بنیاد ڈال رہا ہے تو دنیا کے سارے انسان متفقہ طور پر اس کو پاگل قرار دے دیں گے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دماغ کی کوئی نس ڈھیلی ہو گئی ہے کہ ایک دن یا ایک دن سے کم ہی اس کو یہاں رہنا ہے اور وہ محل کی بنیاد ڈال رہا ہے اور یہاں علمی و تحقیقی ادارہ اور سائنس سنٹر قائم کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس احمق آدمی کو تو کم سے کم ایک دن مل بھی رہا ہے، لیکن اس دنیا کی حقیقت تو ایک دن کی بھی نہیں ہے۔ ایک سانس کے بعد دوسری سانس لینے کا موقع ملے گا کہ نہیں، اس لئے جو آدمی اس دنیا میں ترقی کا منصوبہ بنا رہا ہے اور لمبے لمبے خواب دیکھ رہا ہے وہ تو انتہائی حد تک احمق ہے۔

ایک اور مثال پر غور کیجئے ایک آدمی اپنے وطن سے باہر کسی دوسرے ملک میں رہتا ہے تو اگر وہ عقلمند ہے تو یہ دیکھتا رہتا ہے کہ اس نے یہاں رہ کر اپنے وطن میں کیا بھیجا ہے؟ کیونکہ اس کی اصل قیام گاہ اس کا وطن ہی ہے، اسی طرح یہ دنیا مستقل قیام گاہ نہیں ہے، اصلی وطن آخرت ہے اس لئے ہر آدمی کو دیکھتے رہنا چاہئے کہ اس نے کل کے لئے یعنی آخرت میں کیا بھیجا ہے، اس آیت میں مسلمانوں کو یہی ترغیب دی گئی ہے کہ نیکیوں کا ذخیرہ آخرت میں بھیجا کرو اور دیکھتے رہو کہ تمہارے اعمال صالحہ کا کتنا ذخیرہ آخرت کیلئے جا رہا ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے اس لئے تقویٰ کا راستہ اختیار کرو، اور گناہوں سے پرہیز کرو۔

ایک مرتبہ ایک آدمی حضرت ابوذر غفاریؓ کے گھر آیا اور دیکھا کہ ان کے گھر میں کچھ سامان وغیرہ نہیں ہے اس کو حیرت ہوئی اس نے کہا کہ حضرت آپ کے گھر میں کچھ سامان نہیں ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں اپنا سارا سامان اپنے اصلی گھر یعنی جنت میں بھیج دیا کرتا ہوں، اس نے کہا کہ حضرت یہاں دنیا میں بھی تو کچھ ضروریات ہیں یہاں بھی تو کچھ سامان ہونا چاہئے، تو فرمایا کہ اس گھر کا جو مالک ہے وہ اس گھر میں رہنے نہیں دے گا، ایک دن خالی کرالے گا تو اس میں سامان رکھ کر کیا کروں گا؟

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت ابوذر غفاریؓ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

اب تفسیر ماجدی جلد ہفتم تفسیر سُوْرَۃُ الْحَشْر کا حاشیہ نمبر ٢٩ / پڑھئے

یہ دیکھتے رہا کرو طاعات اور اعمال صالحہ کا کتنا ذخیرہ ابتک بھیج چکے ہو، وَاتَّقُوا اللّٰهَ، اس تقویٰ کا تعلق طاعات کی طرف بڑھنے سے ہے، جیسا کہ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ، سے اشارہ ہورہا ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ، اس تقویٰ کا تعلق معاصی سے بچنے سے ہے، جیسا کہ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ، سے اشارہ ہورہا ہے۔ (بحوالہ، تفسیر سُوْرَۃُ الْحَشْر، حاشیہ نمبر ٢٩ /)

اقتباس

انسان کو جو زندگی دی گئی ہے وہ صرف ایک دن ہے اسی ایک دن کی کسی ساعت میں اس دنیا سے رخصتی ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں موت کے بعد آنیوالی زندگی کیلئے غـد (کل) کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ آج سے کل کچھ دور نہیں ہے جس طرح آج کے بعد کل کا آنا یقینی ہے اسی طرح قیامت کا آنا بھی یقینی ہے۔

جمعہ کا دن عیسائیوں کے یہاں منحوس سمجھا جاتا ہے

اسلام میں جمعہ کو جو اہمیت ہے اس کیلئے یہی دلیل کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جمعہ کا ذکر بہت ہی اہتمام کے ساتھ کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ ''جب جمعہ کے دن نماز کیلئے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد کی طرف دوڑ پڑو، اور خرید و فروخت کو چھوڑ دو'' جمعہ کا دن مسلمانوں کیلئے ہفتہ کی عید ہے، جنت میں ایک بڑا وسیع و عریض خوشنما و دلکش میدان ہے، جس کا نام میدان مزید ہے، جہاں ہر ہفتہ اہل جنت کا اجتماع ہوگا اور اللہ کا دیدار حاصل ہوگا، اسی میدان مزید کی یہ مثال جمعہ کا دن ہے جمعہ کا دن، امت مسلمہ کی امتیازی شان ہے، اسی لئے مسلمان جمعہ کے دن کا بہت ہی زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور جمعہ کے دن جب پوری تیاری کے ساتھ مسجد کی طرف رواں دواں ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رب کائنات اپنے بندوں کو دیدار کیلئے اپنے گھر بلا رہا ہے۔

لیکن حیرت کی بات ہے کہ عیسائی اس عظیم الشان بابرکت دن کو منحوس سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جمعہ کے مقابلے میں وہ اتوار کے دن کو اہمیت دیتے ہیں، افسوس ہے کہ بہت سے مسلمان بھی عیسائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور اپنے نرسری اسکولوں اور کالجوں میں اتوار ہی کے دن چھٹی دیتے ہیں، جبکہ اگر کوئی مسلم کالج ہے، مسلم یونیورسٹی ہے یا کوئی بھی مسلم ادارہ ہے، تو وہاں اتوار کے بجائے جمعہ کو چھٹی ہونی چاہئے، تاکہ عیسائیوں کو معلوم ہو کہ مسلمان ان کے باطل نظریہ کے مخالف ہیں اور جمعہ کو اہمیت دیتے ہیں، حضرت عیسیٰؑ کو تو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھالیا اور یہودیوں کی سازش کو ناکام بنادیا، عیسائیوں کی بے غیرتی پر حیرت ہوتی ہے کہ وہ اس بات پر یقین بھی رکھتے ہیں کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو پھانسی دی، پھر بھی وہ اپنے خدا کے قاتل کو دوست بنائے ہوئے ہیں، کیوں؟ اس کا سبب صرف اسلام دشمنی ہے، بہر حال دنیا میں یہودیوں سے زیادہ سرکش ڈھیٹ اور عیسائیوں سے زیادہ بے غیرت قوم کوئی نہیں ہے، افسوس ہوتا ہے کہ مسلم ممالک اس بے غیرت قوم کے غلام کیسے بنے ہوئے ہیں۔

اب تفسیر ماجدی، جلد ہفتم، سُوْرَةُ الْجُمُعَة کا حاشیہ نمبر ۹ / پڑھئے۔

جمعہ کا دن کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ وہم پرست مسیحیوں کے ہاں ''منحوس'' سمجھا جاتا ہے اور شادی بیاہ سے اس دن خاص طور پر بچا جاتا ہے، ''نحوست'' کی دلیل یہ ہے کہ، اِبْنُ اللّٰه، کو سولی پر اسی دن چڑھایا گیا تھا۔ (بحوالہ، تفسیر سُوْرَةُ الْجُمُعَة، حاشیہ نمبر ۹ /)

❁ ❁

خوش پوشی وخوش کلامی بزرگی کی دلیل نہیں ہے

شاندار لباس، شاندار قد وقامت، چہرے کی چمک دمک، شاندار انداز گفتگو، لچھے دار تقریر، علم وتحقیق کے میدان میں کمال خامہ فرسائی، راہوار قلم کی تیز رفتاری، سلوک وتصوف کے موضوع پر خوش بیانی، تقوی اور بزرگی کی علامت نہیں ہے، کسی کی خوش پوشی، اس کے خوبصورت قد رقامت اور چہرے کی چمک ودمک کو دیکھ کر بہت سے لوگ کہنے لگتے ہیں کہ دیکھو کیا ہستی ہے، واقعی شیخ طریقت ہیں، ان کے چہرے پر نور چمک رہا ہے، کتنا روشن چہرہ ہے جیسے معلوم ہوتا ہے کہ اندھیری رات میں چاند اپنی روشنی بکھیر رہا ہے، حضرت کے چہرۂ تابان سے تو سورج اور چاند بھی گویا اکتساب نور کررہے ہیں، دیکھو مسند ارشاد پر کس طرح جلوہ افروز ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ عرش الٰہی کے پاس قرب ووصال کے دریا میں غسل کر کے تشریف لائے ہیں۔

لیکن ظاہری خوشنمائی سے دھوکا کھانے والے یہ نہیں سوچ پاتے کہ کھانے پینے، طاقتور غذاؤں اور مختلف قسم کے پھلوں کے جوس کا اثر ہے جو چہرے پر چمک کی صورت میں نظر آرہا ہے، روحانی چمک اور غذاؤں سے پیدا ہونے والی چمک کے درمیان امتیاز کرنا سب کے بس کی بات نہیں ہے۔

ہوسکتا ہے کہ کسی کے چہرے پر واقعی تقوی کا نور ہو اور بعض لوگ اس کو محسوس کرتے ہوں، لیکن چہرے کی تازگی اور جسم پر صحت کی بہار، اور ظاہری حسن وجمال بزرگی اور تقوی کی علامت نہیں ہے، خوف آخرت اور عشق ومحبت کی آگ میں جو مسلسل جل رہا ہو، اس کا چہرہ تو عموماً زرد ہی نظر آئے گا۔

مولانا محمد احمد صاحبؒ نے اہل دل کی خوب تصویر کشی کی ہے، ؎

نے عزیزو نے قریب و نے شفیق ☆ نے کوئی غم خوار نے ان کا رفیق
ہوتے ہیں ہمراہ عاشق کے مگر ☆ آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر

عہد رسالت کے منافق بہت چرب زبان ہوا کرتے تھے، بہت لچھے دار گفتگو کرتے تھے، یہاں تک کہ کبھی کبھی حضور اکرم ﷺ بھی ان کی خوش بیانی، چرب زبانی اور خوش گفتاری سے متاثر ہوجاتے تھے، لیکن قرآن نے ان کی تصویر بالکل واضح کردی کہ اگرچہ وہ خوبصورت قد وقامت کے ہیں، خوش پوش وخوش گفتار ہیں، اوران کا انداز بیان بڑا سحر انگیز اور بڑا دلکش ہے، لیکن وہ اندر سے بالکل کھوکھلے ہیں۔

علامہ اقبالؔ نے خوب کہا ہے کہ، ؎

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں سے موہ لیتا ہے
گفتار کا غازی بن تو گیا کردار کا غازی بن نہ سکا

راقم الحروف کے شیخ، کامل جائی الہ آبادی نے اپنے اشعار میں منافقوں کی خوب تصویر کشی کی ہے، ۔

بے سند کے مولوی اندر سے کچھ باہر سے کچھ
جیسے لکڑی گھن لگی اندر سے کچھ باہر سے کچھ
تن ہے اجلا من ہے کالا اس پہ یہ شان و غرور
جیسے بھر سائیں پتی اندر سے کچھ باہر سے کچھ
لب پہ تقویٰ اور فتویٰ دل میں ہے کبر و ریاء
آج کل کے متقی اندر سے کچھ باہر سے کچھ

اب تفسیر ماجدی، جلد ہفتم، تفسیر سُوْرَۃُ الْمُنَافِقُوْن کا حاشیہ نمبر ۵ / پڑھئے

(یہ منافق گویا لکڑیاں ہیں سہارے سے لگائی ہوئی) کہ دیکھنے میں تو لمبی چوڑی موٹی شاندار مگر بے جان محض، روح سے خالی، یہ خوشنمائی ان کے ظاہری شان وشوکت اور مادی تن و توش کی بنا پر ہوگی، آج بھی منافقوں، زندیقوں بے دینوں کے مجمع میں کیسے کیسے خوش پوش اور کیسے کیسے خوش ظاہر نظر آتے ہیں (اگر وہ بولیں تو) جاذب توجہ ان کی تقریر کی ظاہری شستگی اور آراستگی ہوگی آج بھی منافقوں، زندیقوں بے دینوں کے مجمع میں کیسے کیسے خوش تقریر، خوش تحریر، خطیب و ادیب نظر آتے ہیں۔

(بحوالہ، تفسیر سُوْرَۃُ الْمُنَافِقُوْن، حاشیہ نمبر ۵ /)

اقتباس

ہوسکتا ہے کہ کسی کے چہرے پر واقعی تقویٰ کا نور ہو اور بعض لوگ اس کو محسوس کرتے ہوں، لیکن چہرے کی تازگی اور جسم پر صحت کی بہار، اور ظاہری حسن و جمال، بزرگی اور تقویٰ کی علامت نہیں ہے، خوف آخرت اور عشق و محبت کی آگ میں جو مسلسل جل رہا ہو، اس کا چہرہ تو عموماً زرد ہی نظر آئے گا۔

دشواریوں اور تنگیوں سے نکلنے کی کنجی تقویٰ الٰہی ہے

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے (ہر تنگی سے) نکلنے کا راستہ پیدا کر دیتے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتے ہیں جہاں اسے گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ اس کیلئے کافی ہے اللہ اپنا کام (بہر حال) پورا کر کے رہتا ہے، اللہ نے ہر چیز کا ایک انداز مقرر کر رکھا ہے۔ (سُوْرَةُ الطَّلَاق)

ہر آدمی چاہتا ہے کہ اسکو پریشانیوں اور دشواریوں سے نجات ملے اور جب تک دنیا میں ہے اس کے کھانے پینے کا مسئلہ حل رہے اور انہی دونوں اہم مسئلوں کے حل کیلئے وہ پریشان رہتا ہے، بہت سے وسائل واسباب کو اختیار کرتا ہے اور دن رات اسی فکر میں لگا رہتا ہے، لیکن عام مشاہدہ ہے کہ اپنے مسائل کے حل کیلئے سارے مادی اسباب کو اختیار کرنے کے بعد بھی اس کے مسائل میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے اور اس کے دل کو سکون نہیں مل پاتا۔

دنیا کے عام لوگ جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ اگر پریشان ہوں تو حیرت اور تعجب کی بات نہیں ہے ان کو پریشان ہونا ہی ہے، لیکن اگر مسلمان بھی انھیں غیر مسلموں کی طرح پریشان ہوں اور مختلف قسم کی الجھنوں میں مبتلا ہوں اور اپنی پریشانیوں کا شکوہ کریں تو انتہائی حیرت کی بات ہے۔

خزانہ گھر میں ہے موجود پھر بھی آہ مفلس ہیں
بھٹکتے پھر رہے چار سو اے وائے نادانی

اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کا ایمان شعوری نہیں ہے، اللہ پر اس نے ایمان کا جو دعویٰ کیا ہے وہ اس کے دل کی گہرائیوں میں پیوست نہیں ہے۔

سورہ طلاق کی یہ آیت نمبر ۲/۳ ریسی وجد آفریں، لذت بخش، انقلاب آفریں آیت ہے کہ اگر آدمی اس کو مضبوطی سے پکڑ لے اور اس کی عملی زندگی اس آیت کی مصداق ہو جائے تو اس سے زیادہ پر کیف اور ہر طرح کے غموں سے آزاد زندگی کسی کی نہیں ہو سکتی، یہ آیت اس کو دنیا کے تمام انسانوں سے بے نیاز کر دے گی، اس کو پھر کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں پڑے گی، اس کے تمام مسائل حل ہو جائیں گے، مصائب وآلام کے سمندر کی طوفانی موجوں کے درمیان اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ وہ سمندر کی پرسکون سطح پر اطمینان کے ساتھ چل رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مسائل کے حل کیلئے جو قیمتی نسخہ عطاء کیا ہے وہ تقویٰ اور توکل ہے، یعنی دل میں اللہ کا ڈر ہو، ان تمام چیزوں سے پرہیز کیا جائے جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے، اور جو کام کرنے کا حکم دیا ہے اس

کی تعمیل میں ٹال مٹول نہ کیا جائے اور جائز اسباب کو اختیار کرتے ہوئے ہر مسئلے میں صرف اللہ پر بھروسہ کیا جائے کیونکہ سارے اسباب اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، تقویٰ اور توکل علی اللہ وہ شاہِ کلید (Mastr key) ہے جس سے دشواریوں، تنگیوں اور پریشانیوں کے سارے تالے کھل جاتے ہیں۔

اس آیت کے شانِ نزول کے سلسلے میں ایک روایت ہے، اس کی روشنی میں غور کیجئے کہ تقویٰ الٰہی اور اللہ پر بھروسہ کی برکت سے کس طرح دشواریوں اور تنگیوں سے نجات ملتی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ عوفؓ بن مالک اشجعی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میرے لڑکے "سالم" کو دشمن گرفتار کر لے گئے ہیں اس کی ماں بہت افسردہ اور غمگین ہے مجھے کیا کرنا چاہیے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم کو اور لڑکے کی والدہ کو حکم دیتا ہوں کہ تم کثرت سے "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" پڑھا کرو۔

ان دونوں نے حکم کی تعمیل کی، کثرت سے یہ کلمہ پڑھنے لگے، اس کا یہ اثر ہوا کہ جن دشمنوں نے لڑکے کو قید کر رکھا تھا وہ کسی روز ذرا غافل ہوئے، لڑکا کسی طرح ان کی قید سے نکل گیا، اور ان کی کچھ بکریاں ہنکا کر ساتھ لے کر اپنے والد کے پاس پہنچ گیا، بعض روایات میں ہے کہ ان کا ایک اونٹ ان کو مل گیا اس پر سوار ہوئے اور دوسرے اونٹوں کو ساتھ لگایا سب کو لے کر والد کے پاس پہنچ گئے، ان کے والد یہ خبر لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ (الآیۃ)

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک روز فرمایا کہ اے ابوذرؓ، اِنِّی لَاَعْلَمُ آیَةً لَوْ اَخَذَ بِهَا النَّاسُ لَكَفَتْهُمْ، وَ تَلَا، مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ" (الآیۃ) اگر سب لوگ اس آیت کو اختیار کر لیں تو سب کیلئے کافی ہے، پھر آپ نے اسی آیت مذکورہ کی تلاوت فرمائی۔ (قرطبی، روح المعانی)

کافی ہونے کا مطلب ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی کیلئے کافی ہے۔

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ، مَنِ انْقَطَعَ اِلَى اللّٰهِ كَفَاهُ اللّٰهُ كُلَّ مَئُونَةٍ وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنِ انْقَطَعَ اِلَى الدُّنْيَا وَكَلَهُ اللّٰهُ اِلَيْهَا" جو شخص ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام پریشانیوں سے بچانے کیلئے کافی ہو جاتا ہے، اور بے شان و گمان روزی دیتا ہے، اور جو شخص دنیا ہی کا ہو کر رہ جاتا ہے (اس کا اوڑھنا بچھونا دنیا ہی ہو جاتی ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا ہی کے حوالہ کر دیتا ہے۔ (قرطبی)

معلوم ہوا کہ دنیا اور آخرت کے ہمارے تمام مسائل کے حل کا نسخہ تقویٰ اور توکل علی اللہ ہے تقویٰ اور اللہ پر بھروسہ کو نظر انداز کر کے نہ مسلمانوں کا مسئلہ کبھی حل ہوا ہے، نہ ہو سکتا ہے اور نہ قیامت تک ہوگا، اللہ تعالیٰ ہم سب

مسلمانوں کو اس آیت کا مصداق بنادے۔ آمین

اب تفسیر ماجدی جلد ہفتم تفسیر سُوْرَۃُ الطَّلَاق کا حاشیہ نمبر ۸ر پڑھئے۔

آیت میں صرف اس کی تعلیم ہے کہ دشواریوں اور تنگیوں سے نکلنے کی کنجی تقویٰ الٰہی ہے، قرآن مجید کی جن چند آیتوں کی صداقت وحقانیت پر، اپنے ذاتی تجربہ ومشاہدہ کی بناء پر، بے اختیار وجد کرنے کو جی چاہتا ہے ان میں ایک یہ آیت بھی ہے، واقعہ یہی ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسے ایسے راستوں اور وسیلوں سے کھلاتا پلاتا، آمدنیاں دلاتا ہے کہ اُدھر ان کا وہم وگمان بھی نہیں جاسکتا تھا۔

(بحوالہ، تفسیر سُوْرَۃُ الطَّلَاق، حاشیہ نمبر ۸ر)

اقتباس

ہر آدمی چاہتا ہے کہ اس کو پریشانیوں اور دشواریوں سے نجات ملے اور جب تک دنیا میں ہے اس کے کھانے پینے کا مسئلہ حل رہے اور انہی دونوں اہم مسئلوں کے حل کیلئے وہ پریشان رہتا ہے، بہت سے وسائل واسباب کو اختیار کرتا ہے اور دن رات اسی فکر میں لگا رہتا ہے، لیکن عام مشاہدہ ہے کہ اپنے مسائل کے حل کیلئے سارے مادّی اسباب کو اختیار کرنے کے بعد بھی اس کے مسائل میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے اور اس کے دل کو سکون نہیں مل پاتا۔

دنیا کے عام لوگ جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ اگر پریشان ہوں تو حیرت اور تعجب کی بات نہیں ہے ان کو پریشان ہونا ہی ہے، لیکن اگر مسلمان بھی انہی غیر مسلموں کی طرح پریشان ہوں اور مختلف قسم کی الجھنوں میں مبتلا ہوں اور اپنی پریشانیوں کا شکوہ کریں تو انتہائی حیرت کی بات ہے۔

جہنم سے بچنا اور بچانا سب سے اہم مسئلہ ہے

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓىٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۞ اے ایمان والو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، اس پر تند خو بڑے مضبوط فرشتے (مقرر) ہیں، وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو وہ ان کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ حکم دیا جاتا ہے اسے فوراً بجالاتے ہیں۔ (سورۃ التحریم)

سورۃ تحریم کی اس آیت سے دل کانپ جاتا ہے، اس آیت کے متعلق کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں اس آیت میں آگ کے جس ہولناک عذاب سے ڈرایا گیا ہے اس کے تصور ہی سے دل یہی کہتا ہے کہ کاش بے اولاد ہی کے رہے ہوتے تاکہ ان کے متعلق سوال سے تو بچ جاتے، اے اللہ اولاد کی تعلیم و تربیت کے بارے میں اگر سوال ہوگا تو راقم نامہ سیاہ عاجز کیا جواب دے گا؟ اے اللہ مجھ کو اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں کا اعتراف ہے، اے اللہ اپنے لطف و کرم سے میرے اہل و عیال کے دل میں اپنی محبت پیدا کردے، ان کو دین سیکھنے اور عمل کرنے توفیق دے، وہ تیری توفیق سے نیک و صالح ہوجائیں، ان کے متعلق مواخذہ سے مجھ کو بچالے اور اپنے فضل و کرم سے دوزخ سے بچا کر ہم سب کو جنت میں داخل کردے۔ آمین

ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس آیت کو ہمیشہ سامنے رکھے اور بار بار پڑھے، اگر ممکن ہو تو ہر گھر میں اسکا کتبہ لگا دیا جائے اور سب لوگ مل کر رات اور دن کے کسی حصے میں اس آیت کے متعلق ایک بار ضرور مذاکرہ کرلیں اگر اس آیت کا صحیح معنیٰ میں استحضار رہے، دوزخ کی ہولناک آگ اور سزا دینے والے سخت گیر فرشتوں کا تصور رہے، تو انسان، انگلش میڈیم نرسری اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کو بھول جائیگا، اور دنیا کی ترقی سے اسکا دل اچاٹ ہوجائے گا۔

ذرا تصور کیجئے، ایک کنواں ہے جس میں اوپر تو پانی نظر آرہا ہے لیکن اس پانی کے نیچے آگ ہے، ایک ایسا آدمی جس کو اس خطرناک کنوے کی گہرائی، اس کی ہولناکی اور اس کے اندر بھڑکتی ہوئی آگ پر یقین ہی نہیں ہے اس کو مذاق سمجھتا ہے، اگر وہ خود اس میں کودنے لگے یا اس کے بچے اس میں کودنے جارہے ہوں اور وہ ان کو منع نہ کرے، تو حیرت اور تعجب کی بات نہیں ہے، اس طرح کے جاہلوں اور نادانوں کو تو ہوش اسی وقت آنے کا جب آگ کے شعلے ان کا استقبال کریں گے، لیکن جو آدمی اس کنوے کے بارے میں جانتا ہو وہ اگر اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو اس میں گرنے سے نہ بچائے، تو ہر آدمی اس کو احمق اور ظالم سمجھے گا کہ یہ خود اپنے آپ پر بھی ظلم کررہا ہے اور اپنے بچوں پر بھی ظلم کررہا ہے۔

یہ تو دنیا کا معاملہ ہے دنیا کے اس کنوے سے خطرناک دوزخ کا کنواں اور اس کی آگ ہے، اور اس کی خبر اللہ تعالیٰ نے دی ہے جس میں شک کرنا ہی کفر ہے، تو ایک مسلمان جو اس کنوے کے بارے میں جانتا ہے اس کو تو اس سے بہت ہی ڈرنا چاہئے اور اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس سے بچانے کیلئے اپنی پوری طاقت لگا دینا چاہئے، لیکن افسوس ہے کہ عذاب قبر اور عذاب جہنم پر یقین کے باوجود نہ ہم کو اپنی فکر ہے نہ اپنے اہل وعیال کی فکر ہے، اپنے بچوں کے معاشی مسئلے، ان کی مادی ترقی کے بارے میں تو سوچتے ہیں اور اس کیلئے تدبیر بھی کرتے ہیں لیکن آخرت میں ان کا کیا حال ہوگا؟ جہنم کی آگ سے ان کو کیسے بچایا جائے اس کی نہ ہم کو فکر ہے اور نہ اس کا غم ہے، اگر غم ہوتا تو پہلے ہم ان کو دینی تعلیم دیتے اور ان کو اس راستے پر چلانے کی کوشش کرتے جو جنت کی طرف جارہا ہے، دوزخ کی ٹرین پر سوار کر کے خوش ہیں کہ ہمارا لڑکا ترقی کر رہا ہے۔

اکبر الہ آبادی نے خوب کہا ہے کہ،

نہ نمازی ہی نہ روزہ نہ زکوۃ ہی نہ حج ہے
تو پھر اس کی کیا خوشی کہ کوئی جنٹ کوئی جج ہے

دینی تعلیم وتربیت کو نظر انداز کر کے اگر غیر اسلامی لباس پہنا کر گلے میں یہودیوں کا شعار ٹائی باندھ کر عیسائیوں اور یہودیوں کے کانونٹ اسکول میں یا کسی انگلش میڈیم نرسری اسکول میں اپنے بچوں کو بھیجتے ہیں، تو اس کا مطلب ہے کہ اس کو دوزخ کی ٹرین پر سوار کر رہے ہیں۔

جب آپ دنیا میں یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ آپ کا بچہ آپ کی آنکھوں کے سامنے آگ میں جل رہا ہو، جب کہ دنیا کی تکلیف عارضی ہے، تو کیسے اس کو برداشت کریں گے کہ آپ کا بچہ مستقل دوزخ کی آگ میں جلے، دوزخ کی آگ سے بچانے ہی کیلئے حضور اکرم ﷺ نے یہ تعلیم دی ہے کہ بچوں کو ابتدائی عمر ہی سے نماز کا عادی بنایا جائے، جیسا کہ حدیث میں حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ،

مُرُوا الصَّبِيَّ بِالصَّلٰوةِ إِذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِيْنَ فَإِذَا بَلَغَ عَشْرَ سِنِيْنَ فَاضْرِبُوْهُ عَلَيْهَا"

جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اس کو نماز کا حکم دو اور جب دس سال کا ہو جائے تو نماز چھوڑنے پر اس کی پٹائی کرو۔ (بحوالہ، ترمذی)

وہ آگ جس سے بچنے اور بچانے کیلئے اللہ نے حکم دیا ہے وہ بہت ہی ہولناک ہوگی، اس کی شدت و حرارت کا تصور ہی اس دنیا میں ناممکن ہے، اگر دوزخ کی ایک چنگاری اس زمین پر آجائے تو بڑے بڑے پہاڑ پگھل جائیں گے اور ساری زمین جل جائے گی۔

اگر دنیا کے قید خانوں کے جلادوں کو رشوت دے دی جائے تو کچھ نرم بھی ہو جاتے ہیں، لیکن دوزخ پر جو

فرشتے مقرر ہیں وہ بہت ہی سخت مزاج ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی طبیعت ہی ایسی بنائی ہے کہ وہ مجرم پر نہ رحم کھائیں گے اور نہ کچھ نرمی کریں گے، بہر حال جہنم سے بچنے اور بچانے سے بڑا مسئلہ اس دنیا میں کوئی ہے ہی نہیں، اس لئے دوسرے مسائل میں الجھنا اور اس اہم مسئلے کو نظر انداز کر دینا انتہائی نا عاقبت اندیشی کی علامت ہے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد ہفتم، تفسیر سُوْرَةُ التَّحْرِیْم کا حاشیہ نمبر ۱۰ پڑھیے۔

احکامِ الٰہی کی تعمیل خود کرنا اور گھر والوں میں بقدر امکان ان احکام کی تبلیغ کرنا اور ان کی تعمیل کرانا، یہی دوزخ سے اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو بچانا ہے، اَھْل، کے تحت میں انسان کے سارے ہی متعلقین متوسلین آگئے، بیوی، بچے، ملازم، رعایا، شاگرد مرید وغیرہ ان سب تک بقدر وسعت و امکان احکام الٰہی پہنچانا واجب ہے۔ (بحوالہ، تفسیر سُوْرَةُ التَّحْرِیْم، حاشیہ نمبر ۱۰)

اقتباس

جب آپ دنیا میں یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ آپ کا بچہ آپ کی آنکھوں کے سامنے آگ میں جل رہا ہو، جب کہ دنیا کی تکلیف عارضی ہے، تو کیسے اس کو برداشت کریں گے کہ آپ کا بچہ مستقل دوزخ کی آگ میں جلے، دوزخ کی آگ سے بچانے ہی کیلئے حضور اکرم ﷺ نے یہ تعلیم دی ہے کہ بچوں کو ابتدائی عمر ہی سے نماز کا عادی بنایا جائے، جیسا کہ حدیث میں حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ،

مُرُوا الصَّبِیَّ بِالصَّلٰوۃِ اِذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِیْنَ فَاِذَا بَلَغَ عَشَرَ سِنِیْنَ فَاضْرِبُوْهُ عَلَيْهَا" جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اس کو نماز کا حکم دو اور جب دس سال کا ہو جائے تو نماز چھوڑنے پر اس کی پٹائی کرو۔ (بحوالہ، ترمذی)

بتوں کی شکلیں اوران کے نام

نوحؑ کی قوم نے اپنے ہر مقصد کیلئے الگ الگ بت بنا رکھا تھا، پھرانہی بتوں کے پوجنے کارواج عرب میں بھی ہوگیا، عرب کے لوگ بھی حضرت نوحؑ کی بت پرست قوم کے نقش قدم پر چلنے لگے۔

ہندوستان میں بھی اسی طرح کے بتوں کے پوجنے کارواج ہوگیا جس طرح نوحؑ کی بت پرست قوم نے اپنے مقصد کیلئے مختلف قسم کے بتوں کو بنالیا تھا، اسی طرح ہندوستان کے بت پرستوں نے اپنی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے الگ الگ بت بنا رکھا ہے، مثلاً، بشنو، برہما، اندر، شیو، شنکر، ہنومان، درگا مائی، لکشمی دیوی، سرسوتی دیوی، کالی مائی، معلوم نہیں ہزاروں لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں کتنے بت اور خدا بنالئے گئے، اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ ہندوستان کے بت پرست، حضرت نوحؑ کی قوم اور عرب کے بت پرستوں سے بھی بت پرستی میں آگے ہیں، حضرت نوحؑ کی قوم اور عرب کے بتوں کو تو شمار بھی کر سکتے ہیں، لیکن ہندوستان کے بت پرستوں کی دیویوں ان کے دیوتاؤں اور فرضی خداؤں اور بتوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہے۔

پانی برسانے کا دیوتا الگ، روزی دینے کا الگ، پیدا کرنے والا الگ، مارنے والا الگ، دولت دینے والا الگ، حسن کا الگ، بیماری کا الگ، صحت کا الگ، یہ بے عقل اتنے فرضی خداؤں کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں کہ اللہ کی پناہ، بت پرستی کے اس سپر مارکیٹ میں ہندوستان کے مسلمانوں کی کیا ذمہ داری ہے، یہ سوچنے کی بات ہے اور سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ بت پرستی کے اس مرکز میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کیوں وجود بخشا ہے۔

نوحؑ نے اپنی قوم کی بت پرستی کے خلاف آواز بلند کی اور حضور اکرم ﷺ نے عرب سے بت پرستی کا نام و نشان مٹایا، ظاہر ہے کہ بت پرستی کے خلاف آواز بلند کرنے کیلئے کوئی دوسرا پیغمبر نہیں آئے گا، نبی آخر الزمان محمد عربی ﷺ پر ایمان لانے والوں ہی کی ذمہ داری ہے کہ دنیا والوں کو بیشمار خداؤں کی غلامی سے آزاد کرنے کی کوشش کریں بت پرستی کے خلاف آواز بلند کریں اور ایک اللہ کی بندگی کی دعوت دیں، لیکن افسوس ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا جو فرض منصبی ہے اس سے غافل ہیں اور غیر ضروری مسائل میں الجھے ہوئے ہیں۔

ایک بندۂ مومن اس کو برداشت نہیں کرسکتا کہ اس کے سامنے اللہ کو چھوڑ کر بیشمار خداؤں کی بندگی ہو، انسانی ہمدردی اور اسلامی غیرت دونوں کا تقاضا ہے کہ مسلمان غیر ضروری مسائل کو نظر انداز کر کے ہندوستان کے غیر مسلموں کو ایک اللہ کی بندگی کی دعوت دیں، اوران سے کہیں کہ جن فرضی خداؤں اور بتوں کی تم پوجا کرتے ہو وہ صرف نام ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے، نہ وہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، وہ خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے

تو تمہاری حفاظت کیا کریں گے، تمہارا اور ساری کائنات کا ایک پروردگار ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اس لئے اسی ایک کی بندگی کرو، اور اللہ کے آخری پیغمبر محمد عربی ﷺ کی پیروی کرو، یہی تمہاری نجات اور مکتی کا واحد راستہ ہے ورنہ ہمیشہ ہمیش کیلئے دوزخ کی آگ میں جلنا ہوگا، یہی ایک کام تمام علماء ومشائخ اور مسلمان کے کرنے کا ہے، لیکن اسی سے غافل ہیں، پورے زور وشور سے دعوتِ توحید دینے کے بعد اللہ کی مدد آئے گی۔

اب تفسیر ماجدی، جلد ہفتم، تفسیر سُوْرَۃُ النُّوح کا حاشیہ نمبر۱۲ر پڑھئے

یہ سب نام قومِ نوح کے خاص خاص دیوتاؤں کے ہیں اور انھیں کی مورتیں ملک میں پجتی رہتی تھیں، ان کے ناموں کی تصریح کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ ان کی پرستش عین نزولِ قرآن کے زمانے میں بھی عرب واطراف عرب میں جاری تھی۔

وَدًّا " یہ دیوتا قوت مردانہ اور عشق ومحبت کا تھا، اس کی مورت قوی ہیکل مرد کی شکل میں تھی، اہل عرب اس سے خوب مانوس تھے، اس کی پوجا شمالی عرب میں جاری تھی، عبد وَد " عرب میں ایک نام کثرت سے لوگوں کا ہوتا تھا۔

سواعا " یہ دیوتا حسن ومحبوبی کا تھا، اس کی مورتی حسین عورت کی شکل میں تھی اس کی پوجا قبیلہ ہذیل میں جاری تھی۔

یَغُوْث " یہ دیوتا جسمانی قوت وطاقت کا تھا اس کی مورت شیر اور بیل کی شکلوں میں ہوتی تھی، یمن میں اس کی پوجا کا رواج تھا، اور "عَبدِ یَغُوث " نام کا رواج عرب کے شمال ومشرق میں تھا۔

یَعُوْق " یہ دوڑ بھاگ کا دیوتا تھا، اس کی مورت گھوڑے کی شکل کی ہوتی تھی اس کی بھی پوجا یمن میں پائی گئی۔

نَسْرًا " یہ دوربینی اور حدتِ نظر کا دیوتا تھا اس کی مورت پرندہ (باز یا عقاب) کی شکل کی ہوتی تھی۔

(بحوالہ تفسیر سُوْرَۃُ النُّوح، حاشیہ نمبر۱۲ر)

مکی دور جاہلیت کے مقابلے میں آج توحید کی آواز بلند کرنا آسان ہے

حضور اکرم ﷺ پر ۶۱۱ء میں جب پہلی وحی نازل ہوئی اسی وقت سے اسلام کی دعوت کی ابتدائی ہوئی اس وقت آپ پوری دنیا میں تنہا تھے، آپ کے پاس نہ مال و دولت کی فراوانی تھی، نہ افراد کی قوت تھی اور نہ کوئی سیاسی اور فوجی طاقت آپ کے پاس تھی، جاہلیت کے بیابان میں آپ ایک اکیلے درخت کی طرح تھے۔

نوجوانوں میں صرف ابوقحافہ کے بیٹے حضرت ابوبکرؓ آپ پر سب سے پہلے ایمان لائے اور آپ کا ساتھ دیا، بعثت کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے کہ کسی عرب قبیلے کا ایک شخص کعبہ کی زیارت کیلئے مکہ آیا اور جب اپنے قبیلہ میں واپس گیا تو اس کے قبیلہ والوں نے پوچھا کہ مکہ کی کوئی خبر ہو تو بتاؤ، اس نے جواب دیا کہ، مُحَمَّدٌ تَنَبَّأَ وَتَبِعَهُ ابْنُ اَبِیْ قُحَافَةَ" محمد ﷺ نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور ابوقحافہ کا لڑکا (ابوبکر) ان کا ساتھ دے رہا ہے۔

مکہ کے اس پر آشوب دور میں جب کہ عرب کے تمام بت پرست قبائل آپ کے مخالف ہوں توحید کی دعوت اور بت پرستی کے خلاف آواز بلند کرنا آسان نہیں تھا، اور پھر دوسرے مخالفین کے ساتھ خود آپ کے خاندان کے لوگ بھی آپ کی آواز کو سننے کیلئے تیار نہیں تھے۔

چنانچہ آپ نے خاندان کے تقریباً چالیس آدمیوں کو کھانے کی دعوت دی، لوگ اکٹھا ہوئے، جب کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی، لیکن سب کے سب لوگ یہ کہہ کر وہاں سے منتشر ہو گئے کہ کیا اسی لئے بلایا تھا، خاندان کا کوئی بھی آدمی آپ کا ساتھ دینے کیلئے تیار نہیں ہوا، البتہ حضرت علیؓ جو ابھی کم عمر تھے وہ پکار اٹھے کہ، اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ، میں یا رسول اللہ آپ کے ساتھ دینے کیلئے تیار ہوں، آپ نے ان کی کمسنی کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ، اَنْتَ یَا عَلِیُّ، اَنْتَ یَا عَلِیُّ" تم اے علی، تم اے علی۔ (رواہ البزار)

ذرا تصور کیجئے جہاں خاندان اور عرب کے تمام قبائل توحید کی آواز کو سننا گوارا نہ کرتے ہوں وہاں توحید کی آواز بلند کر کے پورے ملک کی مخالفت مول لینا آسان نہیں تھا، لیکن آپ نے مخالفتوں کی تیز سے تیز آندھیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے تنہا بت پرستی کے خلاف آواز بلند کی، اس دعوت توحید کے نتیجے میں ظلم و ستم کے کیسے کیسے پہاڑ آپ پر ڈھائے گئے اور کیسی کیسی ناقابل برداشت تکلیف پہنچائی گئی وہ بہت ہی دردناک داستان ہے، یہاں صرف ایک دو مثال نقل کر رہا ہوں جس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دور جاہلیت کی تیز اور طوفانی آندھیوں میں توحید کی شمع جلانا کتنا مشکل کام تھا، ایک دن رسول اللہ ﷺ حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن ابی معیط نے آپ کی گردن مبارک میں کپڑا ڈال کر اس قدر زور سے کھینچا کہ گلا گھٹنے لگا، اتفاق سے ابوبکر صدیقؓ آگئے اور عقبہ کو دھکا دیا اور یہ آیت پڑھی۔

اَتَقۡتُلُوۡنَ رَجُلًا اَنۡ یَّقُوۡلَ رَبِّیَ اللّٰہُ" کیا تم ایک آدمی کو صرف اس بات پر قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ایک بار میں نے دیکھا کہ قریش کے لوگ رسول اللہ ﷺ کو مارتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ، اَنۡتَ جَعَلۡتَ الۡاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا" کیا تو نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا" حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ آپ ﷺ کے قریب جائے اور آپ ﷺ کو دشمنوں سے چھڑائے، حسن اتفاق کہ ابوبکرؓ آگئے اور دشمنوں کے جھنڈ میں گھس گئے اور آپ ﷺ کو چھڑایا اور کافروں سے مخاطب ہو کر کہ، وَیۡلَکُمۡ، اَتَقۡتُلُوۡنَ رَجُلًا اَنۡ یَّقُوۡلَ رَبِّیَ اللّٰہُ" افسوس کہ تم ایسے آدمی کو قتل کرنے کی کوشش کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔

ایک مرتبہ قریش نے آپ ﷺ کو اس قدر مارا کہ آپ بیہوش ہو گئے، حضرت ابوبکرؓ حمایت کیلئے آئے تو آپ کو چھوڑ کر ابوبکرؓ پر حملہ آور ہو گئے اور حضرت ابوبکرؓ کو اس قدر مارا کہ تمام سر زخمی کر دیا یہاں تک کہ ابوبکرؓ زخموں کی شدت کی وجہ سے سر کو ہاتھ نہ لگا سکتے تھے۔

اسلام قبول کرنے کے نتیجے میں حضرت بلالؓ کو ظالم کفار و مشرکین عرب کی تیز دھوپ میں ننگا کر کے گرم ریت پر لٹاتے اور ان کے سینہ پر پتھر رکھ دیتے پھر ببول کے کانٹے ان کے جسم میں چبھوتے اور چاروں طرف آگ سلگا دیتے، جب حضرت بلالؓ تڑپنے لگتے تو امیہ بن خلف پوچھتا تھا کہ کیا محمد ﷺ کے ایک خدا کو چھوڑ کر ہمارے بتوں کی پوجا کرنے کیلئے تیار ہو مگر بلالؓ کی زبانِ عشق سے صرف اَحَد، اَحَد کے کلمات نکلتے، یعنی خدا تو ایک ہی ہے، جب رات ہو جاتی تو بلالؓ کو زنجیروں میں باندھ کر ایک اندھیری کوٹھری میں ڈال دیتا تھا اور مسلسل آپ کی مبارک کمر پر کوڑوں کی بارش کرتا، پھر بھی حضرت بلالؓ کی زبان سے وہی ایک لفظ اَحَد، اَحَد نکلتا۔

جب ان تمام ظالمانہ کاروائیوں سے بھی بادۂ توحید کے اس متوالے کو جنبش نہ دے سکا تو حضرت بلالؓ کے گلے میں رسی ڈال کر اوباش لڑکوں کے حوالہ کر دیا، وہ ظالم لڑکے حضرت بلالؓ کو مکہ کی پتھریلی گلیوں میں گھسیٹے پھرتے اور ان کا مذاق اڑاتے، مگر بلالؓ کی زبان سے وہی اَحَد، اَحَد کے الفاظ نکلتے کہ اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہی ہے۔

جاہلیت کے اس پر آشوب دور کے مقابلے میں آج توحید کی دعوت دینا آسان ہے، آج مسلمانوں کی تعداد بھی زیادہ ہے مادی وسائل اور اسباب کی فراوانی ہے، بہت سے ملکوں میں مسلمانوں کو سیاسی اقتدار بھی حاصل ہے، اگر مسلمان متحد ہو جائیں اور اجتماعی طور پر اسلام کی دعوت دیں اور کچھ غیر مسلم مخالفت پر آمادہ ہو جائیں تو آسانی کے ساتھ مسلمان ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور اگر اس راہ میں مصائب و آلام کی کچھ پر خار وادیوں سے گذرنا پڑے تو یہ بندۂ مومن کیلئے شرف و اعزاز کی بات ہے، اور حق کی راہ میں تکلیف برداشت کرنا انبیاءؑ کی سنت ہے۔

حق پرستی کی سزا جورِ عیاں
ہے یقیناً سنتِ پیغمبراں

آج مسلمانوں کے پاس بڑے بڑے مدرسے ہیں، ادارے ہیں، مشائخ کی شاندار خانقاہیں ہیں، بہت سی مسلم جماعتیں اور انجمنیں ہیں، مدرسوں میں شاندار عمارتیں ہیں، سب کچھ ہے لیکن وہی ایک کام نہیں ہو رہا ہے جس کیلئے قرآن حکیم کا نزول ہوا، اور انبیاءؑ کو مبعوث کیا گیا، تقریر وخطابت کا میدان بھی بھرا ہوا ہے، مدرسے طلباء اور علماء سے بھرے ہوئے ہیں، خانقاہیں مریدوں اور معتقدوں سے بھری ہوئی ہیں، حرم کا میدان عمرہ کرنے والوں سے بھرا رہتا ہے، لیکن میدانِ دعوت خالی نظر آ رہا ہے، میدانِ دعوت میں قدم رکھنے کیلئے علماء ومشائخ اور مسلمان تیار نہیں ہیں، بت پرستی کے خلاف آواز بلند کرنے کی ہمت نہیں ہے۔

دور جاہلیت کی طرح آج بھی ہندوستان میں بت پرستی ہو رہی ہے بلکہ پہلے کے مقابلہ میں شرک کا بازار زیادہ گرم ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ کیا ہندوستان میں توحید کی دعوت دینے کیلئے آسمان سے فرشتے نازل ہوں گے یا پھر کوئی پیغمبر آئے گا، ظاہر ہے نہ فرشتے نازل ہوں گے اور نہ اب کوئی دوسرا نبی آئے حضور اکرم ﷺ کے بعد اب کارِ نبوت کی ذمہ داری مسلمانوں کے سر ہے، اگر مسلمان اپنے آپ کو حامل قرآن کہتے ہیں اور نبی آخر الزماں ﷺ کی امت کہتے ہیں، تو ان کا فرضِ منصبی ہے کہ تمام غیر ضروری مسائل کو نظر انداز کر کے میدانِ دعوت میں قدم رکھیں اور تمام باشندگانِ ملک کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کی دعوت دیں، اس میں شبہ نہیں کہ قدیم مکہ کے مقابلے میں آج دنیا میں اسلام کی دعوت دینا آسان ہے۔

توحید کی دعوت کا میدان نہ مدرسہ ہے، نہ خانقاہ ہے، بلکہ خانقاہوں اور مدرسوں سے باہر نکل کر غیر مسلموں کے مجمع میں توحید کی دعوت کا اعلان کرنا ہے۔

در مدرسہ کس را نہ رسد دعویٔ توحید
منزل گہ مردانِ موحد سرِ دار است

یعنی: کلمۂ توحید کا اعلان محض مدرسہ کی چہار دیواریوں ہی میں نہیں کیا جاتا، بلکہ سرِ دار ہی آوازِ حق کو بلند کیا جاتا ہے۔

مندرجہ ذیل روایت کو پڑھئے اور بتایئے کہ دعوت کا میدان کہاں ہے؟

ایک مرتبہ قریش کے لوگ ابوطالب کے پاس آئے اور کہا کہ، يَا اَبَا طَالِبٍ اِنَّ ابْنَ اَخِيْكَ يَاْتِيْنَا فِيْ اَفْنِيَتِنَا وَفِيْ نَادِيْنَا فَيُسْمِعُنَا مَا يُؤْذِيْنَا بِهٖ فَاِنْ رَاَيْتَ اَنْ تَكُفَّهٗ عَنَّا فَافْعَلْ" اے ابوطالب تمہارا بھتیجا ہمارے میدانوں میں، صحنوں میں، ہماری مجلسوں میں آتا ہے اور ہم کو وہ باتیں سناتا ہے جس

سے ہم کو تکلیف ہوتی ہے، اگر تم سے ہو سکے تو اس کو ہمارے پاس آنے سے روک دو، ابو طالب نے اپنے لڑکے عقیل کے ذریعہ آپ ﷺ کو بلایا اور ان سے قریش کی بات کہی، فَحَلَّقَ بِبَصَرِهِ اِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا اَنَا بِاَقْدَرَ اَنْ اَدَعَ مَا بُعِثْتُ بِهٖ مَنْ اَنْ يُّشْعِلَ اَحَدُكُمْ مِنْ هٰذِهِ الشَّمْسِ شُعْلَةً مِّنْ نَّارٍ" حضور اکرم ﷺ نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی اور کہا کہ اللہ کی قسم میں اس پر قادر نہیں کہ جو پیغام دے کر مجھ کو بھیجا گیا ہے اس کو چھوڑ دوں، جیسے تم میں سے کوئی شخص اس پر قادر نہیں ہے کہ سورج سے آگ کا ایک شعلہ جلائے، یہ فرما کر حضور اکرم ﷺ رو پڑے۔ (بحوالہ، البداية والنهاية)

اب تفسیر ماجدی، جلد ہفتم، تفسیر سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلْ کا حاشیہ نمبر ۱۷/ پڑھئے

اس آیت پر پہنچ کر ذرا ملک کی اس فضا کا نقشہ ذہن کے سامنے لے آیئے جس میں توحید کی یہ آواز اول اول بلند ہوئی تھی، ایک تجارت پیشہ قوم جو اپنی آزادی و خود مختاری، اپنی اقبال مندی اور اپنی شرافتِ نسب پر نازاں تھی اور اپنے جاہلی دین و اخلاق اور مشرکانہ تہذیب و تمدن میں مست، توحید اور پاکبازی کے نام سے نا آشنا، اس مغرور قوم کے آگے اس کا ایک فرد جو اس وقت تک نہ ثروت و وجاہت میں ممتاز تھا، نہ ملک گیری و فوج کشی میں، تن تنہا کھڑے ہو کر صدا یہ بلند کر رہا ہے کہ جن دیویوں، دیوتاؤں کی پرستش تم پشتہا پشت سے کرتے چلے آرہے ہو سب کو چھوڑ چھاڑ کر صرف ایک کو مانو، اپنے فیشن کو بدلو، اپنے دین کو بدلو، شرابیں چھوڑو، بے حیائیاں چھوڑو، عریانیاں چھوڑو، قمار بازیاں چھوڑو، خونخواریاں چھوڑو، سودی کاروبار چھوڑو، غرض دین کے ساتھ، ساتھ اپنی دنیا بھی بدلو، خیال تو کیجئے کہ اس داعی کو کس دل و جگر، کس ہمت و عزم کا ہونا چاہیے۔ (بحوالہ، تفسیر سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلْ، حاشیہ نمبر ۱۷/)

❁❁

دنیا کے لئے آخرت کو نظر انداز کر دینا حماقت ہے

ایک نوجوان آدمی اپنی کمائی کا پورا سرمایہ، تفریحی مشاغل اور عیش وعشرت میں خرچ کر رہا ہے اور خوب فضول خرچی کا مظاہرہ کر رہا ہے، اس کو ایک مخلص آدمی نصیحت کر رہا ہے کہ ارے بھائی تمہارے سامنے بڑھاپے کی منزل بھی آنے والی ہے، بڑھاپے کا دور بہت ہی بیچارگی اور بیکسی کا ہوتا ہے، اس کیلئے بھی اپنے سرمایے کا کچھ حصہ جمع کر کے رکھو تا کہ یہ رقم بڑھاپے کی نازک گھڑی میں کام آئے، کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بڑھاپے میں اپنے بھی بیگانے ہو جاتے ہیں اور ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، تمہارے پاس رقم رہے گی تو اس گاڑھے وقت میں کام آئے گی، لیکن وہ جوانی کی ترنگ میں اتنا بست ہے کہ بڑھاپے کی نازک گھڑی کا کوئی خیال نہیں ہے، وہ کہتا ہے کہ بڑھاپے کی فکر میں کیوں موجودہ عیش وعشرت کی اپنی زندگی کو مکدر کیا جائے۔ بقول آنند نرائن ملاء ؎

ابھی شباب ہے کرلوں خطائیں جی بھر کے
کہ اس مقام پر عمر رواں رہے نہ رہے

بالکل یہی حال ان دنیا پرستوں کا ہے، جو جلد ختم ہو جانے والی دنیا کے چند روزہ عیش و آرام کیلئے آخرت کو نظر انداز کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آخرت کے دن کو یوم ثقیل کہا ہے، یعنی وہ بہت ہی بھاری اور ہولناک دن ہوگا، دنیا کے سخت سے سخت تکلیف دہ دن کو بھی یوم ثقیل (بھاری دن) نہیں کہا جا سکتا، تو جتنا پاگل اور احمق وہ نوجوان ہے جس کو جوانی کے نشہ میں بڑھاپے کا ہوش نہیں رہا، اس سے زیادہ پاگل اور احمق وہ لوگ ہیں جو دنیا کے چند روزہ عیش و آرام کیلئے آخرت کی دائمی زندگی کو برباد اور ویران کر دیتے ہیں۔

حضرت علیؓ نے ایک دفعہ لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ "اِرْتَحَلَتِ الدُّنْيَا مُدْبِرَةً وَارْتَحَلَتِ الْآخِرَةُ مُقْبِلَةً وَلِكُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بَنُوْنَ فَكُوْنُوا مِنْ اَبْنَاءِ الْآخِرَةِ وَلَا تَكُوْنُوا مِنْ اَبْنَاءِ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْيَوْمَ عَمَلٌ وَلَا حِسَابَ وَغَدًا حِسَابٌ وَلَا عَمَلٌ" دنیا روز بروز منہ پھیرتی جارہی ہے اور آخرت روز بروز قریب آتی جارہی ہے، ان دونوں میں سے ہر ایک کے بیٹے یعنی عاشق ہیں، تم آخرت کے بیٹے یعنی عاشق بنو، دنیا کے بیٹے اور عاشق مت بنو، کیونکہ آج عمل کا موقع ہے، حساب نہیں لیکن کل حساب ہوگا عمل کا چانس ختم ہو جائے گا۔ (بحوالہ، بخاری شریف)

جو لوگ اس دنیا کی حقیقت جانتے ہیں ان کو اس سے کتنی وحشت ہوتی ہے اس کا اندازہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے اس مکتوب سے لگا سکتے ہیں۔

دنیادار لوگوں کی صحبت سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو، ان کا کھانا کھانے سے بھی بچو کیونکہ

ان کا مرغن لقمہ بھی قلبی امراض میں اضافہ کر دیتا ہے، ان سے محبت بھی نہ کرو، حتیٰ کہ ان کو دیکھنے سے بھی بچو۔ (بحوالہ، مکتوبات مجدد الف ثانیؒ)

اب تفسیر ماجدی جلد ہفتم تفسیر سُوْرَةُ الدَّهْر کا حاشیہ نمبر ۱۶ ر پڑھئے

یہاں تمام لامذہبوں کی اصلی ذہنیت (سائیکالوجی) بے نقاب کر دی ہے کہ عمق اور دور بینی سے یہ کورے ہوتے ہیں صرف حاضر پرست یا "آج" پرست ہوتے ہیں ،ان کی عقلیں سطحی اور ان کے فیصلے تمام تر سرسری ہوتے ہیں یہ محض حواس پرست اور ہوا پرست ہوتے ہیں، عقل و دور اندیشی سے انھیں دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔

یَوْمًا ثَقِيْلًا" وہ دن جو کافروں اور منکروں پر بہت ہی بھاری ہوگا۔ اَلْعَاجِلَة" سے مراد دنیا اور اس کی ساری آنی فانی لذتیں ہیں۔ (بحوالہ، تفسیر سُوْرَةُ الدَّهْر، حاشیہ نمبر ۱۶)

اقتباس

حضرت علیؓ نے ایک دفعہ لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ، اِرْتَحَلَتِ الدُّنْيَا مُدْبِرَةً وَارْتَحَلَتِ الْاٰخِرَةُ مُقْبِلَةً وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بَنُوْنَ فَكُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الْاٰخِرَةِ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْيَوْمَ عَمَلٌ وَّلَا حِسَابَ وَغَدًا حِسَابٌ وَّلَا عَمَلَ "دنیا روز بروز منہ پھیرتی جارہی ہے اور آخرت روز بروز قریب آتی جارہی ہے، ان دونوں میں سے ہر ایک کے بیٹے یعنی عاشق ہیں، تم آخرت کے بیٹے یعنی عاشق بنو، دنیا کے بیٹے اور عاشق مت بنو، کیونکہ آج عمل کا موقع ہے، حساب نہیں لیکن کل حساب ہوگا عمل کا چانس ختم ہو جائے گا۔ (بحوالہ، بخاری)

رات جیسی نعمت کا غلط استعمال

اللہ تعالیٰ نے زندگی گذارنے کیلئے جو اصول اور نظام الاوقات مقرر کر دیا ہے اس کو اختیار کر کے انسان کو سکون مل سکتا ہے اس اصول اور نظام الاوقات سے ہٹنے میں مختلف پریشانیوں اور الجھنوں کا شکار ہونا ضروری ہے۔

مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی نے خوب فرمایا ہے کہ؎

اگر آزاد ہم ہوتے خدا جانے کہاں ہوتے
مبارک عاشقوں کے واسطے دستور ہوجاتا

اللہ تعالیٰ نے رات کو لباس، پردہ اور سکون کا ذریعہ بنایا ہے اور دن کو بقدر ضرورت معاشی دوڑ دھوپ کیلئے بنایا ہے، اگر انسان رات کو بھی دن کا درجہ دے دے اور رات میں بھی دن ہی کی طرح دوڑ دھوپ کرے اور معاشی میدان میں سرگرم عمل رہے، تو یقیناً اس کی پریشانیوں میں اضافہ ہوگا۔

انسان کی زندگی کا مقصد محض، روٹی کپڑا، مکان، اور کھانا پینا نہیں ہے بقدر ضرورت روٹی روزی کیلئے اللہ تعالیٰ نے جو دوڑ دھوپ کی اجازت دی ہے تو وہ بھی مقصد وجودی کی تکمیل کیلئے دی ہے مقصد اللہ کی بندگی ہے، رات کے وقت اللہ تعالیٰ سارے عالم پر سناٹا طاری کر دیتے ہیں تاکہ دن بھر کی تھکان کو نیند کے ذریعہ دور کر کے آدمی تازہ دم ہوجائے اور رات کا کچھ حصہ اللہ کے ذکر و فکر اور اللہ سے مناجات وسرگوشی میں گذارے، پھر فجر کی نماز پڑھنے کے بعد بقدر ضرورت اپنے ضروری کاموں میں مشغول ہوجائے، رات اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور رات کو دن پر فضیلت حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اللہ سے محبت کرتے ہیں ان کو رات سے بڑی انسیت ہوتی ہے ان کو دن کے ہنگامے میں اچھا نہیں لگتا، اس لئے وہ رات کا انتظار کرتے رہتے ہیں تاکہ رات کی تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے مناجات کا شرف حاصل کریں۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے خوب فرمایا ہے کہ؎

نام آتے ہی نشہ سا چھا گیا ☆ ذکر میں تاثیر دور جام ہے
وعدہ آنے کا شب آخر میں ہے ☆ صبح ہی سے انتظار شام ہے

حضرت علیؓ کے بارے میں ایک راوی کا بیان ہے کہ "اِنَّهٗ كَانَ يَسْتَوْحِشُ بِالدُّنْيَا وَزَهْرَتِهَا وَيَسْتَانِسُ بِاللَّيْلِ وَظُلْمَتِهٖ" ان کو دنیا اور اس کی رونق سے بہت وحشت تھی، ان کو رات اور اس کی تاریکیوں سے بہت انسیت تھی۔

آج اس ترقی یافتہ دور میں رات کا بہت غلط استعمال ہو رہا ہے، دن کی طرح رات کو بھی انسان دوڑ رہا ہے اور اللہ کو یاد کرنے کے بجائے تفریحی مشغلوں میں اپنی رات گذارتا ہے، رات بھر گاڑیاں چلتی ہیں رات بھر ہوائی

جہاز پرواز کرتے ہیں، رات بھر کارخانے چلتے ہیں، اس طرح انسان نے اپنے آپ کو پریشانیوں اور الجھنوں میں جکڑ لیا ہے کہ نہ ہی دن کو سکون ملتا ہے نہ رات ہی کو چین ہے، اگر اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام الاوقات کے مطابق زندگی گذارتا تو یہ دنیا اس کیلئے امن وسکون کا گہوارہ بن جاتی۔

رات کو تقریباً ساری کائنات آرام کرتی ہے، رات کے سناٹے میں درختوں کو دیکھئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی عالم خلوت میں سکون کے ساتھ سو رہے ہیں، اسی طرح تمام چرند و پرند سوتے ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ شام ہوتے ہی تمام پرندے اپنے گھونسلے اور آشیانوں میں آجاتے ہیں اور صبح ہوتے ہی تلاش رزق میں نکل پڑتے ہیں، لیکن اس زمین پر آج سب سے خراب حال انسانوں کا ہے، اللہ کے بنائے ہوئے نظام الاوقات سے انحراف کا نتیجہ ہے کہ انسان کو نہ رات کو چین ہے، نہ دن کو۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے کہ:

رات آئی تو جانے کیا ہوگا
ہم نے رو رو کے دن گذارا ہے

اب تفسیر ماجدی، جلد ہفتم، سُوْرَۃُ النَّبَا کا حاشیہ نمبر ۵/ پڑھئے۔

رات کا وقت جو فاطر کائنات نے انسان کے تھکے ہوئے جسم اور دماغ کیلئے سکون وراحت کا اور عباداتِ خلوت کا وقت بنایا ہے "روشن خیال و مہذب" دنیا نے عین اسی کو اپنے تعیشات اور نفس پرستیوں کیلئے مخصوص کرلیا ہے۔ (بحوالہ، تفسیر سُوْرَۃُ النَّبَا، حاشیہ نمبر ۵/)

❁ ❁

اقتباس

اللہ تعالیٰ نے رات کو لباس، پردہ اور سکون کا ذریعہ بنایا ہے اور دن کو بقدر ضرورت معاشی دوڑ دھوپ کیلئے بنایا ہے، اگر انسان رات کو بھی دن کا درجہ دے دے اور رات میں بھی دن ہی کی طرح دوڑ دھوپ کرے اور معاشی میدان میں سرگرم عمل رہے، تو یقیناً اس کی پریشانیوں میں اضافہ ہوگا۔

دیدار الٰہی سے محرومی دوزخ سے بھی بڑھ کر دوزخ ہے

انسان کسی خوبصورت عمارت کو دیکھتا ہے تو فطری طور پر اس کے دل میں یہ شوق پیدا ہوتا ہے کہ اس ذات کو بھی دیکھے اور اس سے ملاقات کرے جس نے اس حسین عمارت کی تعمیر کی ہے، یہ اعلیٰ فطری ذوق کی علامت ہے، کچھ بدذوق ایسے ہوتے ہیں جن کی نگاہ بس عمارت ہی کی خوشنمائی اور خوبصورتی تک محدود رہتی ہے، اس سے آگے ان کی نگاہ نہیں جاتی، وہ سیب کی خوبصورتی اسکے ذائقے سے تو لطف اندوز ہوتے ہیں لیکن جس نے سیب کو پیدا کیا اس کو جاننے کی کوشش نہیں کرتے، یہی فرق ایک مومن اور کافر میں ہے، کافر کی نظر فقط سیب تک محدود رہتی ہے اور مومن سیب کے آئینے میں سیب کے خالق کو دیکھ لیتا ہے، اور پکار اٹھتا ہے کہ جب سیب اتنا لذیذ ہے تو جس نے اس کو بنایا ہے وہ کیسا ہوگا؟ اسی طرح کائنات کی تمام چیزوں میں وہ اپنے پروردگار حقیقی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ سچ ہے ۔

جہاں دیکھیں جدھر دیکھیں نظر محبوب آتا ہے
تعالیٰ اللہ یہ برکت ہے انوارِ محبت میں

اللہ تعالیٰ کے جلوے ہر طرف ہیں کائنات کا ہر ذرہ اسی ذات بے مثال کے حسن و جمال کا پرتو ہے، لیکن بغرض امتحان اللہ تعالیٰ لوگوں کی نگاہوں سے پردۂ غیب میں ہے تو جو لوگ پردۂ غیب میں ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں دیکھ لیتے ہیں انہی کیلئے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن غیب سے پردہ اٹھائے گا، تاکہ وہ اپنے پروردگارِ حقیقی کو بے نقاب دیکھ لیں، جس کے دیدار کیلئے اس دنیا میں رات دن تڑپتے تھے اور ان کیلئے مقامِ دید جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، چونکہ کافر و مشرک، منکر و ملحد، اور دنیا پرست اس دنیا میں بھی اندھے رہے اپنے پروردگار حقیقی کو نہ پہچان سکے، اس لئے آخرت میں بھی اللہ کے دیدار سے محروم رہیں گے۔

دنیا پرستوں کو بس دنیا ہی کا نقشہ نظر آتا ہے آخرت ان کی نگاہوں سے اوجھل رہتی ہے، غیر ضروری تحقیقات اور دنیا کے نقشوں میں اس طرح گم رہتے ہیں کہ اللہ کا جمال و جلال ان کو دکھائی نہیں دیتا۔

اکبر الٰہ آبادی نے خوب کہا ہے کہ ۔

کیوں کر خدا کے عرش کے قائل ہوں یہ عزیز
جغرافیہ میں عرش کا نقشہ نہیں ملا

اپنے پروردگار کو نہ دیکھنا ہی انسان کیلئے سب سے بڑی محرومی ہے، جو لوگ دیدارِ الٰہی سے محروم کردیئے جائیں گے ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، حقیقت ہے کہ اللہ کے دیدار سے محرومی دوزخ سے بھی بڑھ کر دوزخ ہے، اس میں شبہ نہیں کہ دنیا میں تمام عبادتوں اور ریاضتوں کا حاصل یہی اللہ سے ملاقات اور اللہ کا دیدار ہے، دیدار الٰہی سے بڑھ کر کوئی لذت نہیں، اللہ کے دیدار کے سامنے جنت کی ساری نعمتیں ہیچ ہیں، جنت میں جو بھی لطف و لذت اور

کیف وسرور ہے وہ صرف دیدار الٰہی ہی کی وجہ سے ہے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ، اَمَا وَاللّٰہِ لَو لَمْ یُوقِنْ مُحَمَّدُ بِنْ اِدْرِیْسَ اَنَّہٗ یَرٰی رَبَّہٗ فِی الْمَعَادِ لَمَا عَبَدَہٗ فِی الدُّنْیَا" سن لو، اگر محمد بن ادریس کو آخرت میں اللہ کو دیکھنے کا یقین نہ ہوتا تو دنیا میں اس کی عبادت ہی نہیں کرتا۔ (بحوالہ، قرطبی)

امام احمد امام مسلم اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے، قَالَ اِذَا دَخَلَ اَھْلُ الْجَنَّۃِ الْجَنَّۃَ وَاَھْلُ النَّارِ النَّارَ نَادٰی مُنَادٍ یَاَھْلَ الْجَنَّۃِ اِنَّ لَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ مَوْعِدًا یُرِیْدُ اَنْ یُنْجِزَ کُمُوْہُ فَیَقُوْلُوْنَ، وَمَا ھُوَ اَلَمْ یُثَقِّلْ مَوَازِیْنَنَا، اَلَمْ یُبَیِّضْ وُجُوْھَنَا وَیُدْخِلْنَا الْجَنَّۃَ وَیُجِرْنَا مِنَ النَّارِ، قَالَ فَیُکْشَفُ لَھُمُ الْحِجَابُ فَیَنْظُرُوْنَ اِلَیْہِ، فَوَاللّٰہِ مَا اَعْطَاھُمُ اللّٰہُ شَیْئًا اَحَبَّ اِلَیْھِمْ مِنَ النَّظْرِ اِلَیْہِ وَلَا اَقَرَّ لِاَعْیُنِھِمْ" (ابن کثیر)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں داخل ہو چکے ہوں گے تو ایک پکارنے والا پکارے گا اے اہل جنت تمہارے لئے اللہ کا ایک وعدہ ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کو تمہارے لئے پورا کرے، اہل جنت کہیں گے کہ وہ کیا ہے، کیا ہمارے پلڑے بھاری نہیں کر دیئے گئے، کیا ہمارے چہروں کو روشن نہیں کر دیا گیا اور اللہ نے ہم کو جنت میں داخل کر دیا اور ہم کو آگ سے بچا لیا؟ اس کے بعد ان کے اوپر سے پردہ کھول دیا جائے گا پھر وہ اپنے رب کو دیکھنے لگیں گے، پس اللہ کی قسم کوئی نعمت جو اللہ نے انہیں دی ہے وہ ان کیلئے اللہ کو دیکھنے سے زیادہ محبوب نہ ہوگی اور نہ اس سے زیادہ ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے والی۔ (بحوالہ، تفسیر ابن کثیر)

سچ ہے کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو آخرت میں اللہ کا دیدار حاصل ہوگا اور کتنے بدبخت ہیں وہ لوگ جو اللہ کے دیدار سے محروم رہیں گے، اے اللہ دنیا میں بھی راقم الحروف کو اس شعر کا مصداق بنا دے اور آخرت میں بھی اپنے دیدار کی نعمت سے سرفراز فرما۔ آمین

عالم غیب ہو مشہود میری آنکھوں میں
اپنے اصلاحی کو وہ چشم بصیرت دیدے

اب تفسیر ماجدی، جلد ہفتم تفسیر سُوْرَۃُ الْمُطَفِّفِیْن کا حاشیہ نمبر ۶/ پڑھئے۔

اور یہ دیدار حق سے محجوبی بجائے خود ایک بہت بڑی سزا ہے، جس کا اندازہ کچھ اسی دن ہوگا۔ اِن مَحْجُوْبُوْن مقدم ہے اور داخلہ جہنم موخر ہے، ثُمَّ کے تحت میں، اس سے عارفوں نے نکتہ یہ پیدا کیا کہ اصل سزا دوزخ نہیں بلکہ دیدار الٰہی سے محرومی ہی ہے اور دوزخ محض اس کا نتیجہ ہے۔
(بحوالہ، تفسیر سُوْرَۃُ الْمُطَفِّفِیْن، حاشیہ نمبر ۶/)

کامیابی تو بس آخرت کی کامیابی ہے

ایک آدمی جوان ہے، تندرست ہے، اس کے پاس یونیورسٹی کی شاندار ڈگریاں ہیں، وہ کسی ملک کا وزیر اعظم ہے، اس کے پاس فوجی طاقت ہے، اسکے پاس خدم و حشم ہیں، شاندار ایرکنڈیشن محل میں رہتا ہے، عیش و عشرت کے سارے سامان اسکے پاس موجود ہیں، ہر جگہ اس کا استقبال ہوتا ہے، مختلف قسم کے اعزاز سے اسکو نوازا جاتا ہے، اس کی شان میں مدح و توصیف کے قصیدے پڑھے جاتے ہیں، الغرض دنیا کا انتہائی طاقتور مالدار اور خوشحال انسان ہے۔

لیکن سب لوگ جانتے ہیں کہ اس دنیا میں ہر انسان کے اوپر موت کی تلوار لٹک رہی ہے، اور بہت ہی جلد جب موت کا وقت آجائے گا تو وہ اپنی ساری مادی ترقیوں، ڈگریوں، اور عیش و عشرت کے سارے سامانوں کو چھوڑ کر انتہائی بیچارگی اور بے بسی کے ساتھ دوسری دنیا میں چلا جائے گا، کوئی بھی چیز اس کے ساتھ نہیں جائے گی اور مرنے کے بعد اس کو تکلیف دہ قید خانے میں ڈال دیا جائے گا، جہاں عیش و آرام نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں، تو کیا اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ وہ بہت کامیاب انسان ہے، بلکہ جو لوگ عقلمند ہیں وہ یہی کہیں گے کہ اس سے زیادہ ناکام انسان کوئی نہیں ہے۔

اس کے مقابلے میں ایک دوسرا شخص ہے جس نے انتہائی غربت اور افلاس اور عسرت و تنگدستی کے ساتھ زندگی گذاری اور مرنے کے بعد اس کو عیش و آرام اور نعمتوں کے باغوں میں رکھا جائے، تو اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ واقعی وہ کامیاب انسان ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ:

خوشی کے بعد غم کا سامنا ہونا قیامت ہے
جو حاصل بعد غم کے ہو وہ البتہ خوشی اچھی

جب اس میں شبہ نہیں کہ یہ دنیا چند روزہ ہے اور حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے جو دائمی ہے، کبھی ختم نہیں ہوگی، تو عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ اس دنیا کو ترقی کا میدان نہ بنا جائے، چند روزہ، فانی اور سریع الزوال دنیا کو ترقی کا میدان بنانا حماقت ہے۔

قوم کے جو قائد، لیڈر اور دانشور، ہر وقت مسلمانوں کی معاشی کمزوری، علمی و تحقیقی پسماندگی اور مادی ترقی میں پیچھے رہ جانے کا راگ الاپتے رہتے ہیں اور دنیا کی ترقی کے میدان میں آگے بڑھ جانے ہی کو قومی ترقی سمجھتے ہیں، ان کی جہالت و نادانی اور حماقت پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے، وہ نہ خود اپنے لئے مخلص ہیں اور نہ مسلمانوں کیلئے مخلص ہیں، حقیقت ہے کہ آخرت ان کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔

جو اللہ اس کائنات اور سارے انسانوں کا خالق مالک اور پروردگار ہے اور جس نے سارے انسانوں کی

ترقی اور بھلائی کیلئے قرآن مجید جیسی بے مثال کتاب نازل کی، اس اللہ نے انسانوں کی ترقی کا جو میدان منتخب کیا ہے اسی کو ترقی کا میدان کہا جاسکتا ہے اور اسی میں ترقی کرنا کامیابی ہے، اللہ تعالیٰ نے آخرت کی کامیابی کو اَلْفَوْزُ الْعَظِیْم بڑی کامیابی کہا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ، لِمِثْلِ ھٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ" اسی طرح کی کامیابی کیلئے چاہئے کہ عمل کرنے والے عمل کریں" یعنی آخرت کو اپنی ترقی کا میدان بنائیں اور آخرت کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔

مولانا محمد احمد صاحبؒ نے خوب کہا ہے کہ، ۔

عبث نازاں ہے تو دنیا کے مال و زر پہ اے ناداں
جو مرنا ہے تو پھر کس کام کا ہے تاجِ سلطانی

خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ کے ان اشعار کو تو ورد زباں کر لینا چاہئے، ۔

تو نے منصب بھی کوئی پایا تو کیا ☆ گنج سیم و زر بھی ہاتھ آیا تو کیا
قصر عالیشاں بھی بنوایا تو کیا ☆ دبدبہ بھی اپنا دکھلایا تو کیا
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

اب تفسیر ماجدی، جلد ہفتم، سُوْرَۃُ الْبُرُوْجِ، حاشیہ نمبر ۶ / پڑھئے۔

حقیقی کامیابی صرف اخروی کامیابی ہے اس کے مقابلہ میں دنیا کی ہر علمی تحقیق، ہر سیاسی ترقی، ملکی فتح مندی ہیچ اور بے مایہ ہے، جو اہل ایمان آج ظلم وستم کے ہدف ہیں ان کیلئے بھی آیت سرمایۂ تسکین وتشفی ہے، دنیوی تکلیفوں کی پروا بھی بہت زیادہ ہی کیوں کی جائے، پائیدار اور حقیقی کامیابی اہل ایمان کا حصہ ہے۔ (بحوالہ، تفسیر سُوْرَۃُ الْبُرُوْجِ حاشیہ نمبر ۶ /)

❁ ❁

سُوْرَۃُ الْفَجْر کی آخری وجد آفریں چار آیتیں

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿۳۰﴾ اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار کی طرف چل، اس حال میں کہ تو اللہ سے خوش اور راضی اور اللہ تجھ سے خوش اور راضی، پس تو میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں جا داخل ہو۔ (سُوْرَۃُ الْفَجْر)

جانکنی یعنی دنیا سے رخصتی کے وقت اور قبر سے اٹھنے کے وقت اور حشر کے میدان میں اللہ کی طرف سے اپنے مخلص بندوں سے جو خطاب ہوگا وہ انتہائی پیارا، لذیذ، پر کیف اور وجد آفریں ہے، اس خطاب ربانی کی خبر اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی دے دی ہے تاکہ بندہ مومن اسکے تصور سے دنیا میں بھی اللہ کی محبت میں سرشار رہے اور دنیا کے غموں سے آزاد ہو کر اللہ کی اطاعت میں سرگرم عمل رہے، اس وجد آفریں خطاب سے جس روح کو سرفراز کیا جائے گا اس کیلئے نَفْسٌ مُطْمَئِنَّةٌ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ نَفْسٌ مُطْمَئِنَّةٌ کا مطلب ہے کہ بندہ اپنے پروردگار حقیقی کے ہر حکم اور ہر فیصلے پر راضی رہے، خوشی خوشی اللہ کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دے اور اللہ کے علاوہ کسی بھی چیز کی طرف اس کی نظر نہ جائے، اللہ کی اطاعت اور اللہ کا ذکر ہی اسکے لمحات زندگی کا لذیذ مشغلہ ہو، اللہ کے ذکر اور اللہ کی اطاعت کے علاوہ اس کے دل اور اس کی روح کیلئے کوئی دوسری چیز راحت و سکون اور اطمینان کا ذریعہ نہ ہو۔

حضرت ابن عطاؒ نے، نَفْسٌ مُطْمَئِنَّةٌ کی بہت جامع تعریف کی ہے، فرماتے ہیں کہ، "اَلْعَارِفَةُ الَّتِیْ لَا تَصْبِرُ عَنْهُ طَرْفَةَ عَيْنٍ" یعنی، نَفْسٌ مُطْمَئِنَّةٌ وہ نفس عارفہ (اللہ کو پہچاننے والا نفس) ہے جس کو اللہ کے بغیر چشم زدن کیلئے بھی چین نہ ملتا ہو۔

جس طرح مچھلی کو اگر پانی سے باہر کر دیا جائے تو وہ تڑپنے لگتی ہے، پانی سے باہر ایک لحہ بھی اس کے لئے قیامت ہے، اسی طرح اللہ کے مخلص بندے اللہ کے بغیر ایک لحہ بھی زندگی نہیں گذار سکتے، اللہ کے ذکر سے ایک لحہ کی غفلت بھی اس کیلئے موت ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا ہے کہ زندگی تو نام ہی ہے اللہ کو یاد کرنے کا، اس حقیقت کو واضح کرنے کیلئے انہوں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ، مِیْسَرَکْ نامی ایک بزرگ تھے، ایک درویش کو ان کی زیارت کا شوق ہوا گھر سے چلے، اس درویش کا خواب سچا ہوتا تھا راستے میں ایک منزل پر خواب دیکھا کہ مِیْسَرَکْ مر گئے ان کو بہت افسوس ہوا، پھر سوچا کہ چلیں قبر ہی کی زیارت کر لیں گے، جب وہاں پہنچے اور ان کی قبر کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے کہا کہ، وہ تو زندہ ہیں، درویش کو حیرانی

ہوئی کہ میرا خواب جھوٹا نہیں ہوتا، مِیُورَکْ کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ اے درویش آپ کا خواب سچا تھا، صورت یہ ہوئی کہ میں ہمیشہ اللہ کی یاد میں مشغول رہتا تھا لیکن تھوڑی دیر کیلئے غفلت ہوگئی اس لئے عالم میں منادی ہوگئی کہ، مِیُورَکْ مرگیا۔ (بحوالہ، فوائد الفوائد، صفحہ ۲۰)

حقیقت ہے کہ اللہ کی اطاعت اور اللہ کے ذکر ہی کا نام زندگی ہے، یہی وجہ ہے کہ ابلیس لاکھوں برس سے ابھی زندہ ہے لیکن اس کا شمار مردوں میں ہوتا ہے، حقیقت میں وہ زندہ نہیں ہے کیونکہ اس نے سب سے پہلے اللہ کی نافرمانی کی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہی کا نام موت ہے، اس لئے تمام کافر مُردوں میں سب سے پہلا مُردہ ابلیس ہی ہے، اس لئے کہا جاتا ہے کہ، اَوَّلُ مَنْ مَاتَ هُوَ اِبْلِیْسُ" سب سے پہلے جس پر موت آئی وہ ابلیس ہے۔

مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھیؒ نے خوب فرمایا ہے کہ:

تری یاد دل کی مرے غذا ہو ترا نام روح کی ہے شفاء
ترا بھولنا مری موت ہے ترا ذکر حاصل طور ہے

رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً" فرما کر اللہ تعالیٰ نے خود ہی نَفْسِ مُطْمَئِنَّةٌ کی وضاحت فرمادی، یعنی نَفْسِ مُطْمَئِنَّةٌ سے مراد وہ بندۂ مومن ہے جو اللہ سے راضی رہتا ہے، اللہ کی خوشنودی ہی اس کی زندگی کا حاصل ہے، وہ اپنی مرضیات کو اللہ کی مرضی میں اس طرح گم کردیتا ہے کہ اس کی اپنی کوئی مرضی ہی نہیں ہوتی، جو اللہ کی مرضی ہے وہی اس کی مرضی ہے، جو اللہ کو پسند ہے وہی اس کو پسند ہے، اور جس حال میں بھی اللہ تعالیٰ اس کو رکھتا ہے اس میں وہ خوش رہتا ہے۔

نہ ہجر اچھا ہے نہ وصال اچھا ہے
یار جس حال میں رکھے وہ حال اچھا ہے

جب اللہ کی اطاعت میں بندہ اس مقام رضاء تک پہنچ جاتا ہے تو اللہ بھی اس سے راضی ہو جاتا ہے، اسی کا نام نسبت ہے کہ دونوں طرف سے رضاء ہو، اللہ بھی راضی ہو اور بندہ بھی اللہ تعالیٰ کے ہر حکم سے راضی ہو، جب نسبت کا یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کسی دوسری طرف جانے نہیں دیتے، جس کو اللہ تعالیٰ اپنی کمند محبت سے اپنی طرف کھینچ لے دنیا کی کوئی طاقت پھر اس کو اپنی طرف کھینچ نہیں پاتی۔

سچ فرمایا ہے ایک عارف باللہ نے۔

نسبت اسی کا نام ہے نسبت اسی کا نام
ان کی گلی میں آکے پھر جانے نہ پایئے

کتنا حسین منظر اور کس قدر لذت وسرور کا عالم ہوگا جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرمائے گا کہ اے

نَفۡسٌ مُطۡمَئِنَّةٌ اپنے پروردگار کی طرف واپس آجا، یقیناً موت کے وقت جب یہ خطاب ہوگا تو بندۂ مومن کی روح خوشی سے پھڑ پھڑانے لگے گی اور دیدارِ الٰہی کے شوق میں بہت جلد جسم خاکی سے نکل کر پرواز کر جائے گی۔

روح اڑنے لگی مسرت سے
اف صدائے تعال کی لذت

اس خطاب کا دوسرا جزء بھی کتنا پُرکیف ہے کہ اے میرے بندے، میرے بندوں میں شامل ہوجا، یہ پیارا اور لذیذ اندازِ خطاب ویسا ہی ہے جیسے کسی پلیٹ فارم پر الگ الگ ویٹنگ روم بنائے گئے ہوں اور جب کوئی عظیم شخصیت پلیٹ فارم پر آئے تو استقبال کرنیوالے اس سے کہیں کہ آیئے صاحب چلئے آپ کا وی، آئی، پی (V.I.P) ویٹنگ روم یہ ہے، اس میں تشریف رکھیں، پھر اسی وی، آئی، پی، شخصیتوں کے ساتھ آپ کو اس منزل تک پہنچا دیا جائے گا جو آپ کی مطلوب و مقصود منزل ہے، اللہ تعالیٰ نے اُدۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ (میرے بندوں میں شامل ہوجاؤ) کو اُدۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ (میری جنت میں داخل ہوجاؤ) سے پہلے ذکر کیا ہے، جس سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اللہ کی خوشنودی کے مقام جنت میں داخلہ کے لئے ضروری ہے کہ دنیا میں بھی بندہ اللہ کے نیک صالح اور وفادار بندوں کے ساتھ رہے، جو اس دنیا میں اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ رہے گا آخرت میں بھی نیک بندوں کے ساتھ جنت میں داخل ہوجائے گا۔

بہرحال ان وجد آفریں آیتوں کی لذت آفرینیوں کو بیان کرنے کیلئے اس دنیا میں الفاظ ہی نہیں مل سکتے، ہاں اگر اللہ تعالیٰ دنیا کے قلموں اور دنیا کے مروجہ الفاظ کے علاوہ کوئی دوسرا قلم اور دوسرے الفاظ نازل فرمادے تو شاید اس خطابِ ربانی کی لذتوں کا کچھ پہلو بیان کیا جاسکے، بس اب کچھ مزید لکھنے کی ہمت نہیں ہے۔

اے اللہ راقم نامہ سیاہ کی بھی یہی تمنا ہے کہ بوقت وفات، یٰۤاَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةً فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ" کا لذیذ ترین خطابات سنتے ہوئے میری روح اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے اور مکینِ گنبدِ خضریٰ سے قریب صحابہ کرامؓ کے پڑوس میں میری آرام گاہ ہو۔ آمین

اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ نَفۡسًا مُطۡمَئِنَّةً تُؤۡمِنُ بِلِقَائِکَ وَتَرۡضٰی بِقَضَائِکَ وَ تَقۡنَعُ بِعَطَائِکَ، آمین

اب تفسیر ماجدی، جلد ہفتم تفسیر سُوۡرَةُ الۡفَجۡرِ کا حاشیہ نمبر ۱۵ / پڑھیئے۔

یہ بشارت ہر مومن کو عین اسوقت ملے گی جو وقت اس مادی جسم سے انقطاعِ روح کا ہوگا، اس وقت اس صدائے بشارت کی جواہیت اور معنویت اور ضرورت ہوگی اسے کوئی اچھا بھلا چنگا انسان الفاظ کے ذریعہ سے دوسرے زندہ سلامت تک کیوں کر پہنچاوے، اس کی قدر اور الفاظ کے ذریعہ سے ناقابل اظہار قدر تو عین اسی وقت، اب یہ کیا بتایا جائے کہ یہ صدائے جاں نواز کس کی ہوگی، عِبٰدِیۡ اور جَنَّتِیۡ

دونوں میں یائے متکلم کے بعد کسی تصریح کی ضرورت ہی کب باقی رہ جاتی ہے؟ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ " خطاب اس روح سے ہوگا جسے حقانیت اسلام پر ایقان واذعان ہوگا، اور کسی طرح کا شک ہوگا نہ انکار، اور انشاء اللہ اس کا مصداق ہر مومن کی روح ہوگی۔

اصطلاحِ صوفیہ میں نفوسِ مُطۡمَئِنَّةُ وہ نفوسِ مقدس ہیں جو رضائے الٰہی اور احکام شرعیہ میں ایسے مطمئن ہوگئے ہیں کہ مخالفت کیا معنی کراہت وگرانی کا بھی وہم باقی نہیں رہا ہے، اور ایسے نفوس حضرات انبیاءؑ کے علاوہ اولیاءِ کاملین کے بھی ہوتے ہیں۔

ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّكِ " یعنی اے روح مطمئن اپنے پروردگار کے جوار رحمت کی طرف چل۔

رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةً " یعنی اس حالت میں چل کہ اللہ تجھ سے خوش ہو اور تو اللہ سے خوش۔

فِیۡ عِبٰدِیۡ " مرتبہ عبدیت کی افضلیت بالکل اس لفظ سے ظاہر ہے، عارفین محققین نے کہا ہے کہ مرتبہ عبودیت مراتب عالی کا آخر ترین اور اعلیٰ ترین مقام ہے، اس لئے کہ اس میں داخلہ کا حکم مقام اطمینان کے بعد ہو رہا ہے۔

قرآن مجید کی جو آیتیں ہر عاصی مایوس کیلئے آخری سہارا اور تن مردہ کیلئے حیات بخش ہیں ان میں سُوۡرَةُ الۡفَجۡر کی یہ چار مختصر آیتیں بھی ہیں، ہر صاحب دل کیلئے وجد آفریں۔

اے اللہ تو اس نامہ سیاہ راقم تفسیر کو بھی آخری وقت اسی صدائے دل نواز سے مشرف کر اور اس کے ہر عزیز وقریب، مخلص ومتوسل کو بھی، بلکہ ہر کلمہ گو کو۔ (بحوالہ، تفسیر سُوۡرَةُ الۡفَجۡر، حاشیہ نمبر ۱۵ار)

❁ ❁

اقتباس

جس طرح مچھلی کو اگر پانی سے باہر کر دیا جائے تو وہ تڑپنے لگتی ہے، پانی سے باہر ایک لمحہ بھی اس کے لئے قیامت ہے، اسی طرح اللہ کے مخلص بندے اللہ کے بغیر ایک لمحہ بھی زندگی نہیں گذار سکتے، اللہ کے ذکر سے ایک لمحہ کی غفلت بھی اس کیلئے موت ہے۔

دل لگانے کی جگہ یہ دنیا نہیں ہے

اگر اس دنیا کو اللہ تعالیٰ ایسا بنا دیتے کہ کسی انسان کو کسی بھی قسم کی تکلیف نہ ہوتی نہ کبھی کوئی بیماری آتی نہ فقر و فاقہ ہوتا، رہنے کیلئے شاندار محل ہوتے عیش و عشرت کے سارے سامان اس کے پاس موجود ہوتے، سفر کرنے کیلئے شاندار گاڑیاں ہوتیں، جو ہر طرح کے ایکسیڈنٹ سے محفوظ ہوتیں، نہ خود پر کبھی بڑھاپا طاری ہوتا، نہ بیوی کبھی بوڑھی ہوتی، جس چیز کو بھی استعمال کرنے کی خواہش ہوتی وہ فوراً حاضر ہو جاتی، کسی چیز کو حسب خواہش کھانے کے بعد کسی طرح کی بدہضمی وغیرہ کا بھی اندیشہ نہ ہوتا، نہ دانت کمزور ہوتے، نہ کبھی آنکھوں کی روشنی میں کمزوری آتی، الغرض کسی طرح کی کوئی بھی پریشانی نہ ہوتی، ہر لمحہ زندگی میں بہار ہی کا موسم رہتا۔

پھر بھی یہ دنیا اس لائق نہیں ہے کہ اس سے دل لگایا جائے، کیوں کہ ہر طرح کی رنگینیوں، رعنائیوں، خوشنمائیوں، اسباب عیش عشرت کی فراوانیوں کے باوجود اس کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ یہ فانی ہے، چند روزہ ہے، بہت جلد ختم ہو جانے والی ہے، تو ظاہر ہے کہ ہمیشہ رہنے والی زندگی کے مقابلے میں عارضی فانی سریع الزوال چند روزہ زندگی سے دل لگانا یقیناً انتہائی درجہ کی حماقت، جہالت اور ناعاقبت اندیشی ہے۔ راقم الحروف کا شعر ہے۔

حیات چند روزہ میں تمنا کیا کرے کوئی ☆ جہاں ہر لمحہ مرنے کا ہو کھٹکا کیا کرے کوئی

لیکن جب یہ دنیا عارضی ہونے کے ساتھ ساتھ مصیبتوں، الجھنوں، پریشانیوں، بیماریوں، حادثوں، زمینی و آسمانی آفتوں بیقراریوں، بے خوابیوں، زلزلوں، آندھیوں، طوفانوں، برف باریوں، گرمیوں، سردیوں، بڑھاپے کی لاچاریوں، اپنوں اور بیگانوں کی طعنہ زنیوں، خوشہ چینیوں، دشمنیوں، خرمن امید کی بربادیوں، باغ تمنا کی ویرانیوں سے بھی بھری ہوئی ہے، صحت ہے تو بیماری کا اندیشہ، جوانی ہے تو بڑھاپے کا اندیشہ، خوشحالی ہے تو بدحالی کا اندیشہ بہار ہے تو خزاں کا اندیشہ، سفر میں ایکسیڈنٹ کا خطرہ، گھر میں بیوی کی دلخراش باتوں اور زبان درازیوں کا خطرہ، اولاد کی بیوفائیوں اور نافرمانیوں کا اندیشہ، اگر کسی کو وزارت و صدارت کی کرسی مل گئی تو ہر وقت اسکے چھننے کا خطرہ۔

الغرض دنیا کی اس چند روزہ زندگی میں انسان کی تمام پریشانیوں، مصیبتوں اور الجھنوں کا تذکرہ کیا جائے تو کاغذ کے لاکھوں صفحات تنگدامانی کا شکوہ کرنے لگیں، اس دنیا میں آرام و راحت اور لذت نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں، یہ مشقتوں اور الجھنوں کا سمندر ہے، مشاہدہ کر کے دیکھ لیجئے، آج تک کسی دنیا پرست کو اس دنیا میں حقیقی سکون نہ مل سکا، سب لوگ، پریشانیوں، اور الجھنوں کا شکوہ کرتے ہوئے اپنی آرزوؤں، تمناؤں، خواہشوں، اور حسرتوں کی ناکامی کے ساتھ اس دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ مولانا اسعد اللہ صاحب نے خوب کہا ہے کہ۔

عشق بتاں میں اسعد کرتے ہو فکر راحت ☆ دوزخ میں ڈھونڈتے ہو جنت کی خوابگاہیں

مشقتوں اور پریشانیوں کے اس سمندر میں سکون صرف اسی کو مل سکتا ہے جو اس دنیائے فانی سے اپنی

تمام آرزوؤں اور خواہشوں کو منقطع کر کے اللہ سے اپنا رشتہ مضبوط کر لے اور آخرت کی کامیابی کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے، اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ،

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ" ہم نے انسان کو مشقت کیلئے پیدا کیا۔ (سُوْرَةُ الْبَلَد)

تو اس میں یہی حکمت ہے کہ انسان اس مشقت بھری دنیا سے دل نہ لگائے، اس سے اپنی تمام دلچسپیوں کو ختم کر کے جنت سے دل لگائے، جہاں مشقت و تکلیف نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے، جو سراپا راحت اور سراپا لذت ہے۔

یہاں میں اپنی دو نظمیں نقل کر رہا ہوں جن میں کسی حد تک اس دنیا کی تصویر دیکھ سکتے ہیں۔

جھنجھٹ ہی جھنجھٹ ہے

بڑے جھنجھٹ کی دنیا ہے یہاں جھنجھٹ ہی جھنجھٹ ہے
فریب خواب ہستی کی ہر اک ساعت ہی جھنجھٹ ہے
شراب تلخ بھی جھنجھٹ ہے شیریں جام بھی جھنجھٹ
یہاں کلفت بھی جھنجھٹ ہے یہاں راحت بھی جھنجھٹ ہے
عداوت بھی ہے اک جھنجھٹ محبت بھی ہے یاں جھنجھٹ
شب فرقت بھی جھنجھٹ ہے شب قربت بھی جھنجھٹ ہے
سکوں مل ہی نہیں سکتا کبھی دنیائے فانی میں
یہاں غربت بھی جھنجھٹ ہے یہاں دولت بھی جھنجھٹ ہے
بدل جاتی ہے یاں شیریں غذاء سوچو نجاست میں
تو پھر سامانِ خورد و نوش سب جھنجھٹ ہی جھنجھٹ ہے
نظر ان کی جو اہل دل ہیں چھلکے پر نہیں ہوتی
ردیف و قافیہ کا ہو اگر چکر تو جھنجھٹ ہے
ہوئے جنت میں ہم پیدا وہی ہے گھر وطن اپنا
جہاں غم ہی نہیں کوئی نہ الجھن ہے نہ جھنجھٹ ہے
ارے کیا خوب جنت ہے، مقام عیش و عشرت ہے
نہ اکتاہٹ نہ جھنجھلاہٹ نہ گھبراہٹ نہ جھنجھٹ ہے
اگر جھنجھٹ سے بچنا ہو تو رشتہ آخرت سے ہو
اگر دنیا سے رشتہ ہے تو پھر جھنجھٹ ہی جھنجھٹ ہے

یہاں کی صبح بھی جھنجھٹ یہاں کی شام بھی جھنجھٹ
یہاں جینا بھی جھنجھٹ ہے یہاں مرنا بھی جھنجھٹ ہے
پروفیسر ہو کہ بھنگی مقصد پیٹ ہی جب ہے
تو یہ کالج بھی فتنہ ہے یہ علم وفن بھی جھنجھٹ ہے
جنازہ جس سے نکلے گا محل جو منہدم ہوگا
لگانا اس سے دل اپنا حماقت اور جھنجھٹ ہے
اگر مل جائیں کچھ دیوانے اہل دل تو مجلس ہو
خردمندوں کی محفل میں خطاب عام جھنجھٹ ہے
ارے اصلاحیؔ ناداں کھلے گی آنکھ کب تیری
بچا ہے وقت ہی کتنا کہ یہ دنیا کا جھنجھٹ ہے

❁❁

آخرت سے دل لگاؤ ہو اگر جینے کا غم

کھانے کا غم پینے کا غم، بلڈنگ کا غم رہنے کا غم ☆ بیوی کا غم بچوں کا غم آنے کا غم، جانے کا غم
ہائے رے دنیائے غم جس کی خوشی ہے رنج وغم ☆ صبح ہے غم دوپہر ہے رات کے آنے کا غم
فصل گل میں ہر گھڑی اندیشۂ باد خزاں ☆ کلیوں کے کھلنے کا غم پھولوں کے مرجھانے کا غم
کالج میں ہے پڑھنے کا غم داخلہ لینے کا غم ☆ پڑھ کے کچھ ہو، تو غم نوکری پانے کا غم
کیا لکھوں فہرست غم ہر آن غم ہر لحہ غم ☆ تحریر غم تقریر غم لکھنے کا غم پڑھنے کا غم
لیلیٰ کا غم محمل کا غم ناقہ کا غم صحراء کا غم ☆ فرقت کا غم قربت کا غم رونے کا غم ہنسنے کا غم
چلتا پھرتا ہی تو اک مردہ ہے یہ دنیا پرست ☆ آخرت سے دل لگاؤ ہو اگر جینے کا غم
دنیائے رنگ وبو سے کرلے منقطع ہر آرزو ☆ ہو خزاں میں گر بہار جاوداں پانے کا غم
غم کے سارے اژدھوں کو بھی نگل جائے گا وہ ☆ ہاتھ میں قرآن ہے تو کیا بحر غم آنے کا غم
غم کے دواخانے میں مل سکتا نہیں تریاق غم ☆ میخانۂ وحدت میں گر ہو شفاء پانے کا غم

اس ہجوم غم میں بھی بے غم ہے اصلاحیؔ مگر
ہے محبت کا اسے غم یاد ہیں جلنے کا غم

❁❁

اب تفسیر ماجدی، جلد ہفتم تفسیر سُوْرَۃُ الْبَلَدْ کا حاشیہ نمبر ۳ ر پڑھیے

مراد یہ ہے کہ انسان کی ساخت وترکیب ہی ایسی رکھ دی گئی ہے کہ اسے ساری عمر دقتوں کا اور کسی نہ کسی اعتبار سے مصیبتوں ہی کا سامنا رہتا ہے، آج دوکان ٹوٹ گئی کل کاروبار بیٹھ گیا، آج فلاں دشمن ستا رہا ہے کل فلاں مرض نے آدبایا، کبھی خود بیمار کبھی بیوی بچہ بیمار، کبھی اس عزیز کی موت کا صدمہ کبھی اس دوست کی بیوفائی کا رنج، ساری عمر غم وصدمات ہی کے الٹ پھیر میں گذر جاتی ہے، اور انسان کو اپنے عجز وبے بسی کا مشاہدہ قدم قدم پر ہوتا رہتا ہے، اس سے طبیعت میں قدرتاً شکستگی پیدا ہونی چاہیے اور خودی وخود بینی کو تو پاس بھی نہ پھٹکنا چاہیے، لیکن کافر ان سارے واقعات سے مطلق سبق نہیں لیتا۔

مومن کو تو ہر شے میں حکمتِ الٰہی کی جھلک نظر آتی ہے اور ربوبیت مطلقہ پر اعتماد واطمینان رکھ لیتا ہے لیکن کافر کو دماغی الجھن اور قلبی ادھیڑ بن سے کسی حال میں مفر نہیں، اور نہ اس کی حرص وہوس کی آگ کبھی بھی بجھتی ہے۔ (بحوالہ تفسیر سُوْرَۃُ الْبَلَدْ، شیہ نمبر ۳ ر)

۞۞

اقتباس

دنیا کی اس چند روزہ زندگی میں انسان کی تمام پریشانیوں، مصیبتوں اور الجھنوں کا تذکرہ کیا جائے تو کاغذ کے لاکھوں صفحات تنگ دامانی کا شکوہ کرنے لگیں، اس دنیا میں آرام وراحت اور لذت نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں، یہ مشقتوں اور الجھنوں کا سمندر ہے، مشاہدہ کر کے دیکھ لیجیے، آج تک کسی دنیا پرست کو اس دنیا میں حقیقی سکون نہ مل سکا سب لوگ پریشانیوں اور الجھنوں کا شکوہ کرتے ہوئے اپنی آرزوؤں، تمناؤں، خواہشوں، اور حسرتوں کی ناکامی کے ساتھ اس دنیا سے چلے جاتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا سب سے بڑا غم کیا تھا؟

حضور اکرم ﷺ کو سب سے بڑا غم انسانوں کی ہدایت کا تھا، آپ اسی غم کو لئے ہوئے صبح و شام کرتے تھے کہ کیسے لوگوں کو غیروں کی غلامی اور بتوں کی پرستش سے آزاد کر کے اللہ کی بندگی کی طرف لایا جائے اسی غم نے آپ کو دنیا کے ہر عیش و آرام سے بیزار کر دیا تھا، اسی غم نے آپ کے سر کے بالوں کو قبل از وقت سفید کر دیا تھا، دعوت و تبلیغ کے غم کا یہ بوجھ اتنا شدید تھا جس کی تعبیر کیلئے قرآن نے "اِنْقِاضِ ظھر" کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے معنی ہوتے ہیں وہ انتہائی غم جو کمر کو جھکا دے، جس سے آگے کوئی غم نہ ہو۔

طائف میں مقدس خوں ٹپکا مکہ میں کہیں پتھر کھائے
بس ایک تڑپ تھی کیسی تڑپ انسان ہدایت پا جائے

آپ کے اس غم کا اندازہ مندرجہ ذیل روایت سے لگا سکتے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ دن بھر کی تبلیغی جدوجہد اور دشمنوں کی اذیت رسانی سے چور ہو کر رات کو تھکے ماندے گھر واپس آئے، بدن مبارک بخار سے تپ رہا تھا، چند منٹ کیلئے آپ لیٹ گئے اتنے میں اطلاع ملی کہ مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی کے نیچے ایک قافلہ آ کے رکا ہے، یہ سنتے ہی آپ فوراً کھڑے ہوئے تا کہ ان لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا دیں، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ بہت تھکے ہوئے ہیں قافلہ والوں سے کل صبح مل لیں، آپ ﷺ نے فرمایا کیا معلوم صبح تک مجھے موت آجائے یا وہ قافلہ راتوں رات کہیں اور چلا جائے، اور اس صورت میں میرا فرض نامکمل رہ جائے۔

انسانوں کی ہدایت کیلئے آپ کے انتہائی غم کی طرف قرآن مجید میں مختلف آیتوں میں اشارہ کیا گیا ہے۔

سورۃ شعراء میں ہے کہ، لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ" اے پیغمبر شاید آپ ان کافروں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اپنی جان کھو بیٹھیں۔ (سُوْرَۃُ الشُّعَرَاء)

حضور اکرم ﷺ کے اس غم کے بوجھ کو اس طرح ہلکا کیا گیا کہ بہت سے لوگ بت پرستی اور غیر اللہ کی بندگی سے نکل کر حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے اور دن بدن اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا، لیکن پھر بھی آپ کے غم کا یہ بوجھ ہلکا نہیں ہو رہا تھا، کیونکہ دعوت و تبلیغ کے میدان میں ہر طرح کی محنت کرنے کے بعد اب بھی بے شمار لوگ اللہ کی بندگی سے دور تھے، کفر و شرک اور اللہ کی نافرمانی پر جمے ہوئے تھے۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر آپ کو یہ تسلی دی اور آپ کے بوجھ کو ہلکا کیا کہ آپ کا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہے، ہدایت دینا ہمارا کام ہے آپ کا کام نہیں ہے، اس لئے آپ زیادہ غمگین اور افسردہ خاطر نہ ہوں۔

بہر حال اسلام کی دعوت وتبلیغ کیلئے جو تڑپ دل سوزی اور فکر مندی حضور اکرم ﷺ کے دل میں تھی اگر اس کی ایک چنگاری بھی ہم مسلمانوں کے حصہ میں آجائے تو دنیا کی تقدیر بدل جائے، لیکن افسوس ہے کہ علماء ومشائخ اور زیادہ تر مسلمان غیر ضروری کاموں میں الجھے ہوئے ہیں، ان کو دنیا کا ہر غم ہے لیکن وہ غم نہیں ہے جو غم حضور اکرم ﷺ کو ہر لحہ بے چین رکھتا تھا۔

اب تفسیر ماجدی، جلد ہفتم، تفسیر سُوْرَۃ اَلَمْ نَشْرَحْ کا حاشیہ نمبر ۲ پڑھئے۔

وِذْر کے اصل معنی صرف بوجھ اور بار کے ہیں، سو اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سا ایسا عظیم الشان بار آپ پر تھا جس سے آپ اتنا گراں بار ہو رہے تھے، اور قرآن کہتا ہے کہ وہ آپ ﷺ سے دور کر دیا گیا؟ وہ بار صرف ایک ہی ہو سکتا ہے، قبل نبوت اپنی قوم کی حالت پر تاسف وحسرت اور ان کی فلاح واصلاح کی فکر، اس کا توڑ یوں ہوا کہ آپ ﷺ پر راہ ہدایت پوری تفصیلات کے ساتھ واضح کر دی گئی، اور آپ ﷺ کے سپرد خلق کی رہنمائی کر دی گئی، بعد نبوت سب سے بڑی فکر آپ کو تبلیغ احکام اور اس کے نتائج کی رہی قرآن مجید نے اس غم سے بھی آپ کو یہ کہہ کر سبکدوش کر دیا کہ آپ ﷺ پر کسی کے ایمان لانے نہ لانے کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ (بحوالہ، تفسیر سُوْرَۃ اَلَمْ نَشْرَحْ، حاشیہ نمبر ۲)

اقتباس

اسلام کی دعوت وتبلیغ کیلئے جو تڑپ دل سوزی اور فکر مندی حضور اکرم ﷺ کے دل میں تھی اگر اسکی ایک چنگاری بھی ہم مسلمانوں کے حصہ میں آجائے تو دنیا کی تقدیر بدل جائے، لیکن افسوس ہے کہ علماء ومشائخ اور زیادہ تر مسلمان غیر ضروری کاموں میں الجھے ہوئے ہیں، ان کو دنیا کا ہر غم ہے لیکن وہ غم نہیں ہے جو غم حضور اکرم ﷺ کو ہر لحہ بے چین رکھتا تھا۔

وقت کی اہمیت

چندروزہ اس مختصر سی زندگی کا ہر لمحہ بہت قیمتی ہے، کیونکہ انہیں لمحات کے صحیح اور غلط استعمال پر انسان کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار ہے، ان لمحات میں وہ چاہے تو اپنے لئے جنت کی تعمیر کرلے اور اس کو ضائع کر کے چاہے تو اپنے لئے دوزخ میں گھر بنالے، اس زندگی کا حال یہ ہے کہ اس کا ہر لمحہ بے بدل ہے، جب چلا جاتا ہے تو واپس نہیں آتا، جو لمحہ گذرتا ہے وہ انسان کے اعمال کے ساتھ اللہ کے یہاں جمع ہو جاتا ہے۔

پوری انسانی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ جن لوگوں نے اس عمر بے بدل کے لمحات کا صحیح استعمال کیا، اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری میں گذارا، وہ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب رہے، اور جن لوگوں نے وقت کی قدر نہیں کی اس کو ضائع کردیا، یعنی اللہ کی نافرمانی میں اس کو صرف کیا، وہ دنیا اور آخرت دونوں میں ناکام رہے۔

زندگی کا وہی لمحہ قیمتی اور نفع بخش ہے جو اللہ کی یاد اور اللہ کی اطاعت میں گذرے۔

وہی چند لمحے حیات کے مری کائنات حیات تھے
ترے تذکروں میں جو کٹ گئے تری یاد میں جو گذر گئے

ہمارے سلف صالحین کے نزدیک وقت کی کتنی اہمیت تھی اسکا اندازہ مندرجہ ذیل واقعات سے لگا سکتے ہیں۔

امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس ''سُوْرَةُ الْعَصْر'' کے علاوہ اور کچھ نازل نہ کرتا تو بھی یہ سورہ سب کیلئے کافی تھی، اس سورہ کی اسی اہمیت اور جامعیت کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کا معمول تھا کہ جب بھی ان میں سے دو آدمیوں میں ملاقات ہو جاتی تو اس وقت تک وہ جدا نہ ہوتے تھے جبتک ایک دوسرے کو ''سُوْرَةُ الْعَصْر'' نہ سنالیں، پھر ان میں سے ایک دوسرے کو سلام کہتا تھا۔ (بحوالہ، بیہقی)

حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے صحابہ کرامؓ کو پایا کہ وہ درہم و دینار سے زیادہ اپنی عمر کے لمحات اور اوقات کے حریص تھے۔

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں کسی بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ، انہوں نے فرمایا کہ، میں نے ''سُوْرَةُ الْعَصْر'' کا مطلب ایک برف بیچنے والے سے سیکھا، جو صدا لگارہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ رحم کرو اس آدمی پر جس کا سرمایہ پگھلا جارہا ہے، رحم کرو اس آدمی پر جس کا سرمایہ پگھلا جارہا ہے، پس برف بیچنے والے کی اس صدا کو سن کر میں نے کہا کہ یہی معنی اس آیت، وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (زمانہ شاہد ہے کہ انسان گھاٹے میں ہے) کا ہے، یعنی زمانہ گذرتا جارہا ہے عمر بھی اس کے ساتھ ختم ہوتی جارہی ہے انسان اگر کچھ حاصل نہیں کرتا اپنا وقت ضائع کردیتا ہے تو وہ اپنی زندگی کا قیمتی سرمایہ ضائع کررہا ہے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد ہفتم، تفسیر سُوْرَۃُ الْعَصْر کا کچھ حصہ پڑھئے۔

اَلْعَصْرِ، زمانہ جو ہر لحہ انتہائی سرعت کے ساتھ گذرتا چلا جاتا ہے، وہی تو وہ ظرف ہے جس کے اندر انسان سب ہی کچھ کرتا رہتا ہے، اور سب ہی کچھ رنج وحرمان، نقصان وخسران، بھی اسی میں اس پر واقع ہوکر رہتا ہے، عمر انسانی کے لحات دیکھتے دیکھتے کس تیزی سے گذر جاتے ہیں اور انسان خالی ہاتھ رہ جاتا ہے، اسی کو گواہ کر کے قرآن مجید کہتا ہے کہ کافر انسان بھی کیا بدقسمت اور حرماں نصیب ہے۔

وقت کی پوری قدر کرنا، عمر کے ایک ایک لحظہ اور پل کا حساب رکھنا کہ اس سب کا سوال ہوگا، اسلام کی اہم تعلیمات میں سے ہے۔

خسران ومحرومی تو منکروں اور کافروں کے حصہ میں آئی ہے، جنہوں نے وقت کی قدر نہ پہچانی اور ساری فرصت عمر برباد کردی، نہ کہ ان لوگوں کے جنہوں نے اپنی عمریں قانونِ الٰہی کے مطابق بسر کیں۔

(بحوالہ، تفسیر سُوْرَۃُ الْعَصْر کے حاشیہ کا کچھ حصہ)

اقتباس

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں کسی بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ، انہوں نے فرمایا کہ، میں نے ''سُوْرَۃُ الْعَصْر'' کا مطلب ایک برف بیچنے والے سے سیکھا، جو صدا لگا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ رحم کرو اس آدمی پر جس کا سرمایہ پگھلا جا رہا ہے، رحم کرو اس آدمی پر جس کا سرمایہ پگھلا جا رہا ہے، پس برف بیچنے والے کی اس صدا کو سن کر میں نے کہا کہ یہی معنی اس آیت، وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (زمانہ شاہد ہے کہ انسان گھاٹے میں ہے) کا ہے، یعنی زمانہ گذرتا جا رہا ہے عمر بھی اس کے ساتھ ختم ہوتی جا رہی ہے انسان اگر کچھ حاصل نہیں کرتا اپنا وقت ضائع کر دیتا ہے تو وہ اپنی زندگی کا قیمتی سرمایہ ضائع کر رہا ہے۔

ایمان اور کفر کے درمیان کوئی مصالحت نہیں

ہمیشہ سے اسلام دشمن طاقتوں اور باطل پرستوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ حق کے مقابلے میں جب ان کے تمام حربے ناکام ہوجاتے ہیں اور اہل حق کے پائے استقامت کو جنبش نہیں دے پاتے ہیں تو نرمی، رواداری، مصالحت اور صلح کل کی بات کرنے لگتے ہیں، تاکہ اسکے ذریعہ باطل کے خلاف اہل حق کی زبان کو بند کردیا جائے، لیکن اہل حق نے ہمیشہ دین کے معاملے میں ہر طرح کی نرمی، مداہنت، مذہبی رواداری اور صلح کل کی پالیسی کو رد کردیا ہے کیونکہ روشنی وتاریکی حق وباطل اور توحید وشرک کے درمیان کبھی مصالحت نہیں ہوسکتی، حق ہمیشہ باطل کے خلاف آواز بلند کرتا رہے گا۔

مکہ کے کافروں اور مشرکوں نے بھی کفر وایمان اور توحید وشرک میں مصالحت کی کوشش کی تھی، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ:

قریش کے لوگوں نے کہا اے محمد (ﷺ) ہم تم کو اتنا مال دیں گے کہ تم مکہ میں سب سے زیادہ مالدار ہوجاؤ گے، اور جس عورت سے بھی تم چاہو گے ہم تمہارے نکاح کردیں گے، اور ہم تمہارے پیچھے پیچھے چلیں گے، لیکن ہمارے خداؤں اور بتوں کے خلاف کوئی تبصرہ اور تنقید نہ کرو، اگر تم ایسا نہیں کرسکتے تو ہم تمہارے سامنے ایک سمجھوتہ کی بات پیش کرتے ہیں، جو ہم دونوں کیلئے بہتر ہوگا، وہ یہ کہ ایک سال تم ہمارے خداؤں کی عبادت کرو اور ایک سال ہم تمہارے خدا کی عبادت کریں، کافروں کی اس باطل پیشکش کے موقع پر یہ سورہ نازل ہوئی۔ (بحوالہ قرطبی)

حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول بھی منقول ہے کہ مکہ کے کافروں نے باہمی سمجھوتہ کیلئے یہ صورت بھی پیش کی تھی کہ آپ ہمارے بتوں میں سے کسی بت کو صرف ہاتھ لگادیں، تو بھی ہم آپ کی تصدیق کرنے لگیں گے اس پر جبرئیلؑ سورہ کافرون، لے کر نازل ہوئے۔

آج موجودہ دور میں "صلح کل" مذہبی رواداری کی آواز بہت زوروشور سے اٹھائی جارہی ہے اور عالمی پیمانے پر اس مذہبی رواداری کا پرچار کیا جارہا ہے، "صلح کل" اور مذہبی رواداری کے اسی رنگین فلسفہ کے ذریعہ آج شیطان نے مسلمانوں کو توحید کی علانیہ دعوت سے روک رکھا ہے، افسوس ہے کہ ہندوستان میں بہت سے سیاسی قائد، لیڈر، دانشور، مسلمان اور دیگر بہت سے لوگ بھی صلح کل اور مذہبی رواداری کے شیطانی جال میں پھنس کر حلقۂ اسلام سے نکل جاتے ہیں، اسلام میں "با برہمن رام رام اور با مسلمان اللہ اللہ" کا کوئی منافقانہ فارمولہ نہیں ہے، یہ قائد اور دانشور مادی مصلحتوں اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے پیش نظر مزاروں پر اور سادھیوں پر پھول مالا اور چادر چڑھاتے ہیں اور اپنے کو مسلمان بھی کہتے ہیں۔ "باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی"

باطل مذاہب میں تو یہ نظریہ چل سکتا ہے، لیکن دین توحید میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کسی بھی طرح کی ملاوٹ کو اسلام برداشت نہیں کر سکتا، اسلام کا مزاج بہت لطیف اور نازک ہے، اگر دعویٰ اسلام کے بعد اس میں ذرا سا بھی ملاوٹ کرنے کی کوشش کی گئی تو اسلام رخصت ہو جائے گا، صرف اپنے تئیں آپ مسلمان سمجھیں گے لیکن اسلام کی روح آپ کے اندر باقی نہیں رہے گی۔

اسی طرح یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اسلام صرف نماز روزہ اور حج وعمرہ کا نام نہیں ہے اس کا تعلق زندگی کے تمام شعبوں اور معاملات سے ہے مسلمان ہونے کے بعد آپ اپنی مرضی سے ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتے، اگر آپ اسلامی لباس اور اسلامی شعار کو نظر انداز کر کے یہودیوں، عیسائیوں کافروں، مشرکوں، ملحدوں اور مغربی تہذیب کے عاشقوں اور غلاموں کا لباس پہنتے ہیں اور ان کا شعار اختیار کرتے ہیں، تو اس کا مطلب ہے کہ ان سے مشابہت اختیار کرنے کی وجہ سے آپ کا شمار بھی انہیں لوگوں میں ہوگا۔

اگر آپ مسلمان ہیں تو آپ کا لباس بھی اسلامی ہونا چاہئے، اگر کہیں مذہبی رواداری کے نام پر آپ کو غیر اسلامی لباس اور غیر اسلامی شکل وصورت اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے تو اسلامی غیرت کا تقاضا ہے کہ آپ صاف صاف کہہ دیں کہ اے کافرو، مشرکو، یہودیو، اور نصرانیو، تمہاری ٹائی تمہارا پینٹ تمہارے لئے ہے، اور ہمارا اسلامی لباس اور اسلامی شعار ہمارے لئے ہے، جس طرح نماز ہمارے لئے فرض ہے اسی طرح اسلامی لباس بھی واجب ہے، اسلامی شعار اور غیر اسلامی شعار، لباس اور رسم ورواج میں بھی کوئی مصالحت نہیں ہو سکتی ''آج ہولی ملن، عید ملن'' کی مروجہ شکلیں بھی اسی صلح کل کی غیر اسلامی پالیسی کی ایک صورت ہے۔

اسی طرح ہندوستان کی بعض مسلم جماعتوں کا یہ نعرہ ہے کہ ''ہندو مسلم ساتھ چلے گا، ایکتا کا راج چلے گا'' یہ بھی مذہبی رواداری اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے نام پر حق وباطل کے درمیان مصالحت کا شیطانی فارمولہ ہے، کافر اور مسلمان ایک ساتھ نہ کبھی چلے ہیں نہ چل سکتے ہیں، توحید اور شرک کا ''ایکتا راج'' کسی بھی اسلامی دور میں نہیں چلا ہے یہ صرف نام نہاد مسلمانوں کا منافقانہ نعرہ ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، صلح کل اور مذہبی رواداری کی پالیسی اور منافقانہ روش اختیار کرنے والوں ہی سے مولانا محمد احمد صاحبؒ نے یہ خطاب کیا ہے کہ:۔

پاس باطل کے چلا جا حق سے کرہے ہوئے ظن
تیرے جانے سے نہ سونی ہوگی ان کی انجمن
ہو کے مومن تو نے سیکھا ہے منافق کا چلن
چاہتا ہے خوش رہیں سب تجھ سے شیخ و برہمن

اب تفسیر ماجدی جلد ہفتم تفسیر سُوْرَۃُ الْکَافِرُوْن کا حاشیہ نمبر ا ر پڑھئے۔

یعنی دین اسلام اور ملت شرک کے درمیان کی کوئی صورت ممکن نہیں دونوں راہیں بالکل الگ الگ ہیں "یٰاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ" (اے وہ لوگو، جو ملت کفر پر قائم ہو) یہ خطاب ان کافروں سے ہے جو کفرو ایمان جاہلیت واسلام کے طریقوں کو ملا جلا کر کوئی نیا دین اپنی تجویز سے قائم کرنا چاہتا تھے، مثلاً یہ کہ ایک سال تعلیم وتبلیغ خالص توحید کی ہو اور دوسرے سال مورتی پوجا کی، یہ کوششیں عرب اور اس دور کے عرب کے ساتھ محدود ومخصوص نہ تھیں، بارہا یہ کوششیں ہو چکی ہیں اور اب بھی جاری ہیں کہ کفرو اسلام شرک و توحید کو ملا کر ایک کر دیا جائے اکبر کا "دین الٰہی" اسی کوشش کا ایک نمونہ تھا اور عین اس وقت تو یہ کوششیں کہیں زیادہ زور وقوت واثر کے ساتھ جاری ہیں۔ (بحوالہ تفسیر سُوْرَۃُ الْکَافِرُوْن، حاشیہ نمبر ۱)

❁❁

اقتباس

اگر آپ مسلمان ہیں تو آپ کا لباس بھی اسلامی ہونا چاہئے، اگر کہیں مذہبی رواداری کے نام پر آپ کو غیر اسلامی لباس اور غیر اسلامی شکل وصورت اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے تو اسلامی غیرت کا تقاضا ہے کہ آپ صاف صاف کہہ دیں کہ اے کافرو، مشرکو، یہودیو، اور نصرانیو، تمہاری ٹائی تمہارا پینٹ تمہارے لئے ہے، اور ہمارا اسلامی لباس اور اسلامی شعار ہمارے لئے ہے، جس طرح نماز ہمارے لئے فرض ہے اسی طرح اسلامی لباس بھی واجب ہے، اسلامی شعار اور غیر اسلامی شعار ملباس اور رسم ورواج میں بھی کوئی مصالحت نہیں ہوسکتی "آج ہولی ملن، عید ملن" کی مروجہ شکلیں بھی اسی صلح کل کی غیر اسلامی پالیسی کی ایک صورت ہے۔

فتح وغلبہ کے موقع پر جشن کے بجائے حمد وتسبیح واستغفار کی تعلیم

مظلومیت کے دور سے جب اسلامی تاریخ غلبہ وفتح مندی کے دور میں داخل ہوئی، لوگ جوق در جوق حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے، اسلام کا دائرہ وسیع ہونے لگا، کفر کی کمر ٹوٹ گئی، اہل حق کے سامنے اسلام کے دشمن سرنگوں ہوگئے، تو اس سے بڑھ کر کیا کوئی خوشی ہوسکتی ہے، لیکن اس انتہائی خوشی کے موقع پر بھی تعلیم دی جارہی ہے کہ اللہ کی حمد وتسبیح بیان کی جائے اور اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں پر اللہ تعالیٰ کے سامنے استغفار کیا جائے۔

خوشی منانے کا ایک طریقہ تو جاہلوں، مشرکوں اور دنیا پرستوں کا ہے کہ وہ خوب چراغاں کرتے ہیں، رقص وسرود کی مجلسیں جماتے ہیں، اچھلتے ہیں، کودتے ہیں، پٹاخے چھوڑتے ہیں، اس کے مقابلے میں آخرت پر ایمان رکھنے والوں کا حال یہ ہوتا کہ خوشی کے موقع پر وہ اور بھی زیادہ تواضع وخاکساری کا مظاہرہ کرتے ہیں، ان کے دل میں جذبہ شکر کا جو طوفان اٹھتا ہے وہ حمد وتسبیح اور استغفار کی شکل میں ان کی زبان سے ظاہر ہونے لگتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں۔

افسوس ہے کہ جاہلوں اور دنیا پرستوں کی طرح خوشی کے مواقع پر مسلمان بھی جشن منانے لگے ہیں، اور خوب خوب اس میں فضول خرچی کا مظاہرہ کرتے ہیں، اور اسلامی مدرسوں اور اداروں میں بھی جشن منانے کا رواج بڑھتا جارہا ہے، سلور جوبلی اور گولڈن جوبلی وغیرہ، تفریحی انداز میں مناتے ہیں، شاندار شامیانے لگاتے ہیں، بجلی کے بے شمار قمقمے روشن کرتے ہیں، شاندار اسٹیج سجاتے ہیں، ڈرامے وغیرہ کھیلتے ہیں، چندہ کرکے فضول خرچی کرتے ہیں اور شاندار بھیڑ اکٹھا کرکے سمجھتے ہیں کہ شاندار کامیابی حاصل ہوگئی، گولڈن جوبلی یا جشن زریں وغیرہ منانے کا رواج عہد رسالت عہد صحابہؓ اور عہد تابعینؒ میں نہیں تھا، یہ موجودہ دور کی بدعت ہے، جس کو علماء کے ذریعہ فروغ مل رہا ہے، بعض مسلم ملکوں میں جس انداز سے مسلمان جشن مناتے ہیں اس کو دیکھ کر شیطان کے حلقوں میں بھی خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہوگی، کیونکہ جشن منانے والے یہ مسلمان اللہ کی نعمتوں کا غلط استعمال کرکے شیطان کے مددگار بنتے ہیں، ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر مسلم ملک کویت کے جشن زریں کی مسرفانہ تقریب کی خبر پڑھئے۔

کویت سٹی، (ایجنسیاں) خلیجی ریاست کویت میں ملکی آئین کے پچاس برس مکمل ہوگئے، کویت سٹی میں لیزر لائٹس اور آتش بازی کی شاندار تقریب نے عالمی ریکارڈ بنادیا، سمندر کے کنارے عربین گلف پر شو سجایا گیا، ایک گھنٹہ تک جاری رہنے والے شو میں لیزر لائٹس کے ساتھ آتش بازی کی گئی ستتر ہزار دو سو بیاسی فائر ورکس کے استعمال سے نیا عالمی ریکارڈ بن گیا، فائر ورکس شو پر پندرہ ملین ڈالر کے برابر لاگت آئی۔ (بحوالہ، روزنامہ راشٹریہ سہارا، لکھنؤ ۱۲ر نومبر ۲۰۱۲ء دوشنبہ)

عہد فاروقی میں دنیا کے سپر پاور ملک فارس کا فتح ہونا اور کسریٰ کا زریں تاج مسلمانوں کے قبضہ میں آنا معمولی خوشی کی بات نہیں تھی، لیکن فتح و غلبہ کی اس خوشی کے موقع پر حضرت عمر فاروقؓ کے دل کی کیا کیفیت تھی اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے لگا سکتے ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں جب فارس فتح ہوا اور کسریٰ کا تاج مدینہ منورہ پہنچا تو مدینہ کی گلیوں میں شور مچ گیا اور مسلمان انتہائی حد تک خوش ہوئے، لیکن روایتوں میں آتا ہے کہ اس تاج کی اتنی ناقدری کی گئی کہ وہ مدینہ کی گلیوں میں فٹ بال کی طرح لوگوں کے قدموں میں لڑھک رہا تھا اور لوگ بطور مذاق ایک دوسرے کے سر پر ڈالنے کی کوشش کرتے تھے لیکن کوئی شخص اس قیمتی تاج کو اپنے سر پر رکھنے کیلئے تیار نہ ہوتا تھا، اس وقت حضرت عمر فاروقؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

صحابہ کرامؓ بہت حیران ہوئے کہ یہ کون سا رونے کا مقام ہے یہ تو خوشی اور فتح کا دن ہے، آج کے دن رونا ایک عجیب بات ہے، آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟

تو حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ میں دنیا کی بے ثباتی اور مال کی بے وقعتی پر رو رہا ہوں کہ یہی لوگ جو اس مال کے بھروسہ پر اللہ کو بھول بیٹھے اور اسی مال پر تکیہ کرنے لگے، لیکن یہ مال مصیبت کے وقت ان کے کچھ کام نہ آیا، مجھے ڈر ہے کہ کہیں مسلمان بھی اسی طرح اس مال پر بھروسہ کر کے اللہ کو نہ بھلا بیٹھیں ورنہ ان کا حشر بھی اسی طرح ہوگا۔

سُوْرَةُ النَّصر، جس میں مسلمانوں کو نصرت خداوندی اور فتح و غلبہ کی بشارت دی گئی ہے اس کے نزول کے بعد حضور اکرم ﷺ کا کیا حال تھا، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل روایت سے لگایئے،

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ، اِجْتَهَدَ النَّبِيُّ ﷺ بَعْدَ نُزُوْلِهَا حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ وَنَحِلَ جِسْمُهٗ وَقَلَّ تَبَسُّمُهٗ وَ كَثُرَ بُكَاءُهٗ" اس آیت کے نزول کے بعد رسول ﷺ نماز و استغفار میں محنت کرنے لگے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے قدم متورم ہو جاتے تھے، آپ کا جسم کمزور ہو گیا، آپ ﷺ کی ہنسی کم ہو گئی اور بہت زیادہ اشکبار رہنے لگے۔ (بحوالہ، قرطبی)

اب تفسیر ماجدی، جلد ہفتم، تفسیر سُوْرَةُ النَّصر، کا حاشیہ نمبر ۲ / پڑھئے۔

انتہائی فتح مندیوں، کامیابیوں، کامرانیوں، کے وقت ارشاد یہ نہیں ہوتا کہ جشن دھوم دھام سے منانا، جلوس نکالنا، نقارے بجانا چراغاں کرنا، زندہ باد کے نعرے لگانا، (دنیا تو فتح مندی کے انہی جشنوں جلوسوں سے واقف ہے) بلکہ حکم یہ ملتا ہے کہ اللہ کی یاد کی منزلیں طے کرنے کے بعد حمد و تسبیح و استغفار میں اور زیادہ لگ جایئے۔ (بحوالہ، تفسیر سُوْرَةُ النَّصر، حاشیہ نمبر ۲)

دنیا کی مضرتوں سے بچنے کیلئے اللہ کی پناہ میں آجایئے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ① مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ② وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ③ وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِى الۡعُقَدِ ④ وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ⑤ آپ کہہ دیجئے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں تمام مخلوقات کے شر سے، اور اندھیری رات کے شر سے جب رات آجائے، اور گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے، اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے۔ (سورة الفلق)

دن کے خطرات ہوں، رات کے خطرات ہوں، سفلی عمل کرنیوالے جادوگروں کے خطرات ہوں، حسد کرنے والوں کی حاسدانہ کارروائیوں کے خطرات ہوں، ان سارے خطرات سے بچنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنا ضروری ہے، اللہ کی پناہ کے بغیر انسانی جناتی حیوانی نباتاتی جماداتی کسی بھی قسم کے خطرہ سے انسان محفوظ نہیں رہ سکتا۔

حضرت عبداللہ ابن حبیبؓ سے روایت ہے کہ ایک رات بارش ہوئی سخت اندھیرا تھا ہم رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرنے کیلئے نکلے، جب آپ ﷺ کو پالیا تو آپ نے کہا کہ کہو، میں نے عرض کیا کہ کہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کہو، قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَالۡمُعَوِّذَتَيۡنِ حِيۡنَ تُمۡسِىۡ وَحِيۡنَ تُصۡبِحُ ثَلٰثًا يَكۡفِيۡكَ كُلَّ شَىۡءٍ" یعنی: قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور مُعَوِّذَتَيۡنِ پڑھو، جب شام ہو اور جب صبح ہو، تین مرتبہ، یہ تمہارے لئے ہر تکلیف سے امان ہے۔ (بحوالہ ترمذی، ابوداؤد)

امام رازیؒ نے معوذتین کی تفسیر میں خوب لکھا ہے کہ، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ سے فرمایا کہ تمہارا دل میرے لئے ہے، تو اس میں دوسرے کی محبت داخل نہ ہونے پائے، تمہاری زبان میرے لئے ہے اس لئے اسکو دوسرے کی خدمت میں مت لگاؤ، اگر کسی چیز کے طالب ہو تو میرے علاوہ کسی سے مت طلب کرو، اگر علم چاہتے ہو تو کہو رَبِّ زِدۡنِىۡ عِلۡمًا (اے میرے رب علم کے لحاظ سے مجھ کو بڑھا دے) اگر دنیا چاہتے ہو تو اللہ سے اس کا فضل مانگو، (اَللّٰهُمَّ اِنِّىۡ اَسۡئَلُكَ مِنۡ فَضۡلِكَ) اگر کسی نقصان کا اندیشہ ہو تو کہو، اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ (میں صبح کے رب کی پناہ چاہتا ہوں) کیونکہ میں ہی تاریکی کا پردہ چاک کر کے صبح کو نکالنے والا ہوں اور میں ہی دانوں اور گٹھلیوں کو پھاڑ کر پودا نکالتا ہوں، یہ سب کچھ میں نے تمہارے لئے کیا ہے، تو کیا میں تم کو آفتوں اور اندیشوں سے نہیں بچاؤں گا۔ (بحوالہ تفسیر فخر رازیؒ)

اب تفسیر ماجدی، جلد ہفتم تفسیر سُوۡرَةُ الۡفَلَقِ کے حاشیہ کا کچھ حصہ پڑھئے۔

یہ سورہ تمام اقسام مضرت سے جو کسی بھی دنیوی سبب سے پیش آسکتی ہو پناہ جوئی و پناہ طلبی کی جامع

ہے، فَلَق سے مراد سپیدۂ فجر ہے، غَاسِق یعنی شدت سے اندھیری رات، شب کی اندھیریوں کے خطرے ایک دو نہیں بہت سے ہیں، چور ڈاکو قاتل وغیرہ عموماً رات ہی میں نکلتے ہیں، جنگلی جانوروں، شیر، چیتا، تیندوا، بھیڑیا، وغیرہ، نیز حشرات الارض سانپ، بچھو، کھوپڑا، ان سب کے خطرے رات میں بڑھ جاتے ہیں، متعدد بیماریوں کے کیڑے، ڈاکٹری تحقیقات کے مطابق اندھیرے ہی میں پرورش پاتے ہیں اور آفتاب کی روشنی میں ہلاک ہوجاتے ہیں، اور تکلیف دہ کیڑے مکوڑوں، مچھر، کھٹل، پشو وغیرہ، کے رات ہی میں نکلنے کا تجربہ تو ہر ایک کو ہے، غرض سفر حضر کی ہر صورت میں رات کے خطرے اور امکانات، مضرت و تکلیف بہت بڑھے ہوئے ہیں۔

دنیوی مخالفتوں اور عداوتوں کی تہ میں عموماً اور اکثر حسد ہی کام کرتا ہوتا ہے، حسد کی کارفرمائیوں سے پناہ چاہنا دنیوی تکالیف کے اسباب میں سے ایک بہت بڑے سبب سے پناہ چاہ لینا ہے۔

(تفسیر سُوْرَةُ الْفَلَق، کے حاشیہ کا کچھ حصہ)

❁ ❁

اقتباس

حضرت عبداللہ ابن حبیبؓ سے روایت ہے کہ ایک رات بارش ہوئی سخت اندھیرا تھا ہم رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرنے کیلئے نکلنے، جب آپ ﷺ کو پالیا تو آپ نے کہا کہ کہو، میں نے عرض کیا کہ کہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کہو، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ حِيْنَ تُمْسِيْ وَحِيْنَ تُصْبِحُ ثَلٰثًا يَكْفِيْكَ كُلَّ شَيْءٍ" یعنی: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور مُعَوِّذَتَيْن پڑھو، جب شام ہو اور جب صبح ہو، تین مرتبہ، یہ تمہارے لئے ہر تکلیف سے امان ہے۔ (بحوالہ، ترمذی، ابوداؤد)

ابلیسی اور انسانی شیطانوں سے اللہ کی پناہ میں آنا

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِكِ النَّاسِ ② اِلٰهِ النَّاسِ ③ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ④ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ⑤ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ⑥ آپ کہہ دیجئے کہ میں انسانوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں، پیچھے ہٹ جانیوالے وسوسے ڈالنے والے (شیطان) کے شر سے (وہی) جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے خواہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔ (سورۃ الناس)

دو قسم کے دشمن ہوتے ہیں، ایک دشمن تو وہ ہے جو انسان کو مادی اور جسمانی نقصان پہنچا سکتا ہے، نقصان پہنچانے والے ان دشمنوں میں انسان بھی ہوتے ہیں اور بہت سے جانور کیڑے مکوڑے صحت کو برباد کرنے والے اور بیماریوں میں مبتلا کرنے والے جراثیم ہوتے ہیں، بہت سے انسان مال چرا لیتے ہیں، ڈاکہ زنی کرتے ہیں خونریزی کرتے ہیں، بہت سے جانور سانپ بچھو انسان کو ڈس لیتے ہیں، مچھر اور کھٹمل بھی انسان کو نقصان پہنچاتے ہیں، یہ سارے دشمن مالی اور جسمانی حیثیت سے نقصان پہنچاتے ہیں، ان کے شر سے بھی حفاظت کا ذریعہ یہی ہے کہ آدمی اللہ کی پناہ میں آجائے، اور صرف ظاہری تدبیروں پر بھروسہ نہ کرے، کیونکہ مخلوقات کے شر سے بچانے کی قدرت اللہ ہی کو حاصل ہے، اللہ تعالیٰ ہی ظالم انسانوں سے کسی کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔

جسمانی اور مادی نقصان پہنچانیوالے دشمنوں کے علاوہ ایک دشمن وہ ہیں جو دینی لحاظ سے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں، انسان کے ایمان وتقویٰ اور اس کی نیکیوں پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ دینی لحاظ سے نقصان پہنچانے والے دشمن، جسمانی ومالی نقصان پہنچانے والوں سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں، یہ دشمن شیطانوں میں سے بھی ہیں اور انسانوں میں سے بھی ہیں، شیطان تو انسان کا ازلی دشمن ہے ہی لیکن انسانوں میں سے جو شیطان کے ایجنٹ ہیں وہ بھی اللہ کے بندوں کو حق سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ابلیسی اور انسانی شیطانوں میں فرق یہ ہے کہ شیطان تو چپکے چپکے خفیہ انداز میں وسوسہ اندازی کرتا ہے اور انسانی شیطان علانیہ کھلے طور پر اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اور ترقی کا سبز باغ دکھا کر گمراہ کرتے ہیں اور اسی راستے پر لے جاتے ہیں جس پر شیطان لے جانا چاہتا ہے، حقیقت ہے کہ جسمانی اور مالی نقصان پہنچانے والے ابلیسی و انسانی اور حیوانی دشمنوں سے زیادہ خطرناک دین کو نقصان پہنچانے والے دشمن ہیں۔

ایک آدمی سہل بن عبداللہؒ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے گھر میں چور داخل ہو گیا اور میرا سارا سامان چرا کے لے گیا تو سہل بن عبداللہؒ نے کہا کہ اللہ کا شکر ادا کرو، کیونکہ، فَلَوْ دَخَلَ اللِّصُّ قَلْبَکَ، وَهُوَ

الشَّیْطَانُ، وَاَفْسَدَ عَلَیْکَ التَّوْحِیْدَ مَاذَا کُنْتَ تَصْنَعُ؟ اگر چور تمہارے دل میں داخل ہو گیا ہوتا یعنی شیطان اور وہ تمہارے عقیدہ توحید میں بگاڑ پیدا کر دیتا تو پھر تم کیا کرتے؟

(بحوالہ، عُدَّۃُ الصَّابِرِیْنَ وَذَخِیْرَۃُ الشَّاکِرِیْنَ، از علامہ ابن قیم جوزیؒ)

شیطان تو خود ہی بہت خطرناک دشمن ہے، اللہ کے بندوں کو گمراہ کرنے کیلئے مستقل سرگرم عمل رہتا ہے، لیکن جب انسانی شیطان بھی اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں تو وہ بہت ہی زیادہ طاقتور ہو جاتا ہے، اس لئے ان دونوں طرح کے دشمنوں سے بچنے کیلئے سوائے اللہ تعالیٰ کی پناہ کے کوئی چارہ نہیں ہے، جہاں اللہ تعالیٰ کی پناہ سے کوئی آدمی نکلا شیطان اچک لے گا اور انسانی شیطان بھی اپنی دلفریب اور منطقیانہ وفلسفیانہ باتوں سے اس کو اپنے رنگین دام شیطانی میں پھنسا لیں گے۔

اس سورہ میں اللہ تعالیٰ کی تین صفتوں کا ذکر ہے، صفت ربوبیت، صفت مالکیت وحاکمیت اور صفت معبودیت اللہ تعالیٰ ہی سب کا خالق اور پروردگار ہے، اس کی صفت ربوبیت ہی کے صدقے ساری مخلوقات کا وجود باقی ہے، اللہ تعالیٰ ہی اپنی قدرت سے سب کی تربیت و پرورش کر کے درجہ کمال تک پہنچاتا ہے، بارش کا نزول ہو، دھوپ ہو، ہوا ہو، زمین سے پیدا ہونے والی مختلف قسم کی غذائیں ہوں، سب اللہ تعالیٰ ہی قدرت کاملہ اور ربوبیت تامہ کا کرشمہ ہے، دنیا میں کسی باغ کا مالک اپنے دشمنوں کے مقابلے میں کمزور بھی ہو سکتا ہے، دشمن اس کو گرفتار بھی کر سکتا ہے، اس کے باغ پر قبضہ بھی کر سکتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے، اس کی پناہ میں آنے والے پر ابلیسی اور انسانی شیطان کا کوئی حملہ کامیاب نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت میں کوئی شریک نہیں ہے، اس لئے تمام دشمنوں سے بچنے کیلئے اسی رب کائنات کی پناہ میں رہنا چاہئے۔

اللہ کی پناہ میں آنے کا مطلب ہے کہ اللہ کی اطاعت پر انسان جما رہے اور اللہ کا ذکر کرتا رہے، اللہ کا ذکر ہی وہ محفوظ قلعہ ہے، جس میں شیطان کو داخل ہونے کی ہمت نہیں ہوتی، اللہ کی صفت مالکیت وحاکمیت کا مطلب ہے کہ ہر چیز اس کی مٹھی میں ہے، اللہ کی مالکیت وحاکیت میں کوئی شریک نہیں ہے، جس کو جو چاہے دے کوئی روک نہیں سکتا جس سے جو چیز چاہے چھین لے کوئی دے نہیں سکتا، جو ہر چیز کا مالک ہے وہی پروردگار ہو سکتا ہے، تو جس اللہ کی مٹھی میں ہر جاندار کی پیشانی ہے، جو شہنشاہ مطلق ہے، جس کی مالکیت اور حاکیت میں کوئی شریک نہیں اسی کی پناہ میں آکر آدمی ہر شر سے محفوظ رہ سکتا ہے، صفت معبودیت کا مطلب ہے کہ جو ساری کائنات کا پروردگار اور مالک مطلق ہے وہی اس کا حقدار ہے کہ اس کی عبادت کی جائے، اس کے علاوہ کوئی بندگی کے لائق نہیں ہے معلوم ہوا کہ اسی پروردگار عالم، مالک مطلق اور معبود برحق کی پناہ میں آکر انسان ہر طرح کے خطرات سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

اس سورہ میں جن دشمنوں کے شر سے اللہ کی پناہ لینے کا حکم دیا گیا ہے ان میں سے ایک شیطان ہے، دوسرے

شیطانوں کے کچھ ایجنٹ انسان ہیں، شیطان کی دو صفتوں کا یہاں ذکر ہوا ہے ایک، وَسْوَاس، دوسرے، خنّاس وسوسہ کے معنی ہوتے ہیں شیطان کا اپنی اطاعت کی طرف ایک مخفی انداز میں بلانا، جس کا مفہوم تو انسان کے دل میں آجائے لیکن کوئی آواز سنائی نہ دے، شیطان اسی خفیہ انداز میں انسانوں کے خیالات کو بدلتا ہے اور اللہ کی اطاعت سے دور کرتا ہے، شیطان کی ایک صفت، خَـنَّـاس ہے جس کے معنی پیچھے لوٹ جانے والا اور لوٹ کر پھر آنے والا، جو موقع کی تلاش میں رہتا ہے، جب انسان کے اندر کوئی کمزوری دیکھتا ہے حملہ کردیتا ہے، اور جب دیکھتا ہے کہ کوئی انسان عصائے ذکر کے ساتھ بیٹھا ہے تو پیچھے ہٹ جاتا ہے، وہ کبھی غافل نہیں ہوتا، آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے کا سلسلہ اس کا جاری رہتا ہے۔

حدیث میں بھی ہے کہ شیطان اپنی وسوسہ اندازیوں سے انسان کو شکار کرنے کیلئے آگے بڑھتا ہے، لیکن جب دیکھتا ہے کہ وہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہے، اللہ سے غافل نہیں ہے تو پیچھے ہٹ جاتا ہے اس لئے اس خطرناک دشمن سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ ہر وقت انسان عصائے ذکر یعنی اللہ کے ذکر کے ہتھیار سے مسلح رہے۔

شیطان تو خفیہ انداز میں حملہ کرتا ہے لیکن انسانوں میں جو شیطان کے ایجنٹ ہوتے ہیں وہ کھلم کھلا اپنی چکنی چپڑی باتوں سے انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتے ہیں اور اس کو اللہ سے دور کرتے ہیں، مثال کے طور پر انسانی شیطان تعلیم نسواں کا پروپیگنڈہ کر کے عورتوں کو گھر کی محفوظ چہار دیواری سے باہر نکال دیتے ہیں، علمی معاشی اور مادی ترقی کے نام پر کالجوں اور یونیورسٹیوں سے اسلامی مدارس کا الحاق کرادیتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

بہرحال انسانی شیطانوں میں خود اپنا نفس بھی شامل ہے، نیز بیوی بچے، عزیز واقارب، سیاسی قائد لیڈر، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے جاہل دانشور بھی ہوسکتے ہیں، اس لئے اپنے دین کو بچانے کیلئے آخرت کی کامیابی کو سامنے رکھتے ہوئے، تمام ابلیسی اور انسانی شیطانوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

اب تفسیر ماجدی، جلد ہفتم، تفسیر سُوْرَۃُ النَّاس کا حاشیہ نمبر ۱/۲/۳ پڑھیے۔

ان تینوں صفات (ربوبیت، مالکیت وحاکیت اور معبودیت) کا مصداق وہی خدائے واحد ہے بِرَبِّ النَّاس، ربوبیت مطلق صرف اسی کیلئے ثابت ہے، اسی سے صفت ربوبیت میں ہر قسم کے شریک کی نفی آگئی، مَلِکِ النَّاس، حاکیت ومالکیت مطلقہ بھی صرف اسی کیلئے ثابت ہے، اس سے صفت حاکیت ومالکیت میں ہر قسم کے شریک کی نفی ہوگئی، اِلٰـهِ النَّاس معبودیت صرف اسی کیلئے ثابت ہے اس سے صفت معبودیت میں ہر قسم کے شریک کی نفی ہوگئی۔

مشرک جاہل قوموں نے عموماً حق تعالیٰ کی انہی تین صفات ربوبیت، مالکیت ومعبودیت میں دوسروں کو شریک ٹھہرایا ہے، قرآن مجید نے یہاں تینوں صفات کو یکجا کر کے جامع تعلیم توحید کی دے دی۔

۲ ہر شر، معصیت کی ابتداء کسی نہ کسی وسوسہ ہی سے ہوتی ہے، وسوسہ دل میں اگر آ کر نکل گیا تو انسان محفوظ رہ گیا، لیکن وہی وسوسہ اگر جم گیا تو انسان کو کسی نہ کسی درجہ کی مضرت دینی میں پھنسا کر یقیناً رہتا ہے، وسوسہ سے پناہ مانگنے کی تعلیم اسی لئے عین حکمت پر مبنی ہے۔

اَلْخَنَّاس، شیطان کا ایک صفاتی نام ہے، یعنی وہ حق تعالیٰ کا ذکر سن کر سکڑنے لگتا ہے۔

اَیْ الشَّیْطَانُ الَّذِیْ یَخْنَسُ اَیْ یَنْقَبِضُ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہ تعالٰی، (راغب)

۳ اس سے معلوم ہوا کہ شیطانی وسوسہ اندازی کا کام جنات بھی کرتے ہیں اور انسان بھی، مِنَ الْجِنَّۃِ، من تبعیض کیلئے ہے، یعنی اس وسوسہ اندازوں میں سے کوئی جن ہوتا ہے اور کوئی انسان، قرآن مجید ہی میں دوسری جگہ، شَیَاطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ، اس معنی میں ہے۔

(بحوالہ، تفسیر سُوْرَۃُ النَّاس، حاشیہ نمبر ۳/۲/۱)

اقتباس

شیطان تو خفیہ انداز میں حملہ کرتا ہے لیکن انسانوں میں جو شیطان کے ایجنٹ ہوتے ہیں وہ کھلم کھلا اپنی چکنی چپڑی باتوں سے انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتے ہیں اور اس کو اللہ سے دور کرتے ہیں، مثال کے طور پر انسانی شیطان تعلیم نسواں کا پروپیگنڈہ کر کے عورتوں کو گھر کی محفوظ چہاردیواری سے باہر نکال دیتے ہیں، علمی معاشی اور مادّی ترقی کے نام پر کالجوں اور یونیورسٹیوں سے اسلامی مدارس کا الحاق کرا دیتے ہیں۔

انسانی شیطانوں میں خود اپنا نفس بھی شامل ہے، نیز بیوی بچے، عزیز و اقارب، سیاسی قائد لیڈر، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے جاہل دانشور بھی ہو سکتے ہیں، اس لئے اپنے دین کو بچانے کیلئے آخرت کی کامیابی کو سامنے رکھتے ہوئے، تمام ابلیسی اور انسانی شیطانوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

اعتراف قصور اور امید مغفرت ورحمت

اے میرے اللہ، میرا کوئی بھی حال تجھ سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے، میرے ظاہر و باطن کو تو جانتا ہے تو نے ستاری کے پردے میں مجھ نالائق ونااہل کو چھپا رکھا ہے، یہ تیرا فضل وکرم ہے، میں جب اپنا احتساب کرتا ہوں تو کانپ جاتا ہوں، میری نظر تیرے فضل پر ہے، اگر تو عدل کا معاملہ کرے تو نجات مشکل ہے، میرے نامہ اعمال میں ایک بھی [illegible] یں ہے جس کو تیرے سامنے پیش کرسکوں۔

اے اللہ، اگر تیری نظر میرے گناہوں پر ہوتی تو یقیناً ایک قطرہ میٹھا پانی بھی نہیں ملتا، گناہوں خطاؤں اور لغزشوں کے باوجود تو [illegible] رہا ہے پلا رہا ہے اور بے شمار نعمتوں سے نواز رہا ہے، اگر تیری نظر گناہوں پر ہوتی تو یہ میٹھا پانی بھی نمکین ہو جاتا، اور جو کچھ ہم کھا رہے ہیں اس کی لذت ختم ہو جاتی۔

اے اللہ، تیرے حبیب ﷺ سے تو کبھی کوئی گناہ بھی نہیں ہوا ہے، پھر بھی پانی پیتے وقت یہ دعاء کرتے تھے کہ،

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَهٗ عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهٖ وَلَمْ یَجْعَلْهُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا" حمد اور تعریف ہے اس اللہ کیلئے جس نے اس پانی کو اپنی رحمت سے شیریں اور مزیدار بنایا اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے اس کو نمکین [illegible] نہیں بنایا۔ (بحوالہ، آداب الصالحین، از عبدالحق محدث دہلویؒ)

اے اللہ، راقم نامہ سیاہ سراپا خطا ہے اس کے پاس نیکیوں کا کوئی ذخیرہ نہیں ہے، بس تیری رحمت پر نظر ہے، اگر نیکی ہوتی بھی تو عدل کے میزان میں اس کی کیا حیثیت ہے؟ کچھ نہیں ہے، کچھ نہیں ہے، بس تیرا فضل ہی مدار نجات ہے، اگر تو نیکیوں کے [illegible] ٹے سکوں کو بھی حشر کے میدان میں نفع بخش سکہ رائج الوقت بنا دے تو یہ تیرا لطف وکرم ہے۔

میں سمجھتا تھا کہ میرے پاس بھی ہیں نیکیاں
ایک بھی نیکی نہ نکلی عدل کے میزان میں

اس لئے اے میرے رحیم وکریم اللہ، تو عدل کے بجائے راقم نامہ سیاہ کے ساتھ فضل کا معاملہ فرما۔

اے اللہ، تیرے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں ہے، اے میرے اللہ، جب میں اپنی زندگی کا جائزہ لیتا ہوں تو ندامت سے سر جھک جاتا ہے، کوئی بھی عمل ایسا نظر نہیں آتا جس کو نیکی کہہ سکوں، جو نیک عمل ہے وہ بھی تیری بارگاہ قدس میں پیش کرنے کے لائق نہیں ہے، اے میرے اللہ، میرے تمام گناہوں کو بخش دے تو ہر چیز پر قادر ہے، نالائقوں پر رحم کرنے والا تو ہی ہے، تو اپنے فضل سے دنیا اور آخرت ہر جگہ اپنی پناہ میں رکھ، نہ دنیا میں شرمندگی ہو، نہ حشر کے میدان میں ذلت ورسوائی کا سامنا ہو۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم ہائے سیاہ کو تیرے عفو بندہ نواز میں

اے اللہ، تو بڑا ہی رحیم وکریم ہے تو اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے اس کا اندازہ لگانا ہی مشکل ہے، اپنے نالائق بندوں کو تو نے اپنی کتاب بے مثال قرآن میں جو تسلی دی ہے اس کو پڑھ کر یقیناً مایوسی کی تمام بدلیاں چھٹ جاتی ہیں، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تاریک گھٹاؤں اور گھرے بادلوں میں سے امید کا چاند اپنی نور افشانیوں کے ساتھ نکل آیا اور گناہوں کی شب تاریک روشن ہوگئی۔

اے اللہ، تو نے فرمایا ہے کہ، قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾ اے پیغمبر آپ (میری طرف سے) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جو اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہیں، اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو، بیشک اللہ سارے گناہوں کو معاف کر دے گا، بیشک وہی بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ (سُوْرَةُ الزُّمَر)

اے اللہ، اس آیت تسلی میں تو نے جو فرمایا ہے وہی معاملہ راقم نامہ سیاہ کے ساتھ بھی فرما، یقیناً میں نے اپنی جان پر بہت زیادتی کی ہے، بیشمار مواقع پر میرے کمزور قدم جادۂ حق سے پھسلے ہیں اور اب بھی پھسلنے کا خطرہ ہے، اے اللہ، میرے قدموں کو پھسلنے سے بچالے، اے اللہ، اس آیت میں تیری طرف سے بلا قید وشرط تمام گناہوں کو بخش دیئے جانے کی بشارت دی گئی ہے، تو اے اللہ، مرے تمام گناہوں کو بخش دے، خواہ ان کا تعلق تیرے حقوق سے ہو یا تیرے بندوں کے حقوق سے ہو۔

اے اللہ، تیری ہی توفیق سے میری زباں پر یہ شعر جاری ہوا ہے، ؎

جانکنی کا قبر کا محشر کا منظر پل صراط
اتنے سارے مرحلے ہیں کتنا گھبراتا ہے دل

اے اللہ، ان تمام مرحلوں کو آسان کر کے میری گھبراہٹ دور فرما دے، اے اللہ، موت کے وقت، قبر سے اٹھتے وقت میں اپنے صالح بندوں سے تیرا جو خطاب قرآن حکیم میں ہے، اس پر تیرے اس نالائق بندے کی بہت نظر رہتی ہے،

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿۳۰﴾ اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار کی طرف چل، اس حال میں کہ تو اللہ سے خوش اور راضی اور اللہ تجھ سے خوش اور راضی، پس تو میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں جا داخل ہو۔ (سُوْرَةُ الْفَجْر)

اے اللہ، میری تحریروں میں بہت سی لغزشیں ہوئی ہوں گی تو میری لغزشوں کو معاف فرمادے اور میری کسی تحریر سے پڑھنے اور سننے والے پر کوئی خراب اثر نہ ہو، میری یہی تمنا اور دعاء ہے کہ تیری توفیق سے جو کچھ بھی میں نے لکھا ہے اس کو پڑھ کر اور سن کر لوگوں کے دلوں تیری محبت کا طوفان آجائے، اے اللہ، یہ کتاب بھی میری تفسیر مواعظ القرآن ہی کا ایک حصہ ہے، اے اللہ تفسیر مواعظ القرآن کو قبول فرمالے اور اس کو پوری دنیا میں عام کردے اور ساتوں آسمانوں میں فرشتوں کے درمیان بھی اس کا چرچا ہو اور حوران بہشت اس کو پڑھنے کیلئے بیقرار ومشتاق ہوں، اے اللہ، اس تفسیر کو ہمارے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی کا ذریعہ بنادے، اے اللہ، میری کوئی تحریر، میرا کوئی بیان، میرے خلاف حجت نہ بنے، اے اللہ مجھ کو اپنی خطاؤں اور لغزشوں کا اعتراف ہے، اے اللہ، اگر میری کوئی تحریر تیری مرضی کے خلاف ہو تو اس کے نقوش کو مٹادے۔

اے اللہ، میرے جن دوستوں نے تیری رضا کیلئے اس نیک کام میں حصہ لیا ہے ان کو دنیا اور آخرت میں اچھا بدلہ دے اور ہم سب کو بغیر حساب جنت میں داخل فرمادے، اے اللہ میرے والدین کیلئے عالم برزخ میں جنت کی کھڑکیاں کھول دے، اے اللہ، ان کے حقوق کی ادائیگی میں مجھ سے جو کوتاہی ہوئی ہے اس کو معاف فرما دے، تیرے جن بندوں کا بھی حق مجھ پر ہے اپنی طرف سے اپنے لطف وکرم سے ان کا حق ادا فرمادے اور آخرت میں میرے خلاف کوئی دعویٰ کرنے والا باقی نہ رہے۔ آمین

اَللّٰهُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِيْ وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰى عِنْدِيْ مِنْ عَمَلِيْ،

رَبِّ اِنِّيْ اَسْرَفْتُ عَلٰى نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ جَمِيْعًا اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ،

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا،

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ تَكَفَّلْ بِرِضَا خُصُوْمِنَا،

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ،

آمين يَارَبَّ الْعٰلَمِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ،

مختار احمد اصلاحی عَفَا اللّٰهُ عَنْهُ وَعَنْ وَالِدَيْهِ

قصبہ، جین پور، اعظم گڈھ، (یوپی)

۲۷ رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۲ ردسمبر ۲۰۱۲ء چہارشنبہ، صبح ۸ ربجے

مولانا مختار احمد اصلاحی صاحب کی دیگر تصانیف

اسماءِ کتب	قیمت
۱۔ تفسیر مواعظ القرآن پارہ عم	150
۲۔ تفسیر مواعظ القرآن جلد اول	150
۳۔ تفسیر مواعظ القرآن جلد دوم	300
۴۔ تفسیر مواعظ القرآن جلد سوم	250
۵۔ تفسیر مواعظ القرآن جلد چہارم	250
۶۔ تفسیر مواعظ القرآن جلد پنجم	275
۷۔ تفسیر مواعظ القرآن جلد ششم	300
۸۔ تفسیر مواعظ القرآن جلد ہفتم	300
۹۔ تفسیر مواعظ القرآن جلد ہشتم	300
۱۰۔ تفسیر مواعظ القرآن جلد نہم	300
۱۱۔ تفسیر مواعظ القرآن جلد دہم	300
۱۲۔ تفسیر مواعظ القرآن گیارہم	300
۱۳۔ سیرت بے مثال	120
۱۴۔ زمزمۂ اصلاحی جلد دوم	100
۱۵۔ نشیب و فراز	150
۱۶۔ ہمارے ابوذر غفاریؓ	60
۱۷۔ سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ	25
۱۸۔ ہر مال کی گارنٹی	5
۱۹۔ شادی کی چند خرافات	25
۲۰۔ اذانِ محبت	40
۲۱۔ نماز کی تصویر نماز کے آئینے میں	40
۲۲۔ سب سے بڑا حادثہ "علماء کا بگاڑ"	100
۲۳۔ کیا آپ کو گناہوں سے الرجی ہے؟	15
۲۴۔ دنیا اور آخرت کی کامیابی کے قیمتی نسخے	60
۲۵۔ حکمت کے موتی	75
۲۶۔ آئینۂ کلام نبوت	70
۲۷۔ قرآن و سنت اور آپ کے مقدمات	25
۲۸۔ آگ آگ	15
۲۹۔ لوگ کیا کہیں گے؟	15
۳۰۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے	20
۳۱۔ مسلمانوں کے مسائل کا حل	25
۳۲۔ فلسفۂ عقیقہ	10
۳۳۔ بیوی بچوں سے خطاب	15
۳۴۔ آخری فلائٹ	18
۳۵۔ مسلم عورتوں سے اصلاحی خطاب	18
۳۶۔ قرآنِ حکیم میں جہنم کے ہولناک مناظر	120
۳۷۔ قرآنِ حکیم اور مسلم نوجوان	20
۳۸۔ قرآنِ حکیم میں دنیا کی تصویر	75
۳۹۔ انسانوں کی اکثریت جہنم کے کنارے	45
۴۰۔ صورِ اسرافیل اور اس کا ہولناک منظر	25
۴۱۔ قرآنِ حکیم میں شیطان کی تصویر	100
۴۲۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اس کے تقاضے	25
۴۳۔ قرآنِ حکیم میں جنت کے دلکش مناظر	45
۴۴۔ یَاَیُّھَا النَّاس، اے لوگو!	35
۴۵۔ اسلامی اورلنگ کی ضرورت ہے	100
۴۶۔ ایک دن اور مل گیا	25
۴۷۔ لَبَّیکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیک	15
۴۸۔ کیا ہندوستان کے مسلمان	25
۴۹۔ حدیثِ جبریلؑ	40
۵۰۔ شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات	80
۵۱۔ پیغامِ اذان	40
۵۲۔ سماجی بائیکاٹ ایک اہم علاج	30
۵۳۔ کُنْ فَیَکُوْن	30
۵۴۔ دعاءِ خلیلؑ	30
۵۵۔ مسلمانوں کی بے غیرتی ایک عظیم حادثہ	25
۵۶۔ اللہ کتنا مہربان ہے	20
۵۹۔ اللہ کو پہچانئے	40
۶۰۔ دوبارہ چانس نہیں ملے گا، کتنا اہم مسئلہ؟	35
۶۱۔ دنیا چاہئے یا آخرت	30
۶۲۔ دنیا میں غریب اور مفلس زیادہ ہیں	25